

حقائق الفقه
بجواب
حقیقۃ الفقه

مرتب

پیرجی سید مشتاق علی شاہ

ناشر

مکتبہ فاروقیہ

8- گونبد گڑھ
گوجرانوالہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حقائق الفقہ

بجواب

حقیقۃ الفقہ



تالیف

پیر جی سید مشتاق علی شاہ صاحب
مہتمم مدرسہ تعلیم القرآن والسنتہ

اس کتاب میں غیر مقلدین کی مشہور کتاب
”حقیقۃ الفقہ“ تالیف مولانا محمد یوسف جے پوری کا جواب دیا گیا ہے اور
امام ابو حنیفہؒ وفقہ حنفی کے بعض مسائل پر کیے گئے اعتراضات کے
جوابات دیئے گئے ہیں نیز ان کے علاوہ بہت اہم مسائل اس کتاب میں آگئے ہیں
اس موضوع پر یہ بہترین کتاب ہے۔

ناشر: مکتبہ فاروقیہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر و مصنف محفوظ ہیں

مضائق الفقہ بحواب حقیقۃ الفقہ

سید محقق علی شاہ

بسم اللہ آرٹ نعمانیہ روڈ گوجرانوالہ

فروری ۱۴۲۷ھ

زاہد بشیر لاہور

نام کتاب:

مرتب:

کمپوزنگ و ڈیزائننگ:

تاریخ طبع اول:

پریس:

قیمت:

ملنے کے پتے

(1) مکتبہ فاروقیہ گوہر گڑھ کالج روڈ گوجرانوالہ۔

(2) مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ۔

(3) مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور۔

(4) مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور۔

(5) مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور۔

(6) مکتبہ شرکت علیہ ملتان۔

(7) ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان۔

(8) کتب خانہ مجید یہ ملتان۔

(9) مکتبہ قاسمیہ بنوری ٹاؤن کراچی۔

(10) کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی۔

(11) مکتبہ امدادیہ ملتان۔

(12) مکتبہ حقانیہ ملتان۔

(13) مکتبہ صدیقیہ حضرو۔

(14) اسلامی کتب خانہ ڈاگامی ایبٹ آباد۔

(15) مکتبہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ منگورہ سوات۔

(16) الجمعۃ اکیڈمی پشاور۔

Www.Ahlehaq.Com

فہرست

تفصیل مضامین

رقم صفحہ

عرض مرتب

باب اول

اعتراض نمبر ۱: امام ابوحنیفہ کو صرف سترہ حدیثیں پہنچی ہیں۔

پہلا جواب

دوسرا جواب

اعتراض نمبر ۲: امام ابوحنیفہ حدیث میں یمیم تھے

جواب

اعتراض نمبر ۳: امام ابوحنیفہ نے حدیث کا علم حاصل نہیں کیا تھا

پہلا جواب

دوسرا جواب

اعتراض نمبر ۴: امام ابوحنیفہ نے علم حدیث حاصل کرنے کے لئے کوئی سفر

نہیں کیا

جواب

اعتراض نمبر ۵: امام ابوحنیفہ کے دور میں احادیث کی تدوین ہی نہیں ہوئی

تھی اس لئے وہ حدیث کے مقابلے میں قیاس زیادہ کرتے تھے

جواب

اعتراض نمبر ۶: امام ابوحنیفہ کو عربی اچھی طرح نہیں آتی تھی

جواب

اعتراض نمبر ۷: امام ابوحنیفہ نے اجماع صحابہ کی مخالفت کی ہے

جواب

۲۴

۳۷

۳۹

۳۹

۴۰

۴۷

۴۷

۴۹

۵۱

۶۶

۶۹

۶۹

۷۱

۷۱

۷۴

۷۴

۷۸

۷۹

رقم صفحہ	تفصیل مضامین
۸۱	اعتراض نمبر ۸: امام ابوحنیفہ کے شاگرد رائے اور قیاس میں بڑی مہارت رکھتے تھے
۸۲	جواب
۸۳	اعتراض نمبر ۹: امام نسائی کے نزدیک امام ابوحنیفہ ضعیف تھے
۸۳	پہلا جواب
۸۵	دوسرا جواب
۸۸	اعتراض نمبر ۱۰: امام ابوحنیفہ ناقص الحافظہ ہیں
۸۸	جواب
۹۰	اعتراض نمبر ۱۱: دارقطنی کے نزدیک امام ابوحنیفہ ضعیف تھے
۹۰	جواب
۹۲	اعتراض نمبر ۱۲: امام ابوحنیفہ حدیث میں قوی نہیں تھے
۹۲	پہلا جواب
۹۶	دوسرا جواب
۱۰۱	اعتراض نمبر ۱۳: امام ابوحنیفہ اور حسن بن عمارہ دونوں ضعیف ہیں
۱۰۱	پہلا جواب
۱۰۵	دوسرا جواب
۱۰۸	اعتراض نمبر ۱۴: امام ابوحنیفہ ضعیف ہیں اور پچاس احادیث میں بھولے ہیں
۱۰۹	اعتراض نمبر ۱۵: امام ابوحنیفہ کا حافظہ ٹھیک نہیں تھا وہ حدیث میں غلطیاں کرتے تھے
۱۰۹	اعتراض نمبر ۱۶: امام ابوحنیفہ نے کل ڈیڑھ سو حدیثیں روایت کی ہیں جن میں سے نصف میں بھول یا غلطی کی ہے
۱۰۹	تینوں اعتراضوں کا اکٹھا جواب ملاحظہ فرمائیں
۱۱۷	اعتراض نمبر ۱۷: امام ابوحنیفہ کو حج کے مسائل کا علم نہیں تھا

تفصیل مضامین	رقم صفحہ
جواب:	۱۱۸
اعتراض نمبر ۱۸: امام ابو حنیفہ سے محدثین نے حدیث نہیں لی	۱۱۹
جواب	۱۲۰
اعتراض ۱۹: ۸۰ اسی محدثین اور فقہاء کے نام جنہوں نے امام ابو حنیفہ پر اعتراض کئے ہیں	۱۲۳
جواب	۱۲۴
اعتراض نمبر ۲۰: امام ابو یوسف کو محدثین نے ترک کرویا تھا	۱۲۲
اعتراض نمبر ۲۱: امام یحییٰ اور ابن مہدی نے امام ابو یوسف کو ترک کر دیا تھا	۱۲۲
جواب	۱۲۲
اعتراض نمبر ۲۲: امام محمد ضعیف ہیں علامہ ذہبی کا حوالہ	۱۲۷
اعتراض نمبر ۲۳: امام محمد ضعیف ہیں امام نسائی کا حوالہ	۱۲۷
جواب	۱۲۸
اعتراض نمبر ۲۴: اسماعیل، حماد، امام ابو حنیفہ تینوں ضعیف ہیں	۱۸۸
جواب	۱۸۹
اعتراض نمبر ۲۵: امام مالک نے کہا جس حدیث کی سند میں ججاز کا راوی نہ ہو اس کا مغز جاتا رہا	۱۹۱
اعتراض نمبر ۲۶: امام شافعی نے کہا جس حدیث کی سند ججاز میں نہ پائی جائے اس کا مغز جاتا رہا	۱۹۱
اعتراض نمبر ۲۷: امام طاؤس نے کہا عراق والا آدمی اگر سو حدیثیں سناوے تو نناوے کو تو چھوڑ ہی دو۔	۱۹۱
اعتراض نمبر ۲۸: امام زہری نے کہا کوفہ والوں کی حدیث میں بہت کدورت ہے	۱۹۲
اعتراض نمبر ۲۹: خطیب بغدادی نے کہا کوفہ والوں کی روایتوں میں بہت کدورت ہے اور صحت و سلامتی کم ہے	۱۹۲

اعتراض نمبر ۳۰: ہشام بن عروہ نے کہا عراق والا آدمی اگر ہزار حدیثیں سنا دے تو نو سو نوے کو تو چھوڑ ہی دو اور جو دس باقی رہیں ان میں بھی شک رکھو۔

۱۹۲

۱۹۲

ان چھ اعتراضوں کا اکھٹا جواب ملاحظہ فرمائیں

۱۹۴

اعتراض نمبر ۳۱: امام احمد بن حنبل نے کہا اہل کوفہ کی حدیث میں نور نہیں ہے

۱۹۴

پہلا جواب

۱۹۷

دوسرا جواب

۱۹۸

نوٹ: کوفہ اور اہل کوفہ کا تعارف

۱۹۸

مولانا عبدالرشید نعمانی کا حوالہ

۲۲۸

مولانا محمد علی صدیقی کا ندھلوی کا حوالہ

۲۵۹

اعتراض نمبر ۳۲: حنفی مذہب میں ولی پیدا نہیں ہوئے اور نہ ہوں گے

۲۵۹

جواب

اعتراض نمبر ۳۳: ریت کے زوروں کے برابر اس شخص پر لعنت ہو جو امام

۲۶۱

ابو حنیفہ کا قول رد کرے

۲۶۲

جواب

اعتراض نمبر ۳۴: امام ابو یوسف اور امام محمد نے بہت سے مسائل میں امام

۲۶۳

ابو حنیفہ سے اختلاف کیا ہے

۲۶۴

جواب

۲۶۴

اعتراض نمبر ۳۵: امام ابو حنیفہ مرجع تھے

۲۶۶

جواب

۲۷۶

مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی غیر مقلد کی طرف سے اس کا جواب

۲۸۹

اعتراض نمبر ۳۶: کعبہ شریف میں چار مصلوں کا ہونا بدعت ہے

۲۸۹

جواب

رقم صفحہ

تفصیل مضامین

۲۹۱

باب دوم

۲۹۳

اعتراض نمبر ۱۔ دبر یا فرج میں انگلی داخل کی خشک نگلی تو روزہ فاسد نہیں

۲۹۳

جواب

۲۹۳

اعتراض نمبر ۲۔ سوئی عورت یا مجنوںہ سے جماع کیا گیا تو روزہ کا کفارہ نہیں

۲۹۳

جواب

اعتراض نمبر ۳۔ جو روزے میں زنا کے ڈر سے جلق لگائے اور منی نکال

۲۹۵

دے تو امید ثواب ہے

۲۹۵

جواب

اعتراض نمبر ۴۔ روزے دار عورت یا مرد سے اغلام کرے تو روزہ کا کفارہ

۲۹۷

نہیں

۲۹۷

جواب

اعتراض نمبر ۵۔ بھیکے کتے کی چھینٹوں سے اور اس کے کاٹنے سے کپڑا

۲۹۷

نا پاک نہیں ہوتا

۲۹۸

جواب

۲۹۹

اعتراض نمبر ۶۔ کتے کے بالوں کا تکیہ بنانے میں مضائقہ نہیں

۲۹۹

جواب

اعتراض نمبر ۷۔ جس عورت کا مرد طلاق رجعی دے چکا ہو اگر نماز میں اس

۲۹۹

کی فرج دیکھے تو نماز فاسد نہیں

۲۹۹

جواب

اعتراض نمبر ۸۔ جس عضو پر نجاست لگی ہو تو وہ تین بار چاٹنے سے پاک ہو

۳۰۰

جاتی ہے

اعتراض نمبر ۹۔ نجاست بھرا کپڑا اس قدر چاٹے کہ نجاست کا اثر جاتا

۳۰۰

رہے تو پاک ہے

۳۰۰

اعتراض نمبر ۱۰۔ چھری پر نجاست لگے تو چاٹنے سے پاک ہو جاتی ہے

رقم صفحہ	تفصیل مضامین
۳۰۰	اعتراض نمبر ۱۱۔ جو انگلی یا پستان ناپاک ہو جائے تو چاٹنے سے پاک ہو جاتا ہے
۳۰۱	جواب
۳۰۲	اعتراض نمبر ۱۲۔ جانور سے جماع کرے اور انزال نہ ہو تو غسل فرض نہیں
۳۰۲	جواب
۳۰۳	اعتراض نمبر ۱۳۔ چوپایہ کے فرج یا ران میں دلی کی اگر انزال نہ ہو تو غسل واجب نہیں
۳۰۳	جواب
۳۰۴	اعتراض نمبر ۱۴۔ سور کی کھال کے سوا ہر جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے
۳۰۴	جواب
۳۱۱	اعتراض نمبر ۱۵۔ نمازی کے جسم پر کتا بیٹھ جائے منہ سے لعاب نہ نکلے تو مضائقہ نہیں
۳۱۱	جواب
۳۲۰	اعتراض نمبر ۱۶۔ سور کی کھال بھی دباغت سے پاک ہو جاتی ہے
۳۲۰	جواب
۳۲۳	اعتراض نمبر ۱۷۔ ابو حنیفہ کے نزدیک سور نجس العین نہیں
۳۲۳	جواب
۳۲۴	اعتراض نمبر ۱۸۔ سور نجس العین نہیں
۳۲۴	اعتراض نمبر ۱۹۔ کتے اور بھیڑیے کی کھال ذبح کرنے سے پاک ہو جاتی ہے
۳۲۵	اعتراض نمبر ۲۰۔ گدھے ذبح ہوئے کی چربی اور گوشت بالاتفاق پاک ہے
۳۲۵	جواب
	اعتراض نمبر ۲۱۔ جو کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے وہ پاک ہو جاتی

ہے ذبح سے

۳۲۷

۳۲۸

جواب:

اعتراض نمبر ۲۲۔ مرد اور جانور کا چمڑا دھوپ یا ہوا میں سکھائے ہوئے پر

۳۲۹

نماز اور اس کے ڈول سے وضو جائز ہے

۳۳۰

اعتراض نمبر ۲۳۔ کتے کی کھال کا ڈول اور جائے نماز بنانا جائز ہے

۳۳۱

جواب

۳۳۲

اعتراض نمبر ۲۴۔ کتاب جس اعمین نہیں ہے

۳۳۳

جواب

اعتراض نمبر ۲۵۔ نبیذ تر یعنی بھیکے ہوئے چھوڑے کا پانی جو شیریں ہو گیا

۳۳۴

ہو تو اس سے وضو جائز ہے

۳۳۵

اعتراض نمبر ۲۶۔ نبیذ تھوڑا پکا ہوا ہو اگر چہ نشہ آور ہو تب بھی وضو جائز ہے

۳۳۶

اعتراض نمبر ۲۷۔ صاف کپڑے پتھر پر تیمم جائز ہے اگر چہ دھلا ہوا ہو

۳۳۷

اعتراض نمبر ۲۸۔ تیمم پڑتال و سرمہ وغیرہ و گندھک سیندھ نمک اور پانی

۳۳۸

سے بنے ہوئے نمک اور کوئلے سے جائز ہے

۳۳۹

جواب

اعتراض نمبر ۲۹۔ نماز جنازہ و عید کے واسطے تیمم کرنا جائز ہے اگر چہ پانی

۳۴۰

موجود ہو

۳۴۱

جواب

اعتراض نمبر ۳۰۔ جب تک نجاست درہم برابر نہ ہو ستر نہ کھولے، اور اگر

۳۴۲

زیادہ ہو تو کھول دے خواہ پردہ ہو یا نہ ہو

۳۴۳

اعتراض نمبر ۳۱۔ جسم دار نجاست (پاخانہ) ایک مشقال (۳ ماشے) تک

۳۴۴

معاف ہے

اعتراض نمبر ۳۲۔ غلیظ نجاست (پاخانہ خون شراب) ایک درہم (۳ ماشے)

۳۴۵

تک معاف ہے

رقم صفحہ	تفصیل مضامین
۳۴۴	جواب اعتراض نمبر ۳۳۔ حرام جانوروں کی بیٹ میں چوتھائی سے کم کپڑا بھر
۳۴۷	جائے تو پاک ہے
۳۴۷	جواب
۳۵۱	اعتراض نمبر ۳۴۔ حرام پرندوں، جانوروں کی بیٹ پاک ہے
۳۵۱	جواب
۳۵۲	اعتراض نمبر ۳۵۔ شروع کرنا نماز کے سوا عربی کے درست ہے اگرچہ عربی جانتا ہو
۳۵۲	اعتراض نمبر ۳۶۔ بجائے اللہ اکبر کے اللہ الاکبر یا اللہ کبیر یا اللہ اکبار یا اللہ الاکبار کہنا جائز ہے
۳۵۲	اعتراض نمبر ۳۷۔ بجائے اللہ اکبر کے الحمد للہ یا تبارک اللہ یا اللہ جل یا اللہ اعظم یا الرحمن اکبر کہے تو جائز ہے
۳۵۲	اعتراض نمبر ۳۸۔ بجائے اللہ اکبر کے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہے تو جائز ہے
۳۵۳	اعتراض نمبر ۳۹۔ اللہ اکبر فارسی میں پڑھے تو بھی جائز ہے
۳۵۳	اعتراض نمبر ۴۰۔ نماز کے سب اذکار اور خطبہ اور ثنا وغیرہ ہر زبان میں درست ہیں
۳۵۳	اعتراض نمبر ۴۱۔ فارسی زبان فائق ہے (گو عربی جانتا ہو)
۳۵۳	اعتراض نمبر ۴۲۔ سب اذکار قرأت کے باوجود عربی جاننے کے غیر زبان میں جائز ہیں
۳۵۳	اعتراض نمبر ۴۳۔ سلام یا جواب سلام اور تکبیر وقت ذبح کے اور قراءت غیر زبان میں جائز ہے
۳۵۳	اعتراض نمبر ۴۴۔ بقدر ضرورت قراءت عربی میں پڑھ کر فارسی میں پڑھے
۳۵۳	تو بلا خوف درست ہے
۳۵۴	جواب

رقم صفحہ	تفصیل مضامین
۳۵۴	اعتراض نمبر ۴۵۔ سجدہ فقط ناک یا فقط پیشانی پر جائز ہے
۳۵۵	جواب
۳۵۵	اعتراض نمبر ۴۶۔ روزہ میں ہاتھ سے منی نکالنے سے روزہ فاسد نہیں
۳۵۶	جواب
۳۵۸	اعتراض نمبر ۴۷۔ مقعد میں جماع (اغلام) کرنے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا
۳۵۸	اعتراض نمبر ۴۸۔ روزے دار عورت یا مرد سے اغلام کرے تو روزہ کا کفارہ نہیں
۳۵۸	جواب
۳۵۸	اعتراض نمبر ۴۹۔ ران وغیرہ میں جماع کرے اور انزال ہو جائے تو روزہ کا کفارہ نہیں
۳۵۸	جواب
۳۵۸	اعتراض نمبر ۵۰۔ جس عورت نے بشہوت مرد کو چھو لیا یا ذکر کو بشہوت دیکھ لیا تو عورت کی ماں مرد پر حرام ہوگی
۳۵۹	جواب
۳۵۹	اعتراض نمبر ۵۱۔ عورت سے وطی کی اس کی فرج و مقعد پھاڑ کر ایک کر دیا تو اس کی ماں اس مرد پر حرام نہیں ہوگی
۳۶۱	جواب
۳۶۲	اعتراض نمبر ۵۲۔ شراب اور سور مہر کے بدلے میں ہو تو نکاح صحیح ہے
۳۶۳	اعتراض نمبر ۵۳۔ حالت کفر میں مہر سور یا شراب سے مقرر ہوا ہو تو مسلمان ہونے کے بعد بھی وہی ادا کرنا ہوگا۔
۳۶۳	جواب
۳۶۳	اعتراض نمبر ۵۴۔ داد یا دادی کی لونڈی سے جماع کرے تو حد نہیں
۳۶۴	جواب

۳۶۵

اعتراض نمبر ۵۵۔ لونڈی رہن ہوا اور وہ اس سے زنا کرے تو حد نہیں

۳۶۵

جواب

۳۶۶

اعتراض نمبر ۵۶۔ بیٹے یا پوتے کی لونڈی سے زنا کرے تو حد نہیں

۳۶۶

جواب

اعتراض نمبر ۵۷۔ جو عورتیں ہمیشہ کے لئے حرام ہیں (ماں بہن بیٹی

۳۶۶

وغیرہ) ان سے نکاح کر کے اور حلال جان کر صحبت کرے تو حد نہیں

۳۶۷

جواب

اعتراض نمبر ۵۸۔ دار الحرب اور دار البغی میں زنا کرے تو حد نہیں اگرچہ

۳۶۷

دار السلام میں آ جائے

۳۶۸

جواب

۳۶۸

اعتراض نمبر ۵۹۔ جو بکری کا بچہ سور کے دودھ سے پالا گیا ہو وہ حلال ہے

۳۶۸

جواب

اعتراض نمبر ۶۰۔ عورت نے عدالت میں جھوٹا دعویٰ کیا کہ میرا نکاح فلاں

۳۷۱

شخص سے ہو گیا اور گواہ گزار دئے اور قاضی نے فیصلہ کر دیا کہ نکاح

ہوا ہے تو وہ حقیقتاً اس کی بیوی بن گئی۔

اعتراض نمبر ۶۱۔ مرد نے جھوٹا دعویٰ عدالت میں کیا کہ یہ میری بیوی ہے

۳۷۱

اور جھوٹے گواہ گزار دئے اور قاضی نے فیصلہ کر دیا تو وہ حقیقتاً اس کی

بیوی ہے

اعتراض نمبر ۶۲۔ عورت نے طلاق کا جھوٹا دعویٰ دائر کیا اور گواہ بھی گزار

۳۷۲

دئے قاضی نے فیصلہ کر دیا تو باوجود کہ عورت جانتی ہے کہ اس پر

طلاق نہیں پڑی تاہم اسے جائز ہے کہ دوسرے سے نکاح کرے اور

اس سے صحبت کرے

۳۷۲

اعتراض نمبر ۶۳۔ جس گواہ نے جھوٹی گواہی دی اسے بھی اس عورت سے

۳۷۲

نکاح کرنا حلال ہے

اعتراض نمبر ۶۴۔ قاضی کا حکم نافذ ہے دنیا میں اللہ کے ہاں اگر جھوٹی گواہی سے ہو

۳۷۲

۳۷۲

جواب:

اعتراض نمبر ۶۵۔ کم عمر لڑکا یا مجنون بالغہ عاقلہ عورت سے وطی کرے تو عورت پر حد نہیں

۳۷۴

۳۷۴

جواب

اعتراض نمبر ۶۶۔ اگر عورت کو خرچ دے کر اس سے زنا کرے تو اس پر بھی حد نہیں

۳۷۴

۳۷۵

جواب

اعتراض نمبر ۶۷۔ مسلمان ذمی کی وکالت سے شراب اور سور کی خرید و فروخت کر سکتا ہے

۳۷۵

۳۷۵

جواب

اعتراض نمبر ۶۸۔ سور کا بال تھوڑے پانی میں گر جائے تو پانی پاک ہے

۳۷۶

۳۷۶

جواب

اعتراض نمبر ۶۹۔ جانور کے ساتھ بد فعلی کرنے سے جب تک انزال نہ ہو غسل لازم نہیں اور نہ وضو ٹوٹتا ہے

۳۷۶

۳۷۷

جواب

اعتراض نمبر ۷۰۔ اسی طرح مردہ عورت سے بد فعلی کرنے سے بغیر انزال کے غسل لازم نہیں اور نہ وضو ٹوٹتا ہے

۳۷۸

۳۷۸

جواب

اعتراض نمبر ۷۱۔ نابالغ لڑکی سے زنا کرنے سے بھی بغیر انزال کے غسل لازم نہیں اور نہ وضو ٹوٹتا ہے

۳۷۸

۳۷۹

جواب

اعتراض نمبر ۷۲۔ حربی کافروں کا مال دار الحرب میں مباح ہے خواہ چوری

سے لے خواہ جوئے بازی سے ہر طرح جائز ہے یہاں تک کہ دارالحرب میں جو مسلمان ہو اس سے بھی سود لے سکتا ہے

۳۸۰

۳۸۰

۳۸۱

۳۸۱

۳۸۲

۳۸۲

۳۸۳

۳۸۳

۳۸۴

۳۸۴

۳۸۵

۳۸۵

۳۸۶

۳۸۶

۳۸۷

۳۸۸

۳۸۹

۳۹۰

۳۹۰

۳۹۰

جواب

اعتراض نمبر ۷۳۔ مردار جانور کی کھال پر قرآن لکھنا جائز ہے

جواب

اعتراض نمبر ۷۴۔ غلام یا لونڈی یا بیوی سے اغلام کرے تو بالا جماع حد نہیں

جواب

اعتراض نمبر ۷۵۔ خود مختار آزاد بادشاہ جو برا کام کرے اس پر حد نہیں اگر قتل کرے تو قصاص ہے

جواب

اعتراض نمبر ۷۶۔ عورت کی شرم گاہ کی رطوبت پاک ہے

جواب

اعتراض نمبر ۷۷۔ اگر کسی باکرہ عورت کے پاس جائے اور اس کا بکر زائل نہ ہو تو بھی غسل نہیں

جواب

اعتراض نمبر ۷۸۔ انسان کی کھال بھی دباغت سے پاک ہو جاتی ہے

جواب

اعتراض نمبر ۷۹۔ کنویں میں کتا گر پڑا اور زندہ نکال لیا گیا اور اس کا منہ پانی تک نہیں پہنچا تو کنویں کا پانی پاک ہے

جواب

اعتراض نمبر ۸۰۔ کتے کے بال خفی مذہب میں بالاتفاق پاک ہیں

جواب

اعتراض نمبر ۸۱۔ پیاسے آدمی کو رخصت ہے کہ شراب پی لے

جواب

رقم صفحہ	تفصیل مضامین
۳۹۱	اعتراض نمبر ۸۲۔ امام اسے بنایا جائے جس کی بیوی زیادہ خوبصورت ہو
۳۹۱	جواب
۳۹۲	اعتراض نمبر ۸۳۔ روزہ دار روزہ کی حالت میں شرمگاہ کے سوا کہیں اور
۳۹۲	مجامعت کرے اور انزال نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا
۳۹۲	جواب
۳۹۳	اعتراض نمبر ۸۴۔ نشہ کی حالت میں کسی نے اپنی بیٹی کا بوسہ لیا تو اس کی
۳۹۳	بیوی اس پر حرام ہوگی
۳۹۳	جواب
۳۹۴	اعتراض نمبر ۸۵۔ ماں بہن بیٹی وغیرہ سے نکاح کیا تو حد نہیں
۳۹۴	اعتراض نمبر ۸۶۔ دوسرے کی نکاحی بیوی سے نکاح کیا اور مجامعت کی تو
۳۹۴	حد نہیں
۳۹۴	اعتراض نمبر ۸۷۔ عدت میں پیشگی عورت سے نکاح کیا پر وطی بھی کی تو حد
۳۹۴	نہیں
۳۹۴	جواب
۳۹۶	اعتراض نمبر ۸۸۔ اغلام کرنے پر حد نہیں
۳۹۶	جواب
۳۹۷	اعتراض نمبر ۸۹۔ آزاد عورت سے زنا کیا پھر کہہ دیا کہ میں نے اسے خریدا
۳۹۷	ہے تو حد نہیں
۳۹۷	جواب
۳۹۸	اعتراض نمبر ۹۰۔ کسی کی لونڈی کو غصب کیا پھر زنا کیا پھر قیمت کا ضامن ہو
۳۹۸	گیا تو حد نہیں
۳۹۸	جواب
۳۹۸	اعتراض نمبر ۹۱۔ گناہ کے کاموں میں مثلاً گانے بجانے، نوحہ کرنے اور
۳۹۸	کھیل تماشا میں بغیر اجرت اور بدلہ لینا مباح ہے

رقم صفحہ	تفصیل مضامین
۳۹۸	جواب
۳۹۹	اعتراض نمبر ۹۲۔ بچی کے ساتھ منہ کالا کرنے پر حد کی چھوٹ
۳۹۹	جواب
۳۹۹	اعتراض نمبر ۹۳۔ سوئے ہوئے مرد سے عورت زنا کرے تو حد کی چھوٹ
۴۰۰	جواب
۴۰۰	اعتراض نمبر ۹۴۔ عورت اور بچے سے غیر وضع فطری فعل کرنے پر حد نہیں
۴۰۰	جواب
۴۰۱	اعتراض نمبر ۹۵۔ خفی نماز کا طریقہ سنت کے خلاف ہے
۴۰۳	جواب
۴۱۹	اعتراض نمبر ۹۶۔ ذمی اگر رسول اللہ ﷺ کو گالی دے تو اس کا عہد نہیں ٹوٹتا
۴۲۰	جواب
۴۲۲	اعتراض نمبر ۹۷۔ تکسیر بند کرنے کے لئے پیشانی پر سورۃ فاتحہ خون اور پیشاب سے لکھنا جائز ہے
۴۲۵	جواب
۴۲۹	اعتراض نمبر ۹۸۔ دباغت کے بعد کتے کی کھال پاک ہو جاتی ہے
۴۲۹	جواب
۴۳۱	اعتراض نمبر ۹۹۔ ہاتھی کا چمڑا بھی دباغت سے پاک ہو جاتا ہے
۴۳۱	جواب
۴۳۱	اعتراض نمبر ۱۰۰۔ اگر بڑے کتے کو بغل میں دبائے ہوئے نماز پڑھے تو نماز فاسد نہ ہوگی
۴۳۱	جواب
۴۳۳	اعتراض نمبر ۱۰۱۔ چوپائے سے بد فعلی کرنے پر حد نہیں
۴۳۳	جواب
۴۳۴	اعتراض نمبر ۱۰۲۔ زنا کے خوف سے مشت زنی کرے تو کچھ وبال نہیں

۴۳۴

جواب

۴۳۴

اعتراض نمبر ۱۰۳۔ چوپائے کے ساتھ برا کام کرے تو روزہ نہیں ٹوٹتا

۴۳۵

جواب

اعتراض نمبر ۱۰۴۔ رکوع و سجود والی نماز میں کھلکھلا کر ہنس پڑا تو وضو ٹوٹ جائے گا

۴۳۶

جواب

۴۳۶

اعتراض نمبر ۱۰۵۔ کتے بھیڑیے گدھے ذبح کرنے سے ان کا گوشت پاک ہو جاتا ہے

۴۳۸

جواب

۴۳۸

اعتراض نمبر ۱۰۶۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھے صرف پہلی رکعت میں پڑھے

۴۴۰

جواب

۴۴۰

اعتراض نمبر ۱۰۷۔ سورۃ فاتحہ پڑھ لی پھر دوسری سورۃ نماز میں پڑھے تو اس سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھے

۴۴۱

جواب

۴۴۱

اعتراض نمبر ۱۰۸۔ رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا فرض نہیں

۴۴۲

اعتراض نمبر ۱۰۹۔ دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا فرض نہیں

۴۴۲

اعتراض نمبر ۱۱۰۔ رکوع سجدہ بھی آرام سے کرنا فرض نہیں

۴۴۲

جواب

۴۴۲

اعتراض نمبر ۱۱۱۔ تشہد کے بعد اگر جان بوجھ کر گوز مارے یا بات چیت کرے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی

۴۴۴

جواب

۴۴۴

اعتراض نمبر ۱۱۲۔ کسی غریب مسکین شخص کو زکوٰۃ کے مال میں سے دو سو درہم یا اس سے زیادہ دینا مکروہ ہے۔

۴۴۵

جواب

۴۴۵

اعتراض نمبر ۱۱۳۔ قربانی کے جانور کا اشعار کرنا مکروہ ہے۔

۴۴۶

جواب

۴۴۶

اعتراض نمبر ۱۱۴۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بائن یا رجعی طلاق دے دی جب تک اس کی عدت نہ گزر جائے وہ مرد اس کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا

۴۴۷

جواب

۴۴۷

اعتراض نمبر ۱۱۵۔ کسی عورت کو زنا کرتے دیکھا اور اس سے نکاح کر لیا تو اس سے ہم بستر ہونا جائز ہے

۴۴۸

جواب

۴۴۹

اعتراض نمبر ۱۱۶۔ زانی کو سنگسار کرنے کے وقت پہلے گواہ سنگ باری شروع کریں اگر وہ نہ کریں تو حد ساقط ہو جائے گی

۴۴۹

جواب

۴۴۹

اعتراض نمبر ۱۱۷۔ کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں پھر اس نے عدت کے اندر زنا کیا یا مال دے کر طلاق بائن دے دی پھر عدت میں زنا کیا یا ام ولد لونڈی کو آزاد کر دیا اور عدت میں زنا کیا یا غلام نے اپنے آقا کی لونڈی سے زنا کیا اگر یہ سب کہہ دیں کہ ہم نے اسے مال جانا تھا تو کسی پر حد نہیں

۴۵۰

جواب

۴۵۰

اعتراض نمبر ۱۱۸۔ کوئی عورت اپنی رضامندی سے کسی دیوانے یا نابالغ لڑکے سے زنا کرے تو نہ اس عورت پر حد ہے اور نہ ہی دیوانے اور نابالغ لڑکے پر

۴۵۱

جواب

۴۵۱

اعتراض نمبر ۱۱۹۔ چور کی چوری، شرابی کی شراب نوشی اور زانی کی زنا کاری

کے گواہوں نے وقوعہ کے کچھ دنوں بعد گواہی دی تو مجرم نہ پکڑا جائے

۴۵۲

جواب

۴۵۲

۴۵۳

اعتراض نمبر ۱۲۰۔ امام اسے بنائیں جس کا سر بڑا اور ذکر چھوٹا ہو

۴۵۳

جواب

اعتراض نمبر ۱۲۱۔ کسی نے ہنسی مذاق میں جھوٹ کہہ دیا کہ میں نے اپنی ساس سے مجامعت کی تو اس کی بیوی اس پر حرام ہوگی

۴۵۴

جواب

۴۵۴

۴۵۵

اعتراض نمبر ۱۲۲۔ چار مہینے سے پہلے حمل گرا دینا مباح ہے

۴۵۵

جواب

اعتراض نمبر ۱۲۳۔ بیس صورتوں میں مرد کو بھی عورت کی طرح عدت گزارنا پڑے گی

۴۵۷

جواب

۴۵۷

اعتراض نمبر ۱۲۴۔ غلام اور آقا کے درمیان سود کے لینے دینے میں کوئی حرج نہیں

۴۵۸

جواب

۴۵۸

۴۵۹

اعتراض نمبر ۱۲۵۔ حربی کافر سے مسلمان سود لے سکتا ہے کوئی حرج نہیں

۴۵۹

جواب

اعتراض نمبر ۱۲۶۔ ریشم اگر جلد سے لگتا ہو تو مرد کے لئے پہننا حرام ہے اگر کسی کپڑے کے اوپر ریشمی کپڑا پہنے تو حرام نہیں

۴۶۰

جواب

۴۶۰

۴۶۱

اعتراض نمبر ۱۲۷۔ زانیہ عورت کی خرچی حلال ہے

۴۶۱

جواب

۴۶۵

اعتراض نمبر ۱۲۸۔ مجرم کو حاکم منحرف ہونے کا مشورہ دے

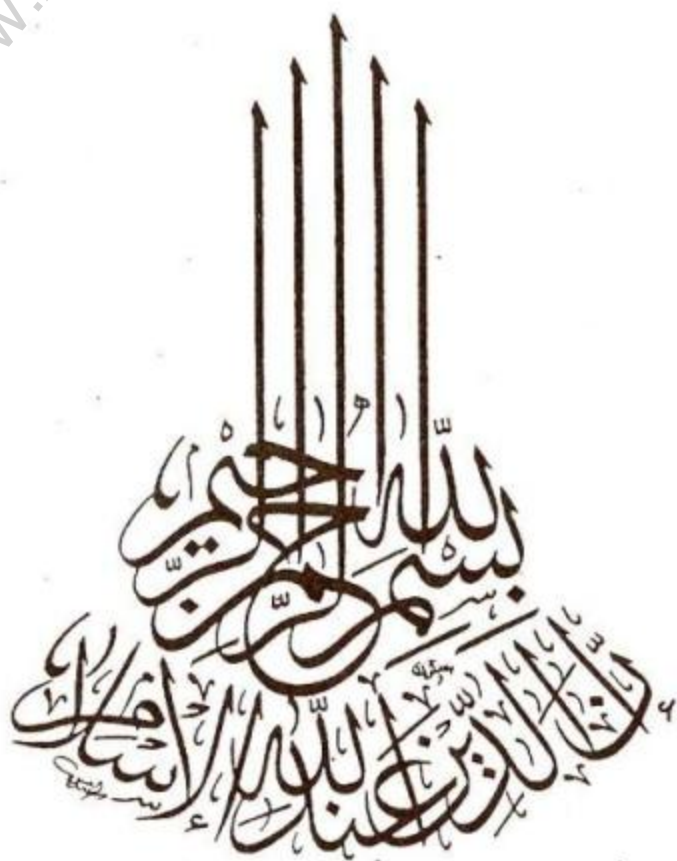
رقم صفحہ	تفصیل مضامین
۴۶۶	اعتراض نمبر ۱۲۹۔ چوری کے اقرار سے منحرف کرنا مستحب ہے
۴۶۶	جواب
۴۶۷	اعتراض نمبر ۱۳۰۔ اقرار کے بعد مجرم بھاگ جائے تو تعاقب ختم
۴۶۷	جواب
۴۶۸	اعتراض نمبر ۱۳۱۔ زانیہ کے انکار سے دونوں پر حد نہیں
۴۶۸	اعتراض نمبر ۱۳۲۔ زانی کے انکار سے دونوں پر حد نہیں
۴۶۸	جواب
	اعتراض نمبر ۱۳۳۔ ایک مرد نے چار مرتبہ اقرار کیا کہ میں نے فلاں عورت سے زنا کیا عورت کہتی ہے اس نے نکاح کیا ہے تو دونوں پر حد نہیں
	عورت نے چار مرتبہ اقرار کیا کہ میں نے فلاں مرد سے زنا کیا ہے
۴۶۸	مرد کہتا ہے میں نے اس سے نکاح کیا ہے تو دونوں پر حد نہیں
۴۶۹	جواب
۴۷۰	اعتراض نمبر ۱۳۴۔ اگر کوئی نکاح متعہ کرے تو حد نہیں
۴۷۰	جواب
	اعتراض نمبر ۱۳۵۔ زنا کے گواہوں میں سے تین گواہ کچھ کہیں اور چوتھا کچھ
۴۷۱	تو حد نہیں
۴۷۱	جواب
	اعتراض نمبر ۱۳۶۔ گواہوں نے زنا کی گواہی دی لیکن وہ عورت کو پہچانتے
۴۷۲	نہ تھے تو اسے حد نہ لگائی جائے
۴۷۲	جواب
۴۷۳	اعتراض نمبر ۱۳۷۔ زنا کے گواہوں میں سے دو کچھ کہیں اور دو کچھ تو حد نہیں
۴۷۳	جواب
۴۷۴	اعتراض نمبر ۱۳۸۔ عقیقہ کرنا مکروہ ہے
۴۷۴	جواب
۵۰۰	اعتراض نمبر ۱۳۹۔ اس قدر شراب پی لینی جائز ہے کہ نشہ نہ کرے
۵۰۱	جواب

رقم صفحہ	تفصیل مضامین
۵۰۲	اعتراض نمبر ۱۴۰۔ شراب کا سرکہ بنانا جائز ہے
۵۰۲	جواب
۵۰۳	اعتراض نمبر ۱۴۱۔ جس نے نماز پڑھی اور اس کی آستین میں سور کے بال
۵۰۳	درہم سے زیادہ ہوں تو نماز ہو جائے گی
۵۰۳	جواب
۵۰۴	اعتراض نمبر ۱۴۲۔ گیہوں شراب میں گرے تو اس کا کھانا خفیوں کے
۵۰۴	نزدیک جائز ہے
۵۰۴	جواب
۵۰۴	اعتراض نمبر ۱۴۳۔ شرابی نے اپنے شراب پینے کا اقرار کیا لیکن اس وقت
۵۰۴	اس کے منہ سے شراب کی بدبو چلی گئی ہے تو حد نہیں
۵۰۴	جواب
۵۰۵	اعتراض نمبر ۱۴۴۔ شرابی نے شراب پی جب اس کے منہ سے بدبو چلی گئی تو
۵۰۵	گواہوں نے گواہی دی تو حد نہیں
۵۰۵	جواب
۵۰۵	اعتراض نمبر ۱۴۵۔ جوشہ لانے والی مباح چیزیں ہیں ان کے استعمال سے
۵۰۵	اگر نشہ آوے تو حد نہیں جیسے بھنگ کا پینا
۵۰۶	جواب
۵۰۶	اعتراض نمبر ۱۴۶۔ حلال جانوروں کے پیشاب سے دوسری نجاست کو دھو
۵۰۶	کر پاک بھی کر سکتے ہیں
۵۰۶	جواب
۵۰۷	اعتراض نمبر ۱۴۷۔ جنت میں بھی وطنی فی الدبر ہوا کرے گی
۵۰۷	جواب
۵۰۷	اعتراض نمبر ۱۴۸۔ خفیوں کے نزدیک وہ روٹی جس کی خمیر میں شراب کی
۵۰۷	میل ڈالی جاتی ہے پاک ہے

رقم صفحہ	تفصیل مضامین
۵۰۸	جواب اعتراض نمبر ۱۳۹: سور کے بال سینے کے واسطے استعمال کرنا جائز ہیں
۵۰۸	جواب: اعتراض نمبر ۱۵۰: ذکر پر کپڑا لپیٹ کر قبل یا دبر میں داخل کیا اگر لذت
۵۱۰	حرارت نہ پائے تو غسل فرض نہیں
۵۱۱	جواب:

Www.Ahlehaq.Com

۲۳
Www.Ahlehaq.Com



Www.Ahlehaq.Com

عرض مرتب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد

ناظرین کرام! غیر مقلدین کی طرف سے آئے دن امام ابو حنیفہؒ اور فقہ حنفی کے خلاف کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور فقہ حنفی کے خلاف لکھنا ان کے ہاں ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں سے چند کتابوں کا تذکرہ ہم یہاں پر کرتے ہیں۔

۱۔ استقصاء الافہام در جواب منتہی الکلام

۲۔ استیفاء الانتقام فی نقض منتہی الکلام

امام ابو حنیفہؒ اور فقہ حنفی کے خلاف ہمارے علم کے مطابق سب سے پہلے ہندوستان میں یہ دو کتابیں لکھی گئیں۔

ان دونوں کتابوں کا مصنف حامد حسین شیعہ لکھنوی ہے۔ مولانا عبدالحی حسنی صاحب نزہۃ النواطر نے اس کے حالات اپنی کتاب میں تحریر کئے ہیں ہم وہاں سے نقل کرتے ہیں اور صرف ترجمہ پر اکتفا کریں گے۔ مولانا لکھتے ہیں

حامد حسین بن محمد قلی بن محمد حسین بن حامد حسین بن زین العابدین موسوی کنٹوری ہندوستان کے مشہور افاضل میں سے ہیں ۴ محرم ۱۲۴۶ھ کو میرٹھ میں پیدا ہوئے ان کے والد (صدر الصدور) صدر مدرس تھے۔ انہوں نے ابتدائی کتب اپنے باپ ہی سے پڑھیں جب پندرہ برس کے ہوئے تو ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ادب مولوی برکت علی سنی اور مفتی عباس لکھنوی سے پڑھا۔ اور علوم عقلیہ (منطق فلسفہ وغیرہ) سید مرتضیٰ (بن مولوی سید محمد) سے حاصل کئے اور علوم شرعیہ کی کتب سید محمد بن دلدار علی اور علی سید حسین سے پڑھیں۔ اکثر

حصہ کی تحصیل علی سید حسین سے کی۔ فراغت کے بعد اپنے باپ کی تالیفات کی ترتیب و تصحیح میں مشغول ہو گئے (اور ساتھ ساتھ) استقصاء الافہام فی الرد علی منتہی الکلام کی تالیف شروع کی جو مولانا حیدر علی فیض آبادی کی کتاب کا رد تھی اور اکمل شوارق النصوص کی تالیف بھی شروع کی اور پھر ۱۲۸۲ھ میں حج و زیارہ کی غرض سے سفر کیا اور وہاں بھی کتب نادرہ سے حرمین میں استفادہ کیا۔ پھر ہند واپس لوٹ آئے پھر مطالعہ و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ نیز کتب نادرہ کے جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا جن میں سے اکثر مولفین کے قلمی نسخے ہیں۔

(جہاں سے جیسے بھی ہو سکتا تھا) اور ان پر زر کثیر خرچ کیا یہاں تک کہ اس کے پاس دس ہزار کتب جمع ہو گئیں۔ ان کتب میں سے وہ کتابیں بھی تھیں جو مصر و شام اور دور دراز علاقوں اور ممالک سے منگوائی گئی تھیں۔ مناظرہ و کلام میں ماہر تھا و وسیع المطالعہ و وسیع معلومات رکھنے والا آدمی تھا۔ قلم کا دھنی تھا اپنے آپ کو کثرت تالیف کی وجہ سے کمزور کر دیا حتیٰ کہ بہت سی امراض لاحق ہو گئیں اور جسم میں کمزوری آ گئی۔

اس کا (محبوب مشغلہ) بڑا شغل اہل السنۃ، اور ان کے علماء اور آئمہ کی تالیفات کا رد تھا۔ جیسے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے بیٹے (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی) اور شیخ حیدر علی فیض آباد (شاگرد شاہ عبدالعزیز) وغیرہ۔

(مولانا حیدر علی کے حالات نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۱۵۴-۱۵۵ تذکرۃ علمائے ہند ص ۵۵ میں ملاحظہ فرمائیں)

تالیفات

۱۔ استقصاء الافہام دو ضخیم جلدوں میں ہے (احقر نے اس کتاب کی جلد اول لاہور میں دار السلفیہ لاہور میں دیکھی ہے)

۲۔ طبقات الانوار ۳۰ حصوں میں۔

۳۔ شوارق النصوص ۵ حصوں میں

۴۔ کشف المعصلات فی حل المشكلات

۵۔ النجم الثاقب فی مسئلۃ الحجاب، فقہ میں

۶۔ الدرر السنیہ فی المکاتب والمنشآت العربیہ

اس کے علاوہ بھی ان کی اور تالیفات ہیں

وفات: ۱۸ صفر ۱۳۰۶ھ کو لکھنؤ میں وفات پائی اور علامہ دلداری علی مجتہد کے

قبرستان حسپیہ میں دفن ہوئے (ماخوذ از نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۹۹)

ناظرین کرام! ہم نے یہ تعارف اس لئے نقل کیا ہے تاکہ آپ کو علم ہو

جائے کہ برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلے امام ابو حنیفہ اور فقہ حنفی کے خلاف

لکھنے والا ایک غالی شیعہ آدمی ہے۔ بعد میں غیر مقلدین نے اس شیعہ سے سرقہ

کر کے امام ابو حنیفہ اور فقہ حنفی کے خلاف کتابیں بنائی ہیں۔ ہماری اس بات کو

غیر مقلد علماء بھی تسلیم کرتے ہیں۔

مولانا محمد حسین بٹالوی غیر مقلد نے مولانا فقیر محمد جہلمی کی کتاب السیف

الصارم المنکر شان الامام الاعظم بر جو ریو یو لکھا ہے اس میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

امام الائمہ ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ پر جو اعتراضات و مطاعن اخبار اہل الذکر (یہ

غیر مقلدین کا اخبار تھا) میں مشتہر کئے گئے ہیں کہ امام عالی مقام مجتہد نہ تھے اور وہ

ان علوم سے جو اجتہاد کے لئے ضروری ہیں جیسے علم حدیث، علم لغت وغیرہ میں

کافی بہرہ نہ رکھتے تھے اور اصول فقہ کے اول مدون نہ تھے اور وہ اعتقاد میں حنفی نہ

تھے بلکہ مرجعی تھے اور حدیث نبوی سے عمداً اعراض کرتے تھے اور وہ نصوص

چھوڑ کر پیروی رائے و قیاس کی کرتے اور اس وجہ سے ان کے ہمعصر امام و اکابر

سفیان ثوری، امام جعفر صادق، امام باقر وغیرہم ان کو برا کہتے، یہ سب کے سب

ہدایات بلا استثناء کا ذیہ و بہتانات ہیں جن کا ماضی زمانہ حال کے معترضین کے لئے حامد حسین شیعہ لکھنوی کی کتاب استقصاء الافہام اور استیفاء الانتقام فی نقض منتہی الکلام کے سوا اور کوئی کتاب نہیں ہے اس کتاب میں اس قسم کے مطاعن سے امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے علاوہ کسی سنی امام (امام مالک امام بخاری وغیرہ) کو نہیں چھوڑا اور ایک ایک کا نام لے کر کئی کئی درقوں بلکہ جزوں کو سیاہ کر ڈالا ہے اخبار اہل الذکر کا ڈیڑ اور اس کا حیدر آبادی نامہ نگار اگر اس کتاب کے مطاعن مذکورہ اور اس کے دلائل و سندات کو صحیح اور واجب التسلیم سمجھتے ہیں تو پھر باقی اماموں (امام مالک امام بخاری وغیرہ) کے حق میں ان مطاعن و بہتانات کو بھی صحیح سمجھ کر کھلے بند شیعہ کیوں نہیں ہو جاتے جیسا کہ مولوی عبدالحق بنارس بھی یہ روش اختیار کر کے آخر شیعہ ہو گئے تھے مگر آخر مرنے سے پہلے وہ مذہب شیعہ سے تائب ہو گئے اور خدا کی توفیق و رہنمائی سے وہ سنی اہل حدیث ہو کر فوت ہوئے۔

اے برادران اسلام عمل بالحدیث اور چیز ہے اور آئمہ سلف پر طعن کرنا شعبہ رفض ہے ہمارے شیخ اور شیخ الکمل مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی مرحوم اور ان کے شیخ مولانا محمد اسحاق صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے اور ان کے اقوال طبع ہو کر شائع ہو چکے ہیں کہ جو شخص امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ وغیرہ آئمہ مجتہدین کو برا کہتا ہے وہ چھوٹا رافضی ہے اور ہمارا بھی یہی مقولہ و اعتقاد ہے کہ جو شخص امام ابو حنیفہ وغیرہ آئمہ مجتہدین کو برا کہے اور ان کے علم و دیانت و اجتہاد و تقویٰ پر طعن کرے وہ علوم دین سے محض جاہل اور چاند پر تھوکنے کے سبب احمق اور ان اولیاء اللہ سے معاداة کی وجہ سے حدیث من عادی لی ولیا فقد بارز اللہ بالحارۃ (جس نے میرے ولی سے دشمنی کی تو اس نے اللہ سے جنگ کی، کا مصداق ہے) (السیف الصارم لمنکر شان الامام الاعظم ص ۱۰۲، ۱۰۳)

۲۔ مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کے حامد حسین شیعہ لکھنوی سے تعلقات

مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی بانی فرقہ غیر مقلد کی کتاب معیار الحق مطبوعہ مکتبہ نذیریہ قصور پاکستان کے آخر میں ص ۴۴۳ تا ص ۴۶۶ تک میاں صاحب کی سوانح حیات لگائی گئی ہے۔ ص ۴۵۰ میں ہے۔
لکھنؤ تشریف لے جاتے تو ملا عبد العلی بحر العلوم اور مولوی حامد حسین صاحب (شیعی) مصنف استقصاء الافہام کے مشہور کتب قانون تک بھی دسترس تھی۔

۳۔ قاری عبد الرحمن پانی پتی لکھتے ہیں۔

مولوی نذیر حسین صاحب نے سید محمد مجتہد شیعہ سے بذریعہ خطوط مطاعن ابو حنیفہ کے طلب کئے اور ہمت آپ کی بالکل طرف مطاعن آئمہ فقہاء اور تجملات صحابہ کے معروف ہے اور مدار قول ابو حنیفہ کا جو قرآن یا حدیث صحیح ہے اس سے بالکل چشم پوشی ہے سب عبادات اور دینیات کو چھوڑ کر فقط مطاعن صحابہ اور فقہاء کو عبادات اور جہاد قرار دے کر مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کو عبادت عظمیٰ قرار دیا اور اپنی نافہمی سے احادیث کو یا اپنی جہالت سے موضوعات کو حدیث قرار دے کر مخالفت ابو حنیفہ کی طرف نسبت کی ہے لہذا مولوی نذیر حسین کے شیعہ ہونے میں شبہ نہیں ہے۔ (کشف الحجاب ص ۹)

ان تینوں حوالوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ امام ابو حنیفہ اور فقہ حنفی کے خلاف غیر مقلدین نے اکثر مواد شیعوں سے حاصل کیا ہے اور خاص کر حامد حسین کی ان دونوں کتابوں سے کیونکہ جب اہل سنت فقہ جعفری پر یا شیعہ مذہب پر اعتراض کرتے تھے تو جواب میں شیعہ حضرات امام ابو حنیفہ اور فقہ حنفی

پر اعتراض کرتے تھے۔

نوٹ: دونوں کتابیں مولانا حیدر علی فیض آبادی کی کتاب منتہی الکلام جو شیعہ کے رد میں لکھی گئی تھی جواب میں لکھی ہیں مولانا حیدر علی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔

معیار الحق: تالیف مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی

امام ابو حنیفہ، فقہ حنفی، اور مسئلہ تقلید کی تردید میں غیر مقلدین کی طرف سے یہ پہلی کتاب ہے مولانا سید نذیر حسین دہلوی نے جب حنفی مسلک چھوڑا اور کھل کر اپنے اصلی روپ (غیر مقلدیت) میں آئے تو نواب قطب الدین محدث دہلوی حنفی مصنف مظاہر حق شرح مشکوٰۃ شاگرد رشید شاہ اسحاق محدث دہلوی حنفی نے ایک کتاب تنویر الحق کے نام سے لکھی معیار الحق اس تنویر الحق کا جواب ہے پھر معیار الحق کے جواب میں کئی کتابیں لکھی گئیں۔ جن میں سے تین کتابیں زیادہ مشہور ہوئیں۔

۱۔ مدار الحق تالیف محمد شاہ پنجابی اس کا جواب آج تک غیر مقلد نہیں دے سکے۔

۲۔ انصار الحق تالیف مولانا ارشاد حسین رامپوری اس کا کوئی معقول جواب غیر مقلد نہ دے سکے۔

۳۔ تنقید فی بیان التقليد تالیف مولانا سید الدین بن مولانا رشید الدین دہلوی اس کا جواب بھی غیر مقلدین نے نہیں دیا۔

بعد کے غیر مقلدین کا ان مسائل میں ماخذ یہ معیار الحق کتاب ہی ہے۔

۴۔ الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین حصہ اول

یہ کتاب ۳۰×۲۰/۸ سائز کے ۲۹۲ صفحات پر مشتمل ہے اس کے مصنف ہری چند بن دیوان چند کھتری تھے جو بعد میں مسلمان ہو کر غلام محی الدین کے

نام سے مشہور ہوئے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۲۹ھ میں شائع ہوئی تھی۔ ہمارے سامنے کتاب کا جو نسخہ ہے وہ اہل حدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور کا مطبوعہ ہے۔

محی الدین لاہوری غیر مقلد کا علمی مقام کیا تھا وکیل اہل حدیث مولانا محمد حسین بٹالوی غیر مقلد کی زبانی سنئے۔

بٹالوی صاحب محمد احسن (۱) امر وہی مرزائی سابق غیر مقلد کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس کی تمثیل میں ایسے بہت سے اشخاص کو پیش کر سکتے ہیں جس کو ہمارے مہربان منشی صاحب بھی مولوی نہ کہیں گے اور مع ہذا وہ صاحب تصانیف ہیں ازاں جملہ ایک شخص محی الدین مرحوم تاجر کتب لاہور ہیں جو بڑی بڑی ضخیم کتب ظفر المبین اور بلاغ المبین وغیرہ ہمارے شاگردوں غلام حسین لاہوری اور اردو تراجم کی مدد سے تصنیف کر کے تمام ملکوں میں شائع کر گئے ہیں اور ان کی تصانیف کو دیکھ کر پنجاب سے باہر اور دور کے بلاد ہندوستان، بنگال، مدارس بمبئی، برما، آسام، رنگون وغیرہ کے لوگ ان کو مولوی و عالم سمجھتے تھے اور درحقیقت وہ بے چارہ میزبان، منشعب بھی پڑھے نہ تھے اور ماضی مضارع کے معنی نہ جانتے تھے اور اس امر کو آپ بھی جانتے اور مانتے ہوں گے۔ نہیں جانتے تو لاہور اور امرتسر کے لوگوں سے معلوم کر سکتے ہیں اور خود بلاغ المبین کی مشمولہ اور ملاحظہ تقریظ مولوی ابو عبد اللہ غلام علی قصوری مرحوم کو دیکھ سکتے ہیں۔

۱۔ یہ وہی محمد احسن ہیں جنہوں نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کی کتاب اولہ کاملہ کا جواب مصباح الادلہ لکھا تھا پھر اس کے جواب میں شیخ الہند نے ایضاح الادلہ لکھی۔ بٹالوی نے مصباح الادلہ کی تائید بھی کی تھی بعد میں جب وہ مرزائی ہو گیا تو پھر اس کی تردید میں یہ عبارت لکھی ہے (مشتاق علی)

اس میں مولوی صاحب مرحوم مقام تعریف کتاب میں اس امر کو جملہ چکے ہیں۔
(اشاعت النسخہ جلد ۱۴ شماره نمبر ۱۲ ص ۳۵۴) بحوالہ حدیث اہل صدیقہ ص
(۴۰-۴۱)

جس کتاب کے مصنف کا مبلغ علم یہ ہو کہ اسے علم صرف کی پہلی
کتابیں بھی نہ آتی ہوں جسے ماضی، مضارع کے معنی بھی معلوم نہ ہوں اس کتاب
میں جو کچھ ہو گا ظاہر ہے کہ وہ عقل و خرد سے دور اور علم و تحقیق سے گریزاں ہو
گا۔

ظفر المبین کے رد میں کئی کتابیں لکھی گئیں تھیں مندرجہ ذیل کتابیں
زیادہ مشہور ہوئیں۔

۱۔ فتح المبین بر کشف مکائد غیر المقلدین

تصنیف مولانا منصور علی خاں مراد آبادی شاگرد مولانا محمد قاسم نانوتوی

۲۔ نصر المقلدین

تصنیف مولانا مولوی حافظ احمد علی بٹالوی

۳۔ نصرۃ المجتہدین مولانا عبدالوکیل سکندر پوری وغیرہ

ظفر المبین کے بعد اس موضوع پر جتنی بھی کتابیں غیر مقلدین کی طرف
سے شائع ہوئی ہیں سب اسی سے لے کر بنائی گئی ہیں اکثر کتابیں ہمارے پاس
موجود ہیں۔

۵۔ فتح المبین علی رد ذہاب المقلدین

تالیف علامہ دوراں مولانا محمد بدیع الزمان مترجم ترمذی شریف یہ کتاب
۲۶x۲۰/۸ سائز کے ۲۹۸ صفحات پر مشتمل ہے ہمارے سامنے جو نسخہ ہے وہ در
مطبع محمدی واقع لاہور مطبوعہ گردید کا مطبوعہ ہے علامہ بدیع الزمان مشہور غیر
مقلد عالم علامہ وحید الزماں کے بڑے بھائی تھے۔ اس کا ماخذ بھی ظفر المبین ہے۔

۶۔ حقیقت الفقہ: تالیف مولانا محمد یوسف جے پوری

اس کتاب میں بھی امام ابو حنیفہ اور آپ کے استاد آپ کے شاگردوں پر اعتراضات کئے گئے ہیں اور فقہ حنفی کے تقریباً ۶۰۰ مسائل کو قابل اعتراض بنایا ہے۔ احقر نے اس کتاب میں حقیقت الفقہ کا جائزہ لیا ہے اصل کتاب میں آگے ملاحظہ فرمائیں۔

۷۔ تحفۃ اہل حدیث المعروف انکشاف جدید در تحقیق تقلید

ان کے مولف مولانا ابوتراب محمد حسین صاحب ہزاروی ہمرا جیوری غیر مقلد ہیں کتاب پر سن طباعت ۱۳۴۴ ہجری درج ہے یہ کتاب بھی مختلف کتابوں سے سرکہ کر کے تیار کی گئی ہے

۱۔ ص ۱۲ پر ایک عنوان قائم کیا ہے کتب فقہ کے چند مسائل پھر ۱۵ مسائل ذکر کئے ہیں یہ تمام مسائل حقیقت الفقہ سے سرقہ کئے ہیں۔

۲۔ اس کے بعد ص ۱۸ پر ایک عنوان قائم کیا ہے چند بے ہودہ مسائل اس کے تحت ۲۲ مسائل ذکر کئے ہیں یہ تمام مسائل بھی حقیقت الفقہ سے چوری کئے ہیں۔

۳۔ ص ۲۰ پر تدوین کتب فقہ کا عنوان قائم کیا ہے اس کے بعد ص ۲۱ پر فقہ کی کتابوں کی تصنیف کا سن بتانے کے لئے ایک نقشہ پیش کیا ہے یہ نقشہ حقیقت الفقہ ص ۱۵۵ سے چوری کیا ہے۔

۸۔ درایت محمدی تالیف محمد جونا گڑھی

اس کا جواب ہدایہ پر اعتراضات کے جوابات، کے نام سے مولانا محمد شریف نے دے دیا تھا۔

۹۔ سیف محمدی تالیف محمد جونا گڑھی

اس کا جواب درمختار پر اعتراضات کے جوابات کے نام سے مولانا محمد شریف

نے دے دیا تھا۔

۱۰۔ شیعہ محمدی تالیف محمد جو نا گڑھی

اس کا جواب احقر نے احادیث مصطفیٰ اور مسلک احناف کے نام سے لکھا ہے
ان شاء اللہ جلد شائع ہو جائے گی۔

۱۱۔ سبیل الرسول: تالیف مولانا محمد صادق سیالکوٹی

یہ کتاب اصل میں تو تقلید کی تردید میں لکھی گئی ہے مگر اس میں فقہ کے
۲۲ مسائل کو حدیث کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ص
۲۵۳ تا ۳۱۶ تک یہ بحث ہے ۲۲ میں سے ۱ کیس مسئلے شیعہ محمدی سے چوری کئے
ہیں مسئلہ نمبر ۲۰ ظفر المبین حصہ اول ص ۱۰۸ سے سرقہ کیا ہے مولانا ابو بکر
غازی پوری نے سبیل الرسول پر ایک نظر کے نام سے اس کا مدلل جواب لکھا
ہے جو لاہور سے بھی شائع ہو چکا ہے۔

۱۲۔ اختلاف امت کا المیہ حصہ اول:

اس کے مصنف جہلم کے حکیم فیض عالم صدیقی راجوردی غیر مقلد ہیں ان
کے عقائد و نظریات کیا تھے وہ تعارف علماء اہل حدیث میں تفصیل کے ساتھ
درج ہیں وہ وہاں پر ہی ملاحظہ فرمائیں۔

یہاں پر صرف فقہ کے متعلق عرض کرنا ہے اور ثابت کرنا ہے کہ اس
کتاب میں درج کردہ مسائل بھی سرقہ کئے ہوئے ہیں۔

۱۔ ص ۵۷ پر لکھتے ہیں۔

یوں تو فقہ حنفی کے بحر دہار میں بڑے بڑے قیمتی اور گر انما یہ جواہرات کے
خزانوں کے انبار ہیں جن کا استنباط مجھ جیسے ایک معمولی طالب علم کے لئے تو
ناممکن ہے ہی حالانکہ یہاں بڑے بڑے علامۃ الدہر بھی سر ٹپکتے رہ گئے۔ مگر
ڈوری الجھی ہی رہی اور سرانہ ملا۔

منہ نمونہ از خروارے چند ایک یہاں ملاحظہ کیجئے اور پھر اپنے اعماق قلب اور روح کی گہرائی میں اتر کر انصاف کیجئے کہ حق کیا ہے۔

پھر دو کالم بنا کر ایک طرف فقہ کی کتابوں سے مسئلہ لکھا ہے اور دوسری طرف حدیث نقل کی ہے اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ فقہ حنفی حدیث کے خلاف ہے۔

۲۔ ص ۵۷ سے لے کر ص ۶۳ تک کل بائیس ۲۲ مسائل ذکر کئے ہیں جن میں سے انیس مسئلے سبیل الرسول سے چوری کئے ہیں اور مسئلہ نمبر ۱۱۴ اور مسئلہ ۲۲ یہ دوسری کتابوں سے نقل کئے ہیں۔ ہم ناظرین کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ سبیل الرسول سے ان مسائل کا تقابل کریں تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے سبیل الرسول میں شمع محمدی سے چوری کئے گئے ہیں اور شمع محمدی میں ظفر المبین سے سرقہ کئے ہیں۔

۳۔ پھر ص ۶۴ سے لے کر ص ۶۸ تک ۲۵ مسائل نقل کئے ہیں وہ بھی ظفر المبین حصہ اول سے سرقہ کئے ہیں۔ مسئلہ نمبر ۱۵۶ ج ۱ سے مسئلہ نمبر ۲ ص ۱۶۰ ج ۱ سے مسئلہ نمبر ۳ ظفر ص ۲۱۲ سے مسئلہ نمبر ۴ ص ۲۱۲ سے مسئلہ نمبر ۵ ص ۲۱۴ سے مسئلہ نمبر ۶ ص ۲۱۸ سے مسئلہ نمبر ۷ ص ۲۰۱ سے مسئلہ نمبر ۸ ص ۱۶۵ سے مسئلہ نمبر ۹ ص ۱۳۰ سے مسئلہ نمبر ۱۰ ص ۱۹۵ سے مسئلہ نمبر ۱۱ ص ۱۹۹ سے مسئلہ نمبر ۱۲ ص ۱۳ سے مسئلہ نمبر ۱۳ ص ۳۰۸ سے مسئلہ نمبر ۱۷ ص ۱۱۸ سے مسئلہ نمبر ۱۸ ص ۱۳۸ سے مسئلہ نمبر ۱۹ ص ۱۰۰ سے مسئلہ نمبر ۲۰ ص ۱۵۱ سے مسئلہ نمبر ۲۱ ص ۱۸۶ سے مسئلہ نمبر ۲۲ ص ۱۶۳ سے مسئلہ نمبر ۲۳ ص ۱۵۶ سے مسئلہ نمبر ۲۴ ص ۱۹۱ سے مسئلہ نمبر ۲۵ ص ۱۶۴ سے۔

۴۔ ص ۳۵ پر ایک سرخی قائم کی ہے مکمل دین میں فقہ حنفی کی گلکاریاں پھر ص ۳۸ تک ۳۱ مسائل ذکر کئے ہیں یہ سارے کے سارے حقیقت

الفقہ سے چوری کئے ہیں۔

۵۔ ص ۵۵ پر لکھتے ہیں فقہ حنفی یا اسفار لہو الحدیث اور قاضی ابویوسف پھر ص ۵۶ تک ۱۸ مسائل ذکر کئے ہیں یہ تمام مسائل حقیقت الفقہ حصہ اول سے چوری کئے ہیں۔

۱۳۔ مقلدین آئمہ کی عدالت میں

اس کے مصنف محمد یحییٰ گوندلوی ہیں یہ کتاب اصل میں تو مسئلہ تقلید پر لکھی گئی ہے مگر ص ۲۱۰ سے لے کر ص ۲۲۱ تک فقہ کے ۳۶ مسائل نقل کئے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ مسائل حدیث کے خلاف ہیں یہ مسائل بھی سب کے سب وہ ہیں جو ظفر المبین شیعہ محمدی میں آچکے ہیں غیر مقلدین اس مسئلہ میں اندھے مقلد ہیں بغیر تحقیق کے اپنے اکابر کی کتابوں سے چوری کر کے شائع کرتے رہتے ہیں۔

نمونہ کے طور پر کچھ مسائل کی نشان دہی یہاں پر کرتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱ ظفر المبین ص ۵۶ سے چوری کیا ہے اور یہ ہی مسئلہ اختلاف امت کا المیہ ص ۶۴ پر حکیم صاحب نے نقل کیا ہے مسئلہ نمبر ۵ ظفر المبین ص ۴۱ ج ۲ سے مسئلہ نمبر ۶ ظفر ص ۴۳ ج ۲ سے مسئلہ نمبر ۷ ظفر ص ۴۸ ج ۲ سے مسئلہ نمبر ۸ ظفر ص ۴۳ ج ۲ سے مسئلہ نمبر ۹ ظفر ص ۵۰ ج ۲ مسئلہ نمبر ۱۰ ظفر ص ۷۶ ج ۱ مسئلہ نمبر ۱۳ ظفر ص ۷۴ ج ۱ مسئلہ نمبر ۱۴ سیف محمدی سے مسئلہ نمبر ۱۵ ظفر ص ۱۰۰ ج ۱ مسئلہ نمبر ۱۶ ظفر ص ۱۴۸ ج ۱ سے مسئلہ نمبر ۱۷ ظفر ص ۱۵۱ سے مسئلہ نمبر ۱۸ ظفر ص ۱۲۸ ج ۱ سے مسئلہ نمبر ۱۹ ظفر ص ۱۳۸ ج ۱ سے مسئلہ ۲۰ ظفر ص ۱۴۰ ج ۱ سے مسئلہ نمبر ۲۳ ظفر ص ۱۶۰ ج ۱ سے مسئلہ نمبر ۲۴ ظفر ص ۱۴۸ ج ۱ مسئلہ نمبر ۲۶ ظفر ص ۱۸۶ ج ۱ مسئلہ نمبر ۲۷ ص ۱۸۶ ج ۱ مسئلہ نمبر ۲۸ سبیل الرسول ص ۳۱۶ سے مسئلہ نمبر ۳۹ ظفر ص ۱۶۵ ج ۱ سے مسئلہ نمبر ۳۰ ظفر ص ۱۹۴

ج ۱ مسئلہ نمبر ۳۳ ظفر ص ۱۹۹ ج ۱ ہم نے یہاں پر نمونہ کے طور پر کچھ مسائل ذکر کر دیئے ہیں۔

۱۲۔ احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ تالیف مولانا اشرف سلیم
یہ کتاب ظفر المبین حصہ دوم اور حقیقت الفقہ سے چوری کر کے بنائی گئی ہے ہم نے اپنی اس بات کو اپنے رسالہ احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ پر ایک نظر میں ثابت کیا ہے۔

ناظرین: ہم نے مختصر طور پر چودہ کتابوں کا تعارف پیش کیا ہے جو امام ابوحنیفہ اور فقہ حنفی کے خلاف لکھی گئی ہیں ان کے علاوہ اور سینکڑوں کتابیں موجود ہیں۔ غیر مقلدین کی عادت یہ ہے کہ وہ ظفر المبین، حقیقت الفقہ اور شمع محمدی وغیرہ سے سرقہ کر کے نئے نام سے کتاب شائع کر دیتے ہیں پھر شور مچاتے ہیں کہ اس کتاب کا آج تک جواب نہیں آیا۔ ناظرین ہم نے اس کتاب میں امام ابوحنیفہ اور فقہ حنفی پر غیر مقلدین کی طرف سے کئے گئے بعض اعتراضات کے جواب دیئے ہیں تمام اعتراضات کا احاطہ تو اس کتاب میں مشکل ہے ہم نے مشہور مشہور اعتراضوں کے جواب دے دیئے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے آمین۔

والسلام

سید مشتاق علی شاہ

www.Ahlehaq.Com

باب اول

اس باب میں امام ابو حنیفہؒ
پر کیے گئے اعتراضات کے
جوابات دیئے گئے ہیں۔

www.Ahlehaq.Com

حقایق الفقہ بجواب

حقیقت الفقہ

پیر جی سید مشتاق علی شاہ صاحب
اس کتاب میں غیر مقلدین کی مشہور
کتاب حقیقت الفقہ تالیف مولانا یوسف
جے پوری کا جواب دیا گیا ہے اور امام
ابو حنیفہ اور فقہ حنفی کے بعض مسائل
پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات دیے گئے
ہیں نیز انکے علاوہ بہت سے اہم مسائل
اس کتاب میں آگئے ہیں اس موضوع پر
بہترین کتاب ہے۔

پیشکش: اہل حق

Www.Ahlehaq.Com

اعتراض ۱: صاحب *حقیقۃ الفقہ* نے ص ۱۱۸ پر پہلے ایک بڑی سرخی **م** کی ہے۔ حنفی مذہب کی حالت پر چار سطر کے بعد ایک عنوان قائم کیا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔ اور علم حدیث۔ اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

تاریخ ابن خلدون جلد ۱ ص ۳۷ میں ہے کہ

”فابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ یقال بلغت روایتہ الی سبعة عشر حدیثاً“
امام ابو حنیفہؒ کی نسبت کہا گیا ہے کہ ان کو سترہ حدیثیں پہنچی ہیں۔ (حقیقۃ الفقہ ص ۱۱۸)

پہلا جواب: ابن خلدون نے کسی مجہول شخص کا قول نقل کیا ہے جو غلط اور بدیہی البطلان ہے۔ جیسا کہ تعبیر لفظ یقال ضعف مقولہ پر دال ہے۔ اور اسی جگہ صراحت یہ بھی مذکور ہے:

وقد تقول بعض المتعصبين ان منهم من كان قليل البضاعة في الحديث ولا سبيل هذا المعتقد في كبار الائمة لان الشريعة انما تؤخذ من الكتاب والسنة. الخ

ترجمہ: بعض متعصب لوگوں نے یہ الزام لگایا ہے کہ بعض امام کے پاس حدیث کا سرمایہ بالکل ہی تھوڑا تھا اور وہ قریب قریب تہی دست تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی روایتیں بہت کم ہیں، کبار آئمہ کی شان میں اس قسم کی بدگمانی رکھنے کی کوئی معقول وجہ نہیں کیونکہ شریعت قرآن و حدیث سے لی جاتی ہے۔

در حقیقت امام صاحب کو ہزاروں احادیث اور ہزاروں آثار صحابہ معلوم تھے۔ مگر آپ نے چونکہ اشرف علم فقہ کو زیادہ اپنایا۔ اس میں انہوں نے تدوین فرمائی اور وہ مقفن اور مدون تھے اس لئے فقیہ مشہور ہوئے اور چونکہ محدث الفاظ حدیث کا ذمہ دار ہوتا ہے اور فقیہ معانی احادیث کو زیادہ جانتا ہے۔ اور استنباط

مسائل کرتا ہے اس لئے اس کا مرتبہ زیادہ ہے۔ چنانچہ امام ترمذی نے باب غسل میت میں لکھا ہے ”اور یہی فقہاء نے فرمایا اور وہ حدیث کے معانی کو زیادہ جانتے ہیں“ امام صاحب کو امام ذہبی نے حفاظت حدیث اور محدثین کے طبقہ خامسہ میں شمار کیا ہے جس طرح بہت سے صحابہ و تابعین اور محدثین حدیث کو بشکل حدیث بہت کم بیان کرتے تھے بلکہ بشکل مسئلہ بیان کرتے تھے۔ اسی طرح امام صاحب نے بھی احادیث کو بشکل حدیث بیان نہیں کیا۔ البتہ مسائل مستطب من الاحادیث کو بکثرت بیان کیا ہے۔ دوسرے قلیل الروایت ہونا قلیل العلم پر ہر گز دال نہیں۔ دیکھئے حضرت حسینؑ کے متعلق نواب صدیق حسن خاں صاحب تفصار میں لکھتے ہیں:

ہمشت حدیث ازوئے مروی است

دوسرا جواب: جے پوری صاحب، ابن خلدون کی یہ عبارت ذکر کر کے بزم خویش یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا حدیث میں پایا گرا ہوا تھا، لیکن ابن خلدون کی اس عبارت سے امام صاحب کا علم حدیث میں پایا گرا ہوا ثابت کرنا خود فریبی اور دھوکہ دہی کے سوا کچھ نہیں، اس لئے کہ اول تو جے پوری صاحب نے ابن خلدون کی عبارت کا ترجمہ غلط کیا ہے، جے پوری صاحب ترجمہ کرتے ہیں کہ ”امام ابو حنیفہؒ کی نسبت کہا گیا ہے کہ ان کو سترہ حدیثیں پہنچی ہیں“ حالانکہ صحیح ترجمہ اس طرح ہے۔

”ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کی روایت (یعنی مرویات) سترہ تک پہنچی ہیں“

دونوں ترجموں میں زمین آسمان کا فرق ہے، اصول حدیث سے جسے ذرا بھی مس ہو گا وہ دونوں ترجموں کے فرق کو بخوبی سمجھ لے گا، عوام کے لئے ہم تھوڑی سی وضاحت کئے دیتے ہیں، دیکھئے ایک ہوتا ہے استاد سے حدیث حاصل

کرنا اسے کہتے ہیں تخیل حدیث اور اخذ حدیث، اور ایک ہوتا ہے استاد سے پڑھی ہوئی احادیث آگے شاگردوں کو پڑھانا اسے کہتے ہیں ادائے حدیث اور روایت حدیث، ابن خلدون کے ذکر کردہ قول کا مطلب یہ ہے کہ امام صاحب نے آگے جو احادیث روایت کی ہیں وہ سترہ تک پہنچتی ہیں، یہ مطلب نہیں کہ امام صاحب نے حدیثیں کل سترہ پڑھی ہیں، روایت حدیث میں قلیل ہونا کوئی عیب نہیں ہے، کیونکہ اس سے علم حدیث سے ناواقفی یا واقفیت کا تھوڑا ہونا لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ ممکن ہے محدث و فور علم کے باوجود حزم و احتیاط کی بناء پر حدیث کی آگے روایت کم کرے، ورنہ تو جو اعتراض حضرت امام صاحب پر کیا جاتا ہے اس سے خلفاء راشدین بالخصوص حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور دیگر اجلہ صحابہ کرام بھی نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ ان کی مرویات بھی دیگر صحابہ کرام کے مقابلہ میں بہت کم ہیں۔ جے پوری صاحب اگر ابن خلدون کی عبارت کا ترجمہ صحیح کرتے تو اعتراض کا کوئی پہلو نہ نکلتا۔ لیکن انہوں نے یا تو جان بوجھ کر یا عربی سے نابلد ہونے کی بناء پر غلط ترجمہ کیا اور عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ اعاذنا اللہ منہ

دوسرے جے پوری صاحب نے تاریخ ابن خلدون سے اپنے مفید مطلب عبارت نقل کی ہے اور آگے پیچھے سے ساری عبارت دیدہ و دانستہ چھوڑ دی ہے۔ کیونکہ اس سے بناء اعتراض ہی ختم ہو جاتی ہے، ہم متعلقہ ساری عبارت ذکر کرتے ہیں تاکہ جے پوری صاحب کی خیانت کھل کر سامنے آ سکے۔

مؤرخ ابن خلدون لکھتے ہیں:

”واعلم ايضاً ان الائمة المجتهدين تفاوتوا في الاكثار من هذه الضاعة والاقلال فابو حنيفة رضي الله عنه يقال بلغت روايته الى سبعة عشر حديثاً او نحوها ومالك رحمه الله انما صح عنده ما في كتاب

الموطا وغایتها ثلاثمائة حدیث او نحوها واحمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فی مسندہ خمسون الف حدیث ولکل ما اداہ الیہ اجتہادہ فی ذالک وقد تقول بعض المبغضین المتعسفین الی ان منهم من کان قليل البضاعة فی الحدیث فلہذا قلت روايتہ ولا سبیل الی هذا المعتقد فی كبار الائمة . لان الشریعة انما تؤخذ من الكتاب والسنة والامام ابوحنيفة انما قلت روايتہ لما شدد فی شروط الروایة والتحمل وضعف رواية الحدیث الیقینی اذا عارضها الفعل النفسی وقلت من اجلها روايتہ فقل حدیثہ لا انه ترک رواية الحدیث متعمدا فحاشاہ من ذالک ویدل علی انه من كبار المجتہدین فی علم الحدیث اعتماد مذهبہ بینہم والتعویل علیہ واعتبارہ ردًا وقبولًا واما غیرہ من المحدثین وھم الجمهور فتوسعوا فی الشروط وكثر حدیثہم والکل عن اجتہاد وقد توسع اصحابہ من بعدہ فی الشروط فكثرت روايتہم الخ^(۱)

اور یہ بھی جان لو کہ ائمہ مجتہدین حدیث کے فن میں متفاوت رہے ہیں کسی کی مرویات قلیل اور کسی کی کثیر ہیں، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کی مرویات سترہ یا اس کے لگ بھگ پہنچتی ہیں، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح احادیث جو مؤطا میں ہیں ان کی زیادہ سے زیادہ تعداد تین سو یا اس کے لگ بھگ ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کی مسند میں ۵۰ ہزار احادیث ہیں اور ہر ایک نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق سعی کی ہے۔ بعض لوگ جو بغض رکھنے والے اور متعصب ہیں، انہوں نے اس جھوٹ پر کمر باندھ لی ہے کہ ائمہ میں سے کچھ امام حدیث میں قلیل البہاعت ہیں اسی لئے ان سے روایت حدیث کم ہوئی ہے، لیکن اس اعتقاد کی کبار ائمہ کے حق میں کوئی سبیل نہیں، کیونکہ

احکام شرعیہ کتاب و سنت ہی سے ماخوذ ہیں..... اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت اس لئے قلیل ہوئی کہ انہوں نے روایت اور اس کے تحمل کے بارے میں سخت شرطیں لگائیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث یقینی کی روایت جب کہ اس کے معارضہ میں فعل نفسی واقع ہو ضعیف ہو جاتی ہے نہ یہ کہ انہوں نے حدیث کی روایت کو عمدہ اچھوڑ دیا، امام ابو حنیفہؒ کے علم حدیث میں کبار مجتہدین میں سے ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ مجتہدین ان کے مذہب پر اعتماد کرتے ہیں رد و قبول کے اعتبار سے۔

امام صاحب کے علاوہ جمہور محدثین نے روایت حدیث کی شرائط میں توسع اختیار کیا ہے اس لئے ان کی احادیث کثیر ہوئیں اور ہر ایک نے یہ شرائط اپنے اپنے اجتہاد سے عائد کیں، امام صاحب کے بعد ان کے اصحاب نے بھی روایت حدیث کی شرائط میں توسع اختیار کیا تو ان کی روایات بھی کثیر ہو گئیں۔

قارئین محترم! آپ نے ابن خلدون کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائی اس سے کہیں اشارتاً بھی جے پوری صاحب کا مطلب ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ ساری عبارت ان کے خلاف جاتی ہے شاید اسی لئے وہ صرف ایک فقرہ ذکر کرتے ہیں باقی سب کھا جاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ابن خلدون نے پہلے یہ بتایا کہ بعض ائمہ قلیل الروایت ہیں اور بعض کثیر الروایت، پھر اس کی تمثیل میں ائمہ ثلاثہ کا ذکر کیا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی مرویات سترہ یا اس کے لگ بھگ پہنچتی ہیں، حضرت امام مالکؒ کی تین سو تک، اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی پچاس ہزار تک، اس سے معلوم ہوا کہ ابن خلدون نے امام صاحب کے متعلق جو کہا ہے وہ ان کے قلیل الروایت ہونے کی تمثیل میں کہا ہے، بطور طعن یا اعتراض کے نہیں کہا، بلکہ انہوں نے ان لوگوں کی پُر زور مذمت کی ہے جو کسی امام کو قلیل الروایت ہونے کی وجہ سے حدیث

میں قلیل البہاعت (کم علم) سمجھتے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ”بعض متعصب لوگ جو ائمہ کبار میں سے کسی امام کو قلیل الروایت ہونے ہونے کی وجہ سے قلیل البہاعت (حدیث میں کم علم) خیال کرتے ہیں یہ محض ان کا افتراء ہے کبار ائمہ کے بارے میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں، کیونکہ شریعت قرآن و سنت ہی سے اخذ کی جاتی ہے (اور جو شخص حدیث میں قلیل البہاعت ہو وہ کیسے احادیث سے احکام شریعت کا استنباط کر سکتا ہے) باقی حضرت امام صاحب سے جو روایت حدیث قلیل ہوئی تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ حدیث میں ان کا پایا گرا ہوا تھا یا انہوں نے جان بوجھ کر روایت حدیث کو چھوڑ رکھا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے روایت و تخیل حدیث میں شرائط بہت سخت لگا رکھی تھیں جس کی وجہ سے ان کی احادیث قلیل ہوئیں ورنہ وہ علم حدیث میں کبار مجتہدین میں سے تھے اور ان کے کبار مجتہدین میں سے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین کے درمیان ان کا مذہب رد و قبول کے اعتبار سے

معتمد و معتبر ہے“ **Www.Ahlehaq.Com**

قارئین آپ ابن خلدون کا مطلب پوری طرح سمجھ گئے ہوں گے اس لئے ہم مزید شرح کی ضرورت نہیں سمجھتے البتہ ابن خلدون نے قلیل الروایت کی تمثیل میں امام صاحبؒ کے متعلق جو یہ کہا ہے کہ ”کہا جاتا ہے کہ ان کی مرویات سترہ یا اس کے لگ بھگ پہنچتی ہیں“ اس کا ہم کچھ تجزیہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا نظریہ یہ ہے کہ حضرت امام صاحبؒ کے بارے میں ابن خلدون کا نقل کردہ قول عقلاً و نقلاً غلط ہے جس کے بہت سے شواہد ہیں۔

۱۔ ابن خلدون نے اسے بصیغہ تمریض ذکر کیا ہے جو خود اس کے ضعف اور مرجوحیت کی دلیل ہے۔

۲۔ ابن خلدون کا یہ اپنا قول نہیں ہے بلکہ انہوں نے اسے مجہول کے صیغہ

یُقَال سے ذکر کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ ”کہا جاتا ہے“ یہ کہنے والے کون ہیں؟ کوئی پتہ نہیں۔

۳۔ انہوں نے اَوْ نَحْوَهَا کا لفظ بڑھا کر اشارہ کر دیا کہ خود انہیں صحیح پتہ نہیں کہ سترہ ہی کہا جاتا ہے یا زیادہ۔

۴۔ ابن خلدون گو عظیم مؤرخ اسلام ہیں لیکن انہیں ائمہ کرام کی مرویات کا صحیح علم نہیں اسی لئے انہوں نے امام مالکؒ کی مرویات ان کی مؤطا میں تین سو بتائی ہیں حالانکہ بقول حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مؤطا میں ۱۷۲۰ احادیث موجود ہیں۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کی مرویات مسند احمد میں پچاس ہزار بتائی ہیں، حالانکہ مسند احمد میں کل تیس ہزار احادیث ہیں اور اگر امام احمد رحمہ اللہ کے صاحبزادے عبد اللہؒ کی مرویات کو بھی شامل کر لیا جائے تو پھر کل چالیس ہزار بنتی ہیں۔ ابن خلدون کو جب ائمہ کی مرویات کی صحیح تعداد معلوم نہیں تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں ان کے نقل کردہ قول کا کیا اعتبار کیا جاسکتا ہے؟

۵۔ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کے قلیل الروایت ہونے کی تردید کے لئے آپ کے تلامذہ و اصحاب پر نظر کر لینا ہی کافی ہے ابن حجر ہیثمی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کے تلامذہ کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ ”امام صاحب سے جن لوگوں نے حدیث وفقہ حاصل کی ہے ان کی تعداد شمار کرنا مشکل ہے“ (۱) آگے فرماتے ہیں ”بعض متاخرین نے آپ کے آٹھ سو شاگردوں کی فہرست لکھی ہے جس میں تفصیل سے ان کا نام و نسب لکھا ہے“ (۲)

یہ آٹھ سو شاگرد کوئی معمولی لوگ نہ تھے بلکہ کبار محدثین و مجتہدین تھے، جن میں سے ایک محدث حضرت عبد اللہ بن یزید مرقی مکی رحمہ اللہ نے حضرت

امام صاحب سے نو سو احادیث سنی تھیں۔ (۱) خیال فرمائیے جس امام کے تلامذہ و اصحاب اس قدر کثیر ہوں کہ ان کا شمار کرنا بھی دشوار ہو جن میں سے صرف ایک ہی کی روایات نو سو تک پہنچتی ہوں، اس امام کے بارے میں یہ کہنا کہ ان کی مرویات سترہ تک پہنچتی ہیں، انصاف کا خون کرنے کے مترادف نہیں تو کیا ہے معمولی عقل و شعور رکھنے والا آدمی بھی اسے تسلیم نہیں کر سکتا۔

۶۔ نیز اس پر غور کیا جائے کہ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کی پندرہ مسانید ہیں جن میں سے چار آپ کے شاگردوں نے بلا واسطہ آپ سے احادیث سن کر جمع کی ہیں، باقی دیگر حفاظ نے بالواسطہ آپ سے روایت کی ہیں، ان کے علاوہ آپ کے تلامذہ کی تصانیف مثلاً حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی مؤطا کتاب الحجۃ (۴ جلد) سیر کبیر وغیرہ اور قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کی کتاب الخراج اور امامی میں نیز مصنف عبد الرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہزاروں روایات آپ سے بسند متصل روایت کی گئی ہیں۔ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ نے کتاب الآثار (جس میں تقریباً نو سو احادیث ہیں) کا انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے، چنانچہ صدر الائمہ موفق بن احمد تحریر فرماتے ہیں۔

”انتخب ابو حنیفۃ رحمہ اللہ الآثار من اربعین الف حدیث“ (۲)

امام ابو حنیفہؒ نے کتاب الآثار کا چالیس ہزار احادیث سے انتخاب کیا ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ امام محمد بن سماعہ رحمہ اللہ متوفی ۲۳۳ ہجری سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

”ان الامام ذکر فی تصانیفہ نيفا وسبعین الف حدیث وانتخب الآثار من

اربعین الف حدیث“ (۳)

۱۔ مناقب ابی حنیفہ ص ۴۹۸۔ ۲۔ موفق بن احمد کی مناقب ابی حنیفہ ص ۸۴۔

۳۔ مناقب الامام الاعظم ذیل الجواہر المصیۃ ج ۲ ص ۷۷۴۔

امام ابو حنیفہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے۔
مقام حیرت ہے کہ حضرت امام صاحبؒ تو ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں اپنی تصانیف میں بیان فرماتے ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کرتے ہیں مگر بایں ہمہ یہ کہا جاتا ہے کہ ان کی مرویات سترہ تک پہنچتی ہیں۔
إِنَّ هَذَا لَظُلْمٌ عَظِيمٌ۔

اعتراض ۲: صاحب حقیقۃ الفقہ لکھتے ہیں:

قیام اللیل مطبوعہ لاہور ص ۱۲۳ میں قول عبد اللہ بن مبارکؒ کان ابو حنیفۃ یتیم فی الحدیث۔

امام ابو حنیفہؒ حدیث میں یتیم تھے۔ (حقیقۃ الفقہ ص ۱۱۸)

جواب: یہ کوئی کلمہ جرح کا نہیں ہے اور نہ امام صاحبؒ کی اس سے تضعیف ثابت ہوتی ہے کیونکہ یتیم کے معنی محاورہ میں یکتا اور بے نظیر کے بھی آتے ہیں۔

صحاح ص ۳۲۹ ج ۲ میں ہے:

”وکل شیء مفرد بغیر نظیرہ فهو یتیم فقال درۃ یتیمۃ قال الاصمعی الیتیم الرملة المنفردة قال وکل مفرد ومنفردة عند العرب یتیم ویتیمۃ“
ہر وہ چیز جس کا ثانی نہ ہو وہ یتیم کہلاتی ہے اس لئے درہ یتیمہ کہا جاتا ہے۔ اصمعی نے کہا: یتیم ریت کے ایک اکیلے ذرہ کو کہتے ہیں اور کہا ہر اکیلی چیز کو یتیم کہا جاتا ہے۔

پس عبد اللہ بن مبارکؒ کے قول کا یہ مطلب ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ حدیث میں یکتا اور بے نظیر تھے۔ چنانچہ اس کی تائید خود ابن مبارکؒ کے دوسرے قول سے ہوتی ہے۔

مناقب کردری ص ۲۲۹ ج ۱ میں ہے:

”عن ابن المبارک قال اغلب علی الناس بالحفظ والفقہ والصیانة والدیانة وشدة الورع“

ابن مبارک نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ حافظہ، فقہ، علم پرہیزگاری اور دیانت اور تقویٰ میں سب لوگوں پر غالب تھے۔

عبداللہ بن مبارک، امام صاحب کے شاگرد تھے۔ انہوں نے حضرت امام اعظم کی بہت زیادہ تعریفیں کی ہیں۔ مناقب موفق ابن احمد کی ص ۵۱ ج ۲ میں ہے۔ سدید بن نصر کہتے ہیں:

(۱) ”سمعت ابن المبارک یقول لا تقولوا رای ابی حنیفہ ولكن قولوا تفسیر الحدیث“

ابن مبارک فرماتے ہیں یہ نہ کہو کہ یہ امام ابوحنیفہ کی رائے ہے بلکہ یوں کہو کہ یہ حدیث کی تفسیر ہے۔

(۲) ”وايضاً فيه قال المحروم من له یکن له حفظ من ابی حنیفہ“

نیز فرمایا جس نے امام صاحب سے کچھ حاصل نہیں کیا وہ محروم ہے۔

(۳) ”وايضاً قال عبداللہ بن المبارک هاتوا فی العلماء مثل ابی حنیفہ ولا دعونا ولا تعذبونا“

عبداللہ بن مبارک نے فرمایا تمام علماء میں امام ابوحنیفہ جیسا کوئی عالم پیش کرو ورنہ ہمیں چھوڑ دو اور ہمیں نہ ستاؤ۔

(۴) ”وايضاً قال علیکم بالاثر ولا بد للآثر من ابی حنیفہ . یترعرع به تاویل الاحادیث ومعناه“

نیز فرمایا تمہارے اوپر حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے اور حدیث کے سمجھنے کے

لئے امام ابو حنیفہ کا قول خترووری ہے تاکہ اس کے ذریعہ حدیث کی صحیح تاویل اور معنی معلوم ہو جائیں۔۔

(۵) ”لو لم الق ابا حنیفہ لکنت من السفاليس فی العلم“

اگر میں ابو حنیفہ سے نہ ملتا تو علم میں مفلس رہتا (مناقب ابی حنیفہ ص ۳۰۷ موثق)

اور بہت سے اقوال، عبد اللہ بن مبارک کے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں شائع اور کتابوں میں مذکور ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ معترض نے جو عبد اللہ بن مبارک کو جارج امام صاحب سمجھا ہے یہ محض نفس پرستی اور غلط فہمی ہے۔

ثانیاً: بر تقدیر تسلیم ممکن ہے کہ عبد اللہ بن مبارک نے یہ کلمہ اس وقت فرمایا ہو جب امام صاحب علم کلام کی طرف زیادہ مائل تھے اور علم حدیث وفقہ کا زیادہ اشغال نہ رہا ہو۔ اور امام صاحب کی تعریفیں اور ان کی تعدیل و توثیق جو عبد اللہ بن مبارک نے کی ہے وہ اس وقت کی ہوں جبکہ امام صاحب محدث وفقہ ہو چکے تھے۔ لہذا عبد اللہ بن مبارک کے دونوں قول صحیح ہو سکتے ہیں اور امام صاحب پر کوئی حرف بھی نہیں آتا۔

اعتراض ۳: صاحب حقیقۃ الفقہ نے صفحہ ۱۲۱ پر قلت کے اسباب کی سرخی قائم کر کے امام صاحب کی علم حدیث میں کمی کے چار اسباب بیان کئے ہیں ص ۱۲۱ پر لکھتے ہیں سبب اول عدم تحصیل حدیث

طحاوی مطبوعہ کلکتہ جلد ۱ ص ۳۵ میں امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ

”قال ابو حنیفہ لما اردت طلب العلم جعلت اتخیر العلم واسئل عن عواقبها فقیل لی تعلم القرآن فقلت لعلہ اذا تعلمت القرآن وحفظتہ

فما يكون آخره قالوا تجلس فى المجلس ويقرأ عليك الصبيان والاحداث ثم لا تلبث ان يخرج منهم من هو احفظ منك او من يساويك فتذهب رياستك فقلت ان سمعت الحديث وكتبته حتى لم يكن فى الدنيا احفظ منى قالوا اذا كبرت حدثت واجتمع عليك الاحداث والصبيان ثم لم تأمن ان تغلط فيرموك بالكذب فيصير عارا عليك قلت لا حاجة لى فى هذا . ثم قلت اتعلم النحو فقلت اذا تعلمت النحو والعربية ما يكون آخر امرى قالوا تقعد معلما فاكثر وزقك ديننا وان الى ثلاثة قلت هذا لا عاقبة له قلت فان نظرت فى الشعر فلم يكن اشعر منى ما يكون امرى قالوا تمدح هذا فيهب لك او يحملك على دابة او يخلع عليك خلعة وان حرمك هجوته فصرت تقذف المحصنات فقلت لا حاجة لى فى هذا فقلت فان نظرت فى الكلام ما يكون آخره قالوا لا يسلم من نظر فى الكلام شذات الكلام فيرمى بالزندقة قلت فان تعلمت الفقه قالوا تسئل وتفتى الناس وتطلب للقضاء وان كنت شاذ با قلت ليس لى فى العلوم انفع من هذا فلزمت الفقه وتعلمته“

Www.Ahlehaq.Com

ترجمہ: حضرت امام ابو حنیفہؒ اپنا حال بیان کرتے ہیں کہ جب میرا ارادہ علم حاصل کرنے کا ہوا تو میں تلاش کرنے لگا کہ کون سا علم اچھا ہے سو میں علموں کے فائدے پوچھنے لگا۔ پس مجھ سے کہا گیا کہ قرآن سیکھو، میں نے کہا کہ اگر میں قرآن کو سیکھوں اور اس کو یاد کر لوں تو اس کا کیا نتیجہ ہو گا لوگوں نے کہا کہ کسی مکتب خانہ میں بیٹھ کر لڑکوں کو پڑھاؤ گے اور کس آدمی پڑھیں گے۔ پھر کچھ عرصہ میں ان میں سے کوئی لڑکا تم سے بڑھ کر یا تمہاری مثل حافظ ہو جائے گا تو تمہاری سرداری جاتی رہے گی میں نے کہا کہ اگر میں حدیث کو

سنوں اور لکھوں اور اس میں ایسا کمال حاصل کروں کہ سب سے بڑھ کر محدث بن جاؤں لوگوں نے کہا کہ جب تم بڑی عمر کے ہو جاؤ گے اور حدیث پڑھاتے رہو گے اور کمسن اور جوان لوگ تمہارے شاگرد ہوں گے اور تم بھولنے سے نہیں بچ سکتے تو تم پر طعن جھوٹ کا لگے گا۔ پس تم پر اس کا عار ہو گا تو میں نے کہا کہ اس کی بھی مجھ کو حاجت نہیں۔ پھر میں نے کہا نحو سیکھوں، اور عربیت کو تو نتیجہ کیا ہو گا لوگوں نے کہا کہ معلم ہو گے اور اکثر تمہاری تنخواہ دو یا تین دینار ہو گی، میں نے کہا کہ اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ پھر میں نے کہا کہ اگر میں شاعری سیکھوں اور اس میں کمال پیدا کروں تو کیا نتیجہ ہو گا، لوگوں نے کہا تم کسی کی تعریف کرو گے، وہ تم کو سواری اور خلعت دے گا اگر نہیں دے گا تو تم اس کی ہجو کرو گے پس بے عیبوں کو عیب لگاؤ گے، میں نے کہا کہ اس کی بھی کچھ حاجت نہیں۔ پھر میں نے کہا کہ اگر میں علم کلام یعنی منطق فلسفہ سیکھوں، لوگوں نے کہا کہ اس علم کا سیکھنے والا ناقص باتیں کرنے سے نہیں بچتا۔ پھر اس پر زندیق وغیرہ ہونے کا عیب لگ جاتا ہے۔ پھر میں نے کہا کہ اگر میں فقہ سیکھوں۔ لوگوں نے کہا کہ فقہ کو سیکھو گے تو تم سے مسئلے پوچھے جائیں گے۔ فتوے لئے جائیں گے اور قاضی و مفتی بنانے کے لئے بلایا جائے گا۔ اگرچہ تم اس سے بچنے والے ہو گے، میں نے کہا کہ میرے لئے اس سے بڑھ کر کوئی علم زیادہ فائدہ مند نہیں ہے۔ پس میں نے فقہ کے علم کو خوب حاصل کیا۔

پہلا جواب : در مختار میں فقہ کی فضیلت کے ذکر میں یہ عبارت ہے۔

وفى الملتقط وغيره عن محمد لا ينبغي للرجل ان يعرف بالشعر والنحو لان آخر امره الى المسئلة وتعليم الصبيان ولا بالحساب لان آخر امره الى مساحة الارضين ولا بالتفسير لان آخر امره الى التذكير والقصص

بل يكون علمه في الحلال والحرام وما لا يدر منه من الاحكام (در مختار . مطبوعه مصر بر حاشيه رد المختار . جزء اول . ص ۳۰)

سید احمد طحاوی نے صاحب در مختار کے قول من الاحکام کے تحت یوں لکھا ہے:

”بيان لما ذكر السيوطي في تبليص الصحيفة في مناقب الامام ابى حنيفة ما نص روى الخطيب في تاريخه عن ابى يوسف قال قال ابو حنيفة لما اردت طلب العلم جعلت اتخير العلوم الخ (حاشيه طحطاوى مطبوعه بولاق مصر ۱۲۵۴ . جزء اول ص ۲۶)“

یہ بیان ہے اس کا جسے سیوطی نے تبلیص الصحيفة فی مناقب الامام ابی حنیفہ میں ذکر کیا ہے۔ اس کی عبارت یہ ہے روى الخطيب في تاريخه عن ابى يوسف قال (خطیب نے اپنی تاریخ میں ابو یوسف سے روایت کی۔ کہا) قال ابو حنيفة لما اردت طلب العلم جعلت اتخير العلوم الخ

عبارت بالا سے ظاہر ہے کہ طحاوی کے نزدیک روایت ملقط بیان ہے روایت خطیب کا۔ روایت ملقط کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو مناسب نہیں کہ شعر و نحو و حساب و تفسیر ہی میں اپنا تمام وقت صرف کر دے اور ان میں مشہور و معروف ہو جائے بلکہ اس کو زیادہ ترقی میں لیاقت حاصل کرنی چاہیے۔ یعنی بقدر ضرورت شعر و نحو وغیرہ کو حاصل کر کے فقہ کو اپنا خاص فن بنانا چاہیے۔ طحاوی کے نزدیک ملقط روایت کے یہ معنی نہیں کہ شعر و نحو و حساب و تفسیر کو بالکل نہ سیکھنا چاہیے بلکہ فقہ ہی کو بغیر ان کے سیکھ لینا چاہیے۔ چنانچہ طحاوی نے اس روایت کے الفاظ بل يكون علمه کے تحت میں لکھا ہے:

”ای معظم علمه فلا ينافي ان معرفة طرف من العلوم للتوصل لفهم

السنة والكتاب مطلوب ويتاب عليه ان حسنت نيته“

یعنی اس کے علم کا بڑا حصہ۔ پس یہ قول اس امر کا منافی نہیں کہ علوم کے ایک حصے کی معرفت قرآن و حدیث کے سمجھنے کے لئے مطلوب ہے۔ اور اس پر ثواب ملے گا اگر اس کی نیت اچھی ہو۔

جب ہمیں روایت ملنقط کا مطلب بنا بر قول طحاوی معلوم ہو گیا۔ تو روایت خطیب کا مضمون یہی اس کے مخالف نہ ہونا چاہیے کیونکہ روایت ملنقط اسی کا بیان ہے۔ پس امام طحاوی کے نزدیک روایت خطیب کا حاصل یہ ہو گا کہ امام صاحب نے حسب ضرورت قرآن و حدیث و نحو و عربیت و شعر و کلام کو پڑھ کر علم فقہ کو اپنا خاص فن بنایا۔ طحاوی کے علاوہ سیوطی نے بھی روایت خطیب کا یہی مطلب سمجھا ہے کیونکہ اسے مناقب امام میں درج کیا ہے۔ اور یہی حق ہے۔ اور اسی مطلب کی تائید اس روایت کے دوسرے طریق سے ہوتی ہے جسے امام موفق بن احمد مکی (متوفی ۵۶۸ھ) نے مناقب امام اعظمؒ (مطبوعہ دائرة المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن۔ جزء اول۔ ص ۵۷) میں بسند متصل یثیم بن عدی طائی اور نیز امام ابو یوسف سے بدیں الفاظ نقل کیا ہے۔

”قال قلت لابی حنیفة العلوم كثيرة ذات فنون فكيف وقع اختيارك على هذا الفن الذي انت فيه وكيف وفقت له وليس علم اشرف منه قال اخبرك اما التوفيق فكان من الله وله الحمد كما هو اهلہ ومستحقه انی لما اردت تعلم العلم جعلت العلوم کلها نصب عینی فقرأت فنا فنا منها وتفكرت عاقبته وموقع نفعه فقلت آخذنی الکلام ثم نظرت فاذا عاقبته عاقبة سوء ونفعه قليل واذا اکمل الانسان فيه واحتیج الیه لا یقدر ان یتکلم جهارا ورمی بکل سوء ویقال صاحب هوی ثم تتبعت امر الادب

والنحو فاذا عاقبة امره ان اجلس مع صبي اعلمه النحو والادب . ثم تتبع امر الشعر فوجدت عاقبة امره المذبح والهجاء وقول الهجر والكذب وتمزيق الدين . ثم تفكرت في امر القرأت فقلت اذا بلغت الغاية منه اجتمع الى احداث يقرؤون على والكلام في القرآن ومعانيه صعب فقلت الهلب الحديث فقلت اذا جمعت منه الكثير احتاج الى عمر طويل حتى يحتاج الناس الى واذا احتيج اليه لا يجتمع الا الاحداث ولعلمهم يرمونني بالكذب او سوء الحفظ فلزمني ذلك الى يوم الدين ثم قلبت الفقه فكلما قلبته او ادرته لم يزد الا حلالة ولم اجد

فيه عيباً الخ“

Www.Ahlehaq.Com

کہا۔ میں نے ابو حنیفہ سے پوچھا کہ علوم بکثرت اور کئی قسم کے ہیں۔ تو نے اس فن کو جس میں تو مشغول ہے کیونکر اختیار کیا اور کیونکر تجھے اس کی توفیق دی گئی۔ حالانکہ کوئی علم قدر ورتبہ میں اس سے بڑھ کر نہیں۔ آپ نے فرمایا میں تجھے بتاتا ہوں۔ توفیق تو اللہ کی طرف سے ہے اور اس کے لئے سب ستائش ہے جس کا وہ اہل و مستحق ہے۔ جب میں نے علم سیکھنے کا ارادہ کیا۔ تو تمام علوم کو اپنا نصب العین و منظور خاطر بنایا۔ پس میں نے ایک ایک فن کو پڑھا۔ اور اس کے نتیجہ اور نفع کے موقع میں غور کی۔ میں نے کہا۔ میں کلام کو لیتا ہوں پھر میں نے غور کی۔ تو اس کا نتیجہ برا اور نفع تھوڑا پایا۔ جب انسان اس میں کامل ہو جاتا ہے اور محتاج الیہ بن جاتا ہے۔ تو قادر نہیں ہوتا کہ پکار کر کلام کرے۔ اور ہر برائی سے متہم ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ صاحب خواہش نفسانی ہے۔ پھر میں نے ادب و نحو کے امر میں غور کی۔ تو اس کا انجام کاریہ دیکھا کہ کسی لڑکے کے ساتھ بیٹھوں اور اسے نحو و ادب سکھاؤں۔ پھر میں نے شعر کے امر میں

غور کی۔ تو اس کا انجام کار مدح و جہو اور قول بے ہودہ و کذب اور دین کا پارہ پارہ کرنا پایا۔ پھر میں نے قرأتوں کے امر میں فکر کی۔ پس میں نے کہا۔ جب میں اس کی غایت کو پہنچ جاؤں گا۔ تو میرے پاس لڑکے جمع ہوں گے جو مجھ سے پڑھیں گے۔ اور قرآن اور اس کے معانی میں کلام کرنا دشوار ہے۔ پس میں نے کہا۔ میں حدیث طلب کروں۔ پس سوچا کہ جب بہت سی جمع کر لوں گا۔ تو عمر طویل چاہیے کہ لوگوں کا محتاج الیہ بنوں۔ اور جب محتاج الیہ بنوں گا تو میرے پاس صرف لڑکے جمع ہوں گے۔ شائد وہ مجھ کو کذب یا سوء حفظ سے متہم کریں۔ پس وہ الہام قیامت کے دن تک مجھ پر رہے گا پھر میں نے فقہ میں غور کی۔ پس جتنی دفعہ میں نے اس میں غور کی۔ اس کی جلالت و فضیلت زیادہ نظر آئی۔ اور میں نے اس میں کوئی عیب نہ پایا۔ الخ

علامہ موفق کی روایت سے ظاہر ہے کہ امام صاحب نے پہلے ہر علم کو فرداً فرداً پڑھا۔ پھر نظر بر فوائد دارین فقہ کو سب پر ترجیح دے کر اسے اپنا خاص فن بنایا۔ رہا یہ امر کہ خطیب نے اس واقعہ کو کیوں صاف صاف بیان نہ کیا اور امام صاحب کی طرف قرآن و حدیث کی نسبت الفاظ لا حاحۃ لی فی هذا کیوں منسوب کئے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ خطیب امام صاحب کا حاسد مشہور ہے۔ حاسد کا قاعدہ ہے کہ محسود کے ہنر کو بھی ایسے پیرایہ میں بیان کیا کرتا ہے کہ جس سے تنقیص کی بو آتی ہو۔ اگر ان الفاظ کی نسبت امام صاحب کی طرف تسلیم بھی کر لی جائے۔ تو ان کے یہ معنے ہوں گے کہ تفسیر و حدیث کو خاص فن بنانے کی مجھے ضرورت نہیں نہ یہ کہ ان کی مجھے بالکل ہی ضرورت نہیں علاوہ ازیں شیخ ابن حجر مکی نے جو روایت خطیب نقل کی ہے۔ اس میں یہ الفاظ نہیں۔ شیخ موصوف نے اس روایت کی نقل کے بعد یہ کارآمد ضمیمہ بطور تنبیہ زیادہ کر دیا ہے۔

”(تنبيه) احذر ان تتوهم من ذلك ان ابا حنيفة لم يكن له خبرة تامة بغير الفقه حاشا لله كان فى العلوم الشرعية من التفسير والحديث والآلة من العلوم الادبية والمقاييس الحكمية بحرا لا يجارى واماما لا يماوى وقول بعض اعدائه فيه خلاف ذلك منشؤه الحسد وحجة الترفع على الاقران ورميهم بالزور والبهتان ويأبى الله الا ان يتم نوره ومما يكذب ذلك ان له مسائل فقهية بنى اقوال فيها على علم العربية بما ان وقف عليه من تأمل لقضى بتمكنه من هذا العلم بما يبهز العقل وان له من النظم البديع ما يعجز عنه كثير من نظرائه وقد اتفرد بها بالتأليف الزمخشري وغيره على ما يأتى وسيأتى انه صح عنه انه كان يختم فى شهر رمضان ستين ختمة وانه كان يقرأ القرآن كله فى ركعة فرعم بعض حاسد يد انه كان لا يحفظ القرآن بهت منه وكذب شنيع وقال ابو يوسف ما رأيت اعلم بتفسير الحديث من ابى حنيفة وكان ابصر بالحديث الصحيح منى وفى جامع الترمذى عنه ما رأيت اكذب من جابر الجعفى ولا افضل من عطاء ابن رباح وروى البيهقى عنه انه سئل عن الاخذ عن سفيان الثورى فقال اكتب عنه فانه ثقة ما عدا احاديث ابى اسحاق عن جابر الجعفى وروى الخطيب عن سفيان بن عيينة انه قال اول من اقعدنى للحديث بالكوفة ابو حنيفة قال لهم هذا اعلم الناس بحديث عمرو بن دينار وبهذا يعلم جلاله مرتبته فى الحديث ايضا كيف وهو يستأمر فى الثورى ويجلس ابن عيينة (خيرات الحسان مطبوعه مصر . الفصل التاسع . ص ٢٤-٢٨)“

تنبیہ: اس روایت سے تو یہ وہم نہ کر بیٹھنا کہ امام ابو حنیفہ کو سوائے فقہ کے کسی علم سے پوری واقفیت نہ تھی حاشا للہ۔ وہ علوم شرعی یعنی تفسیر و حدیث اور آلہ یعنی علوم ادبیہ و مقالیں حکمیہ میں سمندر تھے جن کی ہمسری نہیں کی جاسکتی اور امام تھے جن کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ آپ کے بعض دشمنوں نے جو اس کے خلاف کہا ہے اس کا باعث حسد ہے اور اس امر کی دلیل امام صاحب کا اپنے اقران پر سبقت لے جانا اور حساد کا آپ کو فریب و بہتان سے متہم کرنا ہے۔ اور اللہ انکار کرتا ہے مگر یہ کہ اپنے نور کو پورا کرے۔ اور منجملہ ان دلائل کے جو اس کی تکذیب کرتے ہیں یہ ہے کہ آپ کے بہت سے مسائل فقہیہ ہیں جن میں آپ نے اپنے اقوال کو علم عربیت پر اس طرح مبنی کیا ہے کہ اگر غور کرنے والا اس سے واقف ہو جائے۔ تو وہ بے شک یہ حکم لگائے گا کہ آپ کو اس علم پر وہ دسترس ہے کہ عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اور آپ کی نظم بلیغ میں سے بعض ایسی ہے کہ اس سے آپ کے بہت سے اقران عاجز ہیں۔ اور امام زحشری وغیرہ نے تو آپ کی نظم پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جیسا کہ آئے گا۔ اور عنقریب آئے گا کہ آپ کی نسبت یہ بات ثابت ہے کہ آپ ماہ رمضان میں ساٹھ ختم قرآن کیا کرتے تھے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ایک رکعت میں تمام قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ لہذا آپ کے بعض حسدوں کا یہ گمان کہ آپ کو قرآن حفظ نہ تھا بہتان اور برا جھوٹ ہے۔ اور امام ابو یوسف نے فرمایا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر کسی کو حدیث کی تفسیر کا عالم نہیں دیکھا اور امام صاحب میری نسبت حدیث صحیح کے زیادہ شناخت کرنے والے تھے۔ جامع ترمذی میں آپ سے روایت ہے کہ میں نے جابر جعفی سے بڑھ کر کسی کو کاذب نہیں دیکھا اور عطاء بن ابی رباح سے بڑھ کر فاضل نہیں دیکھا۔ اور بیہقی نے آپ سے روایت کی ہے کہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ آیا سفیان ثوری سے حدیث اخذ کی جائے

آپ نے فرمایا۔ ان سے حدیث لکھ لیا کر۔ کیونکہ وہ ثقہ ہیں سوائے ان حدیثوں کے جو ابواسحاق نے جابر جعفی سے روایت کی ہیں۔ اور خطیب نے سفیان بن عیینہ سے روایت کی کہ اس نے کہا پہلے وہ شخص جنہوں نے مجھے کوفہ میں حدیث کے لئے بٹھایا ابو حنیفہ ہیں آپ نے اہل کوفہ سے فرمایا کہ سفیان بن عیینہ عمرو بن دینار کی حدیث کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ اس سے حدیث میں بھی امام صاحب کے رتبے کی جلالت و بزرگی معلوم ہوتی ہے۔ کیوں نہ ہو۔ امام ثوری کے بارے میں آپ سے دریافت کیا جاتا ہے اور ابن عیینہ کو آپ حدیث کے لئے بٹھاتے ہیں۔

Www.Ahlehaq.Com

اگرچہ علامہ ابن حجر مکی نے بدلائل واضح بتادیا کہ اس روایت خطیب کے یہ معنی نہیں کہ امام صاب فقہ کے سوا کسی اور علم میں کامل نہ تھے۔ مگر حاسد باز نہیں آتے۔ وکفی للحسود حسدہ۔ بے پوری کیا سمجھے فقہ حنفی کو۔ فقہ حنفی کا سمجھنا خالہ جی کا گھر نہیں۔ شیخ الاسلام تاج الدین سبکی (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ۔ جزء ثانی ص ۱۷۴) تحریر فرماتے ہیں وفقہ ابی حنیفہ دقیق۔ علاہ عبدالوہاب شعرانی جنہوں نے مذاہب اربعہ کے دلائل کا بغور مطالعہ کیا ہے فقہ حنفی کی نسبت یوں فرماتے ہیں:

”وقد تتبع بحمد الله اقواله واقوال اصحابه لما الفت كتاب ادلة المذاهب فلم اجد قولاً من اقواله او اقوال اتباعه الا وهو مستند الى آية او حديث او اثر او الى مفهوم ذلك او حديث ضعيف كثر طرقه او الى قياس صحيح شن اراد الوقوف على ذلك فليطالع كتابي المذكور . (كتاب الميزان مطبوعه مصر . جزء اول ص ۵۵)“

اور میں نے بحمد اللہ امام ابو حنیفہ کے اقوال اور ان کے اصحاب کے اقوال کی تحقیقات کی جب میں نے کتاب ادلة المذاهب تالیف کی۔ پس میں نے آپ کے

اقوال میں سے یا آپ کے اتباع کے اقوال میں سے کوئی قول ایسا نہ پایا جو کسی آیت یا حدیث یا امر صحابی یا اس کے مفہوم کی طرف یا کسی حدیث ضعیف کی طرف جس کے طرق بکثرت ہوں یا اصل صحیح پر قیاس صحیح کی طرف مستند نہ ہو۔ جو شخص اس حقیقت سے آگاہ ہونا چاہے وہ ہماری کتاب مذکور کا مطالعہ کرے۔

اب ہم جے پوری سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے عبارت طحاوی نقل کرتے وقت خطیب کا نام نامی کس لئے پس انداز کر دیا۔ کیا اس لئے کہ ہم سمجھ جائیں کہ طحاوی نے مان لیا ہے کہ امام صاحب نے قرآن و حدیث کی نسبت فی الواقع یوں فرمایا۔ لا حاجة لی فی هذا۔ کیا اس لئے کہ ہم خیال کریں کہ طحاوی قائل ہیں کہ امام صاحب نے بغیر قرآن و حدیث فقہ بنادی۔

لہذا ہم بطور مشتمتہ نمونہ از خردار چند مناقب فقہ درج کرتے ہیں۔

۱۔ فقہ خیر کثیر ہے چنانچہ بخاری شریف (باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ

فی الدین) میں ہے۔

”حدثنا سعید بن عفیر قال ثنا ابن وهب عن یونس عن بن شهاب قال قال حمید بن عبد الرحمن سمعت معاویہ رضی اللہ عنہ خطیبا یقول سمعت النبی ﷺ یقول من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین وانما انا قاسم واللہ یعطی ولن تزال هذه الامة قائمة علی امر اللہ لا یضرهم من خالفهم حتی یاتی امر اللہ“

(بحذف اسناد) حمید ابن عبد الرحمن نے کہا میں نے حضرت معاویہؓ کو خطبہ خوانی کی حالت میں سنا کہ کہتے تھے۔ میں نے نبی ﷺ کو سنا کہ فرماتے تھے۔ جس شخص کے ساتھ اللہ بڑی نیکی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں فقیہ بنادیتا ہے۔ اور میں تو صرف بانٹنے والا ہوں اور اللہ عطا کرتا ہے۔ اور یہ امت اللہ کے احکام پر رہے گی۔ اس کو نقصان نہ دے گا وہ شخص جو اس کی مخالفت کرے گا یہاں

تک کہ اللہ کا امر (قیامت یا ان کی موت) آئے گا۔

علامہ عینی عمدۃ القاری میں اس حدیث کی شرح میں یوں لکھتے ہیں۔

”قال التور بشتی اعلم ان النبی علیہ الصلوۃ والسلام اعلم اصحابہ انه لم یفضل فی قسمة ما اوحی اللہ الیہ احدا من امتہ بل سوی فی البلاغ وعدل فی القسمة وانما التفاوت فی الفہم وهو واقع من طریق العطاء ولقد کان بعض الصحابة رضی اللہ عنہم یسمع الحدیث فلا یفہم منہ الا الظاہر الجلی ویسمعه آخر منہم او من بعدہم فیستنبط منہ مسائل كثيرة وذلك فضل اللہ یوتیہ من یشاء“

تور بشتی (فضل اللہ شافعی متوفی ۶۶۰ھ نے کہا۔ جان لے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے صحابہ کو آگاہ کر دیا کہ آپ نے وحی الہی کی تقسیم میں اپنی امت میں سے کسی کو ترجیح نہیں دی۔ بلکہ اس وحی کی تبلیغ میں سب کو برابر رکھا اور تقسیم میں عدل کیا۔ تفاوت تو صرف سمجھ میں ہے اور وہ عطیہ الہی ہے۔ بے شک بعض صحابہ رضی اللہ عنہم حدیث کو سنتے تھے۔ پس اس سے سوائے ظاہر جلی معنی کے اور نہ سمجھتے تھے۔ حالانکہ ان میں سے دوسرے یا وہ جو ان کے بعد ہوئے (چنانچہ امام ابو حنیفہؒ) اسی حدیث کو سنتے تھے۔ پس اس سے بہت سے مسئلے نکالتے تھے۔ اور یہ اللہ کا فضل ہے دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔

۲۔ فقیہ کے مثال جناب رسالت مآب ﷺ نے یوں بیان فرمائی ہے۔

”مثل ما بعثنی اللہ بہ من الہدیٰ والعلم کمثل الغیث اصاب ارضا فکان منہا نقیۃ قبلت الماء فانبتت الکأ والعشیب الکثیر وکانت منہا اجادب امسکت الماء فنفع اللہ بہا الناس فشربوا وسقوا وزرعوا واصاب منہا طائفۃ اخری انما ہی قیعان لا تمسک ماء ولا تنبت کأ فذلک مثل من فقه فی دین اللہ ونفعہ ما بعثنی اللہ بہ فعلم وعلم ومثل من لم یرفع

بذلک رأساً ولم یقبل ہدی اللہ الذی ارسلت بہ . (صحیح بخاری .
باب فضل من علم وعلم)“

اس ہدایت و علم کا حال جس کے ساتھ مجھے اللہ نے بھیجا ہے اس بڑی بارش کے حال کا سا ہے جو زمین کو پہنچے۔ اس زمین میں سے کچھ حصہ صاف تھا جس نے پانی قبول کر لیا اور بہت سی خشک و تر گھاس اگی۔ اور اس میں سے سخت حصے تھے جنہوں نے پانی کو روک لیا۔ پس اللہ نے ان سے لوگوں کو نفع دیا۔ پس انہوں نے پیا اور پلایا اور کھیتی کی۔ اور اس زمین کے دوسرے ٹکڑے کو بارش پہنچی جو صرف چٹیل میدان ہے۔ نہ پانی روکتا ہے اور نہ سبزہ اگاتا ہے۔ پس یہ ہے حال اس شخص کا جو اللہ کے دین میں فقیہ ہو اور اسے نفع دیا اس چیز نے جس کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے۔ پس اس نے سیکھا اور سکھایا۔ اور حال اس کا جس نے (تکبر ہے) اس کی طرف سر نہ اٹھایا اور اللہ کی ہدایت قبول نہ کی جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں۔

۳۔ جناب سرور دو عالم ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے یوں دعا فرمائی تھی۔ ”اللہم فقیہہ فی الدین“ یعنی اے اللہ اس کو دین کا فقیہ بنا دے (مشکوٰۃ۔ باب مناقب اہل بیت النبی ﷺ)

۴۔ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے بھاری ہے۔ چنانچہ بیہقی و دار قطنی میں ہے۔

”عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عن النبی علیہ السلام ما عبد اللہ بشئ افضل من فقیہ فی دین اللہ ولفقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد ولکل شیء عماد وعماد الدین الفقیہ وقال ابو ہریرۃ لان اجلس ساعة فافقہ احب الی من ان احیی لیلۃ القدر وفی روایۃ لیلۃ الی الصباح والطریقۃ المحمدیۃ فی بیان السیرۃ النبویۃ الاحمدیۃ للشیخ محمد بن

پیر علی البرکوی . مطبوعہ استنبول ص ۳۹

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں۔ کہ اللہ کی عبادت نہیں کی گئی کسی ایسی چیز کے ساتھ جو فقہ فی دین اللہ سے افضل ہو۔ البتہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے بھاری ہے۔ اور ہر شی کے لئے ستون ہوتا ہے۔ اور دین کا ستون فقہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ اگر میں ایک ساعت بیٹھ کر فقہ سیکھوں۔ تو یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس سے کہ میں شب قدر کو جاگتا رہوں۔ اور ایک روایت میں ہے۔ رات کو صبح تک (جاگوں)۔

۵۔ فقیہ کی اطاعت کرنی چاہیے۔ چنانچہ سنن دارمی (مطبوعہ نظامی۔ باب الاقتداء بالعلماء۔ ص ۴۰) میں ہے۔

”اخبِرْنَا يَعْلى ثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ عَطَاءٍ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ قَالَ أُولُوا الْعِلْمَ وَالْفَقْهَ وَأَطَاعَةُ الرَّسُولِ اتِّبَاعُ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ“

ہمیں خبر دی یعلی نے۔ ہم سے حدیث کی عبد الملک نے۔ اس نے عطاء سے۔ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔ عطاء نے فرمایا اولی الامر سے مراد اہل علم و فقہ ہیں۔ اور رسول کی اطاعت قرآن و حدیث کا اتباع ہے۔ ۶۔ حاکم بنی سے پہلے فقہ سیکھنی چاہیے۔ چنانچہ صحیح بخاری (باب الاعتباط فی العلم والحکمہ) میں ہے۔

”وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ تَفَقَّهُوا قَبْلَ أَنْ تَسُودُوا قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ وَبَعْدَ أَنْ تَسُودُوا وَقَدْ تَعَلَّمَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ فِي كِبَرٍ مِنْهُمْ“

اور فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فقہ سیکھو قبل اس کے کہ تم سردار بنائے جاؤ کہا ابو عبد اللہ (امام بخاری) نے اور فقہ سیکھو بعد سردار بنائے جانے کے۔ اور نبی ﷺ کے اصحاب نے بڑھاپے میں علم سیکھا

۷۔ فقہ حدیث کا ثمرہ ہے۔ چنانچہ امام بخاری (مقدمہ قسطلانی شرح صحیح بخاری) نے مسئلہ رباعیات کی تشریح کرتے ہوئے ابوالعباس الولید بن ابراہیم سے یوں فرمایا:

”وان لم تطلق حمل هذه المشاق كلها فعليك بالفقه يمكنك تعلمه وانت في بيتك قادسا كن لا تحتاج الى بعد الاسفار ووطء الديار وركوب البحار وهو مع ذا ثمرة الحديث وليس ثواب الفقيه دون ثواب المحدث في الآخرة ولا عزه باقل من عز المحدث“

اور اگر تو ان تمام مشقتوں کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ تو تجھ پر فقہ کا سیکھنا لازم ہے۔ تیرے لئے فقہ کا سیکھنا ممکن ہے حالانکہ تو اپنے گھر میں قیام پذیر ہو۔ تجھے دور دراز سفر کرنے اور ملک بملک پھرنے اور سمندروں کے سفر کی حاجت نہ ہوگی۔ اور فقہ باوجود اس کے حدیث کا ثمرہ ہے۔ اور آخرت۔

۸۔ فقہاء احادیث کے معنی محدثین سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ چنانچہ ترمذی (صحیح ترمذی۔ جلد اول۔ باب ماجاء فی غسل لہیت) نے غسل میت کے بارے میں مذاہب فقہاء بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وكذلك قال الفقهاء وهم اعلم بماعنى الاحاديث يعنى فقهاء نے ایسا ہی کہا ہے اور وہ احادیث کے معنی (محدثین کی نسبت) زیادہ جاننے والے ہیں۔

۹۔ قاضی ابو الطیب الطبری الشافعی (متوفی ۴۵۰ھ) جن کی نسبت شیخ الاسلام تاج الدین سبکی فرماتے ہیں۔ کان اماما جلیلا بحرا غواصا متسع الدائرة عظیم العلم جلیل القدر کبیر المحل تفرد فی زمانہ انہوں نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ حضور نے فرمایا۔ یا فقیہ قاضی ممدوح اس پر فخر کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے۔ سمانی رسول اللہ فقیہاً یعنی رسول اللہ ﷺ نے میرا نام فقیہ کہا (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ۔ جزء ثالث۔

ص ۷۷) اللہ اللہ ایک یہ زمانہ ہے کہ فقہ کو جرم قرار دیا جاتا ہے۔

یہ ہیں تفاوت رہ از کجاست تاب کجایا

فقہ کے ان مناقب میں ہم نے امام بخاریؒ اور امام ترمذیؒ کی شہادت بھی درج کر دی ہے۔ دیکھئے اب غیر مقلدین کیا کہتے ہیں۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں جو محدثین گزرے ہیں ان کے حالات دیکھو کہ کس طرح انہوں نے باوجود حدیث دانی فقہ سیکھنے کی کوشش کی ہے۔ امام بخاریؒ جنہیں رئیس المحدثین کہا جاتا ہے ان کے ترجمہ میں امام سبکی (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جزء ثانی ص ۴۱) تحریر فرماتے ہیں۔ وتفقه علی الحمیدی یعنی امام بخاری نے حمیدی سے فقہ سیکھی۔ اگر فقہ کا سیکھنا برا ہوتا۔ تو امام بخاری کس لئے امام حمیدی کے آگے زانوے شاگردی تہہ کرتے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نری حدیث دانی سے کام نہیں چل سکتا۔ توضیح کے لئے ہم چند مثالیں پیش کرتے ہیں امام ابراہیم بن خالد بن الیمان ابو ثور الکلبی البغدادی (متوفی ۲۴۰ھ) جو محدث ہونے کے علاوہ فقیہ بھی تھے ان کے ترجمہ میں طبقات الشافعیۃ الکبریٰ (جزء اول ص ۲۲۸) میں لکھا ہے۔

”ولا شک ان الفقه کان اغلب علیہ من الحدیث وکان المحدثون اذا سئلوا عن مسائل الفقه احوالوا علیہ۔“

کوئی شک نہیں کہ ابو ثور پر حدیث کی نسبت فقہ غالب تھی۔ اور جب محدثین سے مسائل فقہ دریافت کئے جاتے تھے۔ تو ابو ثور کے پاس بھیج دیتے تھے۔ اس عبارت کے بعد امام سبکیؒ نے بسند متصل واقعہ ذیل لکھا ہے۔

”وقفت امرأة علی مجلس فیہ یحیی بن معین وابو خیشمة وخلف بن سالم فی جماعة یتذاکرون الحدیث فسمعتهم یقولون قال رسول اللہ ﷺ ورواہ فلان وما حدث به غیر فلان فسالنهم عن الحائض هل تغسل

الموتی وكانت غاسلة فلم يجيها احد منهم وكانوا جماعة وجعل بعضهم ينظر الى بعض فاقبل ابو ثور فقالوا لها عليك بالمقبل فالتفت اليه وقد دنا منها فسأله فقال نعم تغسل لحديث القاسم عن عائشة ان النبي ﷺ قال لها ان حيضتك ليست في يدك ولقولها كنت افرق رأس النبي ﷺ بالماء وانا حائض قال ابو ثور فاذا فرق رأس من الحي فالميت اولى به فقالوا نعم رواه فلان واخبرناه فلان ونعرفه من طريق كذا وخاضوا في الروايات والطرق فقالت المرأة فاين انتم الى الآن

ایک غاسلہ یعنی مردوں کے غسل دینے والی عورت ایک مجلس میں ٹھہر گئی جس میں یحییٰ بن معین اور ابو خیمہ اور خلف بن سالم ایک جماعت میں حدیث کا تذکرہ کر رہے تھے پس اس نے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے قال رسول اللہ ﷺ (فرمایا رسول اللہ ﷺ نے) رواہ فلان (اس حدیث کو فلاں راوی نے روایت کیا ہے) وما حدث به غیر فلان (سوائے فلاں راوی کے اس حدیث کو کسی نے روایت نہیں کیا)۔ پس اس غاسلہ نے ان سے پوچھا کہ کیا حیض والی عورت میت کو غسل دے سکتی ہے۔ محدثین میں سے کسی نے اس کا جواب نہ دیا حالانکہ وہ جماعت تھی۔ اور ایک دوسرے کی طرف جانکنے لگے۔ پس ابو ثور آنکلی انہوں نے اس عورت سے کہا کہ آنے والے سے پوچھ۔ پس وہ ابو ثور کی طرف متوجہ ہوئی اور ابو ثور اس کے قریب ہوئے۔ اس عورت نے آپ سے پوچھا آپ نے فرمایا ہاں غسل دے دے اس لئے کہ قاسم نے حضرت عائشہ سے روایت کی کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اور اس لئے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا ہے کہ میں حیض کی حالت میں نبی ﷺ کے سر مبارک میں پانی سے مانگ نکالا کرتی تھی۔ ابو ثور نے فرمایا۔ جب حائض زندہ کے سر میں پانی سے مانگ نکال سکتی ہے تو بطریق اولیٰ مردہ کو غسل دے

سکتی ہے (یہ ہے فقہ) پس محدثین بولے ہاں۔ اس حدیث کو فلاں نے روایت کیا ہے فلاں نے ہم کو اس کی خبر دی ہے ہم اس کو فلاں فلاں طریق سے جانتے ہیں۔ اور وہ روایات و طرق حدیث میں خوض کرنے لگے۔ اس پر وہ عورت بولی اب تک تم کہاں تھے؟

امام ابو علی ثقفی جو محدث و فقیہ تھے ان کے حال میں (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جزء ثانی ص ۱۷۳) لکھا ہے:

”وروی رای الحاکم بسندہ الی ابن خزیمہ انه استفتی فی مسائل فدعا بدواة ثم قال لابی علی الثقفی اجب فاخذ ابو علی القلم وجعل یکتب الاجوبة ویضعها بین یدی ابن خزیمہ وهو ینظر فیها ویأمل مسئلة مسئلة فلما فرغ منها قال له یا ابا علی ما یحل لاحد من نجراسان ان یتفتی وانت هی“

حاکم نے باسند روایت کی ہے کہ ابن خزیمہ سے چند مسئلوں میں استفتا کیا گیا۔ پس اس نے دوات طلب کی پھر ابو علی ثقفی سے کہا۔ جواب دے۔ اس پر ابو علی نے قلم پکڑا۔ اور جوابات لکھنے لگا۔ اور ان کو ابن خزیمہ کے آگے رکھتا جاتا تھا اور وہ انہیں دیکھتا تھا اور ایک ایک مسئلے میں غور کرتا تھا۔ پس جب وہ ان سے فارغ ہوا تو ابو علی سے بولا۔ اے ابو علی۔ خراسان میں ہم میں سے کسی کو جائز نہیں کہ تیری زندگی میں فتوے دے۔

دوسرا جواب: جے پوری نے اس حکایت سے یہ مطلب نکالنا چاہا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت امام صاحبؒ نے علم حدیث حاصل ہی نہیں کیا اس کا جواب کئی طرح سے ہے۔

اولاً: تو یہ روایت ہی موضوع و من گھڑت ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس پر سخت تنقید کرتے ہوئے اسے موضوع و من گھڑت قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ

فرماتے ہیں۔

”واحسب هذه الحكاية موضوعة ففى اسنادها من ليس بشقة“ (۱)

میرا خیال ہے کہ یہ حکایت من گھڑت ہے اور اس کی سند میں غیر ثقہ راوی ہیں۔

آگے فرماتے ہیں:

”قلت: الآن كما جزمتم بانها حكاية مختلفة“ (۲)

میں کہتا ہوں کہ اب تو مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہ کہانی من گھڑت ہے۔
مزید غصہ کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”قلت قاتل الله من وضع هذه الخرافة“ (۳)

خدا اسے غارت و برباد کرے جس نے یہ خرافات گھڑی ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی رقمطراز ہیں:

”یہ روایت محض غلط ہے تمام معتمد روایتیں اس کے خلاف ہیں جو ریمار کس امام صاحب کی طرف منسوب کئے ہیں ایسے جاہلانہ ریمار کس ہیں کہ ایک معمولی آدمی کی طرف بھی منسوب نہیں کئے جاسکتے۔ اس روایت کو صحیح مانیں تو ماننا پڑے گا کہ حدیث و کلام کی طرف امام ابو حنیفہؒ نے توجہ ہی نہیں کی، حالانکہ ان فنون میں امام ابو حنیفہؒ کا جو پایہ ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے یہ ممکن ہے کہ تحصیل علم کے بعد امام نے خیال کیا ہو کہ کس فن کو اپنا خاص فن بنائیں اور چونکہ عام خلایق کی ضرورتیں فقہ سے وابستہ دیکھیں اس لئے اسی کو ترجیح دی“ (۴)

۱۔ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی - سیر اعلام النبلاء ج ۶ ص ۳۹۶ - ۲۔ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی - سیر اعلام النبلاء ج ۶ ص ۳۹۶ - ۳۔ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی - سیر اعلام النبلاء ج ۶ ص ۳۹۷ - ۴۔ شبلی نعمانی - سیرت النعمان ص ۴۱

جب کہ یہ حکایت ہی موضوع و من گھڑت ہے تو بے پوری صاحب کا اس کو ذکر کرنا اور اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ امام صاحب نے علم حدیث حاصل ہی نہیں کیا انصاف و دیانت کے خلاف ہے۔

ثانیاً: تھوڑی دیر کے لئے اگر ہم اس روایت کو مان بھی لیں اور جو مطلب ہے پوری صاحب نکالنا چاہتے ہیں وہ مطلب بھی نکال لیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے علم حدیث حاصل ہی نہیں کیا تو: نمبر ۱: ان کے جو چار ہزار اساتذہ بتائے جاتے ہیں اس کا کیا مطلب؟ نمبر ۲:

پھر آپ کو جو کبار مجتہدین میں سے شمار کیا جاتا ہے اس کا کیا مطلب؟ کیونکہ مجتہد تو علم حدیث کی تحصیل کے بغیر کوئی بن ہی نہیں سکتا، نمبر ۳: پھر حضرت امام صاحبؒ کو جو امام ذہبی، امام سیوطی اور امام یوسف صالحی رحمہم اللہ نے حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے اس کا کیا مطلب؟ کیا وہ شخص بھی حافظ الحدیث بن سکتا ہے جس نے علم حدیث حاصل ہی نہیں کیا نیز نمبر ۴: حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے جو لوگوں کو علم حدیث حاصل کرنے کے لئے حضرت امام صاحب کی خدمت میں جانے کی تاکید کی ہے اس کا کیا مطلب؟ کیا ایسا شخص جس نے خود علم حدیث حاصل نہیں کیا وہ دوسروں کو تعلیم دے سکتا ہے، نمبر ۵: پھر حضرت عبد اللہ بن مبارک، و کعب بن الجراح، یزید بن ہارون، یزید بن زریع، ابو عاصم النبیل، قاسم بن معن، قاسم بن حکم، عیسیٰ بن یونس، علی بن مسہر، خارجہ بن مصعب و داود طائی، قاضی ابو یوسف، امام محمد بن حسن شیبانی، زفر بن ہزریل، جعفر بن عون رحمہم اللہ اور ان جیسے سینکڑوں محدثین جو حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں انہوں نے امام صاحب سے کیا حاصل کیا ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ بے پوری صاحب ناواقف عوام کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور کچھ نہیں لیکن ان حقائق کے ہوتے ہوئے ان کی دھوکہ دہی نہیں چلی

اعتراض نمبر ۴: صاحب حقیقۃ الفقہ ص ۱۲۲ پر قلت کے اسباب ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”سبب دوم عدم سفر و تلاش احادیث“

اس کے ذیل میں علامہ شبلی نعمانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

”علامہ شبلی نعمانی سیرت النعمان مطبوعہ مجتہائی ص ۷۰ میں لکھتے ہیں کہ امام صاحب کے مزاج میں تکلف تھا، اکثر خوش لباس رہتے تھے کبھی کبھی نجاب و قاتم کے جے بھی استعمال کرتے تھے، ابو مطیع بلخی ان کے شاگرد کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن ان کو نہایت قیمتی چادر پہنے دیکھا جس کی قیمت کم از کم چار سو درہم ہو گی۔ چار پانچ دینار (اشرافی) کی چادر کو گندہ فرماتے اور اوڑھنے سے شرماتے اور ایضاً صفحہ ۷۳ میں لکھتے ہیں کہ ایسے شخص کو طلب حدیث کے لئے عراق، حجاز، مصر، یمن، اور شام کا سفر کرنا اور علم حدیث کی طالب علمی میں برسوں کا ثنا اور احادیث حفظ کرنی اور زحمت طول سفر اٹھانی دشوار بلکہ ناممکن

Www.Ahlehaq.Com

کہنا چاہیے“

(حقیقت الفقہ ص ۱۲۲)

جواب: قارئین محترم! جے پوری صاحب نے اس موقع پر ”تحریف و تغیر“ کا پورا پورا مظاہرہ کیا ہے کیونکہ علامہ شبلی نعمانی نے مذکورہ بالا واقعہ ”اخلاق و عادات“ کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے۔ جس سے صرف حضرت امام صاحب کے خوش لباس رہنے کو بیان کرنا مقصود ہے اور کچھ بھی نہیں۔ جے پوری صاحب نے اسے قلت کے اسباب کے تحت بطور طعن ذکر کیا ہے اور انتہائی بددیانتی سے کام لیتے ہوئے علامہ شبلی کی عبارت کے ساتھ چار پانچ دینار سے لے کر ناممکن کہنا چاہیے تک لائن زدہ عبارت کو جوڑ کر اپنا مطلب نکالا

ہے۔ ہم نے غیر مقلدین کی طبع کردہ ”سیرت النعمان“ کی ایک ایک سطر چھان ماری لیکن ہمیں جے پوری صاحب کی علامہ شبلی کے حوالے سے ذکر کردہ لائن زدہ عبارت کہیں نظر نہیں آئی، اندازہ کیجئے کہ جے پوری صاحب حضرت امام ابو حنیفہؒ سے بغض و حسد میں اس قدر مغلوب ہوئے ہیں کہ ان کے خلاف عبارت تراش کر دوسروں کے گلہ لگانے سے بھی نہیں ہچکچاتے اور انہیں یہودیانہ خصلت برتتے ہوئے شرم و حیا مانع نہیں ہوئی۔ یا للعجب والاضیعة الادب۔

دوسرے جے پوری صاحب کا حضرت امام صاحب کے بارے میں یہ ثابت کرنا کہ انہوں نے حصول حدیث کے لئے سفر نہیں کیا اس لئے ان سے احادیث کم مروی ہیں۔ یہ بھی سراسر دھوکہ اور فریب ہے۔ حقیقت اس کے بالکل خلاف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کا قیام کوفہ میں تھا۔ جہاں کبار محدثین و مجتہدین موجود تھے جن سے احادیث اخذ کرنے کے لئے لوگ خود کوفہ آیا کرتے تھے۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے طلب حدیث میں بخارا سے لے کر مصر تک تمام اسلامی شہروں کا سفر کیا تھا و دفعہ جزیرہ گئے چار دفعہ بصرہ جانا ہوا چھ سال تک حجاز میں مقیم رہے مگر اس کے باوجود کوفہ اور بغداد کی وہ اہمیت تھی کہ فرماتے ہیں۔ ”لا احصى کم دخلت الی الکوفۃ و بغداد مع المحدثین“^(۱) میں شمار بھی نہیں کر سکتا کہ کوفہ اور بغداد میں مجھے محدثین کے ساتھ کتنی بار جانا پڑا۔ ان حالات میں حضرت امام صاحبؒ کو طلب حدیث کے لئے اول تو کہیں جانے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن تاریخ بتلاتی ہے کہ آپ نے طلب علم میں کئی سفر کئے ہیں۔ اس زمانہ میں حج بھی افادہ و استفادہ کا بڑا ذریعہ تھا کیونکہ ممالک اسلامیہ کے گوشہ گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال

مین میں آ کر جمع ہو جاتے تھے اور درس و افتاء کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا۔ امام ابو الحسن مرغنیانی نے بسند نقل کیا ہے کہ آپ نے پچپن حج کئے تھے۔ علاوہ ازیں ۱۳ھ سے لے کر منصور عباسی کے زمانہ خلافت تک جس کو چھ سال کا عرصہ ہوتا ہے آپ کا مستقل طور پر قیام مکہ معظمہ ہی میں رہا۔

اعتراض نمبر ۲: صاحب حقیقت الفقہ ص ۱۲۳ پر قلت کے اسباب ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سبب سوم عدم تدوین احادیث:

اس کے ذیل میں امام شعرانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

عبدالوہاب شعرانی اپنی کتاب میزان کبریٰ جلد نمبر ۱ ص ۵۵ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

”لو عاش حتی دوت احادیث الشریعة وبعد رحیل الحفاظ فی جمعها من البلاد والثغور وظفر بها لاخذ بها وترک کل قیاس کان قاسه وکان القیاس قل فی مذهبہ کما قل فی مذهب غیرہ بالنسبة الیه“
امام ابو حنیفہؒ احادیث کے جمع ہو جانے تک اور حفاظ (حدیث) کے حدیثوں کے جمع کرنے کے لئے (مختلف) بلاد اور اطراف ممالک اسلام میں پھرنے کے بعد زندہ رہتے اور ان احادیث کو پاتے تو ضرور ان کو لیتے۔ اور جو جو قیاس انہوں نے کئے ہیں وہ سب چھوڑ دیتے اور ان کے مذہب میں قیاس کم ہوتی۔ جیسا کہ اوروں کے مذہب میں ہے۔

اس کے علاوہ تین حوالے بے پوری نے اور دئے ہیں جن کا خلاصہ بھی یہی ہے۔ جو اوپر نقل ہوا۔

جواب: یہ عبارت اصل میں مسئلہ قیاس سے متعلق ہے اس کا علم حدیث میں قلت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ جبکہ یہ عبارت امام صاحب کے دفاع کے

طور پر لکھی گئی ہے جسے بے پوری نے اعتراض سمجھ لیا۔ غیر مقلدین کی طرف سے امام صاحب پر یہ مشہور اعتراض ہے کہ امام صاحب قیاس کو حدیث پر مقدم سمجھتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات واقعہ کے بالکل خلاف ہے اس کے برعکس امام صاحب "تو بعض اوقات متکلم فیہ حدیث کی وجہ سے بھی قیاس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جیسا کہ نقض الوضوء بالقہقہ کے مسئلہ میں انہوں نے قیاس کو ترک کر دیا۔ حالانکہ اس باب میں احادیث متکلم فیہ ہیں اور دوسرے ائمہ نے ان کو چھوڑ کر قیاس پر عمل کیا ہے۔

اس مسئلہ میں شیخ عبد الوہاب شعرانیؒ نے جو خود شافعی المسلک ہیں اپنی کتاب "المیزان الکبریٰ" میں ایک مستقل فصل قائم کی ہے۔ "فصل فی بیان ضعف قول من نسب الامام ابا حنیفة الی انه يقدم القیاس علی حدیث رسول اللہ ﷺ"

اس فصل میں وہ تحریر فرماتے ہیں: "اعلم ان هذا الکلام صدر من متعصب علی الامام متهور فی دینہ غیر متورع فی مقالہ غافلا عن قوله تعالیٰ: ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولَئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ ☆ وقد روى الامام ابو جعفر الشیخا ماری (نسبة الی قرية من قرى بلخ) بالسند المتصل الی الامام ابی حنیفة رضی اللہ عنہ کذب واللہ افترای علینا من یقول عنا اننا نقدم القیاس علی النص وهل یحتاج بعد النص الی قیاس وكان رضی اللہ عنہ یقول نحن لانقیس الا عند الضرورة الشدیده وذلك اننا ننظر اولاً فی دلیل تلک المسئلة من الکتاب والسنة واقضية الصحابة فان لم نجد دلیلاً قسنا حینئذٍ ، وفی رواية اخرى کان یقول ما جاء عن رسول اللہ ﷺ فعلى الرأس والعین بابی هو وامی

ولیس لنا مخالفة وما جاءنا عن اصحابه تخیروننا وما جاءنا عن غیرهم
لهم رجال ونحن رجال۔“

ترجمہ: جان لو! کہ یہ کلام اس شخص سے صادر ہوا ہے جو امام کے خلاف
تعصب رکھتا ہے اور اپنے دین میں بے عمل ہے اور اپنی بات میں پرہیزگار نہیں
ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے غافل ہے: ”یقیناً کان آ نکھ اور دل ہر ایک
کے بارے میں باز پرس ہو گی“ اور اس ارشاد سے بھی غافل ہیں: ”آدمی جو لفظ
بولتا ہے اس پر انتہائی چوکا نگران مقرر ہے“ اور امام ابو جعفر شیزاماری نے متصل
سند سے روایت کیا ہے کہ اس شخص نے جھوٹ بولا واللہ! اس نے ہمارے اوپر
بہتان لگایا جس نے ہمارے بارے میں کہا کہ ہم قیاس کو نص پر مقدم کرتے
ہیں بھلا کیا نص کے بعد قیاس کی ضرورت ہے اور امام صاحب فرمایا کرتے تھے۔
کہ ہم انتہائی ضرورت کے وقت قیاس کرتے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ ہم اولاً
مسئلے کی دلیل دیکھتے ہیں کتاب و سنت سے اور صحابہ کے فیصلوں سے پس اگر ہم
دلیل نہ پائیں تب ہم قیاس کرتے ہیں اور دوسری روایت میں ہے وہ فرماتے تھے
کہ جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے وہ سر آنکھوں پر میرے ماں باپ آپ ﷺ
پر قربان ہوں ہم اس کی مخالفت نہیں کر سکتے اور جو آپ ﷺ کے صحابہؓ سے
مروی ہے ہم اختیار کرتے ہیں، اور جو ان کے علاوہ سے مروی ہے تو وہ بھی عام
انسان ہیں اور ہم بھی انسان ہیں۔

اس کے علاوہ شیخ شعرانیؒ تحریر فرماتے ہیں: ”اعلم یا اخی انی لم اجب
علی الامام بالصدر واحسان الظن فقط کما یفعل بعض وانما اجبت عنه
بعد التبع والفحص فی کتب الادلة ومذهبه اول المذاهب تدویناً
وآخرها انقراضاً کما قال بعض اهل الکشف“

ترجمہ: میرے بھائی جان لو! میں نے یہ جواب اپنے سینے اور حسن ظن سے

نہیں دیا جس طرح کئی لوگ کرتے ہیں بلکہ میں نے تو کتب اولہ کے تسج اور تلاش کے بعد دیا ہے اور آپ کا مذہب سب سے پہلے مدون ہوا اور سب سے آخر میں مٹے گا، جس طرح بعض اہل کشف نے کہا ہے۔

صاحب حقیقۃ الفقہ نے ص ۱۲۴ پر چوتھا سبب قلت عربیت کو شمار کیا ہے۔ ہم یہاں مکمل اعتراض نقل کر کے جواب عرض کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۶: سبب چہارم قلت عربیت۔

تاریخ ابن خلکان مطبوعہ ایران جلد ۲ ص ۲۹۶ میں ہے کہ ”وقد ذکر الخطیب فی تاریخہ منها شیئا کثیرا ثم اعقب ذالک بذکر ما کان الالیق ترکہ والا غراب عنہ فمثل هذا الامام لا یشان فی دینہ ولا ورعہ وتحفظہ ولم یکن یغاب بشیء سوى قلة العربیة“ خطیب نے اپنی تاریخ میں مناقب میں سے بہت بیان کر کے معائب بیان کئے ہیں۔ جن کا ذکر نہ کرنا مناسب تھا۔ کیونکہ ایسا بڑا امام جس کی دیانت اور ورع میں کوئی طعنہ نہیں۔ ان کی ذات میں سوائے عربیت کی کمی کے کوئی عیب نہ تھا۔

اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے جے پوری صاحب لکھتے ہیں۔

(مؤلف) چونکہ اس زمانہ میں احادیث کے تراجم تو ہوئے ہی نہ تھے اس لئے

امام صاحب کی قلت عربیت حصول احادیث سے سد راہ ہوئی۔ (حقیقۃ الفقہ ص

Www.Ahlehaq.Com

(۱۳۵/۱۳۴)

جواب : تاریخ ابن خلکان کی یہ عبارت سوائے آخری جملے کے امام

صاحب کے دفاع کے طور پر ذکر کی گئی ہے۔ صاحب ابن خلکان اصل میں

خطیب بغدادی کے غلط طرز پر تنقید کر رہے ہیں صاحب حقیقۃ الفقہ نے ابن

خلکان کی پوری عبارت نقل نہیں کی اور نہ ترجمہ درست کیا ہے اگر پوری

عبارت نقل کر دیتے تو اس اعتراض کا جواب ابن خلکان میں ہی مل جاتا۔ ہم

سب سے پہلے ابن خلکان کی پوری عبارت مع ترجمہ کے نقل کرتے ہیں بعد میں جواب عرض کرتے ہیں۔

ابن خلکان کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

”ومناقبه وفضائله كثيرة ، وقد ذكر الخطيب في تاريخه منها شيئا كثيرا ، ثم اعقب ذلك بذكر ما كان الاليق في تركه والاضراب عنه ، فمثل هذا الامام لا يشك في دينه ، ولا في ورعه وتحفظه ، ولم يكن يعاب بشيء سوى قلة العربية ، فمن ذلك ما روى ان ابا عمرو بن العلاء المقرئ النحوي - المقدم ذكره - سأل عن القتل بالمشغل هل يوجب القود أم لا ؟ فقال : لا ، كما هو قاعدة مذهبه خلافاً للامام الشافعي رضي الله عنه ، يقال له أبو عمرو : ولو قتله بحجر المنجنيق ، فقال : ولو قتله بأبا قبيس ، يعني الجبل المطل على مكة حرسها الله تعالى . وقد اعتذروا عن أبي حنيفة بأنه قال ذلك على لغة من يقول : إن الكلمات الست المعربة بالحروف - وهي أبوه وأخوه وحموه وهنوه وفوه وذو مال - أن إعرابها يكون في الأحوال الثلاث بالألف ، وأنشدوا في ذلك :

إن أباه وأبا أباه قد بلغا في المجد غايتها

وهي لغة الكوفيين ، وأبو حنيفة من أهل الكوفة ، فهي لغته ، والله أعلم .“

امام ابو حنیفہ کے مناقب اور فضائل کثرت سے ہیں۔

خطیبؒ نے اپنی تاریخ میں امام صاحبؒ کے بارے میں بہت سے مناقب ذکر کئے اس کے بعد کچھ ایسی ناگفتہ بہ باتیں بھی لکھی ہیں جن کا ذکر نہ کرنا اور ان سے اعراض کرنا بہت ہی مناسب تھا کیونکہ امام اعظمؒ جیسی شخصیت کے متعلق نہ تو دیانت میں شبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ورع اور حفظ میں ، آپ پر کوئی نکتہ چینی بجز قلت عربیت کے اور نہیں کی گئی۔ قلت عربیت کے سلسلہ میں مروی ہے کہ ابو

عمر و بن علاء مقری نے جن کا پیچھے ذکر ہو چکا ہے امام صاحب سے قتل با المثل (یعنی کوئی شخص کسی کو کسی بھاری چیز سے قتل کرے تو اس قاتل پر قصاص ہے یا نہیں) کے بارے میں سوال کیا کہ آیا یہ قصاص کو واجب کرتا ہے یا نہیں؟ آپ (امام صاحب) نے فرمایا کہ نہیں۔ جیسا کہ آپ کے مذہب کا قاعدہ ہے بخلاف حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے۔

ابو عمرو نے کہا کہ اگرچہ منخیق کے پتھر سے ہی قتل کیا ہو (تب بھی قصاص نہیں آئے گا) آپ نے فرمایا ”وَلَوْ قَتَلَهُ بَابًا قُبْنِسٍ“ یعنی اگرچہ جبل ابوقبیس ہی سے کیوں نہ قتل کیا ہو۔ جبل ابوقبیس سے مراد وہ پہاڑ ہے جو مکہ المکرمہ میں ہے جھانکنے والا (یعنی بہت بلند ہے اس پر چڑھ کر بیت اللہ نظر آتا ہے) اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے

(آپ نے جو ”وَلَوْ قَتَلَهُ بَابًا قُبْنِسٍ“ فرمایا اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ عبارت صحیح نہیں اس کی جگہ بَابِي قُبْنِسٍ ہونا چاہیے تھا)

علماء نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ امام صاحب نے یہ بات ان لوگوں کی لغت کے مطابق کہی ہے جو قاتل ہیں کلمات ستہ معربہ بالحروف یعنی ابوہ و اخوہ و حموہ و نوہ و فوہ و ذوال کا اعراب تینوں حالتوں میں الف کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور بطور شاہد کے وہ یہ شعر پیش کرتے ہیں۔

ان اباہا و ابا ابہا ☆ قد بلغانی المجد غایتہا

(بے شک اس کے والد اور دادا دونوں بزرگی کے اعلیٰ مقام تک پہنچ گئے)

اور یہ کوفہ والوں کی لغت ہے (یعنی کہ یہ اہل کوفہ کی بولی ہے کہ وہ اسماء ستہ کو حالت رفع میں اور حالت نصب میں اور حالت جر میں الف سے ہی بولتے ہیں) اور امام ابو حنیفہؒ اہل کوفہ میں سے ہیں۔ پس یہ آپ کی لغت ہے (لہذا اعتراض

لیک نہیں) واللہ اعلم۔

قارئین کرام! ہم نے مکمل عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ کر دیا ہے۔ آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ صاحب ابن خلکان نے کیا کہا ہے اور بے پوری اس کو کیا بنا رہے ہیں۔ بے پوری نے شروع کی عبارت بھی چھوڑ دی جس میں امام صاحب کے متعلق تھا کہ آپ کے مناقب اور فضائل کثرت سے ہیں۔ اور آخر کی عبارت بھی چھوڑ دی جس میں اس اعتراض کا جواب تھا۔ کیا یہ بھی انصاف ہے۔ اب مزید جواب دینے کی ضرورت تو نہیں مگر یہ اعتراض اکثر غیر مقلد کرتے رہتے ہیں اس لئے تھوڑی سی تفصیل کرتے ہیں۔

غور فرمائیے کہ عراق کوفہ کا مرکز رہا ہے۔ بڑے بڑے تمام نحوی وہیں ہوئے ہیں۔ ہزار ہا صحابہ وہاں وارد ہوئے جو فصاحت و بلاغت کے امام تھے۔ حضرت ابو حنیفہؒ کا نشو و نما ان کی تربیت و تعلیم سب اسی ماحول میں ہوئی۔ بڑے بڑے نحو و لغت کے ائمہ خود امام صاحبؒ کے تلامذہ میں تھے۔ پھر نہ معلوم کس طرح امام صاحب کی طرف قلت عربیت کو منسوب کر دیا گیا۔

در حقیقت امام صاحب عربیت کے بھی پیشوا اور امام تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ابو سعید سیرانی، ابو علی قاری اور ابن جنی جیسے ماہرین عربیت سنے باب الایمان میں امام صاحب کے الفاظ کی شرح کے لئے کتابیں تالیف فرمائی ہیں اور لغت عربیہ پر آپ کی وسعت نظر اور وافر اطلاع پر اظہار تعجب کیا ہے۔

امام ابو بکر رازی نے لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار حضرت امام شافعی کے مقابلے میں زیادہ لطیف اور فصیح ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جودت شعر بغیر بلاغت کے ممکن نہیں۔ (مناقب کردری ص ۹۱ ج ۱)

۲۔ یہ کلمہ امام صاحب سے کسی کتاب میں قابل اعتماد سند سے ثابت نہیں اور بالفرض صحیح بھی ہو تو بعض قبائل عرب کی وجہ سے کوفیوں کی لغت میں،

ب کا استعمال جب غیر ضمیر متکلم کی طرف ہو تو تمام احوال میں الف کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

چنانچہ اسی قبیل سے یہ مشہور شعر بھی ہے۔

ان اباہا و ابا اباہا قد بلغا فی المجد غائتاہا

(بے شک اس کے والد اور دادا دونوں بزرگی کے اعلیٰ مقام تک پہنچ گئے)
ظاہر ہے کہ امام صاحبؒ بھی کوئی تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی لغت بھی یہی ہے۔ جیسا کہ بخاری میں ہے کہ انہوں نے انت ابا جہل فرمایا۔
۳۔ نیز بعض حضرات نے اس اعتراض کے جواب میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ابا قیس اس لکڑی کو بھی کہتے ہیں جس پر گوشت لٹکایا جاتا ہے۔ اور ابو سعید سیرانی نے کہا ہے کہ یہاں امام صاحب کی مراد یہی ہو سکتی ہے نہ کہ جبل ابی قیس جیسا کہ معترضین نے سمجھا ہے۔

اعتراض نمبر ۷: صاحب حقیقۃ الفقہ ص ۱۲۵ پر ایک عنوان قائم کرتے ہیں۔

”حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور اجماع صحابہ“

اس عنوان کے ذیل میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق یہ بتانے کے لئے کہ وہ صحابہ کرام کے اجماع کی مخالفت کرتے تھے علامہ دمیری کی کتاب ”حیۃ الحیوان“ سے لفظ ”جنین“ کے تحت علامہ دمیری کی تحقیق نقل کی ہے۔

”علامہ کمال الدین دمیری حیۃ الحیوان کبریٰ مطبوعہ مصر جلد ۱ ص ۱۸۱ میں فرماتے ہیں کہ ”الجنین هو ما یوجد فی بطن البہیمۃ بعد ذبحہا فان وجد میتا بعد ذبحہا فهو حلال باجماع الصحابة کما نقلہ الماوردی فی الحاوی وبہ قال مالک والاوزاعی والثوری وابو یوسف ومحمد

واسحق والامام احمد وتفرد ابو حنیفہ بتحریم اکلہ“

ترجمہ: جنین وہ بچہ ہے جو چوپائے کے پیٹ میں ذبح کے بعد نکلے اگر ذبح کے بعد وہ بچہ مردہ ہو تو باجماع حلال ہے جیسا کہ ماوردی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے اور یہی مذہب امام مالکؒ اور اوزاعیؒ اور سفیان ثوریؒ اور ابو یوسفؒ اور محمدؒ اور اسحاق بن راہویہؒ اور احمد بن حنبلؒ کا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ صرف اکیلے اس کو حرام کہتے ہیں (مؤلف اس ایک ہی مسئلہ پر اکتفاء کیا گیا ورنہ بہت ایسے مسائل ہیں کہ جن میں امام ابو حنیفہؒ نے اجماع صحابہ کا خلاف کیا ہے جو کسی اہل علم پر پوشیدہ نہیں۔^(۱))

جواب: جے پوری صاحب نے یہاں بھی بددیانتی سے کام لیتے ہوئے ادھوری عبارت نقل کی ہے۔ حیوة الحیوان میں مذکورہ عبارت میں۔ تحریم اکلہ کے بعد یہ عبارت ہے ”محتجا بقوله تعالى حرمت عليكم الميتة والدم وبقوله ﷺ احلت لنا ميتتان ان ودمان السمک والجراد والکبد والطحال وهذه ميتة الثالثة لم تذكر۔“ یعنی حضرت امام صاحب نے اس کی تحریم کا قول اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہوئے کیا ہے کہ ”حرام کیا گیا ہے تمہارے لئے مردار اور خون کو“ نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان سے بھی استدلال کیا ہے کہ ”حلال کئے گئے ہیں ہمارے لئے دو مردار اور دو خون یعنی مچھلی اور مڈی، جگر اور تلی“ جنین جو مر اہوا نکلے وہ تیسرا مردار ہے جس کا تذکرہ حدیث میں نہیں ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امام صاحبؒ نے یہ رائے کتاب و سنت

۱۔ محمد یوسف جے پوری۔ حقیقت الفقہ ص ۱۲۵۔

۱۔ کمال الدین محمد بن موسیٰ الدمیری۔ حیوة الحیوان ج ۱ ص ۳۰۷۔

سے استدلال کرتے ہوئے قائم کی ہے بے دلیل قائم نہیں کی۔ (بجے پوری صاحب نے اسے اس لئے ذکر نہیں کیا کہ کہیں عوام کو یہ پتہ نہ چل جائے کہ حضرت امام صاحبؒ اس مسئلہ میں کتاب و سنت سے استدلال کرتے ہیں نہ کہ اپنی رائے اور قیاس سے) اور امام صاحبؒ کا یہ استدلال بالکل صحیح ہے کیونکہ جو جنین مردہ نکلتا ہے وہ ”میتہ“ ہے جس کی حرمت آیت مبارکہ حرمت علیکم الميتة سے ثابت ہے اور یہ قطعی الثبوت بھی ہے اور قطعی الدلالت بھی، اس کے برخلاف مردہ جنین کے حلال ہونے پر جن احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اول تو ان میں تاویل کا احتمال ہے یعنی زکوٰۃ الجنین زکوٰۃ امہ کے معنی ہیں کذکوٰۃ امہ یعنی جنین کا ذبح ایسے ہی ہے جیسے اس کی ماں کا، دوسرے بالاجماع ان کے عموم پر عمل نہیں کیا گیا کیونکہ جنین اگر زندہ نکل آتا ہے تو بالاتفاق سب کے نزدیک اس کا مستقلاً ذبح کرنا ضروری ہے، تیسرے وہ سب کی سب احادیث ضعیف ہیں۔ لہذا ان احادیث سے جو نہ قطعی الثبوت ہیں نہ قطعی الدلالت، حضرت امام صاحبؒ کی پیش کردہ آیت مبارکہ کا جو قطعی الثبوت بھی ہے اور قطعی الدلالت بھی، کیسے مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور محکم نص پر عمل کیسے چھوڑا جاسکتا ہے۔

علامہ ابن حزم اس مسئلہ میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”قال ابو محمد : لو صح عن النبي ﷺ لقلنا به مسارعين واذا لم يصح عنه فلا يحل ترك القرآن لقول قائل او قائلين“ (۱)

ابو محمد (ابن حزم) کا کہنا ہے کہ اگر اس مسئلہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحیح طور پر کچھ ثابت ہو تا تو ہم بہت جلد اس کا قول کر لیتے، لیکن جبکہ آپ ﷺ سے اس مسئلہ میں صحیح طور پر کچھ ثابت ہی نہیں ہے تو کسی ایک کہنے والے یا

ہمت سے کہنے والوں کے کہنے کی وجہ سے قرآن کو چھوڑنا حلال نہیں ہو گا۔

باقی رہا ماردی کا اجماع صحابہ کا دعویٰ کرتا تو یہ بلا دلیل ہے اور علامہ امیری کا اس مسئلہ میں حضرت امام صاحب کو منفرد یعنی تنہا قرار دینا غلط ہے۔ کیونکہ جلیل القدر تابعی اور دور صحابہ کے مفتی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے۔ چنانچہ کتاب الآثار میں مروی ہے۔

”اخبرنا ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم قال لا تكون زکوة نفس زکوة نفسین“

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں خبر دی امام ابو حنیفہ نے اور انہوں نے بواسطہ حمادؒ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ایک جاندار کا ذبح دو جانداروں کا ذبح نہیں ہو سکتا۔

اعتراض نمبر ۸: صاحب حقیقۃ الفقہ نے ص ۱۲ پر ایک سرخی قائم کی ہے امام ابو حنیفہ کے شاگردوں کی رائے و قیاس میں مہارت اس کے تحت لکھتے ہیں۔

کتاب الملل والنحل مطبوعہ مصر ص ۱۳۲ میں علامہ شہرستانی فرماتے ہیں کہ ”اصحاب الراۓ وهم اهل العراق هم اصحاب ابی حنیفہ النعمان بن ثابت ومن اصحاب محمد بن الحسن وابو یوسف یعقوب ابن محمد بن القاضی وزفر بن ہزیل والحسن بن زیاد اللؤلؤی وابن سماعۃ وعلقیۃ القاضی وابو مطیع البلخی وبشر المریسی وانما سُموا اصحاب الراۓ لان عنايتهم تحصيل وجه من القياس والمعنى المستنبط من الاحكام وبناء الحوادث علیها وربما يقدمون القياس الجلی علی آحاد الاخبار“

اصحاب رائے عراق والے ہیں جو ابو حنیفہ اور ان کے شاگرد محمد بن حسن۔ اور ابو یوسف یعقوب بن محمد قاضی اور زفر بن الہزیل اور حسن بن زیاد لؤلؤی اور

ابن سماعہ اور غافہ قاضی اور ابو مطیع البلیخی اور بشر مرہی ہیں۔ ان کا نام اصحاب الرائے اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ ان کی توجہ قیاس کے طریق حاصل کرنے پر تھی۔ اور معانی مستبط پر کہ جن کا تعلق روزمرہ کے احکام سے ہے بارہا انہوں نے قیاس جلی کو اخبار آحاد پر مقدم کیا ہے۔ (حقیقت الفقہ ص ۱۲۸)

جواب : اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ حدیث کو بالائے طاق رکھ کر محض قیاس سے کام لیتے تھے تو یہ محض غلط ہے۔ کوئی ادنیٰ مسلمان بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے امام ابو حنیفہ کو من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین کا مصداق کامل بنایا تھا اس لئے آپ کتاب و سنت کے معانی و مطالب کے سمجھنے میں عقل و قیاس کو بہت زیادہ دخل دیتے تھے اور ہر پہلو کو خوب اچھی طرح دیکھ لیتے تھے۔ دین کے بارے میں عقلاء زمانہ کے امام تھے۔ لہذا ائمہ فن نے ان کی تعریف میں امام اصحاب الرائے لکھا ہے۔

آپ کے احسن الرائے ہونے میں تو کچھ کلام ہی نہیں ہے۔ بڑے بڑے نقادر جال نے آپ کی رائے کی تعریف کی ہے اور علامہ ذہبی نے بھی تہذیب التہذیب میں اور دوسرے علماء نے اپنی تالیفات میں یحییٰ بن معین کا قول نقل کیا ہے:

”سمعت یحییٰ بن سعید القطان یقول لا نکذب علی اللہ ما سمعنا احسن من رائی ابی حنیفہ“

یحییٰ بن سعید القطان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہر گز جھوٹ نہیں بولوں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کی رائے سے بہتر ہم نے کسی کی رائے نہیں دیکھی۔

اعتراض نمبر ۹ : صاحب حقیقۃ الفقہ نے ص ۱۱۹ پر ایک سرخی قائم کی ہے حضرت امام ابو حنیفہ پر جرح پھر انہوں نے بارہ حوالہ نقل کئے ہیں ہم یہاں

۴ ہر ایک کو نقل کر کے جواب عرض کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں اس عنوان کے تحت پہلا حوالہ علامہ ذابہبی کا نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

میزان الاعتدال مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۷۲۳ میں ہے کہ

”النعمان بن ثابت بن زوطی ابو حنیفۃ الکوفی امام اہل الرأی ضَعَفَہ النسائی من جهة حفظہ وابن عدی وآخرون“ (حقیقۃ الفقہ ص ۱۲۹)

اس اعتراض کے دو جواب ہم یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

پہلا جواب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

”میزان الاعتدال“ میں یہ عبارت بلاشبہ الحاقی ہے۔ یعنی مصنف نے نہیں لکھی بلکہ کسی اور شخص نے اسے حاشیہ پر لکھا اور بعد میں متن میں شامل ہو گیا یا تو کسی کاتب کی غلطی سے یا جان بوجھ کر اس میں داخل کر دیا گیا اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ حافظ ذہبیؒ نے ”میزان الاعتدال“ کے مقدمہ میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ میں اس کتاب میں ان بڑے بڑے ائمہ کا تذکرہ نہیں کروں گا جن کی جلالت قدر حد تو اتر کو پہنچی ہوئی ہے خواہ ان کے بارے میں کسی شخص نے کوئی کلام بھی کیا ہو۔ پھر ان بڑے بڑے ائمہ کی مثال میں امام ابو حنیفہؒ کا نام بھی انہوں نے صراحتاً ذکر کیا ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں امام صاحبؒ کا ذکر کیا ہو۔

۲۔ پھر جن بڑے بڑے ائمہ کا تذکرہ حافظ ذہبیؒ نے ”میزان الاعتدال“ میں نہیں کیا ان کے تذکرہ کے لئے انہوں نے ایک مستقل کتاب ”تذکرہ الحفاظ“ لکھی ہے۔ اور اس کتاب میں امام ابو حنیفہؒ کا نہ صرف تذکرہ موجود ہے۔ بلکہ ان کی بڑی مدح و توصیف بیان کی گئی ہے۔

۳۔ حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب ”لسان المیزان“ کو ”میزان الاعتدال“ پر ہی مبنی کیا ہے۔ یعنی جن رجال کا تذکرہ ”میزان الاعتدال“ میں نہیں ہے ان کا تذکرہ ”لسان المیزان“ میں بھی نہیں ہے۔ سوائے چند ایک کے اور ”لسان المیزان“ میں امام ابو حنیفہؒ کا تذکرہ موجود نہیں۔ یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں یہ عبارت اصل ”میزان الاعتدال“ میں بھی نہیں تھی بعد میں بڑھادی گئی۔

۴۔ ہمارے شیخ عبدالفتاح ابو غدہ الحنبلی حفظہ اللہ نے ”الرفع والتکمیل“ کے حاشیہ کے صفحہ ۱۰۱ پر لکھا ہے کہ ”میں نے دمشق کے مکتبہ ظاہریہ میں ”میزان الاعتدال“ کا ایک نسخہ دیکھا ہے (تحت الرقم ۳۶۸ حدیث) جو پورا کا پورا حافظ ذہبی کے ایک شاگرد علامہ شرف الدین الوانی کے قلم سے لکھا ہوا ہے اور اس میں یہ تصریح ہے کہ میں نے یہ نسخہ اپنے استاذ حافظ ذہبیؒ کے سامنے تین مرتبہ پڑھا اور ان کے مسودہ سے اس کا مقابلہ کیا۔ اس نسخہ میں امام ابو حنیفہؒ کا تذکرہ موجود نہیں ہے اسی طرح میں نے مراکش کے دار الحکومت رباط کے مشہور کتب خانہ خزانۃ العامرہ میں ۱۳۹۹ ق نمبر کے تحت ”میزان الاعتدال“ کا ایک قلمی نسخہ دیکھا۔ جس پر حافظ ذہبیؒ کے بہت سے شاگردوں کے پڑھنے کی تاریخیں درج ہیں اور اس میں یہ بھی تصریح ہے کہ حافظ ذہبیؒ کے ایک شاگرد نے ان کے سامنے ان کی وفات سے صرف ایک سال پہلے پڑھا تھا۔ اس نسخہ میں بھی امام ابو حنیفہؒ کا تذکرہ موجود نہیں ہے یہ اس بات کا دستاویزی ثبوت ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں یہ عبارت کسی نے بعد میں بڑھائی ہے اصل نسخہ میں موجود نہ تھی لہذا ثابت ہو گیا کہ حافظ ذہبیؒ کا دامن امام ابو حنیفہؒ کی تضعیف و تنقیص کے الزام سے بالکل پاک ہے۔ نیز حافظ ذہبیؒ ایسی بات لکھ بھی کیسے سکتے ہیں جبکہ خود انہوں نے ایک مستقل کتاب امام ابو حنیفہؒ کے مناقب پر لکھی

ہے پھر جہاں تک حافظ ابن عدیؒ کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں پیچھے لکھا جا چکا ہے کہ وہ بے شک شروع میں امام ابو حنیفہؒ کے مخالف تھے اور اس زمانہ میں انہوں نے امام صاحبؒ پر جرح بھی کی لیکن بعد میں جب وہ امام طحاویؒ کے شاگرد بنے تو امام ابو حنیفہؒ کی عظمت کا احساس ہوا چنانچہ انہوں نے اپنی سابقہ غلطی کے کفارہ کے طور پر امام ابو حنیفہؒ کی مسند ترتیب دی۔ لہذا ان کے سابقہ قول کو امام صاحبؒ کے خلاف حجت میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرا جواب : مولانا محمد اسماعیل سنبھلیؒ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عبارت میزان الاعتدال کے صحیح نسخوں میں نہیں ہے۔ غلطی سے کسی نے لکھ دی ہے۔ کیونکہ حافظ عراقی نے شرح الفیہ میں اور سیوطی نے تدریب الراوی میں اور سخاوی نے فتح المغیث میں تصریح کر دی ہے کہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں صحابہ اور ائمہ متبوعین کا ذکر نہیں کیا ہے۔

”قال السخاوی مع انه (ای الذہبی) اتبع ابن عدی فی ایراد کل من تکلم فیہ ولو کان ثقة لکنہ التزم انه لا یذکر لاحد من الصحابة والائمة المتبوعین“

علامہ سخاوی فرماتے ہیں ذہبی نے ہر متکلم فیہ (اگرچہ وہ ثقہ ہو) کا ذکر کرنے میں ابن عدی کا اتباع کیا ہے۔ لیکن انہوں نے صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی کا قصد اتذکرہ نہیں کیا۔

بلکہ خود علامہ ذہبی نے میزان کے دیباچہ میں اس کی تصریح کر دی ہے۔
”وکذا لا اذکر فی کتابی من الائمة المتبوعین فی الفروع احداً لجلالتهم فی الاسلام وعظمتهم فی النفوس مثل ابی حنیفہ والشافعی

اور اسی طرح نہیں ذکر کیا میں نے اپنی کتاب میں ان ائمہ کا جن کی اتباع فروعات میں کی جاتی ہے۔ اسلام میں ان کی بزرگی اور دلوں میں عظمت کی وجہ سے۔ مثلاً امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ۔

جبکہ علماء ثقافت ائمہ متبوعین کے عدم ذکر کی تصریح کر رہے ہیں تو پھر اس عبارت کے الحاقیہ ہونے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”میزان الاعتدال“ کے ص ۳ میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ:

”فان ذكرت احداً منهم فاذكره على الانصاف وما يضره ذلك عند الله وعند الناس“

اور اگر ان میں سے کسی کا میں تذکرہ کروں گا تو انصاف کے ساتھ کروں گا جو عند اللہ اور عند الناس مضر نہیں۔

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ذہبیؒ نے صحابہؓ اور ائمہ متبوعینؒ کا ذکر بھی کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ ذہبیؒ کی اس عبارت سے فقط ذکر کا احتمال پیدا ہوتا ہے۔ مگر حافظ عراقی، جلال الدین سیوطی اور سخاوی جو ذہبیؒ سے متاخر ہیں اور ان حضرات نے بار بار میزان الاعتدال کا مطالعہ کیا ہے اور وہ صاف اور واضح لفظوں میں عدم ذکر کی تصریح کرتے ہیں تو کہنا پڑے گا کہ فی الواقع صحابہ کرام اور ائمہ متبوعین کا ذکر اس کتاب میں مستقلاً نہیں ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ ذہبیؒ نے ذکر استقلال کی نفی کی ہے اور ضمنی ذکر کا اثبات اور امام اعظمؒ کی جرح کے متعلق علامہ ذہبیؒ کی طرف جو عبارت منسوب کی جاتی ہے اس کی حیثیت مستقل عبارت کی ہے۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ یہ عبارت الحاقیہ ہے۔ اس موقع پر بعض معترضین میزان الاعتدال کی عبارت ذیل

کریں کر کے امام صاحب کی تضعیف کرتے ہیں۔

”اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت الکوفی عن ابیہ عن جدہ

مال ابن عدی ثلثہم الضعفاء (میزان الاعتدال ص ۹۰ ج ۱)“

اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت کوفی اپنے والد سے، وہ اپنے دادا سے، روایت کرتے ہیں، ابن عدی نے کہا یہ تینوں ضعیف ہیں۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس عبارت سے ہر گز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام صاحب علامہ ذہبی کے نزدیک ضعیف ہیں۔ کیونکہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال کے دیباچہ میں خود معذرت کی ہے اور ابن عدی کی موافقت سے اپنی برأت ظاہر فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

”وفیہ من تکلم مع ثقته وجلالته بادننی لین وباقل تخریج فلولاً ابن عدی وغیرہ من مؤلفی کتب الجرح ذکرُوا ذلک الشخص لما ذکرته لثقة ثم قال لا انی ذکرته تضعف فیہ عندی الخ“

اس کتاب (کامل) میں ان راویوں کا بھی ذکر ہے جن کے بارے میں باوجود ان کی ثقاہت اور جلالت کے معمولی نرمی کی بناء پر جرح کی گئی ہے۔ اگر ابن عدی یا دوسرے مؤلفین کتب جرح نے ان کا ذکر نہ کیا ہو تا تو میں ہر گز ان کی ثقاہت کی وجہ سے ان کا ذکر نہ کرتا۔ پھر آگے فرمایا کہ میں نے ان کا ذکر ہر گز اس لئے نہیں کیا ہے کہ وہ میرے نزدیک ضعیف راوی ہیں۔

جب کہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ اور تقریب میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعدیل بخوبی فرما رہے ہیں۔ پھر باوجود اس صراحت کے ذہبی کی طرف تضعیف کا انتساب سراسر نفسانیت اور حق پوشی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ امام ذہبی نے امام ابو حنیفہؒ کا ذکر باب الانف میں کر دیا ہے۔ لہذا یہ دعویٰ کہ میزان میں ائمہ کا ذکر نہیں ہے غلط ہو گیا۔ تو

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ضمناً ذکر ہے نہ کہ مستقلاً اور ضمنی ذکر کی نفی نہیں کی ہے۔ ضمناً تو جا بجا میزان میں امام بخاری کا ذکر بھی آ گیا ہے۔ چنانچہ اسی میزان میں ہے ابو ذر عہ اور ابو حاتم نے بخاری سے روایت چھوڑی ہے۔

اعتراض نمبر ۱۰: تمہید شرح موطا جلد ۳ ص ۲۷۲ میں قول حافظ

عبدالبر ”لم یسندہ غیر ابی حنیفہ وھو سنی الحفظ عند اھل الحدیث“ نہیں سند بیان کی (حدیث من کان لہ امام فقراء الامام لہ قراءۃ) کی کسی نے سوا ابو حنیفہ کے اور وہ محدثین کے نزدیک ناقص الجافظ ہیں۔ (حقیقۃ الفقہ ص ۱۲۹)

Www.Ahlehaq.Com

جواب: اولاً: حافظ ابن عبدالبر نے نہایت صراحت کے ساتھ اپنی کتاب ”جامع البیان العلم“ میں امام ابو حنیفہ کی توثیق و تعدیل ائمہ فن رجال جیسے یحییٰ بن معین، شعبہ، حافظ موصلی ازدی اور علی بن المدینی وغیرہم سے نقل کی ہے اور جارحین کو مفرط اور متجاوز الحد قرار دیا ہے۔ کتاب العلم ص ۱۹۲ میں ہے:

”قال ابو عمر افرط اصحاب الحدیث فی ذم ابی حنیفہ وتجاوز والحد فی ذلک . وایضاً ص ۱۹۲“
ابو عمر نے فرمایا کہ اہل حدیث نے امام ابو حنیفہ کی برائی میں بہت مبالغہ سے کام لیا اور حد سے تجاوز کر گئے۔

”الذین رووا عن ابی حنیفہ وثقوہ واثنوا علیہ اکثر من الذین تکلموا فیہ“ جنہوں نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی اور ان کی توثیق و تعریف کی ان کی تعداد کلام کرنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔

ابن حجر مکی شافعی خیرات حسان ص ۳۶ میں تحریر فرماتے ہیں:

”قال الحافظ: ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بعد کلام ذکرہ و اھل الفقہ

لا يلتفتون من طعن عليه ولا يصدقون بشئ من السوء ينسب اليه“

حافظ ابو عمرو يوسف بن عبد اللہ کلام کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ فقہاء امام صاحب پر طعن کرنے والوں کی طرف بالکل التفات نہیں کرتے اور ان کی جانب منسوب کی جانے والی کسی برائی کی تصدیق نہیں کرتے۔ جبکہ خود ابن عبد البر کی تصریح سے امام صاحب کی توثیق ثابت ہے تو اب سمجھنا چاہیے کہ:

”ہو سئ الحفظ عند اهل الحديث“ اہل حدیث کے نزدیک ان کا حافظ خراب تھا۔

سے کیا مراد ہے؟ کیا کل اہل حدیث مراد ہیں؟ یا بعض؟ کل تو مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ خود لکھ چکے ہیں:

”والذين وثقوه واثنوا عليه اكثر من الذين تكلموا فيه“

امام صاحب کی توثیق و تعریف کرنے والے کلام کرنے والوں سے زیادہ ہیں۔ پس لا محالہ بعض مراد ہیں۔ پھر وہ بعض بھی بہت تھوڑے سے ہیں۔ حافظ ابن عبد البر کے کلام سے نتیجہ صاف یہ نکلا:

”ہو سئ الحفظ عند قل اهل الحديث الذين هو مفرطون ومتجاوزون عن الحد فيه ذمه وغير مصدقين عنه اهل الفقه في نسبة السوء اليه“

کہ امام صاحب بعض ان اہل حدیث کے نزدیک سئ الحفظ تھے جو امام صاحب کی برائی میں حد سے تجاوز کر گئے ہیں اور جو فقہاء کے نزدیک امام صاحب کی طرف برائی کی نسبت کرنے میں بالکل جھوٹے ہیں۔

اب مقام غور ہے کہ کیا اس جرح سے امام ابو حنیفہؒ سئ الحفظ ہو سکتے ہیں؟ حاشا و کلا ہر گز نہیں۔ بلکہ حسب تحریر حافظ ابن عبد البر خود جارح مفرط اور متجاوز عن الحد کہے جائیں گے۔

ثانیاً: بخاری کے ثقہ راوی ایوب بن سلیمان کو حافظ ابن عبد البر نے ضعیف لکھا ہے۔ مگر محدثین نے اسے افراط قرار دیا ہے (مقدمہ فتح الباری ص ۴۵۴) اور صحاح کے راوی زہیر بن محمد کو بھی ابن عبد البر نے ضعیف بتلایا ہے مگر محدثین نے افراط پر محمول کیا ہے۔ (مقدمہ فتح الباری ص ۴۶۸) غور کیا جائے بخاری کے راویوں پر ابن عبد البر کی جرح افراط پر محمول کی جاتی ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے حق میں کیوں نہ محمول ہو گی۔

ثالثاً: تمہید شرح مؤطا حافظ ابن عبد البر کی اوائل تالیفات میں سے ہے اور کتاب جامع البیان العلم بعد کی تصنیف ہے۔ چنانچہ مختصر جامع بیان العلم ص ۲۰۴ میں ہے۔

”واوضحنا فی کتاب التمهید“ اور ہم کتاب التمهید میں وضاحت کر چکے ہیں۔

پس پہلی تحریر پچھلی تحریر (جس میں امام صاحب کی توثیق کی گئی ہے) کے معارض نہیں ہو سکتی۔

اعتراض نمبر ۱۱: الفیہ عراقی مطبوعہ فاروقی کے حاشیہ ص ۴۵ میں

ہے کہ

”فیکون قادحاً کما فر الذہبی وابن عبد البر وابن عدی والنسائی والدارقطنی فی ابی حنیفۃ انه ضعیف من قبل حفظه“

جرح مفسر ہو گی تو نقصان پہنچانے والی ہو گی جیسا کہ ذہبی اور ابن عبد البر اور ابن عدی اور نسائی اور دارقطنی نے ابو حنیفہؒ کے بارے میں جرح مفسر کی ہے یعنی ضعف کی وجہ کو بیان کیا ہے کہ حافظہ کی وجہ سے ضعیف ہیں۔ (حقیقۃ الفقہ

ص ۱۲۹)

جواب: اولاً: قاضی ابویحییٰ ذکریاً متاخرین سے ہیں۔ انہوں نے ۸۹۲ھ

میں فتح الباقی تصنیف کی ہے۔ بعض حضرات نے ان کو ابن ہمام اور ابن حجر کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔ ان کی وفات ۹۵۸ھ میں ہوئی ہے۔ یہ کوئی امام فن نہیں ہیں بلکہ متقدمین سے ناقل ہیں۔ اب یہ امر قابل تحقیق ہے کہ انہوں نے جو فتح الباقی میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ فیکون قادحاً الخ نفس الامر کے مطابق ہے یا نہیں؟ حقیقت الامر یہ ہے کہ یہ اجتہادی قول ان کا مسامحہ سے خالی نہیں۔ کیونکہ امام ذہبی سے امام صاحب کی توثیق بخوبی ثابت ہے۔ چہ جائیکہ جرح مفسر اور ابن عدی اور دارقطنی سے بھی جرح مفسر منقول نہیں۔ باقی رہے نسائی سو وہ متصف اور متشدد ہیں۔

پس ان کی جرح کس قدر قادح ہوگی اور حافظ ابن عبد البر خود امام صاحب کے معدل اور موثق ہیں اور تمہید میں جو لکھا ہے سئ الحفظ عند اهل الحديث ہم نے ان ہی کے کلام سے ثابت کر دیا ہے کہ اہل حدیث سے بعض اہل حدیث مفرط اور متجاوز عن الحد مراد ہیں۔

پس یہ جرح بھی قادح نہیں ہو سکتی۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ صاحب فتح الباقی نے کمال تحقیق سے کام نہیں لیا اور بغیر تعمق نظر کے امام ابو حنیفہ کو مجروح لکھ دیا ہے۔

ثانیاً: اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم یہ مان لیں کہ حسب قول صاحب فتح الباقی ان لوگوں سے جرح مفسر ثابت ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس کی عدالت، وثاقت، امانت اور جلالت شان ائمہ سلف صالحین اور ائمہ فن سے ثابت ہو، اس کے حق میں جرح مفسر بھی قادح نہیں ہوتی۔ دیکھو سبکی کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ کے حق میں اگر ہزاروں طریقے سے جرح مفسر بیان کی جائے ہم ہر گز نہیں مانیں گے۔ فرماتے ہیں:

”ولا يقبل قوله (ابن معين) في الشافعي ولو فسروني بالف ايضاح لقيام

القاطع انه غير محقق بالنسبة اليه (الطبقات الشافعية ص ۱۹۷)“

اور ابن معین کا قول امام شافعی کے بارے میں قابل قبول نہیں، چاہے ہزاروں طریقہ سے مفسر ہو۔ اس لئے کہ عدم ثبوت پر دلیل قاطع قائم ہو چکی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ صاحب فتح الباقی کا قول خلاف تحقیق اور غیر ثابت ہے۔

اعتراض نمبر ۱۲: کتاب الضعفاء والمتروکین امام النسائی

مطبوعہ انوار احمدی ص ۳۵ میں ہے کہ

”ابو حنیفہ لیس بالقوی فی الحدیث وهو کثیر الغلط والخطا“

قلۃ روايته .“

امام ابو حنیفہؒ حدیث میں قوی نہیں ہیں اور وہ بہت غلطی اور خطا کرنے والے کی کہی روایت (حدیث) کی وجہ سے (حقیقۃ الفقہ ص ۱۲۹، ص ۱۳۰ مطبوعہ اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور)

پہلا جواب: شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی اس اعتراض کا

جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علماء نے جرح و تعدیل کے کچھ قاعدے مقرر کئے ہیں۔ اور کسی راوی کے بارے میں جرح و تعدیل کا فیصلہ کرتے ہوئے ان قواعد کو مد نظر رکھنا نہایت ضروری ہے ورنہ کسی بڑے سے بڑے محدث کی بھی عدالت و ثقاہت ثابت نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ تمام بڑے بڑے ائمہ پر کسی نہ کسی کی جرح ضرور موجود ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ پر یحییٰ بن معینؒ نے امام احمدؒ پر امام کرامیسیؒ نے امام بخاریؒ پر ذہبیؒ نے امام اوزاعیؒ پر امام احمدؒ نے جرح کی ہے۔ اگر ان تمام اقوال کا اعتبار کیا جائے تو ان میں سے کوئی بھی ثقہ نہیں قرار پا سکتا۔ انتہا یہ ہے کہ ابن حزمؒ نے امام ترمذیؒ اور امام ابن ماجہؒ کو مجہول کہا ہے۔ خود امام نسائیؒ پر اتنے ہی علماء نے تشیع کا الزام عائد کیا ہے، اور اس بناء پر انہیں مجروح کہا

حقیقت یہ ہے کہ علماء نے جرح و تعدیل کے کچھ اصول مقرر فرمائے ہیں۔ ان میں سے پہلا اصول یہ ہے کہ جس شخص کی امامت و عدالت حد تو اثر کو پہنچی ہوئی ہو اس کے بارے میں ایک دو افراد کی جرح معتبر نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کی عدالت و امامت بھی حد تو اثر کو پہنچی ہوئی ہے۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث نے آپ کے علم و تقویٰ کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اس لئے امام صاحبؒ پر بھی اتحاد کی جرح معتبر نہیں۔

اس جواب پر ہمارے زمانہ کے بعض جہلاء یہ اعتراض کرتے ہیں کہ محدثین کا معروف قاعدہ ہے کہ ”الجرح مقدم علی التعدیل“ لہذا جب امام صاحبؒ کے بارے میں جرح و تعدیل دونوں منقول ہیں تو جرح راجح ہو گی۔ لیکن یہ اعتراض جرح و تعدیل کے اصول ناواقفیت پر مبنی ہے۔ کیونکہ ائمہ حدیث نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ”الجرح مقدم علی التعدیل“ کا قاعدہ مطلق نہیں بلکہ چند شرائط کے ساتھ مقید ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی راوی کے بارے میں جرح اور تعدیل کے اقوال متعارض ہوں ان میں ترجیح کے لئے علماء نے اَوْلَادُ و طریقے اختیار کئے ہیں۔

پہلا طریقہ : جو کہ جرح و تعدیل کے دوسرے اصول کی حیثیت رکھتا ہے خطیب بغدادیؒ نے ”الکفایۃ فی اصول الحدیث والروایۃ“ میں یہ بیان کیا ہے کہ ایسے موقع پر یہ دیکھا جائے گا کہ جارحین کی تعداد زیادہ ہے یا معدلین کی جس طرف تعداد زیادہ ہو گی اسی جانب کو اختیار کیا جائے گا۔ شافعیہ میں سے علامہ تاج الدین سبکیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اگر یہ طریق کار اختیار کیا جائے تب بھی امام ابو حنیفہؒ کی تعدیل میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ کیونکہ امام صاحبؒ پر جرح کرنے والے صرف معدودے چند افراد ہیں۔ یعنی نسائیؒ، امام

بخاریؒ، امام دارقطنیؒ اور حافظ ابن عدیؒ اور ہم پیچھے بتا چکے ہیں کہ ابن عدی بھی امام طحاویؒ کے شاگرد بننے کے بعد امام ابو حنیفہؒ کی عظمت کے قائل ہو گئے تھے۔ اور دوسرے طرف امام صاحبؒ کے ماحین اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ ان کو گنا بھی نہیں جاسکتا۔ نمونہ کے طور پر ہم چند اقوال پیش کرتے ہیں۔

علم جرح و تعدیل کے سب سے پہلے عالم جنہوں نے سب سے پہلے رجال پر باقاعدہ کلام کیا وہ امام شعبہ ابن الحجاج ہیں جو امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے مشہور ہیں وہ امام ابو حنیفہ کے بارے میں فرماتے ہیں: ”کان واللہ ثقة ثقة“

جرح و تعدیل کے دوسرے بڑے امام یحییٰ بن سعید القطان ہیں یہ خود امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ اور حافظ ذہبیؒ نے ”تذکرہ الحفاظ“ میں اور حافظ ابن عبد البرؒ نے ”الانقار“ میں نقل کیا ہے کہ وہ امام ابو حنیفہؒ کے اقوال پر فتویٰ دیا کرتے تھے اور ان کا مقولہ ہے ^(۱): ”جالسنا واللہ ابا حنیفہ وسمعنا منه

فکنت کلما نظرت الیہ عرفت فی وجهہ انه یتقی اللہ عزوجل“ اور یحییٰ ابن سعید القطان ہی کا ایک دوسرا مقولہ علامہ سندھی کی ”کتاب التعلیم“ کے مقدمہ میں منقول ہے۔ کہ ”انه لأعلم هذه الامة بما جاء عن الله ورسوله

ﷺ“

Www.Ahlehq.Com

جرح و تعدیل کے تیسرے بڑے امام یحییٰ بن سعید القطان کے شاگرد یحییٰ بن معینؒ ہیں۔ وہ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ”کان ثقة حافظا لا یحدث الا بما یحفظ ما سمعت احداً یجرحه“ ایک اور موقع پر ان سے امام صاحبؒ کے بارے میں پوچھا گیا: ”اثقة هو؟“ تو انہوں نے جواب دیا: ”نعم ثقة ثقة هو اودع من ان یکذب واجل قدراً من ذلک، کذا فی مناقب الامام الاعظمؒ للکردی“

جرح و تعدیل کے چوتھے بڑے امام حضرت علی بن المدینیؒ ہیں جو کہ امام بخاریؒ کے استاذ اور نقد رجال کے بارے میں بہت تشدد ہیں۔ کما صرح بہ الحافظ فی مقدمۃ فتح الباری وہ فرماتے ہیں کہ:

”ابو حنیفہ روى عنه الثورى وابن المبارك وهشام ووكيع وعباد بن العوام وجعفر بن عون وهو ثقة لا بأس به“

نیز حضرت عبداللہ بن المبارکؒ فرماتے ہیں: ”لولا اعاننى الله بابى حنيفة وسفيان لكنت كسائر الناس“ اور مکی بن ابراہیمؒ کا یہ مقولہ کہ ”كان اعلم اهل زمانه“ ان کے علاوہ یزید بن ہارونؒ، سفیان ثوریؒ، سفیان بن عیینہؒ، اسرائیل بن یونسؒ، یحییٰ بن آدمؒ، وکیع بن الجراحؒ، امام شافعیؒ اور فضل بن دکینؒ رحمہم اللہ جیسے ائمہ حدیث سے بھی امام ابو حنیفہؒ کی توثیق منقول ہے۔ علم حدیث کے ان بڑے بڑے اساطین کے اقوال کے مقابلہ میں دو تین افراد کی جرح کس طرح قابل قبول ہو سکتی ہے۔ لہذا اگر فیصلہ کثرت تعداد کی بنیاد پر ہو تب بھی امام صاحبؒ کی تعدیل بھاری رہے گی۔

جرح و تعدیل کے تعارض کو رفع کرنے کا **دوسرا طریقہ** جو کہ جرح و تعدیل کے تیسرے اصول کی حیثیت رکھتا ہے وہ حافظ ابن الصلاحؒ نے مقدمہ میں بیان کیا ہے اور اسے جمہور محدثین کا مذہب قرار دیا ہے وہ یہ کہ اگر جرح مفسر نہ ہو یعنی اس میں سبب جرح بیان نہ کیا گیا ہو تو تعدیل ہمیشہ اس پر راجح رہے گی خواہ تعدیل مفسر ہو یا مبہم، اس اصول پر دیکھا جائے تو امام ابو حنیفہؒ کے خلاف جتنی جرحیں کی گئی ہیں وہ سب مبہم ہیں اور ایک بھی مفسر نہیں۔ لہذا ان کا اعتبار نہیں اور تعدیلات تمام مفسر ہیں۔ کیونکہ اس میں ورع و تقویٰ اور حافظ تمام چیزوں کا اثبات کیا گیا ہے۔ خاص طور سے اگر تعدیل میں اسباب جرح کی تردید کر دی گئی ہو تو وہ سب سے زیادہ مقدم ہوتی ہے اور امام صاحبؒ

کے بارے میں ایسی تعلیلات بھی موجود ہیں۔ مثلاً حافظ ابن عبد البر ”الانتقار فی فضائل الثلاثة ائمه الفقهاء“ میں لکھا ہے کہ ”اکثر ما عابوا علیہ الاغراق فی الرأی والقیاس والیس ذلک بعیب“ خلاصہ یہ ہے کہ ”الجرح مقدم علی التعدیل“ کا قاعدہ اس وقت معتبر ہوتا ہے جبکہ جرح مفسر ہو اور اس کا سبب بھی معقول ہو اور بعض علماء کے نزدیک یہ شرط بھی ہے کہ معدّلین کی تعداد جارحین سے زیادہ نہ ہو۔

دوسرا جواب : مولانا محمد اسماعیل سنبھلی لکھتے ہیں:

امام نسائی سے اس جرح کے ناقل حسن بن رشیق ہیں (کما فی کتاب الضعفاء، مطبوعہ الہ آباد ص ۳۴) حسن بن رشیق ان لوگوں میں سے ہیں جن پر حافظ عبد الغنی اور دارقطنی نے جرحیں کی ہیں۔ ص ۳۰ ج ۱۔
لہذا حسب قاعدہ حسن بن رشیق خود مجروح ہوئے اور مجروح کی روایت قابل اعتبار نہیں ہو سکتی۔ تو ان کی روایت سے امام ابو حنیفہؒ کو مجروح ٹھہرانا غلط اور لغو ہے۔

ثانیاً : امام نسائی ان مصنفین اور متشدین میں سے ہیں جنہوں نے بخاری و مسلم کے بہت سے راویوں پر محض تعنت سے جرح کر دی ہے۔ (دیکھئے مقدمہ فتح الباری)

اور ابن حجر نے ”تہذیب التہذیب“ میں بذیل ترجمہ حارث بن عبد اللہ لکھا ہے:

”حدیث الحارث فی سنن الاربعۃ والنسائی مع تعنتہ فی الرجال فقد احتج بہ النسائی مع تعنتہ“

حارث کی حدیث سنن اربعہ اور نسائی سب میں موجود ہے باوجود یہ کہ امام نسائی رواۃ کے سلسلہ میں بہت محنت (سخت گیر) ہیں مگر ان کی حدیث سے

اشدلال کیا ہے۔

اور سیوطیؒ نے زہر الربی علی المجتبیٰ میں لکھا ہے:

”فکم من رجل اخرج له ابوداؤد والترمذی وتجنب النسائی

اخراج حدیثہ بل تجنب اخراج حدیث جماعة من رجال الصحيح الخ“

کتنے ہی ایسے حضرات ہیں جن سے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کی ہے لیکن امام نسائی نے اجتناب کیا ہے بلکہ اور بہت سے صحیح (صحیح بخاری) کے راویوں سے نسائی نے حدیث بیان کرنے میں پرہیز کیا ہے۔

جبکہ حسب تصریح ابن حجر و سیوطی وغیرہم امام نسائی متعین میں سے ہیں تو ان کی جرح ایسے امام کے حق میں جس کا ثقہ اور جید الحافظ ہونا بڑے بڑے ثقات و نقاد فن کے بیان سے ثابت ہے کس طرح مقبول ہو سکتی ہے۔

ثالثاً: جو کتاب اصح الکتاب بعد کتاب اللہ تسلیم کی گئی ہے۔ یعنی صحیح بخاری اس کے بعض روایت پر بھی کثیر الغلط والخطاء کی قسم کی جرحیں منقول ہیں۔ مگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے۔ چنانچہ مقدمہ فتح الباری میں ہے۔

”قبیصة بن عقبه قال احمد بن حنبل كان كثير الغلط وكان ثقة لا باس“
قبیصہ بن عقبہ کے بارے میں امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ وہ بہت غلطی کرنے والا تھا، پھر بھی ثقہ تھا۔

”وضاح بن عبد الله قال ابو حاتم كان يغلط كثيرا“
ابو حاتم نے وضاح بن عبد اللہ کے بارہ میں فرمایا کہ وہ بہت غلطی کیا کرتا تھا۔

”جرير بن حازم قال امام احمد بن حنبل كثير الغلط وقال الاثرم عن احمد حدث بمصر احاديث وهو فيها ولم يكن يحفظ“

جریر بن حازم کے لئے امام احمد بن حنبل نے فرمایا وہ بہت غلطی کرنے والا تھا اور اثرم نے احمد سے روایت کی کہ اس نے مصر میں ایسی احادیث بیان کیں جن میں اس کو وہم تھا اور اچھی طرح یاد نہیں تھیں۔

”سلیمان بن حیان عن ابی داؤد اتی من سوء حفظه فیغلط ویخطی“
 سلیمان بن حیان کے بارے میں ابو داؤد کہتے ہیں کہ حافظہ کی کمزوری کے باوجود انہوں نے روایت کی اس لئے ان سے لغزش ہوئیں۔

”عبدالعزیز بن حجر قال ابو ذرعه سی الحفظ ربما حدث من حفظ السنن فیخطی“

عبدالعزیز بن حجر کے متعلق ابو ذرعه نے فرمایا کہ ان کا حافظہ خراب تھا اور اکثر اسی خراب حافظہ کی بنیاد پر حدیث بیان کرتے۔ چنانچہ غلطی کرتے تھے۔

اس قسم کے اور بھی بہت سے رواۃ ہیں جن سے بخاری نے روایت کی ہے۔ اگر کسی کے کثیر الغلط کہہ دینے سے ثقہ و صدوق راوی، ضعیف اور قابل ترک ہو جاتا ہے تو پھر صحیح بخاری بجائے اصح الکتاب ہونے کے اضعف الکتاب ٹھہرے گی۔

رابعاً: ابو عبد الرحمن نسائی نے سنن نسائی یعنی مجتبیٰ کو سنن کبریٰ سے منتخب کر کے مرتب کیا ہے اور خود اس امر کا اقرار کیا ہے کہ اس کی کل حدیثیں صحیح ہیں۔ چنانچہ سیوطیؒ اپنی کتاب زہرابی میں لکھتے ہیں:

”قال محمد بن معاوية الاحمر الراوی عن النسائی . قال النسائی کتاب السنن کله صحیح وبعضه معلول الا انه لم یبق علته والمنتخب المسمی با المجتبی صحیح کله و ذکر بعضهم ان النسائی لما ضعف السنن الکبری اهداه الی الامیر فقال له الامیر کل ما فی هذا صحیح قال لا قال فجرد الصحیح منه فصنف له المجتبی“

نسائی کے راوی محمد بن معاویہ فرماتے ہیں۔ امام نسائی نے فرمایا کہ کتاب السنن ساری صحیح ہے۔ صرف اس کا کچھ حصہ معلول ہے مگر اس کی علت باقی نہیں رہی اور منتخب جس کا نام مجتبیٰ ہے وہ سب صحیح ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ امام نسائی نے جب سنن کبریٰ تصنیف کی تو امیر کو بطور ہدیہ پیش فرمائی۔ امیر نے معلوم کیا اس کی ساری حدیثیں صحیح ہیں؟ امام نسائی نے فرمایا نہیں۔ امیر نے کہا اس میں سے صحیح احادیث منتخب کر دیجئے۔ چنانچہ اس کے بعد مجتبیٰ تصنیف فرمائی۔ اور نسائی کے علاوہ دوسرے محدثین نے بھی مثلاً ابن مندہ بن عدی، دارقطنی اور خطیب وغیرہم نے بھی مجتبیٰ کو صحیح قرار دیا ہے۔

زہرابی اور فتح المغیث میں اس کی تصریح موجود ہے اور سنن نسائی میں امام ابو حنیفہؒ کی روایت موجود ہے۔

تہذیب التہذیب میں ہے:

”وفی کتاب النسائی حدیثه عن عاصم عن ابی عباس قال لیس علی اتی البہیمۃ حدّاً الخ“

اور نسائی میں ان کی روایت عاصم سے ان کی ابن عباسؓ سے کہ فرمایا بہیمہ سے جماع کرنے والے پر حد نہیں ہے۔

اور تقریب و خلاصہ تہذیب میں نعمان بن ثابت کے نام پر (شم۔ ز۔ س) علامت مر قوم ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام ابو حنیفہؒ شاکل ترمذی و جزا القرآۃ للبخاری اور نسائی کے راوی ہیں۔

اب غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر واقعی نسائی کے نزدیک امام ابو حنیفہؒ غیر قوی کثیر الغلط والخطاء تھے تو نسائی نے ان سے کیوں روایت کی اور اپنی کتاب کو صحیح کلمہ کیوں کہا۔ پس حسب خیال معترض نسائی کے دونوں قولوں میں تعارض و تہافت ہے۔

مگر ہم معترض کو دو تو جہیں ایسی بتلاتے ہیں کہ نہ حضرت امام ابو حنیفہؒ پر حرف آئے گا اور نہ حضرت امام نسائیؒ پر۔

ممکن ہے کہ امام نسائیؒ نے پہلے امام ابو حنیفہؒ کو غیر قوی خیال کیا ہو مگر بعد تتبع و تحقیق کے معلوم ہوا ہو کہ امام ابو حنیفہؒ ثقہ ہیں اور پہلے خیال سے رجوع کر

لیا ہو یا یوں کہا جائے۔ **Www.Ahlehq.Com**

”لیس بالقوی فی الحدیث ای علی شرط النسائی وهو کثیر الغلط والخطاء ای فی فہم المعنی“

حدیث میں قوی نہیں تھے یعنی نسائیؒ کی شرط کے مطابق اور وہ بہت غلطی کرنے والے تھے یعنی معنی کے سمجھنے میں۔

چونکہ روایت کے باب میں نسائیؒ کی شرطیں بہت سخت ہیں۔ اپنی شروط اور اصطلاح کے اعتبار سے لیس بالقوی کہہ دیا ہے۔

چنانچہ زہر ابی ص ۳ میں ہے:

”بل تعجب النسائی اخراج حدیث جماعة من رجال الصحیحین“
بلکہ امام نسائیؒ نے صحیحین کے راویوں کی ایک جماعت سے روایت کرنے میں اعتراض کیا۔

”فحکى ابو الفضل من طاهر قال سعد بن علی الریحانی عن رجل موثقة فقلت له ان النسائی لم یحتج به فقال بابنی ان لابی عبد الرحمن شرطاً فی الرجال اشد من شرط البخاری والمسلم“

ابو الفضل نے طاہر سے نقل کیا کہ سعد ابن علی الریحانی نے ایک شخص کے بارے میں کہا کہ وہ ثقہ ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ پھر نسائیؒ نے ان کو قابل حجت کیوں نہیں قرار دیا؟ انہوں نے فرمایا صاحبزادے رجال کے بارے میں ابو عبد الرحمن کی شرط بخاری و مسلم سے بھی زیادہ سخت ہے۔

اور چونکہ حافظ نسائی محدث شافعی تھے۔ غوامض فقہ کی جانب امام ابو حنیفہؒ کی طرح ان کی توجہ نہ رہی ہو گی اور امام ابو حنیفہؒ کے بعض مسائل مستنبط کو اپنے ظاہر فہم کے خلاف سمجھا ہو گا اور کچھ ایسا ہی اکثر محدثین کا حال تھا۔ اپنے ظن کے اعتبار سے کہہ دیا ہو گا۔

”کثیر الغلط والخطا ای فی فہم المعنی“ ہماری اس توجیہ سے نہ امام صاحب کاسی الحافظ ہونا مابت ہوتا ہے اور نہ نسائی کے اقوال میں تعارض باقی رہتا ہے۔ اگر معترض محض ضد سے ان توجیہات کو نہ مانے تو پھر امام نسائی کو کثیر الغلط والخطا کہنا پڑے گا اس لئے کہ کثیر الغلط والخطا سے روایت کر کے اسے صحیح بتلانا جید اللفظ کا کام نہیں۔ کیا معترض کی غیرت تقاضہ کرتی ہے کہ امام نسائی کو کثیر الغلط والخطا اور سی الحافظہ کا خطاب دے۔

اعتراض نمبر ۱۳: سنن دارقطنی مطبوعہ فاروقی ص ۱۲۲ میں تحت حدیث (من کان لہ امام فقرۃ الامام لہ قرۃ) ہے۔ غیر ابی حنیفہ والحسن بن عمارہ وھما ضعیفان۔

امام ابو حنیفہ اور حسن بن عمارہ کے سوا کسی نے (حدیث مذکور کو) روایت نہیں کیا اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔ (حقیقۃ الفقہ ص ۱۳۰)

پہلا جواب: مولانا محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں:

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں امام دارقطنیؒ کی جرح ثابت ہے لیکن اس کا جواب وہی ہے جو امام نسائیؒ کی جرح کا ہے غور کرنے کی بات ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں امام شعبہؒ، یحییٰ بن سعید، نبطان، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، عبد اللہ بن المبارک، سفیان ثوری، وکیع بن الجراح، مکی بن ابراہیم، اسرائیل بن یونس، اور یحییٰ بن آدم جیسے ائمہ حدیث

کا قول معتبر ہو گا جو امام ابو حنیفہؒ کے معاصر ہیں۔ یا ان کے قریب العہد ہیں یا امام دارقطنی کا جو امام صاحبؒ کے دو سو سال بعد پیدا ہوئے۔ بلکہ یحییٰ بن معین کے قول سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ تک کسی شخص نے بھی امام صاحبؒ پر جرح نہیں کی۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ”ما سمعت احداً یجرحہ“

اب سوال رہ جاتا ہے کہ امام نسائیؒ اور امام دارقطنیؒ جیسے ائمہ حدیث نے امام صاحبؒ کے بارے میں ایسی بے بنیاد بات کیسے کہہ دی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں ان بزرگوں کے اخلاص پر کوئی بد گمانی نہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام بخشا تھا اس کی بناء پر ان کے حاسدین بے شمار تھے اور انہوں نے امام صاحبؒ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں مشہور کر رکھی تھیں۔ مثلاً یہ پروپیگنڈہ تو عام تھا کہ امام صاحبؒ قیاس کو احادیث پر ترجیح دیتے ہیں یہ پروپیگنڈہ اس شدت کے ساتھ کیا گیا کہ بعض ایسے اہل علم بھی اس سے متاثر ہو گئے جو امام ابو حنیفہؒ کے حالات سے ذاتی طور پر واقف نہیں تھے۔ ان اہل علم میں سے جن حضرات کو حقیقت حال کا علم ہو گیا انہوں نے بعد میں امام صاحبؒ کی مخالفت سے رجوع بھی کر لیا۔ جیسے حافظ ابن عدی کی مثال گذری، دوسری مثال امام اوزاعی کی ہے۔

علامہ کردریؒ نے صیمریؒ سے اپنی سند سے عبد اللہ بن المبارکؒ کا یہ قول ”مناقب الامام الاعظمؒ“ جلد اول میں صفحہ ۳۹ پر نقل کیا ہے کہ ”میں شام آیا اور امام اوزاعیؒ سے ملا انہوں نے جب یہ سنا کہ میں کوفہ سے آیا ہوں تو مجھ سے پوچھا ”من هذا المبتدع الخارج بالكوفة یکنی بابی حنیفہؒ“ عبد اللہ بن المبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت ان کو کوئی مفصل جواب دینا مناسب نہ سمجھا اور اپنے ٹھکانے پر واپس آ گیا۔ البتہ بعد میں میں نے یہ کیا کہ امام ابو حنیفہؒ کے مستنبط کئے ہوئے فقہی مسائل جو میرے پاس محفوظ تھے تین دن میں

ان کا ایک مجموعہ تیار کیا۔ اور ان کے شروع میں ”قال ابو حنیفہ“ کے بجائے ”قال النعمان بن ثابت“ لکھ دیا اور اسے تیسرے دن امام اوزاعی کے پاس لے گیا۔ انہوں نے اس کا مطالعہ کیا اور میرے سے دریافت کیا: ”من النعمان؟“ قلت ابو حنیفہ الذی ذکرته“ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ امام اوزاعی کی ملاقات امام ابو حنیفہ سے ہوئی دونوں میں انہی مسائل پر گفتگو ہوتی رہی جو مسائل میں نے لکھ کر امام اوزاعی کو پیش کئے تھے۔ امام اعظمؒ ان مسائل کو میرے سے زیادہ کھول کھول کر وضاحت کے ساتھ بیان کرتے رہے جب امام ابو حنیفہؒ چلے گئے تو میں نے امام اوزاعی سے دریافت کیا ”کیف رأیته؟“ تو انہوں نے جواب دیا ”غبطت الرجل لکثرة علمه ووفور عقله استغفر الله لقد كنت في غلط ظاهر الزممه فانه بخلاف ما بلغني عنه“

البتہ جن اہل علم کو امام صاحبؒ کے بارے میں حقیقت معلوم نہ ہو سکی وہ اپنے ناقص موقف پر قائم رہے۔ اپنے اخلاص کی وجہ سے وہ انشاء اللہ معذور ہیں۔ لیکن ان کے اقوال کو ایسے لوگوں کے مقابلہ میں حجت نہیں بنایا جاسکتا جو امام صاحبؒ سے حقیقتاً واقف تھے۔

خلاصہ یہ کہ علم حدیث میں امام ابو حنیفہؒ کا مقام نہایت بلند پایہ ہے اور جن حضرات کو ان سے تکدر ہوا وہ غلط اطلاعات کی بناء پر ہوا یہی وجہ ہے کہ جن حضرات نے انصاف کے ساتھ امام صاحبؒ کے حالات کا مطالعہ کیا ہے وہ اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ علم حدیث میں بھی امام ابو حنیفہؒ بلند مقام کے حامل ہیں اور ان پر اعتراضات درست نہیں چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحبؒ اپنی کتاب ”التاج المکمل“ میں امام ابو حنیفہؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے فقہ اور ورع کی تعریف کرتے ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں ”ولم یکن یاب بشی سوی قلة العربیة“

یہاں نواب صدیق خان صاحبؒ نے علم حدیث کے اعتبار سے امام ابو حنیفہؒ کوئی اعتراض نہیں کیا۔ البتہ قلت عربیت کا الزام لگایا ہے اور یہ الزام بھی کسی طرح درست نہیں دراصل یہ جملہ نواب صاحبؒ نے قاضی ابن خلکانؒ کی ”وفیات الاعیان“ سے نقل کیا ہے لیکن آگے خود قاضی ابن خلکانؒ نے اس الزام کی جو تردید کی ہے اسے نواب صاحبؒ نے نقل نہیں کیا۔ قاضی ابن خلکانؒ نے لکھا ہے کہ امام صاحبؒ پر قلت عربیت کا جو الزام عائد کیا گیا ہے اس کی بنیاد صرف ایک واقعہ پر ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک مرتبہ امام ابو حنیفہؒ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے۔ وہاں ایک مشہور نحوی نے ان سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص کسی کو پتھر مار کر ہلاک کر دے تو اس پر قصاص آئے گا یا نہیں امام صاحبؒ نے فرمایا نہیں اس پر نحوی نے متعجب ہو کر پوچھا: ”ولو رماه بصخرة؟“ اس پر امام صاحبؒ نے فرمایا کہ ”نعم ولو رماه بابا قیس“ اس سے اس نحوی نے یہ مشہور کر دیا کہ امام صاحبؒ کو عربیت میں مہارت نہیں۔ کیونکہ ”بابی قیس“ کہنا چاہیے تھا لیکن قاضی ابن خلکانؒ لکھتے ہیں کہ امام صاحبؒ پر یہ اعتراض درست نہیں کیونکہ بعض قبائل عرب کی لغت میں اسماء ستہ مکبرہ کا اعراب حالت جرّ میں بھی الف سے ہوتا ہے چنانچہ ایک شاعر کا مشہور شعر ہے

ان ابھا و ابا ابھا قد بلغا فی المجد غایتھا

یہاں قاعدہ کی رو سے ”ابا ابھا“ ہونا چاہیے تھا لیکن شاعر نے حالت جری میں بھی اعراب الف سے ظاہر کیا۔ لہذا امام ابو حنیفہؒ کا مذکورہ بالا قول انہی قبائل عرب کی لغت کے مطابق تھا صرف اس واقعہ کو بنیاد بنا کر امام اعظم ابو حنیفہؒ جیسی شخصیت پر قلت عربیت کا الزام نا انصافی کے سوا کچھ نہیں یہاں اس بحث کا مختصر خلاصہ ذکر کیا گیا ہے تفصیل علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کی کتاب ”انجاء الوطن من الازدراء بامام الزمن“ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

دوسرا جواب : مولانا محمد اسماعیل سنبھلی لکھتے ہیں:

أولاً: یہ جرح مبہم ہے اور تعدیل مفسر کے ہوتے ہوئے جرح مقبول نہیں۔
کما مرّ مراراً۔

ثانیاً: دارقطنی شافعی المذہب ہیں بوجہ منافرت مذہبی کے ان سے یہ جرح صادر ہوئی۔ یعنی نے عمدة القاری ص ۶۶ ج ۱ میں تحریر فرمایا ہے:

”لو تادب دارقطنی واستحیی لما تلفظ عنده اللفظة فی حق ابی حنیفة فانہ امام طبق عملہ المشرق والمغرب“

اگر دارقطنی ادب اور حیا سے کام لیتے تو امام اعظمؒ کے بارے میں اس قسم کے الفاظ منہ سے نہ نکالتے کیونکہ ان کی امامت اور ان کا علم دنیا میں مسلم ہے۔

اس کے بعد عینی نے یحییٰ بن معین و شعبہ و عبد اللہ بن المبارک و سفیان بن عیینہ و سفیان ثوری و حماد بن زید و عبد الرزاق و وکیع و مالک و شافعی اور احمد سے امام ابو حنیفہؒ کی توثیق اور مناقب ذکر کر کے لکھا ہے:

”وقد ظهرت من هذا تحامل الدارقطنی علیہ وتعصب الفاسد و لیس له بالنسبة الی هؤلاء حتی یتکلم فی امام متقدم علی هؤلاء فی الدین والتقویٰ والعلم ویتضعفه ایاہ وهو یتحق التضعیف“

اور اس سے دارقطنی کا امام صاحب پر ظلم اور بے بنیاد تعصب ظاہر ہو گیا۔
دارقطنی کی ان حضرات کے سامنے کوئی حیثیت نہیں کہ وہ ایسے امام پر کلام کرتے ہیں جو دین تقویٰ اور علم میں ان سب پر مقدم ہیں اور وہ ایسے امام کو ضعیف کہتے ہیں حالانکہ وہ خود اس کے مستحق ہیں۔

”افلا یرضی بسکوت اصحابہ عنہ وقد روی فی سنتہ احادیث سقیمہ ومعلولة ومنکرة وغریبة وموضوعة“

کیا وہ امام صاحب کی بابت اپنے اصحاب کے سکوت پر راضی نہیں حالانکہ خود

انہوں نے اپنی سنن میں ضعیف، معلول، منکر، غریب اور موضوع حدیثیں بیان کی ہیں۔

”وقد روی ضعیفہ فی کتاب الجہر باب سملۃ واحتج بها مع علمہ بذلک حتی ان بعضهم استخلصہ علی ذلک فقال لیس فیہ حدیث صحیح“
اور انہوں نے جہر بسم اللہ کے سلسلہ میں ایک ضعیف روایت بیان کی اور ضعف کا علم ہونے کے باوجود اس سے استدلال کیا۔ یہاں تک کہ بعض حضرات نے ان سے حلف لیا تو خود کہا کہ واقعی اس میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔
اور واقعی دارقطنی نے بہت سے ثقہ کو ضعیف اور ضعیف کو ثقہ کہہ دیا ہے۔
سنن دارقطنی ص ۱۲ میں ہے۔

”ان عمر بن الخطاب کان یسخن له ماء فی قمقمۃ یغتسل بہ فہذا اسناد صحیح“

حضرت عمر بن الخطابؓ کے لئے برتن میں پانی گرم کیا جاتا تھا اور وہ اس سے غسل کیا کرتے تھے۔

اس کی سند کو صحیح لکھ دیا۔ حالانکہ اس کی سند میں علی بن عزام اور ہشام بن سعد واقع ہیں جو مجروح ہیں۔ (الجوہر النقی)

ثالثاً: دارقطنی نے امام بخاریؒ پر بھی یہی عیب لگا دیا۔ اسحاق ابن محمد جو بخاری و ابوداؤد اور نسائی کے معتبر راوی ہیں۔ ان کی روایت کی وجہ سے کہہ دیا ہے۔ عیب علی البخاری مقدمة فتح الباری ص ۴۱۵ دارقطنی کے بیان سے تو بخاری بھی معیوب ٹھہرے۔

پس جس طرح اسحاق بن محمد کے باب میں دارقطنی کا کلام غلط سمجھا جاتا ہے امام ابو حنیفہؒ کے باب میں بھی غلط سمجھنا چاہیے۔

رابعاً: دارقطنی نے سنن نسائی کو صحیح کہا ہے۔ (فتح المغیث ص ۴۴)

اور پہلے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نسائی کے راوی ہیں۔ پس دارقطنی کے دونوں کلاموں میں تعارض ہے۔

اعتراض: اس اعتراض سے ملتا جلتا اعتراض امام بیہقیؒ نے بھی کیا ہے اس کا جواب بھی ساتھ ہی ملاحظہ فرمائیں۔ امام بیہقیؒ معرفۃ السنن والاثر میں لکھتے ہیں:

”ولم يتابعهما ما عليه الا من هو اضعف منهما“

اس حدیث میں ان دونوں کی متابعت صرف اس شخص نے کی ہے جو ان دونوں سے زیادہ ضعیف ہے

اولا: یہ جرح مبہم ہے۔ خلاف قاعدہ اصول غیر مقبول۔ کما مر۔

ثانیا: بیہقی کے نزدیک امام ابو حنیفہؒ کیوں ضعیف ہیں۔ اگر حدیث:

”من كان له امام“

جو امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو امام کی قرأت اس کے لئے کافی ہے۔

مرفوع روایت کرنے کی وجہ سے ضعیف ہیں تو محض غلط ہے کیونکہ اس

حدیث کو فقط امام صاحبؒ نے مرفوعاً نہیں بیان کیا بلکہ دوسرے ثقات جیسے

سفیان ثوری اور شریک نے بھی بسند صحیح مرفوعاً روایت کیا ہے۔ کما سیاتی

تفصیلاً فی موضعه اور اگر کوئی دوسری وجہ ہو تو امام بیہقی کے مقلد اس کو

بیان کریں اور بیہقی کی کتاب میں اس کی تصریح دکھادیں۔

ثالثاً: بیہقی متاخرین میں سے ہیں۔ شافعی مذہب اور شافعی کے دلائل کے

جو سندہ ہیں۔ بستان المحدثین ص ۵۱ میں ہے:

”در تصانیف خود نصرت مذہب او نمودہ و بتائید و نصرت او

رواج این مذہب دو بالا گشتہ و ہکذا فی الطبقات الشافعیہ ص ۴ ج ۳“

تاریخ ابن خلکان ص ۲۹ ج ۱ میں ہے کہ باوجود محدث ہونے کے حدیث کی بہت سی کتابیں مثلاً نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ ان کے پاس نہ تھیں اور ان کتابوں کی احادیث سے بہت کم واقفیت رکھتے تھے۔
بستان المحدثین ص ۵۱ میں ہے۔

”وسنن نسائی وجامع ترمذی وسنن ابن ماجہ تردد اد نبود وبرا حدیث این سه کتاب کما ینبغی اطلاع ندارد“
سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ ان کے پاس نہیں تھیں اور ان تین کتابوں کی احادیث پر کما حقہ واقفیت نہیں رکھتے تھے۔

اور طبقات الشافعیہ ص ۲ ج ۳ میں ہے ولم لقع الترمذی ولا النسائی ولا ابن ماجہ الخ اور ان کی حدیث اور ان کا دائرہ حدیث وسیع نہ تھا۔
طبقات الشافعیہ ص ۴ ج ۳ میں ہے:

”وقال الذہبی دائرته فی الحدیث لیست کبیرة“
ذہبیؒ نے فرمایا کہ بیہقی کا دائرہ حدیث وسیع نہیں تھا۔
بیہقی کے مسامحات جس کو دیکھنے ہوں وہ الجوہر النقی الرد علی البیہقی دیکھے۔

پس بیہقی کی جرح اس اعتبار سے بھی قابل اعتبار نہیں ہے۔
اعتراض نمبر ۱۴: تخریج ہدایہ حافظ ابن حجر مطبوعہ فاروقی حاشیہ ص ۹۳ میں ہے کہ

”قال صاحب المنتظم من عبد اللہ بن علی بن المدینی قال سألت ابا حنیفہ فضغفه جداً وقال خمسين حدیثا اخطا فیہا“

علی بن مدینی کے بیٹے عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ علی بن مدینی سے ابو حنیفہ کا حال پوچھا تو انہوں نے ان کو ضعیف بتلایا اور کہا پچاس حدیث میں

بولے ہیں۔ (حقیقۃ الفقہ ص ۱۳۰)

اعتراض نمبر ۱۵: تخریج ہدایہ حافظ ابن حجر مطبوعہ فاروقی حاشیہ

ص ۹۳ میں ہے کہ

”عن ابی حفص عمر بن علی قال ابو حنیفہ لیس بحافظ مضطرب الحدیث ذاہب الحدیث“

ابو حفص عمر بن علی نے کہا کہ ابو حنیفہ ”حافظہ“ والے نہیں ہیں اور حدیث میں غلطیاں کرنے والے ہیں۔ ان کو حدیث یاد نہیں رہتی۔ (حقیقۃ الفقہ ص ۱۲۹)

اعتراض نمبر ۱۶: کتاب مذکور ص ۹۳ میں ہے کہ

”قال ابوبکر بن داؤد جمیع ما روی ابو حنیفہ من الحدیث مائۃ وخمسون او قال غلط فی تصفہا“

ابو بکر بن داؤد نے کہا کہ امام ابو حنیفہ نے کل ڈیڑھ سو حدیثیں روایت کی ہیں جن میں سے نصف میں بھول یا غلطی ہوئی ہے۔ (حقیقۃ الفقہ ص ۱۳۰)

جواب: یہ تینوں اعتراض علامہ ابن جوزی کی کتاب المنتظم سے حافظ ابن حجر نے نقل کئے ہیں جیسا کہ اعتراض نمبر ۱۴ کے شروع میں قال صاحب المنتظم کے الفاظ موجود ہیں اس لئے ہم تینوں اعتراضوں کا اکٹھا جواب دیتے ہیں

اولا: ابن جوزی تضعیف حدیث اور روایت کے بارے میں غایت درجہ مستحکم اور متشدد ہیں۔ حتیٰ کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث کو بھی موضوعات میں داخل کر دیا ہے اور ان کے بعض راویوں کو بھی وضاع اور کذاب کہہ دیا ہے۔ اسی وجہ سے اکثر محدثین نے ان کی تنقید پر اعتماد نہیں کیا اور ان کی تنقید کو ”لا یعباہ“ قرار دیا ہے۔ چنانچہ حافظ سیوطی ”تعقبات علی الموضوعات ص ۱ میں لکھتے ہیں:

”قدنبہ الحفاظ قد یماد حدیثا علی ان فیہ (ای فی کتاب الموضوعات)

تساهلاً كثيراً واحادیث لیست بموضوعه بل هی من راوی الضعیف
وفیه احادیث حسان واخری صحاح بل فیه حدیث من صحیح مسلم نہ
علیہ الحافظ ابن حجر ووجدت فیه حدیثاً من صحیح البخاری“
قدیم اور جدید محدثین نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ کتاب الموضوعات میں بہت
تساهل اور کمزوری ہے اور اس میں وہ احادیث بھی ہیں جو موضوع نہیں ہیں بلکہ
ضعیف راویوں سے مروی ہیں۔ اور بعض حدیثیں حسن اور بعض صحیح بھی ہیں۔
بلکہ ایک حدیث مسلم کی بھی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے بتلایا کہ میں نے ایک
حدیث اس میں بخاری کی بھی دیکھی ہے۔

”وقال ابن حجر تساهله وتساهل الحاكم في المستدرک اعدم البقع
بكتابهما“

www.Ahlehaq.Com

ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ابن جوزی اور مستدرک میں حاکم کے تساهل نے دونوں
کتابوں کے نفع کو کالعدم کر دیا۔

اور سیوطی نشر العلمین المکیفین کے خاتمہ ص ۱۷۱ میں لکھتے ہیں کہ ابن
جوزی کے تساهل کو بہت سے محدثین نے ذکر کیا ہے۔ ازاں جملہ ابن صلاح
حافظ زین الدین العراقي، قاضی بدر الدین بن جماعہ، سراج الدین بلقینی، حافظ
صلاح الدین العلانی زرکشی و قاضی ابوالفرج نہروانی و حافظ ابن حجر وغیرہم ہیں۔
پس معترضین کو چاہیے کہ پہلے بخاری و مسلم و سنن اربعہ کے راویوں کے
وضاع و کذاب ہونے کا اقرار کریں۔ اس کے بعد حضرت امام ابو حنیفہؒ پر
اعتراض پیش کریں۔

ثانیاً: کتاب المنتظم نہایت غیر معتبر کتاب ہے۔ اس میں صریح غلطیاں
اور بہت سے اوہام ہیں۔

کشف الظنون ص ۵۳۶ ج ۲ میں ہے:

”منتظم فی تاریخ الامم لابی الفرح عبدالرحمن بن علی بن الجوزی
البغدادی المتوفی ۴۹۷ ہجری ذکر فیہ من ابتداء العالم الی الحضرت
النویہ قال المولیٰ علی بن الحنائی وفيہ اوہام كثيرة وغلاظ صريحة اشرف
الی بعضها فی ہامش علی نسخة بخطه مختصراً“

ابو الفرح عبدالرحمن بن علی بن جوزی بغدادی کی کتاب المنتظم جس میں ابتداء
عالم سے نبی اکرم ﷺ کے زمانہ تک کے حالات و واقعات بیان کئے گئے ہیں
(اس کے متعلق) مولیٰ علی ابن الحنائی کہتے ہیں کہ اس میں بہت اوہام اور صریح
غلطیاں ہیں۔ بعض کی طرف میں نے ہامش میں اشارہ کیا ہے۔

چونکہ کتاب منتظم دفتر اغلاط ہے تاوقت یہ کہ روایات منقولہ کو معتبر سند
سے معترض ثابت نہ کریں ہر گز جرح قابل اعتبار نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ نہ
مؤلف قابل وثوق ہیں اور نہ ان کی کتاب۔

اگر معترض کو دعویٰ ہو تو اصل کتاب سے کوئی ایک روایت مع سند کے
نقل کر کے پھر اس سند کو صحیح ثابت کرے۔

ثالثاً: ان روایت میں فقط ابو حنیفہ کا لفظ ہے۔ ابن جوزیؒ چونکہ کثیر الاوہام
ہیں۔ کما قال المولیٰ علی بن الحنائی۔ اگرچہ انہوں نے ابو حنیفہؒ سے امام
ابو حنیفہؒ کا ارادہ کیا ہے۔ مگر بغیر دلیل کے محض ان کی سمجھ حجت نہیں ہو سکتی
ممکن ہے کہ ان روایات میں دوسرے ابو حنیفہؒ مراد ہوں۔ کیونکہ دولابی نے
ابو حنیفہؒ پانچ شخصوں کی کنیت نقل کی ہے۔ دیکھو کتاب الاسماء والکنی
للدولابی ص ۱۵۹ ج ۱ بلکہ علامہ محی الدین فیروز آبادی نے ”قاموس“ میں لکھا
ہے کہ ابو حنیفہؒ میں فقہاء کی کنیت ہے۔

”قال فی ذکر لفظ الحنیف ابو حنیفہ کنیۃ عشرين من الفقہاء
اشہرہم امام الفقہاء النعمان“ لفظ حنیف کے ضمن میں انہوں نے فرمایا کہ

ابو حنیفہ ہیں فقہاء کی کنیت ہے ان میں سب سے زیادہ مشہور امام الفقہاء نعمان بن ثابت ہے۔

اور منتہی العرب میں ہے:

”ابو حنیفہ کنیت بست فقیہہ است اشہر آئہا نعمان بن ثابت کوفی است و هو الامام الاعظم“

ابو حنیفہ ہیں فقہاء کی کنیت ہے ان میں سب سے زیادہ مشہور امام الفقہاء نعمان بن ثابت کوفی ہے اور وہ امام اعظم ہیں۔

ازاں جملہ ابو حنیفہ سماک بن فضل امام شافعیؒ کے استاد ہیں۔ جن کی روایت مسند امام شافعیؒ ص ۱۴۳ میں موجود ہیں۔ اور ابو حنیفہ عددی سلیمان بن حیان ہیں جن کی روایت اسماء کنی دولابی ص ۶۰ ج ۱ میں موجود ہے۔

پس بغیر حجت کے محض ابن جوزی کے کہنے سے کیوں یقین کیا جائے کہ روایات مذکورہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کوفی مراد ہیں۔ کیونکہ کنیتوں کے اشتراک سے دھوکہ میں آجانا ممکن ہے۔ ملاحظہ ہو طبقات شافعیہ ص ۱۸ ج ۱۔ مذکور ہے ابن معین نے احمد بن صالح کو کہا کہ

”رایتہ کذابا یخطب فی جامع مصر“

میں اس کو کذاب جانتا ہوں وہ مصر کی جامع مسجد میں تقریر کرتا ہے۔ اس عبارت سے بعض نے یہ سمجھ لیا کہ اس سے احمد بن صالح مصری مراد ہیں۔ جو کہ بڑے ثقہ، حافظ اور رجال بخاری سے ہیں اور ان کو ضعیف سمجھ لیا۔ حالانکہ ابن معین نے دوسرے احمد بن صالح کو کہا تھا۔ اسی طبقات شافعیہ میں ہے۔

”قلت وقد ذکر ان الذی ذکر فیہ ابن معین هذه المقالة هو احمد بن صالح الشمونی وهو شیخ بمكة یضع الحدیث وانه لم یعن احمد بن صالح هذا۔

”مکذا فی مقدمۃ فتح الباری ص ۴۷“

میں کہتا ہوں کہ یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ ابن معین نے اپنے رسالہ میں جس کا تذکرہ کیا ہے وہ احمد بن صالح شمونی ہے یہ مکہ کا ایک بوڑھا تھا جو حدیثیں گھڑتا تھا اور انہوں نے احمد بن صالح مصری مراد نہیں لئے۔ یہی مقدمہ فتح الباری ص ۴۷ میں بھی لکھا ہے۔

پس معترضین کو چاہیے کہ نقل شدہ روایات کو تصحیح کے بعد ابو حنیفہ کی تعیین دلیل سے بیان کریں۔ اس کے بعد ثبوت جرح کا دعویٰ کریں۔
 رابعاً: ان روایات میں یہ مباحث بھی قابل ملاحظہ ہیں۔

(الف) پہلی روایت ابن جوزی نے بواسطہ عبد اللہ بن علی ابن المدینی نقل کی ہے۔ تاوقت یہ کہ عبد اللہ کی توثیق ثابت کریں۔ اس کے بعد ثبوت جرح کا دعویٰ کریں۔ کیونکہ معتبر ناقلین سے ثابت ہے کہ علی بن المدینی نے امام ابو حنیفہ کی توثیق کی ہے۔ کما مر سابقاً۔

اور حافظ ابن عبد البر نے اپنی کتاب جامع بیان العلم و فضلہ میں حافظ موصلی ازدی کی کتاب سے امام ابو حنیفہ کی توثیق و تعدیل یحییٰ بن معین، شعبہ و شباہہ وغیرہم سے نقل کر کے لکھا ہے:

”وقال ابن المدینی ابو حنیفہ روی عنہ الثوری وابن المبارک وحماد وھیشم و وکیع وعباد وجعفر بن عون وھو ثقة لا باس بہ“
 ابن مدینی نے فرمایا کہ ابو حنیفہ سے ثوری ابن مبارک، حماد، ہیشم، وکیع، عباد، جعفر بن عون نے روایت کی ہے اور وہ ثقہ ہیں۔ ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(ب) دوسری روایت میں یہ کلام ہے کہ بر تقدیر ثبوت وہ جرح مبہم ہے اور تعدیل مفسر کے مقابلہ میں جرح مبہم غیر مقبول ہے۔

(ج) تیسری روایت میں یہ کلام ہے کہ ابو بکر بن ابی داؤد جو ابو حنیفہؓ کے جارح ہیں وہ خود مجروح اور کثیر الخطاء ہیں بلکہ ان کے والد ابو داؤد بھستانی نے ان کو کذاب تک کہہ دیا ہے اور خود ابو بکر نے اپنی خطاء اور وہم کا بھی اعتراف کیا ہے۔

تذکرہ ص ۳۲۱ ج ۲ اور میزان ص ۳۹ ج ۲ میں ہے۔

”قال السلمی سالت الدار قطنی عن ابی ابی داؤد فقال ثقة کثیر الخطا فی الکلام علی الحدیث“

سلمی کہتے ہیں کہ میں نے دارقطنی سے ابن ابی داؤد کے بارے میں سوال کیا۔ فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں لیکن حدیث پر کلام کرنے میں بہت غلطی کرتے ہیں۔

”وفی التذکرۃ اخطاء فی سۃ احادیث منها ثلثة حدثت بها کما حدثت وثلثة اخطات“

اور تذکرہ میں ہے میں نے چھ احادیث میں غلطی کی ان میں سے تین میں نے ویسے ہی بیان کیں جس طرح بیان کی گئیں اور تین میں غلطی کی۔
علی بن حسین بن جنید کہتے ہیں:

”سمعت ابا داؤد یقول ابی عبد اللہ کذاب قال ابن الصاعد کفانا ما قال ابوہ فیہ“

میں نے ابو داؤد کو کہتے سنا کہ میرا بیٹا عبد اللہ کذاب ہے۔ ابن صاعد نے کہا کہ جو کچھ اس کے بارہ میں اس کے باپ نے کہا ہے وہی کافی ہے۔
اور میزان ص ۳۹ ج ۳ میں ہے۔

”ثم قال ابن عدی سمعت موسی بن القاسم الا شیب یقول حدثنی ابوبکر سمعت ابراہیم الاصبغانی یقول ابوبکر بن داؤد اللہ کان عندی منسلخاً من العلم“

ابن عدی نے فرمایا کہ موسیٰ بن قاسم الاشیب سے سنا فرماتے تھے کہ مجھ سے ابو بکر نے بیان کیا کہ میں نے ابراہیم اصحانی کو فرماتے سنا کہ اللہ کی قسم! ابو بکر بن داؤد میرے نزدیک علم سے کور ہے۔

اور تذکرہ ص ۳۳۲ ج ۲ میں ہے:

”وقد تکلم فیہ ابوہ و ابراہیم“ اس پر اس کے والد اور ابراہیم نے کلام کیا۔

علاوہ بریں ابو بکر بن ابی داؤد کا یہ کہنا کہ امام ابو حنیفہؒ نے ڈیڑھ سو حدیثیں روایت کی ہیں صریح البطلان اور محض غلط ہے اس لئے کہ کتب متداولہ جیسے مسند امام اعظم و عقود الجواهر المہیفہ و مؤطا امام محمد و آثار امام محمد وغیرہ سے بخوبی ظاہر ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی روایات کئی ہزار ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکر بن ابی داؤد امام ابو حنیفہؒ کے بحر فی الحدیث سے ناواقف تھے۔ پس ایسے ناواقف کی جرح ایسے ثقہ حافظ حدیث کے حق میں کہ جس کی تعدیل ابن معین، شعبہ اور ابن مدینی وغیرہم کر چکے ہوں کیا مؤثر ہو سکتی ہے۔

خامساً: علی سبیل التزل بالفرض چند روایتوں میں اگر امام صاحب سے خطا ہو گئی ہو تو اس وجہ سے وہ غیر ثقہ اور سئی الحافظ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ امام صاحب دوسرے محدثین اور حفاظ حدیث کی طرح حافظ حدیث تھے۔ ان کے سینے میں لاکھوں احادیث موجود تھیں۔ چند روایتوں اور راویوں میں مسامحت ہو جانے سے ان پر غیر ثقہ ہونے کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

غور فرمائیے محمد بن یوسف فریابی نے جن کو ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری ص ۵۱۹ میں لکھا ہے:

”من كبار شیوخ البخاری وثقة الجمهور“ بخاری کے بڑے شیوخ میں سے ہیں اور جمہور نے ان کی توثیق فرمائی ہے۔

ان کے متعلق اسی مقدمہ فتح الباری میں یہ بھی لکھا ہے۔

”قال العجلي ثقة وقد اخطأ في مائة وخمسين حديثاً وذكر له ابن معين حديثاً اخطأ فيه فقال هذا باطل“

عجلی نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں اور انہوں نے ایک سو پچاس حدیثوں میں غلطی کی ہے ابن معین کے سامنے وہ حدیث بیان کی گئی جس میں انہوں نے غلطی کی تھی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ باطل ہے۔

اب ذرا بنظر انصاف غور کیا جائے کہ امام صاحب کی طرف تو پچاس یا پچتر احادیث کی خطا کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور وہ بھی ثابت نہیں اور امام بخاری کے شیخ کی نسبت ڈیڑھ سو روایتوں میں غلطی کرنا حافظ ابن حجر کی معتبر کتاب سے ثابت ہوتا ہے۔ باوجود اس کے جمہور نے ان کو غیر ثقہ کہا اور نہ بخاری نے ان کو غیر ثقہ سمجھا اور نہ ان کی حدیث چھوڑی اور نہ ان کے حق میں سکتوا عن حدیث لکھا اور نہ محدثین نے بخاری کے اصحاب اکتب ہونے سے انکار کیا۔ پس کیا وجہ ہے کہ بخاری کے استاد ڈیڑھ سو غلطیاں کرنے سے غیر ثقہ و سئ الحافظ نہ کہے جائیں اور امام ابو حنیفہؒ خواہ مخواہ غیر ثقہ اور سئ الحافظ بتائے جائیں۔ کیا انصاف و دیانت اسی کا نام ہے۔ یہ محض ضد و حسد نہیں تو اور کیا ہے۔

”نعم ما قال ابن المبارك فلعنه ربنا اعداد رمل على من رد قول ابی حنیفہ“

Www.Ahlehq.Com

ابن مبارک نے کیا عمدہ فرمایا، ہمارے پروردگار کی بے شمار لعنتیں ہوں اس شخص پر جو امام ابو حنیفہؒ کے قول کو رد کرے۔

سادساً : ابن جوزی کے خیالات کو خود ان کے خاندان کے دانش مند، انصاف پسند شخص نے رد کر دیا ہے۔ تنویر الحنیفہ میں ہے۔

”امام ابن الجوزی فقد تابع الخطيب وقد عجب سبطه منه حيث قال في مرأة الزمان وليس العجب من الخطيب فانه طعن في جماعته من العلماء

والما العجب من الجد كيف سلك اسلوبه وجاء بما هو اعظم“

ہے ابن جوزی تو انہوں نے خطیب کی پیروی کی ہے اور ان کے نواسہ نے اس بہت تعجب کیا۔ چنانچہ مراۃ الزمان میں فرماتے ہیں خطیب پر تعجب نہیں ہے علماء میں مطعون ہیں تعجب تو نانا جان پر ہے کہ انہوں نے خطیب کا راستہ کیوں اختیار کیا اور ان سے بھی بڑھ گئے۔

”قال في الميزان ص ۱۰ في ترجمة ابان بن زيد وقد وردہ ايضا العلامة ابو الفرح بن الجوزی فی الضعفاء ولم بذكر فيه اقوال من وثقة وهذا من عيوب كتابه يسر والجرح ويسكت عن التوثيق“

ميزان ص ۱۰ میں فرماتے ہیں اور ایسے ہی ابان بن زید کے ترجمہ میں بھی آیا ہے کہ علامہ ابو الفرح جوزی نے ابان بن زید کو ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے اور ان کی توثیق کرنے والوں کا بالکل تذکرہ نہیں کیا۔ یہ ان کی کتاب کا بہت بڑا عیب ہے کہ جرح کو بہت اچھی طرح بیان کرتے ہیں اور توثیق کا بالکل تذکرہ نہیں کرتے۔

تنبیہ: جارحین کی فہرست میں علی بن المدینی، ابو بکر بن ابی داؤد اور ابو حفص عمر بن علی کا نام لکھا گیا ہے۔ ہم نے ابن جوزی کے جواب میں ایسی تقریر لکھ دی ہے کہ ان حضرات کی جرح کا جواب بھی معلوم ہو گیا ہے۔ لہذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اعتراض نمبر ۱۷: تاریخ صغیر مطبوعہ انوار احمدی ص ۱۵۸ میں

امام ابو حنیفہ کے متعلق امام بخاری فرماتے ہیں کہ

”قال الحمیدی فرجل لیس عنده سنن من رسول الله ﷺ ولا اصحابه فی المناسک وغیرها کیف یقلد احکام الله فی الموارث والفرائض والزکوة والصلوة وامور الاسلام“

حمیدی کہتے ہیں کہ جس آدمی کے پاس رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں اور صحابہ کے آثار مناسک وغیرہ میں نہ ہوں، ایسے کی بات احکام میں مثل میراث اور زکوٰۃ اور نماز وغیرہ امور اسلام میں کیونکر قبول کی جائے (حقیقۃ الفقہ ص ۱۳۰/۱۳۱)

جے پوری نے یہ اعتراض الجرح علی ابی حنیفہ میں ۶ تا ۸ سے نقل کیا ہے اور سعید بناری نے حامد حسین رافضی کی کتاب استقصاء الافہام سے نقل کیا ہے۔ یہ اعتراض امام وکیع کے حوالہ سے تاریخ ابن خلکان جلد اول ص ۳۱۸ میں بھی نقل کیا گیا ہے روایت امام بخاری وابن خلکان میں یہ فرق ہے کہ روایت بخاری میں تین مسائل کا ذکر ہے اور روایت ابن خلکان میں پانچ کا۔ مگر ہر دو کی تطبیق آسانی سے ہو سکتی ہے۔ جے پوری نے اس عبارت سے پہلے کی عبارت نقل نہیں کی جس میں سارا قصہ موجود تھا۔

جواب : ہم یہاں پر امام اعمشؒ المتوفی ۱۴۸ھ کی شہادت درج کرتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کو مسائل مناسک (مسائل حج) میں کیساید طولی حاصل تھا۔

علامہ ابن حجر بیہقیؒ کی شافعی ان صفات کے ذکر میں جن میں امام صاحب اپنے بعد والوں سے ممتاز ہیں لکھتے ہیں۔

”وَمِنْهَا أَنَّهُ اجْتَهَدَ وَافْتَى فِي زَمَنِ التَّابِعِينَ بَلْ لَمَّا حَجَّ الْأَعْمَشَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ لِيَكْتُبَ لَهُ الْمَنَاسِكَ وَكَانَ يَقُولُ اكْتُبُوا الْمَنَاسِكَ عَنْهُ قَالَ لَا أَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ بِفَرَضِهَا وَنَفْلِهَا مِنْهُ فَانْظُرْ هَذِهِ الشَّهَادَةُ لَهُ مِنْ مِثْلِ الْأَعْمَشِ“
(خيرات الحسان الفصل الثانی عشر ص ۳۰)

منجملہ ان اوصاف کے یہ ہے کہ امام صاحب نے تابعین کے زمانہ میں اجتہاد کیا اور فتویٰ دیا۔ بلکہ جب امام اعمشؒ نے حج کا ارادہ کیا۔ تو امام صاحب سے کہلا بھیجا

کہ آپ میرے لئے کتاب المناسک لکھ دیں۔ امام اعظم فرمایا کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہ سے مناسک لکھ لو۔ میں مناسک کے فرائض و نوافل کا عالم ان سے پتہ کر کسی کو نہیں جانتا۔ پس آپ کے حق میں اعظم جیسے امام کی شہادت پر غور کر۔

ناظرین اصل میں حاسدوں نے امام صاحب کے فروغ کو دیکھ کر ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ کسی طرح آپ کے راستے میں موانع پیدا کریں مگر الحمد للہ کہ ان کی تمام کوشش اوہن من بیت العنکبوت ثابت ہوئیں۔ اگر امام صاحب کا تبحر علمی دیکھنا چاہتے ہو تو فقہ حنفی کا مطالعہ کرو۔ اگر امام صاحب کو علم نہ ہوتا تو امام عبداللہ بن مبارک وغیرہ جیسے جلیل القدر ائمہ کبھی آپ کے سامنے زانوے شاگردی تہہ نہ کرتے۔ اس حکایت کی تکذیب کے لئے فقہ حنفی کے ابواب المناسک کافی ہیں۔ ابن خلکان نے اسے صرف غرابت کے سبب نقل کیا ہے۔ عطاء بن ابی رباح امام صاحب کے شیوخ میں سے ہیں یہ کون باور کر سکتا ہے کہ ایک حجام تو عطاء کے طریق عمل سے مسائل مناسک سیکھ جائے اور عطاء کے ایک شاگرد (شاگرد بھی کیسے جو امام الائمہ سراج الامۃ ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کو فی تابعی کے نام سے مشہور ہوں) ان سے بے بہرہ رہیں مفتریوں کا قاعدہ ہے کہ اپنے قول کی ترویج کے لئے اسے کسی بڑے شخص کی طرف منسوب کر دیا کرتے ہیں۔ اس لئے اس حکایت کی روایت کو بھی امام صاحب کے ایک بڑے شاگرد امام وکیع کی طرف منسوب کیا گیا ہے مگر یاد رہے کہ دروغ کو بھی فروغ نہیں ہوتا۔ ہمارے علم کے مطابق یہ حکایت سب سے پہلے امام بخاری نے ہی ذکر کی ہے۔

اعتراض نمبر ۱۸: مصطفیٰ شرح مؤطا مطبوعہ فاروقی ص ۶ میں شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ (امام ابو حنیفہ) آں یک شخصے است کہ رؤس

محدثین مثل احمد و بخاری و مسلم و ترمذی و ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ و دارمی یک حدیث ازوے در کتابہائے خود روایت نہ کردہ اند۔

ترجمہ: امام ابو حنیفہ وہ شخص ہیں کہ بڑے بڑے محدثین مثل امام احمد و بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و ابو داؤد و ابن ماجہ و دارمی رحمہم اللہ نے ایک حدیث بھی ان سے اپنی کتابوں میں درج نہیں کی۔ (حقیقۃ الفقہ ص ۱۳۱)

جواب: حضرت شاہ صاحب کی طرف تضعیف کی انتساب محض غلط اور فریب ہے۔ ملاحظہ فرمائیے مصطفیٰ شرح مؤطا کی مکمل عبارت:

”بالجملہ ایں جبار اماماں کہ عالم را علم ایشاں احاطہ کردہ است امام ابو حنیفہ و امام مالک و امام شافعی و امام احمد ایں دو امام متاخر شاگرد امام ابو حنیفہ و امام مالک بودند و مستمند ان از علم او و عصر تبع تابعین نبودند مگر ابو حنیفہ و امام مالک آں یک شخصے کہ رؤس محدثین مثل احمد و بخاری و مسلم و ترمذی و ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ و دارمی یک حدیث ازوے در کتاب ہائے خود روایت نہ کردہ اند و رسم روایت حدیث ازوے بطریق ثقات جاری نہ شد و آں دیگر شخصے ست کہ اہل نقل اتفاق دارند ہر آنکہ چون حدیث روایت او ثابت شد ہر ردۃ اعلیٰ صحت رسید“

حاصل کلام یہ کہ عظیم المرتبت امام کہ ان کے علم نے تمام عالم کا احاطہ کر لیا ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد۔ یہ بعد کے دو امام، امام ابو حنیفہ اور مالک کے شاگرد اور ان کے علوم سے فیض یاب ہونے والے ہیں اور تبع تابعین کے دور کے صرف امام ابو حنیفہ اور امام مالک ہیں۔ وہ امام کہ جن سے رؤس المحدثین، مثلاً احمد، بخاری و مسلم، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے اپنی کتابوں میں ایک روایت بھی نقل نہیں کی ہے اور ثقات کی طرح روایت حدیث کا طریقہ ان سے جاری نہ ہوا اور دوسرے امام وہ ہیں کہ جن پر اہل نقل کا اتفاق ہے کہ جو حدیث ان سے ثابت ہے وہ صحت کے بلند ترین مقام

تک پہنچ گئی ہے۔

شاہ صاحبؒ کی عبارت میں دو مضمون قابل غور اور لائق توجہ ہیں۔ ایک یہ کہ امام ابو حنیفہؒ سے رؤس محدثین نے ایک حدیث بھی روایت نہیں کی۔ دوسرے یہ کہ معتبر راویوں سے ان کی روایت جاری نہیں ہوئی۔
اول مضمون اگر صحیح بھی ہو

”وعندی فی نظر کما استعرفہ“

میرے نزدیک یہ قابل غور ہے جیسا کہ عنقریب معلوم ہو گا۔

تو اس سے امام ابو حنیفہؒ کی تضعیف ہر گز لازم نہیں آتی۔ ہزاروں ثقہ راوی ہیں کہ بعض نے ان سے روایت کی ہے اور بعض نے نہیں کی ہے کسی ایک کی ترک روایت سے تضعیف کا اثبات محض ایک غلط خیال ہے اس پر کوئی دلیل قائم نہیں جاسکتی اور اگر دوسرا مضمون صحیح مان لیا جائے تو اس سے اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی روایت معتبر واسطہ سے جاری نہیں ہوئی۔ نہ یہ کہ خود وہ ضعیف تھے۔ دیکھئے صد ہا سنن و مسانید و معاجم ہیں جن کے مؤلف خود ثقہ ہیں مگر مثل مؤطا کے ان کی حدیثیں معتبر واسطہ سے مروی نہیں تو کیا اس وجہ سے وہ ضعیف کہے جائیں گے؟ ہر گز نہیں۔

مسند امام شافعی، مسند امام احمد، مسند ابویعلیٰ، سنن ابن ماجہ، سنن نسائی، سنن دارمی، معجم طبرانی، صغیر و کبیر و غیرہا کو دیکھو طبقہ ثانیہ و ثالثہ کی کتابیں ہیں۔ ان میں ضعاف روایتیں بھری ہیں مگر باوجود اس کے ان کے موثقین غیر ثقہ نہیں سمجھے جاتے۔ درحقیقت شاہ صاحبؒ کی عبارت سے غلط مضمون اخذ کیا گیا ہے ورنہ مولانا دہلوی کی عبارت سے ہر گز امام ابو حنیفہؒ رحمۃ اللہ علیہ کی تضعیف ثابت نہیں ہوتی

ثانیاً : تقریب و تہذیب التہذیب اور خلاصہ سے ثابت ہوتا ہے کہ امام

ابو حنیفہ نسائی و ترمذی کے راوی ہیں۔

پس یہ دعویٰ کہ اصحاب ستہ نے ان سے روایت نہیں کی۔ سرے سے غلط ہے۔

تنبیہ: واضح ہو کہ مصطفیٰ کی ترتیب و تہذیب حضرت شاہ صاحب نے خود نہیں کی تھی بلکہ مسودات غیر مرتب چھوڑ کر مولانا نے رحلت فرمائی۔ وفات کے پانچ چھ ماہ بعد آپ کے تلمیذ خاص مولانا محمد عاشق صاحب نے اس کو مرتب کیا ہے۔ جیسا کہ اس امر کو خود مولوی صاحب موصوف نے کتاب کے اخیر میں لکھ دیا ہے۔

لہذا یہ مضمون کہ اصحاب صحاح ستہ نے امام صاحب سے روایت نہیں کی اگرچہ مصطفیٰ میں موجود ہے چونکہ معنی غلط ہے۔ ہمارا حسن ظن یہ ہے کہ مولانا دہلوی کے قلم سے نہ نکلا ہو گا۔ شاید مرتب کتاب سے غلطی ہو گئی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ثالثاً: مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز اپنی کتاب فیوض الحرمین ص ۴۸ میں تحریر فرماتے ہیں۔

”عرفنی رسول اللہ ﷺ ان فی المذہب الحنفی طریقۃ انیقۃ ہی اوفق الطرق بالسنة المعروفة التي جمعت ونقجت فی زمان البخاری واصحابہ“
مجھے رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ مذہب حنفی میں ایسا عمدہ طریقہ ہے جو سنت معروفہ سے بہت موافق ہے جس کو امام بخاری وغیرہ کے زمانہ میں وضاحت کے ساتھ جمع کیا گیا۔

مقام غور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مولانا ممدوح کو یوں تلقین فرمائی کہ مذہب حنفیہ میں ایسا عمدہ طریقہ ہے جو سنت معروفہ کے ساتھ موافق تر ہے۔ باوجود اس کے مولانا ممدوح امام صاحب کو متروک الحدیث کیوں فرمائیں گے۔

اعتراض نمبر ۱۹: اسمائے گرامی ان ائمہ محدثین فقہاء و فضلاء کے

جنہوں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کو ناقص الحافظ اور حدیث کم جاننے والا اور اس کے جانچ و پرکھ میں ناقص اور نیز عربی زبان میں ناقص بتلایا ہے اور ان کے عقائد اور مسائل پر اعتراض کیا ہے۔ یہ ہیں:

- ۱۔ امام مالک بن انسؒ۔ ۲۔ امام محمد بن اوریس شافعیؒ۔ ۳۔ امام احمد بن حنبلؒ۔
- ۴۔ امام بخاریؒ۔ ۵۔ امام نسائیؒ۔ ۶۔ امام دارقطنیؒ۔ ۷۔ ابو یوسفؒ۔ ۸۔ عبد اللہ بن مبارکؒ۔ ۹۔ اوزاعیؒ۔ ۱۰۔ ابن عدیؒ۔ ۱۱۔ ابن عبد البرؒ۔ ۱۲۔ عبد البرؒ۔ ۱۳۔ ذہبیؒ۔ ۱۴۔ ابو حفص عمر بن علیؒ۔ ۱۵۔ عبد اللہ بن علیؒ۔ ۱۶۔ علی بن المدینیؒ۔ ۱۷۔ ابو بکر بن داؤدؒ۔ ۱۸۔ ابن عیینہؒ۔ ۱۹۔ ابو یحییٰ حمانی یعنی عبد الحمید بن عبد الرحمنؒ۔ ۲۰۔ ابن عیاشؒ۔ ۲۱۔ احمد الخزازؒ۔ ۲۲۔ قاسم بن معینؒ۔ ۲۳۔ مسعر بن کدام ابو سلمہ کوفیؒ۔ ۲۴۔ اسرائیلؒ۔ ۲۵۔ معمرؒ۔ ۲۶۔ فضیل بن عیاضؒ۔ ۲۷۔ ایوبؒ۔ ۲۸۔ سفیانؒ۔ ۲۹۔ ابو مطیعؒ۔ ۳۰۔ الحکم بن عبد اللہؒ۔ ۳۱۔ یزید بن ہارونؒ۔ ۳۲۔ ابو عاصم النبیلؒ۔ ۳۳۔ عبد اللہ بن داؤد عامرؒ۔ ۳۴۔ ہذلیؒ۔ ۳۵۔ ابو عبد الرحمن الخیر بنیؒ۔ ۳۶۔ عبد اللہ بن یزید المقریؒ۔ ۳۷۔ شداد بن حکمؒ۔ ۳۸۔ مکی بن ابراہیمؒ۔ ۳۹۔ وکیع بن الجراحؒ۔ ۴۰۔ نصر بن شمیل المازنیؒ۔ ۴۱۔ یحییٰ بن سعید القطانؒ۔ ۴۲۔ ابو عبیدہ بن (جے پوری نے اسی طرح لکھا ہے)۔ ۴۳۔ حسن بن عثمان العاصیؒ۔ ۴۴۔ یزید بن زریع ابو معاویہؒ۔ ۴۵۔ جعفر بن ربیعؒ۔ ۴۶۔ ابراہیم بن عکرمہ القزوینیؒ۔ ۴۷۔ علی بن عاصمؒ۔ ۴۸۔ حکم بن ہشامؒ۔ ۴۹۔ عبد الرزاقؒ۔ ۵۰۔ حسن محمد اللیثیؒ۔ ۵۱۔ یحییٰ بن عمارہؒ۔ ۵۲۔ حفص بن عبد الرحمنؒ۔ ۵۳۔ زافر بن سلیمانؒ۔ ۵۴۔ ایادیؒ۔ ۵۵۔ اسد بن عمرؒ۔ ۵۶۔ حسن بن عمارہؒ۔ ۵۷۔ یحییٰ بن فضیلؒ۔ ۵۸۔ ابو الجویریہؒ۔ ۵۹۔ طحانؒ۔ ۶۰۔ یزید الکیمیتؒ۔ ۶۱۔ علی بن حفص البزارؒ۔ ۶۲۔ ملیح بن وکیعؒ۔ ۶۳۔ محمد بن عبد الرحمن المسعودیؒ۔ ۶۴۔ یوسف السمستیؒ۔ ۶۵۔ خارجہ بن مصعبؒ۔ ۶۶۔ قیس بن الربیعؒ۔ ۶۷۔ حجر بن عبد الجبارؒ۔ ۶۸۔ حفص بن عمرہ القرشیؒ۔ ۶۹۔ حسن بن زیادؒ۔ ۷۰۔

جعفر بن عون العمری ۶۸۔ عبد اللہ بن رجا الغدانی ۶۹۔ محمد بن عبد اللہ انصاری ۷۰۔ عبد اللہ بن عباب ۷۱۔ حجر بن عبد اللہ الحضرمی ۷۲۔ ابن وہب العابد ۷۳۔ ابن عائشہ ۷۵۔ ابو اسحاق فرازی ۷۵۔ حماد بن ابی سلیمان ۷۶۔ عبد الوہاب شعرانی ۷۷۔ ملا معین ۷۸۔ حضرت پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانی ۷۹۔ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی ۸۰۔ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب۔

یہ اتنی نام عبارات مندرجہ بالا سے اور کتب ہذا (تاریخ خطیب جلد ۲ ص ۱۲۰-۱۲۷) و تمہید شرح موطا ص ۸۳-۹۳-۶۷۵ جلد ۳ اور تاریخ کبیر امام بخاری ص ۹۱ اور میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۲۴۵ اور غنیۃ الطالبین ص ۲۰۶ و ص ۲۰۸ سے لئے گئے ہیں۔ (حقیقت الفقہ ص ۱۳۱ و ۱۳۲)

جواب: یہ اعتراض جے پوری نے سعید بنارسی سے نقل کیا ہے سعید بنارسی نے سید حامد حسین رافضی سے اور حامد حسین نے خطیب بغدادی سے نقل کیا ہے۔

۱۔ خطیب بغدادی نے ۳۵ نام ذکر کئے تھے۔
۲۔ حامد حسین شیعہ نے ان میں کچھ کمی پیش کر کے کل ۶۰ نام کر دئے تھے۔

۳۔ بنارسی نے ۶۶ چھیاٹھ نام کر دئے۔ مولانا سعید بنارسی صاحب اپنی کتاب الجرح علی ابی حنیفہ کے ص ۴-۵ میں لکھتے ہیں۔ اور یہ چھیاٹھ نام مع اقوال و اعتراضات تاریخ خطیب بغدادی ص ۱۲۰ تا ۱۲۷ جلد ۲ و تمہید شرح موطا ص ۸۳، ۹۳، ۶۷۵ ج ۳ اور تاریخ کبیر امام بخاری ص ۹۱ اور میزان الاعتدال ص ۲۴۵ ج ۱ و غنیۃ الطالبین ص ۲۰۶ و ۲۰۸ وغیرہ میں موجود ہیں۔

۴۔ جے پوری نے ۱۴ ناموں کا اضافہ کر کے ۸۰ ناموں کی فہرست تیار کی ہے۔ خدا جانے غیر مقلدین اس تعداد کو کہاں تک پہنچائیں گے۔ ہم یہاں پر

طیب بغدادی اور اس کے اعتراضات کی نسبت کچھ تفصیل سے عرض کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔ Www.Ahlehaq.Com

۱۔ امام ابو بکر احمد بن علی شافعی (متوفی ۲۶۳ھ) جو خطیب بغدادی کے نام سے مشہور ہیں انہوں نے محدثین کے طریقہ پر تاریخ بغداد لکھی ہے۔ اس میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی نسبت نہایت تعصب و حسد سے کام لیا گیا ہے۔ ایک فصل میں آپ کے معدلین کا ذکر کیا ہے اور دوسری فصل میں آپ کے جارحین سے وہ عیوب نقل کئے ہیں کہ جن کی تردید خود امام صاحب کی تصانیف و عقائد سے ظاہر ہے۔ اس لئے خطیب کی زندگی ہی میں ان کی تردید شروع ہو گئی۔ چنانچہ قاضی ابوالیمن مسعود بن محمد بخاری (متوفی ۴۲۱ھ) نے جو اس تاریخ کا اختصار کیا ہے اس میں قاضی مدوح نے ساتھ ساتھ ان ہدیانات کی تردید بھی کر دی ہے۔

۲۔ قاضی ابوالیمن کے بعد ابو علی یحییٰ بن عیسیٰ بن جزلہ الطیب البغدادی (متوفی ۴۹۳ھ) نے مختصر ابوالیمن کا بھر اختصار کیا ہے۔ جس کا نام مختار مختصر تاریخ بغداد ہے۔ ابن جزلہ نے بھی خطیب کے ہدیانات کی تردید اور ابوالیمن کی تائید کی ہے۔

۳۔ حافظ خوارزمی (متوفی ۶۶۵ھ) نے اپنی مسند کے پہلے باب میں مطاعن خطیب کا مفصل جواب دیا ہے۔ بوجہ طوالت اس کے ایراد کی یہاں گنجائش نہیں۔ (دیکھو رسالہ بعض الناس فی دفع الوسواس ص ۱۸)

۴۔ قاضی ابن خلکان شافعی (متوفی ۶۸۱ھ) نے اپنی تاریخ وفيات الاعیان (جزء ثانی ص ۱۶۵) میں امام صاحب کے ترجمہ میں یوں لکھا ہے۔ و مناقبہ و فضائلہ کثیرة وقد ذکر الخطیب فی تاریخہ منها شیئا کثیرا ثم اعقب ذلک بذكر ما کان الالیق ترکہ والاضراب عنہ فمثل هذا الإمام لا

یشک فی دینہ ولا فی ورعہ وتحفظہ۔ یعنی امام صاحب کے مناقب و فضائل بکثرت ہیں۔ خطیب نے اپنی تاریخ میں ان میں سے بہت سے ذکر کئے ہیں۔ پھر ان کے بعد وہ باتیں بیان کی ہیں جن کا ترک کرنا اور جن سے روگردانی کرنی زیادہ لائق ہے۔ کیونکہ ابو حنیفہ جیسے امام کے دین اور پرہیزگاری و تحفظ میں شک نہیں ہو سکتا تھی۔

Www.Ahlehq.Com

۵۔ شیخ ابن حجر مکی شافعی خیرات الحسان (مطبوعہ مصر۔ الفصل التاسع۔
والثلاثون فی رد ما نقله الخطیب فی تاریخہ عن القادحین فیہ۔ ص ۷۶)
میں یوں لکھتے ہیں۔

”اعلم انه لم يقصد بذلك الا جمع ما قيل في الرجل على عادة المؤرخين ولم يقصد بذلك انتقاصه ولا الحط عن مرتبته بدليل انه قدم كلام المادحين واكثر منه ومن نقل مآثره السابقة في اكثرها انما اعتمد اهل المناقب فيه على ما في تاريخ الخطيب ثم عقبه بذكر كلام القادحين ليتبين انه من جملة الاكابر الذين لم يسلموا من خوض الحساد والجاهلين فيهم ومما يدل على ذلك ايضا ان الاسانيد التي ذكرها للقدح لا يخلو غالبها من متكلم فيه او مجهول ولا يجوز اجماعاً ثم عرض مسلم بمثل ذلك فكيف بامام من ائمة المسلمين قال شيخ الاسلام الامام التقى ابن دقيق العيد اعراض الناس حفرة من حفر النار وقف على شفيرها الحكام والمحدثون وبفرض صحة ما ذكر الخطيب من القدح عن قائله لا يعتد به فانه ان كان من غير اقران الامام فهو مقلد لما قاله او كتبه اعداؤه او من اقرانه فكذلك لما مر ان قول الاقران بعضهم في بعض غير مقبول وقد صرح الحافظان الذهبي وابن حجر بذلك قالوا ولا سيما اذا لاح انه لعداؤه او المذهب اذا الحسد لا ينجو

اللہ الامن عصمه اللہ تعالیٰ قال الذہبی وما علمت عصر اسلم اہلہ من
ذلک العصر النبیین والصدیقین“

جان لے کہ خطیب کا مقصد اس سے صرف یہ ہے کہ مؤرخین کی عادت
کے موافق ان تمام اقوال کو جمع کرے جو امام صاحب کے بارے میں کہے گئے ہیں
۔ اور ان کا مقصد اس سے امام صاحب کی تنقیص نہیں ہے اور نہ یہ ہے کہ امام
صاحب کو آپ کے مرتبے سے گرا دے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس نے مدح
کرنے والوں کا کلام پہلے ذکر کیا ہے اور زیادہ لکھا ہے۔ اور اہل مناقب نے جو
آپ کے فضائل سابقہ نقل کئے ہیں ان میں اکثر اسی پر اعتماد کیا ہے جو تاریخ
خطیب میں ہے۔ پھر اس کے بعد طاعنین کا کلام نقل کیا ہے تا کہ ظاہر ہو جائے
کہ امام صاحب مجملہ ان بزرگوں کے ہیں جو حاسدوں اور جاہلوں کے خوض سے
سلامت نہیں رہے۔ اور یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ وہ اسناد جو خطیب نے قدح
کے لئے ذکر کئے ہیں ان میں سے اکثر متکلم فیہ یا مجہول شخصوں سے خالی نہیں۔ اور
ایسے اسناد سے کسی مسلمان کی عزت میں رخنہ اندازی کرنا بالاجماع جائز نہیں۔
پس ائمہ مسلمین میں سے ایک امام کی عزت میں رخنہ اندازی کیونکر جائز ہو سکتی
ہے۔ شیخ الاسلام امام تقی ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ لوگوں کی عزتیں آگ
کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے جس کے کنارے پر حکام و محدثین کھڑے
ہیں۔ خطیب نے جو قادیان کی قدح کا ذکر کیا ہے اگر اس کو صحیح بھی فرض کیا
جائے تو وہ قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ قادیان اگر امام صاحب کے اقران میں سے
نہیں تو وہ مقلد ہے اس کا جو امام صاحب کے دشمنوں نے کہا ہے یا لکھا ہے۔ اگر
امام صاحب کے اقران میں سے ہے۔ تو بھی اس کی قدح معتبر نہیں۔ کیونکہ پہلے
آچکا ہے کہ اقران کا قول ایک دوسرے کے حق میں مقبول نہیں۔ اور ذہبی و ابن
حجر ہر دو حافظوں نے اس امر کی تصریح کر دی ہے اور فرمایا ہے کہ خصوصاً جب

ظاہر ہو جائے کہ یہ قدح کسی عداوت یا مذہب کے سبب ہے (تو وہ ہر گز معتبر نہ ہو گی)۔ کیونکہ حسد سے کوئی شخص خالی نہیں مگر وہ جسے اللہ تعالیٰ بچائے۔ ذہبی نے کہا کہ مجھے ایسا زمانہ معلوم نہیں جس کے لوگ حسد سے سلامت رہے ہوں سوائے انبیاء و صدیقین کے زمانہ کے۔

۶۔ ملا علی القاری حنفی (متوفی ۱۰۱۳ھ) نے ملک معظم عیسیٰ بن ابی بکر بن ایوب کے ترجمہ میں لکھا ہے۔

”وصنف کتاباً سماه السهم المصیب فی الرد علی الخطیب وهو ابوبکر احمد بن علی بن ثابت البغدادی فی ما تکلم به فی حق ابی حنیفہ فی تاریخ بغداد الدر البہیہ فی تراجم الحنفیہ (مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۶۲)“

اور ملک معظم عیسیٰ (متوفی ۶۲۳ھ) نے ایک کتاب خطیب یعنی ابو بکر بن علی بن ثابت بغدادی کی تردید میں تصنیف کی۔ جس کا نام السهم المصیب فی الرد علی الخطیب رکھا۔ اس میں ان مطاعن کی تردید ہے جو خطیب نے تاریخ بغداد میں امام ابو حنیفہ کی نسبت ذکر کئے ہیں۔

۷۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۰۵۲ھ) تحصیل الکمال میں امام صاحب کے ترجمہ میں مسند خوارزمی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”ورتبہ علی ابواب الفقہ وذب عنہ ما تکلم فیہ بعض الناس خصوصاً الخطیب البغدادی المتعصب امکابر مع هذا الامام العظیم الشان ولقد ناقص هذا الرجل المکابر نفسه فی ما ذکر من المطاعن والعیوب وتهافت کلامه ذلک وتساقط من القلوب . واستقصاء الانحامیہ ص ۲۳۰“

اور حافظ خوارزمی نے مسند امام کو فقہ کے بابوں پر ترتیب دی اور امام

ماہب سے وہ اعتراض دور کئے جو آپ پر بعض لوگوں نے خصوصاً خطیب بغدادی نے کئے ہیں جو متعصب اور اس امام عالی شان کے ساتھ جنگ کرنے والا ہے۔ ان طاعن و عیوب میں جو اس لڑاکے شخص (خطیب) نے ذکر کئے ہیں اس نے اپنے آپ کا مناقصہ کیا ہے اور اس میں اس کا کلام پراگندہ ہے اور وہ دلوں سے گر گیا ہے۔

۸۔ علامہ ابن عابدین حنفی (متوفی ۱۲۵۲ھ) نے رد المحتار (مطبوعہ مصر۔ جزء اول۔ ص ۴۰) میں یوں لکھا ہے۔

”ومن انتصر للامام رحمه الله تعالى العلامة السيوطي في كتاب سماه تبيين الصحيح والعلامة ابن حجر في كتاب سماه خيرات الحسان والعلامة يوسف بن عبد الهادي الحنبلي في مجلد كبير سماه تنوير الصحيح وذكر فيه عن ابن عبد البر لا تتكلم في ابي حنيفة بسوء ولا تصدق احد البسي القول فيه فاني والله ما رأيت افضل ولا اورع ولا افقه منه ثم قال ولا يفتر احد بكلام الخطيب فان عنده العصبية الزائدة على جماعة من العلماء كابى حنيفة والامام احمد وبعض اصحابه وتحامل عليهم بكل وجه وصنف فيه بعضهم السهم المصيب في كبد الخطيب وامام ابن الجوزي فانه تابع الخطيب وقد عجب سبطه منه حيث قال في مرآة الزمان وليس العجب من الخطيب فانه طعن في جماعة من العلماء وانما العجب من الجدد كيف سلك السلوبة وجاء بما هو اعظم قال ومن المتعصبين على ابي حنيفة الدار قطنى وابونعيم فانه لم يذكره في الحلية وذكر من دونه في العلم والزهد“

اور منجملہ ان کے جنہوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا بدلہ لیا ہے علامہ سیوطی مصنف تبيين الصحيح اور علامہ ابن حجر مصنف خيرات الحسان اور علامہ

یوسف بن عبد البہادی حنبلی مصنف تنویر الصحیفہ ہیں۔ علامہ یوسف حنبلی نے تنویر الصحیفہ میں ابن عبد البر سے یوں نقل کیا ہے۔ ”تو ابو حنیفہ کے حق میں بدی سے کلام نہ کر اور نہ اس شخص کی تصدیق کر جو امام صاحب کے حق میں بدی سے کلام کرے۔ کیونکہ میں نے اللہ کی قسم آپ سے بڑھ کر کسی کو فاضل و پرہیزگار و فقیہ نہیں دیکھا“ پھر کہا ہے کہ کوئی خطیب کے کلام پر دھوکہ نہ کھائے کیونکہ خطیب علماء کی ایک جماعت مثلاً ابو حنیفہ و امام احمد اور امام احمد کے بعض اصحاب کے برخلاف بڑا متعصب ہے اور ان پر ہر طرح سے ستم کرتا ہے۔ اور خطیب کی تردید میں ان میں سے بعض نے کتاب السہم المصیب فی کبد الخطیب تصنیف کی ہے۔ اور ابن جوزی تو خطیب کے تابع ہے۔ اور ابن جوزی کے نواسہ نے ابن جوزی سے تعجب کیا ہے۔ اور مرآۃ الزمان میں یوں کہا ہے ”خطیب سے تعجب نہیں کیونکہ اس نے علماء کی ایک جماعت میں طعن کیا ہے۔ اور تعجب تو میرے نانا سے ہے کہ وہ کس طرح خطیب کی چال چلا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر اتہامات لگائے ہیں“ اور سبط ابن جوزی نے کہا ہے کہ ابو حنیفہ کے برخلاف متعصبین میں سے دارقطنی اور ابو نعیم ہیں۔ کیونکہ ابو نعیم نے امام صاحب کو حلیہ میں ذکر نہیں کیا حالانکہ جو لوگ علم و زہد میں امام صاحب سے کم پایہ کے ہیں انہیں ذکر کیا ہے۔

علامہ یوسف بن عبد البہادی حنبلی کے بیان سے ظاہر ہے کہ خطیب صرف امام صاحب اور حنفیہ کرام کا ہی مخالف نہیں بلکہ اس نے امام احمد اور حنابلہ پر بھی ستم کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خطیب فی الواقع نہایت متعصب اور لڑاکا تھا۔ عفا اللہ عنہ۔ قاضی ابوالیمن جو خطیب کے شاگرد ہیں اپنے استاد کی نسبت مختصر تاریخ بغداد میں یوں لکھتے ہیں۔

”وَلَعَمْرُ اللَّهِ إِنَّنِي قَدْ شَاهَدْتُهُ بِخُطْبِ مَرْتَيْنِ وَسَمِعْتُ مِنْهُ وَاخَذْتُ

اجازتہ و کان حدیداً خفیفاً طیاشاً کادان یثب علیہ العامة بحلب ویقتلوه
 لقلۃ تحفظ فیما حدث ممالا یحتملہ ذلک الوقت والبلد فانہ کان فی
 الزمان الذی دخل فیہ بسا سیری بغداد و قتل ابن المسلمۃ وفعل تلک
 الافعال وخرج الخطیب ہارباً فمضی منها ہارباً مما خیف علیہ الی
 الشام واقام بہ وجرى لہ بدمشق ما نتورع عن ایرادہ تجاوز اللہ عنا وعنہ ۔
 قسم ہے اللہ کے بقاء و دوام کی ۔ تحقیق میں نے خطیب کو حلب میں دودفعہ
 دیکھا ہے اور اس سے سماع کیا ہے اور اس سے اجازت لی ہے ۔ وہ تیز مزاج و بے
 وقار اور طیش میں آنے والا تھا ۔ قریب تھا کہ عامہ خلایق حلب میں اس پر کود
 پڑے اور اسے قتل کر دے کیونکہ جو حدیث وہ بیان کرتا تھا اس میں ہوشیار
 و بیدار کم تھا ۔ ایسی حدیث بیان کر جاتا تھا جس کا وہ وقت اور مشہر متحمل نہ تھا ۔
 اس لئے کہ وہ اس زمانے میں تھا جب کہ بسا سیری بغداد میں داخل ہوا اور اس
 نے ابن مسلمہ کو قتل کیا اور وہ افعال کئے ۔ خطیب بھاگ نکلا اور اپنی جان کے
 خوف سے بھاگ کر وہاں سے شام پہنچا اور وہاں قیام کیا ۔ اور دمشق میں اسے وہ
 پیش آیا کہ جس کے بیان سے ہم پرہیز کرتے ہیں ۔ تجاوز اللہ عنا وعنہ ۔
 (استقصاء الافحام ص ۲۲۹)

حافظ خوارزمی اپنی مسند میں مطاعن خطیب کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں
 ۔ والمحدثون طعنوا فی الخطیب و ذکر وافیہ خصالاً موجبة عدم قبول روايته
 ولو لا موانع ثلاثة لذكرناها (رسالہ بعض الناس فی دفع الوسواس ص ۱۹)
 یعنی محدثین نے خطیب میں طعن کیا ہے اور اس میں ایسی خصلتیں بتائی ہیں
 جو خطیب کی روایت کے قبول نہ کئے جانے کا موجب ہیں ۔ اگر تین موانع نہ
 ہوتے ۔ تو ہم ان خصلتوں کو بتا دیتے اتھی ۔
 شیخ الاسلام تاج سبکی (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۔ جزء ثالث ص ۱۳) نے لکھا ہے ۔

قال المؤمن الساجی تحاملت الحنابلة علیه (قلت) وابتلی منهم بوضع

احادیث لا ینبغی شرحها

یعنی موتمن ساجی نے کہا کہ حنابلہ نے خطیب پر ستم کیا۔ (میں کہتا ہوں) اور ان سے ایسی احادیث کے وضع کرنے میں مبتلا کیا گیا کہ جن کی شرح مناسب نہیں آتی۔

www.Ahlehq.Com

اقوال مذکورہ بالا سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ خطیب بغدادی کے اس مسلک کو مذہب اربعہ کے ائمہ اعلام نے نہایت ناپسند کیا ہے اور بڑے زور سے اس کی تردید کی ہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ خطیب اپنے وقت میں حدیث کا بڑا حافظ تھا۔ چنانچہ ابن خلکان (وفیات الاعیان جزء اول ص ۲۷) نے لکھا ہے کہ اس وقت دو بڑے حافظ تھے۔ خطیب حافظ مشرق اور قاضی ابن عبدالبر قرطبی مالکی حافظ مغرب اہل بیت۔ مگر مجھے نہایت افسوس ہے کہ ہمارے پڑتالے کہ امام صاحب کے ساتھ ان دونوں کے سلوک میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے تو امام صاحب کے محامد و مناقب بیان کئے ہیں اور آپ کے حساد و اعداء کے اعتراضات کے جواب دیئے ہیں جیسا کہ اوپر گذرا۔ مگر خطیب بغدادی شافعی نے اپنا نام امام صاحب کے حساد کے زمرہ میں لکھایا ہے۔ تجاوز اللہ عنا وعنہ۔ کاش وہ دیگر مسائل کی طرح امام صاحب کے بارے میں بھی امام شافعی کی تقلید کرتا۔ خطیب بغدادی یا امام بخاریؒ نے اگر افراط تعصب و حسد کے سبب امام صاحب کی شان میں کچھ کہا۔ تو اس سے امام صاحب کے رتبے میں کچھ فرق نہ آیا بلکہ خود ان دونوں کی شان میں فرق آ گیا۔ حساد میں چونکہ فقہ امام صاحب کے مدارک کی وقت کے سمجھنے کی لیاقت نہ تھی۔ اس لئے بتقاضائے بشریت ان سے سرزد ہوا جو ہوا۔

یہاں مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا جسے امام شعرانی (کتاب المیزان - مطبوعہ مصر جزء اول ص ۵۵) نے یوں ذکر کیا ہے۔

”وما وقع لی ان شخصاً دخل علی ممن ینسب الی العلم وانا اکتب فی مناقب الامام ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ ننظر فیہا وایخرج لی من کما کراریس وقال لی انظر فی هذه فنظرت فیہا فرأیت فیہا الرد علی الامام ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ فقلت له ومثلک یفہم کلام الامام حتی یرد علیہ فقال انما اخذت ذلک من مؤلف للفخر الرازی فقلت له ان الفخر الرازی بالنسبة الی الامام ابی حنیفہ کطالب العلم او کآحاد الرعیۃ مع السلطان الاعظم او کآحاد النجوم مع الشمس وکما حرم العلماء علی الرعیۃ الطعن علی امہم الاعظم الا بدلیل واضح کالشمس فکذلک یحرم علی المقلدین الاعتراض والطعن علی ائمتہم فی الدین الابنص واضح لا یحتمل التاویل ثم بتقدیر وجود قول من اقوال الامام ابی حنیفہ لم یعرف المعترض دلیلہ فذلک القول من الاجتهاد بیقین فیجب العمل بہ علی مقلدہ حتی یتضح خلافہ“

اور منجملہ اس کے جو میرے ساتھ واقعہ ہوا یہ ہے کہ ایک شخص جو منسوب بعلم تھا میرے پاس آیا۔ اور میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں کچھ لکھ رہا تھا۔ اس نے اسے دیکھا اور اپنی آستین سے کچھ اجزاء نکالے اور مجھ سے کہا۔ انہیں دیکھئے۔ میں نے جو ان میں نظر ڈالی۔ تو ان میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تردید پائی۔ میں نے اس سے کہا کیا تجھ سا شخص امام صاحب کا کلام سمجھ سکتا ہے حتی کہ اس کی تردید کرے۔ وہ بولا۔ میں نے تو یہ مضمون صرف فخر رازی کی ایک کتاب سے لیا ہے۔ اس پر میں نے اس سے کہا کہ فخر رازی امام ابو حنیفہ کے آگے ایسا ہے جیسا کہ ایک طلب علم (استاد کے سامنے) یا جیسا کہ رعیت کا ایک شخص سلطان اعظم کے سامنے یا ایک ستارہ آفتاب کے سامنے۔ جس طرح علماء نے

رعیت پر حرام کر دیا ہے کہ اپنے امام اعظم پر اعتراض کرے مگر آفتاب جیسی واضح دلیل کے ساتھ۔ اسی طرح مقلدین پر حرام ہے کہ اپنے ائمہ دین پر اعتراض و طعن کریں مگر واضح نص کے ساتھ جو محتمل تاویل نہ ہو۔ پھر اگر امام ابو حنیفہؒ کے اقوال میں سے کوئی ایسا قول ہو کہ معترض کو اس کی دلیل معلوم نہ ہو۔ تو وہ قول یقیناً اجتہاد سے ہے۔ پس آپ کے مقلد پر اس کے موافق عمل کرنا واجب ہے یہاں تک کہ اس کے خلاف ظاہر ہو۔

علامہ شعرانی اپنی دوسری کتاب میں (الیواقیت والجواہر۔ مطبوعہ مصر۔ جزء ثانی ص ۸۶) یوں تحریر فرماتے ہیں۔

”فان قلت) فهل يجوز لاحد الطعن في قول مجتهد (فالجواب) لا يجوز لاحد الطعن في حكم المجتهد لان الشارع قد قرر حكم المجتهد فصار شرعاً لله بتقرير الله اياه فمن خطأ مجتهدا بعينه فكأنه خطأ الشارع فيما قرره حكما وهذه مسألة يقع في محظورها كثير من اصحاب المذاهب لعدم استحضارهم لما نبهنا هم عليه مع كونهم عالمين به ذكره الشيخ في باب مسح الخف من الفتوحات وقال في باب الوصايا منها اياكم والطعن على احد من المجتهدين وتقولون انهم محجوبون عن المعارف والاسرار كما يقع فيه جهلة المتصوفة فان ذلك جهل مقام الائمة فان للمجتهدين القدم الراسخ في علم الغيوب فهم وان كانوا يحكمون بالظن فالظن علم وما بينهم وبين اهل الكشف الا اختلاف الطريق وهم في مقامات الرسل من حيث تشريعهم للامة باجتهداهم كما شرعت الرسل لاممهم“

اگر تو کہے۔ آیا کسی کے لئے جائز ہے کہ کسی مجتہد کے قول میں طعن کرے۔ پس اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کو مجتہد کے حکم میں طعن کرنا جائز نہیں کو نہ شارع نے مجتہد کے حکم کو برقرار رکھا ہے۔ پس مجتہد کا حکم اس تقریر الہی سے

لہذا کی شریعت ہے۔ پس جس شخص نے کسی مجتہد معین کو خطا کار کہا۔ اس نے گویا شارع کو اس کی تقریر حکمی میں خطا کار کہا۔ اور یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اس کے ناجائز امر میں بہت سے اصحاب مذاہب مبتلا ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کو وہ بات متحضر نہیں ہوتی جس سے ہم نے ان کو آگاہ کیا ہے حالانکہ وہ اس کو جانتے ہیں۔ اس مسئلے کو شیخ اکبر (متوفی ۶۳۸ھ) نے فتوحات مکیہ میں باب مسح الخف میں ذکر کیا ہے۔ اور فتوحات کے باب الوصایا میں فرمایا ہے کہ تم مجتہدین میں سے کسی پر طعن کرنے سے بچو۔ تم جو کہتے ہو کہ مجتہدین معارف و اسرار سے محروم ہیں جیسا کہ جاہل صوفی کہا کرتے ہیں۔ سو یہ ائمہ کے مقام کی ناواقفیت ہے کیونکہ علم غیوب میں مجتہدین کا قدم راسخ ہے۔ وہ اگرچہ ظن سے حکم کرتے ہیں۔ مگر ظن علم ہے۔ مجتہدین اور اہل کشف کے درمیان صرف طریق کا اختلاف ہے۔ مجتہدین پیغمبروں کے مقامات میں ہیں اس حیثیت سے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے امت کے لئے شریعت بیان فرمائی جیسا کہ پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کے لئے شریعت بیان فرمائی۔

شیخ الاسلام تاج سبکی طبقات الشافعیۃ الکبریٰ (جزء ثانی ص ۳۹) میں تحریر

فرماتے ہیں۔

Www.Ahlehaq.Com

”ینبغی لک ایہا المسترشد ان تسلك سبیل الادب مع الائمة الماضین وان لا تنظر الی کلام بعضهم فی بعض الا اذا اتی ببرهان واضح ثم ان قدرت علی التاویل وتحسین الظن فذونک والا فاضرب صفحاً عما جرى بینہم فانک لم تخلق لہذا فاشتغل بما یعینک ودع مالا یعینک ولا یزال طالب العلم غتدی تبیلاً حتی یخوض فیما یجری بین السلف الماضین وبقضی لبعضہم علی بعض فایاک ثم ایاک ان تصغی الی ما انفق بین ابی حنیفہ وسفیان الثوری او بین مالک وابن ابی ذئب

او بین احمد بن صالح والنسائی او من احمد بن حنبل واعارث
المحاسبی وهلم الى زمان الشيخ عز الدين ابن عبدالسلام والشيخ تقی
الدين ابن الصلاح فانک ان اشتغلت بذلك خشيت عليك الهلاك
فالقوم ائمة اعلام ولاتوالهم محامل ربما لم يفهم بعضها فليس لنا ای
الترضى عنهم والسكوت عاجزى بينهم كما يفعل فيجرى بين الصحابة
رضى الله عنهم“

اے طالب ہدایت تجھے چاہیے کہ تو گذشتہ اماموں کے ساتھ ادب کا
طریق اختیار کرے۔ اور ایک کی نسبت دوسرے کے کلام کو نہ دیکھے۔ مگر
جب وہ برہان واضح لائے۔ پھر اگر تو تاویل اور تحسین ظن پر قادر ہو۔ تو اسے
اختیار کر۔ ورنہ در گذر کر اس سے جو ان کے درمیان واقع ہوا۔ کیونکہ تو اس
کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ پس مشغول ہو اس میں جو تیرے لئے ضروری ہے اور
چھوڑ اس کو جو تیرے لئے ضروری نہیں۔ اور طالب علم میرے نزدیک بزرگ
بیٹھا ہے یہاں تک کہ وہ خوض کرے اس میں جو سلف ماضین کے درمیان واقع
ہوا اور بعض کے برخلاف بعض کے حق میں حکم کرے پس تو بچ پھر بچ اس سے
کہ تو سنے وہ جو واقع ہو اور درمیان ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کے یاد درمیان مالک اور
ابن ابی ذئب کے یاد درمیان احمد بن صالح اور نسائی کے یاد درمیان احمد بن حنبل اور
حارث محاسبی کے اس طرح شیخ عز الدین ابن عبدالسلام اور شیخ تقی الدین ابن
الصلاح کے زمانے تک۔ کیونکہ اگر تو اس میں مشغول ہو تو مجھے تجھ پر ہلاک
ہونے کا خوف ہے۔ کیونکہ وہ لوگ بڑے بڑے امام ہیں۔ اور ان کے اقوال
کے احتمالات ہیں جن میں سے بعض اکثر سمجھ میں نہیں آتے۔ پس ہمارے واسطے
بجز اس کے مناسب نہیں کہ ان سے خوشنودر ہیں اور خاموش رہیں اس سے جو
ان کے درمیان واقع ہوا جیسا کہ ان مشاجرات سے خاموشی اختیار کی جاتی ہے جو

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان واقع ہوئے۔

امام اعظمؒ ثقہ، صدوق اور جید الحافظ تھے

امام صاحب کے ثقہ، صدوق اور جید الحافظ ہونے کے متعلق اور آپ کی توثیق و تعدیل کے بارے میں بکثرت نقاد فن اور کبار محدثین انصاف پسند حضرات نے بہت کچھ بیان کیا ہے۔ یہاں پر ہم مختصر طور پر چند اکابر کے نام نامی اور ان کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

امام یحییٰ بن معینؒ کا حوالہ

۱۔ یحییٰ بن معین مشہور محدث اور فن رجال کے تبحر عالم تھے۔ امام بخاریؒ وغیرہ کے استاد ہیں۔ جن کے بارے میں امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو سوائے یحییٰ بن معین کے کسی کے سامنے حقیر نہیں سمجھا۔ انہوں نے امام صاحبؒ کی اعلیٰ درجہ کی تعدیل و توثیق فرمائی ہے۔

ابوالمؤید امام موفق بن احمد مکی نے ”مناقب الامام الاعظمؒ“ ص ۱۹۲ جلد ۱ میں مع السندیہ روایت نقل کی ہے۔

”أَنَّ أَبَا أَحْمَدَ سَمِعَ يَحْيَى ابْنَ مَعِينٍ يَقُولُ وَهُوَ يَسْتَلُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَثَقَّةٌ هُوَ فِي الْحَدِيثِ ، فَقَالَ نَعَمْ ثَقَّةٌ ثَقَّةٌ كَانَ وَاللَّهِ أَوْعَ مِنْ أَنْ يَكْذِبَ وَهُوَ أَجَلُ قَدْرًا مِنْ ذَلِكَ وَمَنْعَابُ الْإِمَامِ ص ۱۹۲ ج ۱)“

احمدؒ نے بتایا کہ میں نے یحییٰ بن معینؒ کو یہ فرماتے سنا کہ ان سے امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ حدیث میں ثقہ تھے؟ تو جواباً انہوں نے فرمایا کہ ہاں وہ ثقہ اور قابل اعتماد تھے اللہ کی قسم وہ جھوٹ سے بالاتر تھے۔

”وَقَالَ أَحْمَدُ فِي رَوَايَتِهِ أَحْمَدُ ابْنُ عَطِيَّةٍ عَنْهُ وَقَدْ سَأَلَ هَلْ حَدَّثَ سَفِيَانٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ ثَقَّةٌ صَدُوقًا فِي الْحَدِيثِ وَالْفَقْهُ مَامُونًا عَلَى دِينِ اللَّهِ“

احمد نے امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں احمد بن عطیہ کا قول نقل کیا کہ ان سے سوال کیا گیا کہ کیا امام ابو حنیفہؒ کے متعلق سفیانؒ کی کوئی روایت ہے؟ فرمایا: ہاں! ابو حنیفہؒ حدیث و فقہ میں ثقہ اور سچے تھے اور اللہ کے دین پر قابل اعتماد تھے۔

”وقال یحییٰ بن معین اصحابنا یفرطون فی ابی حنیفہ واصحابہ فقیل له اکان یکذب قال انبل من ذلک . الخ“

یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ ہمارے آدمی امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں زیادتی سے کام لیتے ہیں ان سے کسی نے کہا کہ کیا وہ جھوٹ بولتے تھے؟ فرمایا وہ اس سے بالاتر تھے۔

مختصر^(۱) تاریخ خطیب بغدادی میں ابن جزلہ حکیم بغدادی لکھتے ہیں:

”قیل له (ای یحییٰ بن معین) افکان ابو حنیفہؒ یکذب قال کان ابل فی نفسه من الکذب وقال مرة اخرى ابو حنیفہؒ عندنا من اهل الصدوق ولم یتهم بالکذب وقال مرة کان ابو حنیفہؒ ثقة لا یحدث بالحديث الا ما یحفظ وعنه ایضا وقد سئل عن ابی حنیفہؒ ثقة هو فی الحديث قال نعم ثقة ثقة واللہ اورع من ان یکذب وهو اجل قدرا من ذلک وعنه وقیل له هل حدیث سفیان عن ابی حنیفہؒ قال نعم کان ابو حنیفہؒ ثقة صدوقا فی الحديث والفقہ مامونا علی دین اللہ عزوجل“ (خیرات الاحسان ص ۳۵۰)

یحییٰ بن معینؒ سے کسی نے کہا کہ کیا ابو حنیفہؒ جھوٹ بولا کرتے تھے۔ فرمایا کہ

یہ مضمون حسب ذیل کتابوں میں ہے: الناقب الاحمد ابن کئی ص ۶۶ ج ۱، خیرات الحسان ص ۳۴۳ عمدة القاری ص ۶۶ ج ۳، عقود الجواهر المحفیه ص ۶۔

۱۔ علامہ حکیم ابن جزلہ کی مختصر تاریخ بغدادی نایاب ہے۔ خدا بخش لاہوری پٹنہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ یہ عبارت اس سے لی گئی ہے۔

وہ جھوٹ سے بالاتر تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا ابو حنیفہؒ ہمارے نزدیک سچے تھے ان پر کبھی بھی جھوٹ کی تہمت نہیں لگائی گئی۔ دوسری مرتبہ فرمایا کہ ابو حنیفہؒ ثقہ تھے جب تک کوئی حدیث انہیں اچھی طرح محفوظ نہیں ہوتی تھی ہر گز بیان نہیں فرماتے تھے۔ ان سے ایک مرتبہ ابو حنیفہؒ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ حدیث میں ثقہ تھے۔ فرمایا ہاں! وہ معتبر اور ثقہ تھے۔ اللہ کی قسم! وہ جھوٹ سے بہت پرہیز کرنے والے تھے اور جھوٹ سے بالاتر تھے۔ ان سے کہا گیا کہ سفیانؒ سے ابو حنیفہؒ کے بارے میں کچھ منقول ہے۔ فرمایا ہاں! ابو حنیفہؒ حدیث وفقہ میں ثقہ اور سچے تھے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں قابل اعتماد تھے۔

اور عمدة القاری ص ۶۶ ج ۳ اور نہایہ شرح ہدایہ میں ہے۔

”شل ابن معین عنه فقال ثقة ما سمعت احداً ضعفه“

ابن معینؒ سے امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں سوال کیا گیا۔ فرمایا: وہ ثقہ تھے میں نے کسی کو ان کی تضعیف کرتے نہیں سنا۔

یعنی ابن معینؒ کا یہ فرمانا کہ میں نے کسی سے امام ابو حنیفہؒ کی تضعیف نہیں سنی اعلیٰ درجہ کی تعدیل اور توثیق ہے جس کی تائید ”تہذیب الکمال“ ص ۱۰۸ سے بخوبی ہوتی ہے۔ اس میں ہے:

”وقال ای یحییٰ بن معین مرة کان ابو حنیفہ عندنا من اهل الصدوق وھكذا فی مختصر التاریخ الخطیب البغدادی“

ایک مرتبہ یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ ہمارے نزدیک سچے ہیں۔ وخطیب بغدادی کی مختصر التاریخ میں بھی یہی ہے۔

چونکہ ”عندنا“ میں ضمیر جمع کی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک امام ابو حنیفہؒ ثقہ و صدوق ہیں اسی وجہ سے حضرت امام یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا: ”ما سمعت احداً ضعفه“

شعبہ بن الحجاج کا حوالہ

۲۔ شعبہ بن الحجاج متوفی ۱۶۰ھ یہ ائمہ صحاح کے اعلیٰ رواۃ میں سے ہیں۔ سفیان ثوری ان کو امیر المومنین فی الحدیث کہا کرتے تھے۔ انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کی توثیق کی ہے بلکہ جید الحفظ کہا ہے۔ خیرات الحسان ص ۳۴ میں ہے:

”قال شعبۃ کان ابو حنیفۃ حسن الفہم جید الحفظ الخ“

شعبہؒ نے فرمایا امام ابو حنیفہؒ بہت سمجھ دار اور جید الحافظ تھے۔

اور عقود الجواهر المنیفہ ص ۸ میں حافظ موصلی کی کتاب ”تہذیب الکلام“ سے نقل کیا ہے:

”کان شعبۃ حسن الرائے فی ابی حنیفۃ . الخ“

حضرت شعبہؒ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔

”و کذا فی مختصر جامع بیان العلم و فضلہ للحافظ بن عبد البر ص ۱۹۴“

جب حضرت شعبہ سے امام صاحب کے متعلق دریافت کیا جاتا تو وہ ان کی بہت زیادہ تعریف و توصیف کیا کرتے تھے اور ہر سال نیا تحفہ ان کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے (موفق ص ۴۶ ج ۲) اور فرمایا کرتے تھے کہ جن لوگوں نے ان پر تشبیح کی ہے۔ واللہ۔ وہ خدا کے یہاں اس کا نتیجہ دیکھ لیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے خوب واقف ہے (خیرات ۳۴)

حضرت شعبہ کے پاس امام ابو حنیفہؒ کی خبر وفات پہنچی تو ان اللہ پڑھا اور فرمایا۔ آج کوفہ پر علم کا چراغ گل ہو گیا اور اب اہل کوفہ کو قیامت تک اس کی نظیر نہ ملے گی (خیرات الحسان ص ۳۹)

عبداللہ بن مبارک کا حوالہ

۳۔ عبداللہ ابن مبارک، یہ یحییٰ ابن معین اور امام احمد بن حنبل کے استاد ہیں جن کو امام مہدیؑ نے

”لم یکن فی زمانہ اطلب العلم منہ“

ان کے زمانہ میں ان سے زیادہ علم کا طلبگار کوئی نہ تھا

فرمایا ہے۔ یہ تمام محدثین کے شیخ اعظم ہیں۔ ان کی تعریف میں محدثین نے دفتر کے دفتر لکھے ہیں۔ باتفاق مؤرخین اس شیخ اعظم نے دنیائے حدیث کے گوشہ گوشہ میں جا کر لاکھوں روپیہ اسفار پر خرچ کر کے اس دور خیر القرون کے ایک ایک محدث سے حدیثیں حاصل کی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کی لاکھوں حدیثیں ان کو زبانی یاد تھیں۔ وہ جب امام ابو حنیفہؒ کے پاس آئے تو اخیر تک آپ سے جدا نہ ہوئے۔ امام بخاریؒ نے سب سے پہلے ان ہی عبداللہ ابن مبارک کی کتابیں یاد کی تھیں۔ آپ (عبداللہ ابن مبارک) امیر المؤمنین فی الحدیث فن حدیث کے رکن اعظم اور ائمہ کبار میں سے ایک امام ہیں۔ صحیح بخاری اور مسلم میں ان کی روایات سے سینکڑوں احادیث موجود ہیں۔ امام صاحب کے مخصوص شاگردوں میں ہیں۔ امام بخاریؒ نے اپنے رسالہ رفع یدین میں فرمایا ہے کہ ابن مبارک اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ یہ ہیں امام عبداللہ بن مبارک جو امام ابو حنیفہؒ کی تعدیل فرماتے ہیں:

”و ذکر الامام النسفی باسناده عن احمد بن محمد البغدادی قال سألت

یحییٰ بن معین عنه فقال عدل ثقة ما ظنک من عدله بن المبارک

و وکیع“ (مناقب الامام الاعظم الامام کروری ج ۱ ص ۹۱)

امام نسفیؒ نے احمد بن محمد بغدادی سے سند کے ساتھ ذکر کیا کہ میں نے یحییٰ بن

معین سے ابو حنیفہؒ کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ وہ سچے اور ثقہ تھے ان کے متعلق ہمارا کیا خیال ہے جن کی تعدیل ابن مبارک اور وکیع نے کی ہو۔ (امام کر درئی کی مناقب الامام الاعظم ص ۹۱ ج ۱)

”عن یحییٰ بن معین قال کان وکیع جید الرأی فیہ (ای فی ابی حنیفہ) وایضا فیہ عن ابن مبارک قال غلب علی الناس بالحفظ والفقه والعلم والصیانة والدیانة وشدة الورع الخ“

یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں وکیعؒ کی رائے بہت عمدہ تھی نیز ابن مبارکؒ نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ نے اپنے حفظ، فقہ، علم، احتیاط، دیانت اور اعلیٰ درجہ کے تقویٰ کی وجہ سے سب پر غلبہ پالیا۔

اور حافظ وکیع بن جراح، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے استاد ہیں جن کی مدح میں امام احمدؒ فرماتے ہیں۔

”ما رأیت اوعی منه ولا احفظ“

میں نے ان سے زیادہ پرہیز گار اور احفظ کسی کو نہیں دیکھا۔
اور عبد اللہ بن مبارک جو یحییٰ بن معینؒ اور امام احمدؒ کے استاد ہیں جن کو امام مہدی نے

”لم یکن فی زمانہ اطلب العلم منه“

ان کے زمانہ میں ان سے زیادہ علم کا طالب کوئی نہیں تھا۔
فرمایا ہے۔

پس جب ایسے ایسے اعلیٰ درجہ کے حافظ ثقہ ماہرین فن حدیث امام ابو حنیفہؒ کو حافظ فرماتے ہیں اور ان کی تعدیل کرتے ہیں تو اب کسی معترض حاسد کو اعتراض کا کیا موقع ہے؟

امام وکیع بن جراح کا حوالہ

۴۔ وکیع بن جراح امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے استاد ہیں جن کی مدح میں امام احمدؒ فرماتے ہیں ”ما رأیت اوعی منه ولا احفظ“ مشہور محدث کبیر امام بخاریؒ کے شیوخ کبار میں سے تھے۔ انہوں نے امام صاحبؒ کی تعدیل فرمائی ہے۔ ایک مرتبہ ان کی مجلس میں کوئی حدیث پیش ہوئی جس کا مضمون بہت مشکل تھا وہ کھڑے ہو گئے اور ٹھنڈی سانس بھر کر کہا کہ اب ندامت سے کیا فائدہ؟ وہ شیخ (یعنی امام ابو حنیفہؒ) اب کہاں ہیں جن سے یہ اشکال حل ہوتا۔ (کردری)

امام علی بن المدینیؒ کا حوالہ

۵۔ علی بن المدینیؒ اتنے بڑے امام فن ہیں کہ جن کی شاگردی، امام بخاریؒ امام ابو داؤدؒ اور ذہبی جیسے کبار محدثین نے کی ہے۔ تذکرہ الحفاظ میں ہے۔ ابو حاتم نے کہا ہے

”کان علی بن المدینی علماً فی الناس فی معرفة الحديث والعلل“
 علی ابن مدینی فن حدیث اور علل میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔
 اور امام بخاریؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں۔

”ما استصغرت نفسی عند احد الا عند علی بن المدینی“
 میں نے علی ابن مدینی کے سوا کسی کے سامنے اپنے کو کمتر نہیں جانا۔

انہوں نے امام صاحبؒ کی توثیق کی ہے۔ (عقود الجواهر المنیفہ ص ۸۰،
 خیرات الحسان ص ۸۴)

اور ابن عبد البر کی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ کے ص ۱۹۴ میں ہے۔

”قال ابن المدینی ابو حنیفہ روى عنه الثوری وابن المبارک وحماد بن

زید وجعفر بن عون وهو ثقة لا باس به“

یعنی ابو حنیفہؒ سے سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک، حماد بن زید، ہشام و کعب، عباد بن العوام، اور جعفر بن العون نے روایت حدیث کی ہے اور وہ ثقہ ہیں۔ ان میں کوئی عیب نہیں۔

یہ سب کے سب مقتدائے محدثین اور ائمہ صحاح ستہ کے رواۃ ہیں۔

امام سفیان ثوریؒ کا حوالہ

۶۔ سفیان ثوریؒ، یہ نہایت عظیم المرتبت شخص ہیں جن کی شان میں شعبہ نے کہا ہے کہ احفظ منی اور خطیب نے کہا ہے۔

”كان الثوري اماماً من ائمة المسلمين وعلماً من اعلام الدين مجمعاً على امامة مع الاتفاق والضبط والحفظ والمعرفة والزهد والورع“

امام ثوریؒ مسلمانوں کے ایک بڑے امام تھے اور دین کے نشانوں میں سے ایک نشان تھے ان کی امامت، پختگی، ضبط، حفظ، معرفت، زہد اور تقویٰ پر علماء کا اتفاق ہے

خلاصہ: انہوں نے امام صاحب کو صحیح حدیث کا سیکھنے والا ثقات کی حدیثوں کو طلب کرنے والا، نسخ و منسوخ کا بڑا پہچاننے والا فرمایا ہے۔ مناقب کردری ص ۱۰ ج ۲ اور خیرات الحسان ص ۳۳ میں ہے۔

”كان والله شديد الاخذ للعلم لا ياخذ الا ماصح عنه صلى الله عليه وسلم شديد معرفته بالناسخ والمنسوخ وكان يطلب احاديث الثقات والاخر من فعله“

امام سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! وہ علم کے بہت زیادہ حاصل کرنے والے تھے اور حضور ﷺ کی جو روایت صحیح ہوتی صرف اسی کو اختیار فرماتے، وہ نسخ و منسوخ کی پہچان میں قوی ملکہ رکھتے تھے اور وہ قابل اعتماد حضرات کی

ایات اور حضور اکرم ﷺ کے آخری عمل کے بہت زیادہ متلاشی رہا کرتے
(مناقب کردری ص ۱۰ ج ۲)

”وما ادرك عامة علماء الكوفة في اتباع الحق اخذيه وجعله دينه“
اجماع حق میں اکثر علماء کوفہ کی رائے کو قبول کرتے اور ترجیح دیتے (اپنا مسلک
قرار دیتے تھے)

باوجود یہ کہ سفیان ثوری امام صاحبؒ کے معاصر تھے اور باہم چھیڑ چھاڑ بھی
رہا کرتی تھی مگر امام عالی مقام کے فضائل جو مثل آفتاب کے روشن تھے نہ چھپا
سکے اور صاف لفظوں میں امام صاحب کے فضائل کا اقرار کر لیا اور حق پسند اہل
انصاف لوگ ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔

امام سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہؒ ”علم حدیث کے اخذ میں غیر
معمولی طور پر محتاط تھے جن کو روایت کرنے والے ثقہ ہوتے تھے اور حضور اکرم
ﷺ کے آخری فعل کو لیتے تھے۔ باوجود اس کے بعض لوگوں نے ان پر تشنیع کی
۔ خدا تعالیٰ انہیں اور ہمیں بخش دے۔

اگر سفیان ثوریؒ کے پاس کوئی شخص جاتا اور کہتا کہ میں ابو حنیفہؒ کے پاس
سے آیا ہوں۔ تب فرماتے کہ تم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو کہ روئے زمین
پر اس جیسا فقیہ و عالم نہیں۔ (الخیرات الحسان)

حضرت سفیان ثوریؒ سے جب کوئی دقیق مسئلہ دریافت کیا جاتا تو فرماتے
کہ اس مسئلہ میں کوئی عمدہ تقریر نہیں کر سکتا سوائے اس شخص کے جس پر ہم
لوگ حسد کرتے ہیں (یعنی ابو حنیفہ) پھر امام صاحب کے شاگردوں سے
دریافت کرتے کہ اس مسئلہ میں تمہارے استاد کا کیا قول ہے اور وہ جواب جو
دیتے اسی کو یاد کر کے اسی کے موافق فتویٰ دیتے تھے۔ (موفق کردری)

اسرائیل بن یونسؑ کا حوالہ

۷۔ اسرائیل بن یونس صحاح ستہ کے راوی ہیں جن کے متعلق امام احمدؒ نے فرمایا ہے ثقہ ثبہ۔ تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اسرائیل ابن یونس نے خلق کثیر سے حدیث سنی اور ان کے حافظہ پر امام احمدؒ تعجب کیا کرتے تھے۔ انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کو بہت بڑا حافظ حدیث کہا ہے۔ تبہیض الصحیفہ ص ۲۲ اور خیرات الحسان ص ۲۶ میں ہے۔

”روى الخطيب عن اسرائيل ابن يونس انه قال نعم الرجل نعمان كان يحفظه لكل حديث فيه فقه واشد فحصا عنه واعلم بما فيه من الفقه“
خطیب نے اسرائیل بن یونس سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ نعمان (ابو حنیفہؒ) بہترین شخص تھے وہ خاص طور پر فقہی احادیث کے بہت بڑے حافظ اور جویاں تھے اور احادیث کے مسائل فقہ سے بہت زیادہ واقف تھے۔

یزید بن ہارونؒ کا حوالہ

۸۔ یزید بن ہارون، یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں اور علی ابن المدینی اور امام احمد بن حنبلؒ کے استاد ہیں۔ امام احمدؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں:

”كان حافظاً متقیناً“
وہ حدیث کے حافظ اور ماہر تھے۔

اور امام عجلؒ نے کہا ہے ثقہ ثقہ۔

اور ابو حاتم نے کہا ہے لایسئل مثله۔ (علامہ ص ۷۴ ۷۵)

یزید بن ہارون اپنے زمانہ کے امام کبیر اور ثقہ محدث تھے اور امام اعظم امام مالک اور سفیان ثوری کے شاگرد تھے انہوں نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ حافظ حدیث تھے۔ ذہبی تذکرہ الحفاظ ص ۱۵۲ میں اور علامہ سیوطیؒ تبہیض الصحیفہ ص ۱۳ میں لکھتے ہیں۔

”سئل یزید بن ہارون ایما افقہ الثوری او ابوحنیفہ فقال ابوحنیفہ افقہ
وسفیان حفظ“

یزید بن ہارون سے کسی نے دریافت کیا کہ ثوری بڑے عالم تھے یا ابوحنیفہ! جواب
دیا ابوحنیفہ ”فقہ کے بڑے عالم تھے اور ثوری حدیث کے۔“

افقہ اور احفظ اسم تفصیل کے صیغے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام
ابوحنیفہ اور سفیان ثوری دونوں فقیہ اور حافظ حدیث تھے مگر ابوحنیفہ ”افقہ“ اور حافظ
تھے اور سفیان ثوری فقیہ اور احفظ تھے۔ پس امام ابوحنیفہ کا حافظ حدیث ہونا یزید
بن ہارون کے کلام سے بھی ثابت ہوا۔ یزید بن ہارون فرماتے ہیں کہ میں نے علماء
سے سنا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں ان کا نظیر تلاش کیا گیا مگر نہ ملا اور فرمایا
کرتے تھے کہ امام صاحب اعظم الناس ہیں۔ (مناقب موفق)

اور فرماتے ہیں کہ میں نے ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا۔ لیکن خدا کی قسم!
میں نے ابوحنیفہ سے زیادہ کسی کو ورع و حافظہ اور عقل میں نہیں پایا۔ (حدائق
ص ۷۹)

ایک روز یزید بن ہارون کی مجلس میں یحییٰ بن معین علی بن المدینی اور امام
احمد وغیرہ موجود تھے کہ ایک شخص نے آکر مسئلہ دریافت کیا۔ فرمایا کہ اہل علم
کے پاس جاؤ اور ان سے معلوم کرو۔ اس پر ابن المدینی نے کہا کہ آپ اہل علم
نہیں ہے۔ آپ تو حدیث کے عالم ہیں فرمایا نہیں اہل علم اصحاب ابی حنیفہ ہیں ہم تو
عطار ہیں۔ (موفق ص ۷۴ ج ۲)

حافظ ابن عبد البر کا حوالہ

۹۔ حافظ عبد البر مالکی انہوں نے امام ابوحنیفہ کی توثیق نقل کی ہے اور تمام
عیوب سے آپ کی تبری ظاہر کی ہے۔ (خیرات الحسان ص ۷۴)

اور عقود الجواهر المنیفہ ص ۱۰ میں ہے۔

”قال ابو عمر ویوسف بن عبدالبر والذین رووا عن ابی حنیفہ ووثقوه واشنوا علیہ اکثر من الذین تکلموا فیہ والذین تکلموا فیہ من اهل الحدیث اکثر ما عابوا علیہ الاغراق فی الرأی والقیاس وقد مرّ ذالک لیس بعیب“

www.Ahlehq.Com

ابو عمرو یوسف ابن عبدالبر نے فرمایا: جن لوگوں نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی اور ان کی تعریف و توثیق کی ہے ان کی تعداد ان لوگوں سے کہیں زیادہ ہے جنہوں نے امام صاحب پر کچھ کلام کیا ہے اور انہوں نے بھی امام صاحب پر زیادہ سے زیادہ اغراق فی الرأی اور قیاس کا الزام لگایا ہے جو عیب نہیں ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اور یہ بھی خیرات الحسان ص ۳۶ میں ہے۔

”قال الحافظ ابو عمر ویوسف ابن عبدالبر بعد کلام ذکرہ واهل الفقہ لا یلتفتون من طعن علیہ ولا یصدقون بشئ من السوء ینب الیہ“

حافظ ابو عمرو یوسف ابن عبدالبر نے امام صاحب کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ فقہاء ان لوگوں کی جانب بالکل التفات نہیں فرماتے جنہوں نے امام صاحب پر کوئی طعن کیا ہے وہ امام صاحب کی جانب منسوب کی جانے والی (کسی برائی) کی تصدیق نہیں کرتے

ملاحظہ فرمائیے! ابن عبدالبر صاف لفظوں میں امام صاحب کی توثیق نقل فرما رہے ہیں اور تمام عیوب سے ان کی تبری ظاہر کرتے ہیں اور حافظ ابن عبدالبر نے جامع بن العلم وفضلہ میں یحییٰ بن معین، شعبہ اور حافظ موصلی ازدی اور علی بن المدینی وغیرہم سے امام صاحب کی توثیق و تعدیل نقل کر کے وہ عبارت یعنی الذین رووا عن ابی حنیفہ ووثقوه الخ لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو مختصر جامع بیان

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن عبد البر کے نزدیک امام ابو حنیفہؒ

ثقة ہیں۔

عیسیٰ بن یونسؒ کا حوالہ

۱۰۔ عیسیٰ ابن یونس مشہور محدث تھے اور امام صاحبؒ کے حدیث وفقہ میں

شاگرد تھے۔ انہوں نے تمام عیوب سے امام صاحب کی برأت ظاہر کی ہے اور مناقب کردری ص ۲۲۲ ج ۱ میں ہے۔

”قال عیسیٰ ما تکلم فیہ رای فی ابی حنیفہ بسوء ولا نصدق احدا بشيء القول فیہ واللہ ما رأیت افضل منه ولا اورح ونحو ذلک فی الخیرات“

حسن بن صالحؒ کا حوالہ

۱۱۔ حسن بن صالح صحیح مسلم اور سنن ازبوعہ کے راوی ہیں۔ امام معین اور امام

نسائی نے لکھا ہے کہ حسن بن صالح ثقة ہیں اور ابوزرعه نے کہا ہے:

”اجتمع فیہ حفظ واتقان وفقہ وعبادة“ (خلاصہ ص ۶۷)

میں نے حسب ذیل صفات جمع تھیں۔ حفظ، مہارت فی العلم، فقہ، عبادت۔

یہ حسن بن صالح امام ابو حنیفہؒ کو حدیث میں اہل کوفہ کا عارف اور حافظ کہتے ہیں۔ خیرات الحسان ص ۳۰ میں ہے۔

”وعن الحسن بن صالح ان اباحنیفہ کان شدید الاتباع لما کان الناس

علیہ حافظاً لما وصل الی اہل بلدہ“ (خ)

عیسیٰ نے فرمایا کسی شخص نے بھی امام ابو حنیفہ کی برائی نہیں کی اور ہم برائی کرنے والے کی تصدیق نہیں کرتے۔ اللہ کی قسم میں نے ان سے افضل اور متقی

کسی کو نہیں دیکھا یہی مضمون خیرات الاحسان میں بھی ہے۔

حسن بن صالح کوئی فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ ناخ و منسوخ حدیث کی تلاش میں بہت مصروف رہتے تھے اور اس حدیث پر عمل کرتے تھے جو حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ سے ان کو ثابت ہوتی تھی اور اہل کوفہ کی حدیث و فقہ کے صرف عارف ہی نہیں تھے بلکہ اپنے شہر کوفہ کے لوگوں کی معمول بہا احادیث کا نہایت سختی سے اتباع کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح قرآن و حدیث میں ناخ و منسوخ آیات ہیں۔ اسی طرح حدیث میں بھی ناخ و منسوخ ہیں اور رسول خدا ﷺ کی آخری زندگی کے اعمال کے حافظ تھے۔
(موفق ص ۸۹)

عبداللہ بن داؤد کا حوالہ

۱۲۔ عبداللہ بن داؤد، آپ نے امام ابو حنیفہؒ کے حفظ سنن و فقہ کی تعریف کی ہے۔ تبیض الصحیفہ ص ۱۱۴ اور مناقب موفق ص ۳۰ ج ۱ میں ہے۔
”روی محمد بن سعد الکاتب قال سمعت عبداللہ بن داؤد الخریبی یقول یجب علی اہل اسلام ان یدعوا اللہ لابی حنیفہ فی صلاتہم قال و ذکر حفظہ علیہم السنن والفقہ ونحو ذلک فی الخیرات الحسان ص ۲۶“

محمد بن سعید کاتب نے فرمایا کہ میں نے عبداللہ بن داؤد خریبی کو فرماتے ہوئے سنا کہ اہل اسلام پر واجب ہے کہ وہ اپنی نمازوں میں امام ابو حنیفہؒ کے لئے دعا کریں اور نیز انہوں نے آپ کے ضبط حدیث و فقہ کا ذکر کیا۔ ایسا ہی مضمون خیرات الحسان ص ۲۶ میں بھی ہے۔

فرماتے ہیں جب کوئی آثار یا احادیث کا قصد کرے تو اس کے لئے سفیان ہیں اور جب آثار یا احادیث کی بار کیوں کو معلوم کرنا چاہے تو امام ابو حنیفہؒ ہیں

عبداللہ بن یزید المقریٰ کا حوالہ

۱۳۔ عبداللہ بن یزید المقریٰ، یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام بخاریؒ امام احمد اور اسحاق بن راہویہ نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ امام نسائی وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔

ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ ص ۳۳ ج ۱ میں ان کو امام المحدثین شیخ الاسلام لکھا ہے اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ”حدیثہ عادل فی القطیعات“ انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کی تعریف کی ہے وہ اپنے تلامذہ کو امام صاحب کی حدیث سننے کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔ مناقب للموفق ابن احمد ص ۳۲ ج ۲ میں اور تنبض الصحیفہ ص ۲۰ میں ہے:

”عن عبداللہ ابن یزید قال حدثنا ابو حنیفہ“ شاہ مروان اور دوسری روایت میں ہے۔ ”وکان اذا حدثنا عن ابی حنیفہ قال حدثنا شاہنا“ نیز فرماتے تھے جو لوگ امام ابو حنیفہؒ کے فضل و تقدم کو نہیں جانتے وہ زندہ نہیں مردہ ہیں۔ (الاقتصار)

امام صاحبؒ کا اپنا بیان

۱۴۔ خود امام ابو حنیفہؒ نے اپنے جودت حفظ کی تعریف و توصیف کی ہے موفق ابن احمد کی مناقب امام اعظمؒ ص ۵۵ ج ۱ اور امام سیوطیؒ تبیض الصحیفہ ص ۱۲ میں لکھتے ہیں۔

”فجلست الی حماد فکنت اسمع مسائلہ فاحفظہ ثم یعیدھا من الغدفا حفظھا ثم یعیدھا من الغد فاحفظھا ویخطی اصحابہ فقال لا یجلس فی صدر الحلقة بحذائی غیر ابی حنیفہ فصحبته عشر سنین . الخ“ (مناقب

امام اعظمؒ ص ۵۵ ج ۱)

میں حضرت حماد کے درس میں بیٹھتا اور ان کے بیان کردہ مسائل غور سے سن کر یاد کر لیتا تھا وہ ان کو دوسرے دن دہراتے میں پھر یاد کر لیتا اگلے دن بھی وہ ایسا ہی کرتے اور میں یاد کر لیتا تھا چونکہ ان کے دوسرے تلامذہ غلطیاں کرتے تھے اس لئے انہوں نے فرمایا کہ میرے سامنے صدر حلقہ میں ابو حنیفہ کے سوا کوئی نہ بیٹھا کرے۔ اس طرح میں ان کی خدمت میں دس سال رہا۔

ابن حجر کی شافعی خیرات الحسان ص ۲۶ میں تحریر فرماتے ہیں۔

”جلس (ابو حنیفہ فی حلقة حماد فکان يحفظ جميع ما يقوله ويخطي اصحابه فاجلسه بحذائه في صدر الحلقة عشر سنين“

حضرت حماد کے درس علم میں امام ابو حنیفہؒ شرکت کرتے اور ان کی ساری تقریر کو یاد کر لیا کرتے تھے اور ان کے ساتھی غلطی کیا کرتے تھے چنانچہ حضرت حماد نے امام صاحبؒ کو اپنے سامنے صدر جگہ پر دس سال تک بٹھایا۔

دیکھئے امام ابو حنیفہؒ کی جودت حافظہ نے آپ کے استاد حماد کے دل میں ایسا گھر کر لیا کہ دس برس تک بجز آپ کے دوسرے شاگرد کو صدر حلقہ میں بیٹھنے کی آپ کے استاد نے اجازت ہی نہیں دی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کس قدر جید الحافظہ تھے۔

امام فن اسماء الرجال حافظ ابوالحجاج کا حوالہ

۱۵۔ حافظ ابوالحجاج جو امام فن رجال ہیں۔ انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کی توثیق کی ہے۔ چنانچہ تہذیب الکمال ص ۱۸۰ میں کہتے ہیں۔

”قال محمد بن سعيد العوفي سمعت يحيى بن معين يقول كان ابو حنيفة ثقة في الحديث لا يحدث الا بما يحفظه“

محمد بن سعید عوفی نے فرمایا کہ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ حدیث میں ثقہ تھے۔ صرف اسی حدیث کو بیان کرتے تھے جو ان کو اچھی طرح محفوظ ہوتی تھی۔

”وقال صالح بن الاسرى الحافظ سمعت يحيى بن معين يقول ابو حنيفة ثقة فى الحديث وعنه قال لا باس به وقال مرة كان ابو حنيفة عندنا من اهل الصدق“

صالح بن الاسرى الحافظ نے فرمایا کہ یحییٰ بن معین فرماتے تھے کہ امام ابو حنیفہؒ حدیث میں ثقہ ہیں۔ انہوں نے امام صاحب کے لئے کہیں لا باس بہ (یعنی ان سے روایت میں کوئی حرج نہیں) کا لفظ استعمال کیا اور کہیں فرمایا امام ابو حنیفہؒ ہمارے نزدیک اہل صدق میں سے ہیں۔

علامہ ذہبیؒ کا حوالہ

۱۶۔ علامہ ذہبی نقاد فن ہیں انہوں نے صاف لفظوں میں امام ابو حنیفہؒ کی توثیق کی ہے۔ چنانچہ تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں۔

”قال صالح بن محمد جوزہ وغیرہ سمعنا يحيى بن معين يقول ابو حنيفة ثقة فى الحديث وروى محمد بن محرز عن ابن معين لا باس به“

صالح بن محمد نے فرمایا کہ ہم نے یحییٰ بن معین کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ابو حنیفہؒ حدیث میں ثقہ ہیں اور محمد بن محرز نے امام صاحبؒ کے بارہ میں ابن معین کا قول لا باس بہ نقل کیا ہے۔

ذہبی نے کاشف میں امام ابو حنیفہؒ کا طولانی ترجمہ لکھا ہے۔ توثیق و تعدیل میں بہت سے اقوال نقل کئے ہیں۔ ایک جملہ بھی تضعیف کا نہیں نقل کیا بلکہ اخیر میں اپنی رائے ظاہر کر دی ہے۔ فرماتے ہیں:

”قلت قد احسن شيخنا ابو الحجاج حيث لم يورد شيئا يلزم منه التضعيف. الخ“

میں تو یہ کہتا ہوں کہ ہمارے شیخ ابو الحجاج نے بہت ہی اچھا کیا کہ کوئی ایسا جملہ نہیں کہا جس سے امام صاحبؒ کی تضعیف لازم آتی ہو۔ اور تذکرہ الحفاظ ص ۱۵۱ ج ۱ میں لکھتے ہیں۔

”کان اماما ورعا عالما عاملا متعبدا كبير الشأن وروى محمد بن القاسم بن محرز عن يحيى بن معين قال لا باس به“
وہ امام متقی عالم باعمل، عبادت گزار اور عظیم انسان تھے اور محمد بن قاسم بن محرز نے ان کے حق میں ابن معین کا قول لا باس بہ نقل کیا ہے۔

حافظ الدنيا علامه ابن حجرؒ کا حوالہ

۱۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ”تہذیب التہذیب“ میں امام ابو حنیفہؒ کی توثیق کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”قال محمد بن سعد سمعت يحيى بن معين يقول كان ابو حنيفة ثقة لا يحدث بالحديث الا بما يحفظه وقال صالح بن محمد الاسري عن ابن معين كان ابو حنيفة ثقة في الحديث“

محمد بن سعد فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ حدیث میں ثقہ ہیں۔ صرف اسی حدیث کو بیان فرماتے تھے جو ان کو اچھی طرح محفوظ ہوتی تھی اور صالح بن محمد اسری نے امام صاحب کے بارے میں ابن معین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ حدیث میں ثقہ ہیں۔

نوٹ: تہذیب التہذیب نہایت معتبر کتاب ہے اور تہذیب الکمال کا مختصر اور خلاصہ ہے چنانچہ خود حافظ ابن حجر نے تعیل المنفعہ ص ۳ میں لکھا ہے۔

”و كنت قد لخصت تهذيب الكمال وزدت عليه فوائد كثيرة وسميته
تهذيب التهذيب وجاء نحو ثلث الاصل ونحو ذلك في ديباجة تهذيب
التهذيب ص ۳۔“

میں نے تهذيب الكمال کو مختصر کیا اور اس میں بہت سارے فوائد کا اضافہ کیا اور
اس کا نام تهذيب التهذيب رکھا۔ یہ خلاصہ اصل کتاب کے تہائی کے برابر ہو گیا
۔ تهذيب التهذيب کے دیباچہ ص ۳ میں بھی یہی لکھا ہے۔

علامہ صفی الدین خزاعیؒ کا حوالہ

۱۸۔ علامہ صفی الدین خزاعی نے خلاصہ تهذيب ص ۳۴۵ میں امام صاحب
کی توثیق کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

”وثقه ابن معين وقال مكى ابو حنيفة اعلم اهل زمانه“

ابن معين نے ان کی توثیق کی ہے اور مکی نے فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہ اپنے
زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے۔

علامہ ابن حجر مکی الشافعیؒ کا حوالہ

۱۹۔ ابن حجر مکی شافعی، انہوں نے بڑے زور سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
کی تعدیل کی ہے۔ چنانچہ خیرات الحسان ص ۷۴ میں ایک مستقل فصل اس طرح
منعقد کی ہے۔

”الفصل الثانی والثلاثون فی رد ما قیل فیہ من الجرح الخ“

اس فصل میں حافظ ابن عبد البر، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، شعبہ، حجاج

نوٹ: کتاب ”تهذيب الكمال“ ایسی معتبر اور مستند کتاب ہے کہ صاحب كشف الظنون
نے ص ۳۳۰ ج ۲ میں اس کے بارے میں لکھا ہے ”وهو كتاب كبير لم يؤلف مثله ولا
يظن ان يستطاع“

اور تاج الدین سبکی وغیرہم کے اقوال سے امام ابو حنیفہؒ کی بطل کے ساتھ تعدیل کی ہے اور معتز ضین کے اعتراضات کا نہایت معقول جواب دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ وہم بھی نہ کرنا چاہیے کہ امام ابو حنیفہؒ علم فقہ کے ماسوا اور دوسرے علوم نہیں جانتے تھے ماشاء اللہ وہ علوم شرعیہ تفسیر، حدیث اور علوم عالیہ ادبیہ قاس اور علوم حکمیہ کا ایک سمندر تھے۔ ان کے بعض مخالفین کا قول اس کے خلاف ہے۔ مگر ان کا منشاء محض حسد اور اپنی برتری کی خواہش ہے۔

ہمیشہ علماء اور اہل حاجات امام ابو حنیفہؒ کی قبر کی زیارت کرتے اور امام کے مزار کو اپنی حاجتوں کی تکمیل کے لئے وسیلہ سمجھتے تھے جن میں امام شافعیؒ بھی تھے۔ (خیرات الحسان ص ۹۶)۔

علامہ تاج الدین سبکیؒ کا حوالہ

۲۰۔ تاج الدین سبکی نے امام ابو حنیفہؒ کی تعدیل کی ہے۔ چنانچہ طبقات شافعیہ ص ۳۹ ج ۲ میں جرح و تعدیل کے اصول پر ایک نفیس بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

Www.Ahlehaq.Com

”وَحِينَئِذٍ لَا يَلْتَفِتْ لِكَلَامِ الثَّوْرِيِّ وَغَيْرِهِ فِي أَبِي حَنِيفَةَ . الْخ“

اور اب امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں امام ثوری وغیرہ کا کلام بالکل قابل التفات نہیں ہے

امام ابو یوسفؒ کا حوالہ

۲۱۔ امام ابو یوسفؒ علم حدیث میں امام احمد ابن المدینیؒ اور یحییٰ بن معین وغیرہم اکابر محدثین کے استاد ہیں جو امام بخاری وغیرہ محدثین کے شیوخ میں ہے انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کو

”ابصر بالحديث الصحيح“

حدیث صحیح کے بہت جاننے والے کہا ہے۔

خیرات الحسان ص ۳۷ میں ہے۔ ”ابصر بالحدیث الصحیح“ فرماتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے زیادہ تفسیر و حدیث کا عالم نہیں دیکھا۔ ہمارا کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو امام صاحب کے پاس حاضر ہوتے اور امام صاحب فوراً ہی حل پیش کر کے ہماری تشفی فرمادیتے تھے۔ (موفق ص ۴۳ ج ۲)

امام شعرانی کا حوالہ

۲۲۔ امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ کے مسانید ثلاثہ کے صحیح نسخوں کا مطالعہ کیا جن پر حفاظ حدیث کی تصدیق تھی۔ میں نے دیکھا کہ ہر حدیث بہترین عدول وثقات تابعین سے مروی و منقول ہے۔ مثلاً اسود، علقمہ، عطاء، عکرمہ، مجاہد، مکحول اور حسن بصری وغیرہم سے۔ پس امام ابو حنیفہؒ اور رسالت مآب ﷺ کے درمیان تمام راوی عادل، ثقہ، عالم اور بہترین بزرگ ہیں جن میں کاذب اور مہتمم بالکذب نہیں۔

فرماتے ہیں کہ ہمارے لئے کسی طرح موزوں نہیں کہ ایسے امام اعظم پر اعتراض کریں جس کی جلالت قدر علم دورع پر اجماع اور اتفاق ہو چکا ہے۔ نیز فرمایا کہ امام صاحب پر اعتراض کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ کیونکہ وہ ائمہ متبوعین میں سب سے بڑے مرتبہ کے تھے۔ ان کا مذہب سب سے پہلے مدون ہوا اور ان کی سند حدیث بھی دوسرے ائمہ کے لحاظ سے رسول اکرم ﷺ سے زیادہ قریب تھی۔ (میزان الکبریٰ)

امام مالکؒ کا حوالہ

۲۳۔ امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ کی مدح فرماتے ہیں۔ امام شافعیؒ نے حضرت امام مالکؒ سے چند محدثین کا حال دریافت کیا اور پھر امام ابو حنیفہؒ کا حال پوچھا۔

تب انہوں نے فرمایا سبحان اللہ وہ عجیب شخص تھے ان کا مثل میں نے نہیں دیکھا۔ (الخیرات الحسان)

امام مالکؒ سے ایک مرتبہ دریافت کیا گیا کہ اہل عراق میں سے جو آپ کے یہاں آئے ہیں ان میں افقہ کون ہیں۔ فرمایا کون آتے ہیں؟ کہا گیا ہے۔ ابن ابی لیلیٰ، ابن مشرفہ، سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہؒ۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ تم نے ابو حنیفہ کا نام اخیر میں لیا۔ میں نے ان کو دیکھا کہ ہمارے ہاں کے کسی فقیہ سے ان کا مناظرہ ہوا اور تین بار اس فقیہ کو اپنی رائے سے رجوع کرنا پڑا۔ پھر بھی اخیر میں امام صاحب نے فرمایا یہ بھی خطا ہے۔ (موفق)

امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ امام مالکؒ سے امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا سبحان اللہ! وہ تو ایسے شخص تھے کہ اگر تم سے کہہ دیتے کہ یہ ستون سونے کا ہے تو پھر اس کو دلیل حجت سے ثابت کر دکھاتے۔ (کردری و خیرات و تبیض)

امام شافعیؒ کا حوالہ

۲۴۔ امام شافعیؒ نے امام ابو حنیفہؒ کی تعریف و توثیق فرمائی ہے۔ علی بن میمون شاگرد و امام شافعیؒ نے کہا کہ میں امام ابو حنیفہؒ کے توسل سے برکت حاصل کرتا ہوں۔ خیرات حسان میں امام شافعیؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سے زیادہ کوئی عقیل آدمی پیدا نہیں ہوا۔ شامی میں ابن حجر کی سے بحوالہ ربیع روایت ہے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا۔ لوگ فقہ میں ابو حنیفہؒ کے عیال ہیں۔ کیونکہ میں نے ان سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں پایا۔ نیز فرمایا کہ جو شخص ابو حنیفہؒ کی کتابوں کو نہ دیکھے وہ نہ تو علم میں مقبر ہو گا اور نہ فقیہ بنے گا۔ (حدائق ص ۷۷)

یہ بھی فرمایا کہ ابو حنیفہؒ خاندان فقہ کے مربی اور مورث اعلیٰ ہیں۔

(تذکرہ الحفاظ)

امام احمد بن حنبلؒ کا حوالہ

۲۵۔ امام احمد بن حنبلؒ، امام صاحبؒ کی توصیف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ، علم و تقویٰ، زہد اور اختیار آخرت میں اس درجہ پر تھے کہ کوئی ان کو نہیں پہنچ سکا۔ (شامی و خیرات الحسان)

علامہ ابن سیرینؒ کا حوالہ

۲۶۔ علامہ ابن سیرین مشہور و معروف عابد و زاہد اور علم تعبیر خواب کے زبردست عالم تھے۔ تاریخ ابن خلکان میں خطیب کی تاریخ سے نقل کیا ہے کہ جب امام ابو حنیفہؒ نے آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کھودنے کا خواب دیکھا تب ایک شخص کو امام صاحب نے ابن سیرینؒ کے پاس تعبیر دریافت کرنے کو بھیجا تو انہوں نے فرمایا کہ اس خواب کا دیکھنے والا اس حد تک علوم نبوی روشن اور واضح کرے گا کہ اس سے پہلے کسی نے سبقت نہیں کی ہو گی۔ (حدائق الحنفیہ ص ۷۶)

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا حوالہ

۲۷۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اپنے زمانہ میں سب سے اعلم تھے۔ یہاں تک کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ سب لوگ فقہ میں ابو حنیفہؒ کے عیال ہیں۔ (عقد الجید)

جس طرح امام جلال الدین سیوطیؒ اور علامہ ابن حجر مکی شافعیؒ وغیرہ بہت سے حضرات علماء نے تصریح کی ہے کہ حدیث:

”لو كان العلم بالشريا لتناول اناس من انباء فارس“ (مسند احمد ص ۲۹۶ ج ۲)
 اگر علم شریا پر ہوتا تو فارس کے بعض لوگ اس کو حاصل کر لیتے۔
 کا اولین مصداق ابو حنیفہؒ ہی کی ذات گرامی ہے۔ اسی طرح حضرت شاہ
 صاحبؒ نے بھی اس حدیث کا مصداق امام صاحبؒ ہی کو قرار دیا ہے۔ جیسا کہ
 ان کے مکتوب میں ہے۔

فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم نے اس حدیث پر گفتگو کی کہ ایمان اگر شریا
 کے پاس ہوتا بھی تو اہل فارس کے کچھ لوگ یا ان میں کا ایک شخص اس کو
 ضرور حاصل کر لیتا۔ فقیر (یعنی شاہ صاحب) نے کہا کہ امام ابو حنیفہؒ اس حکم
 میں داخل ہیں کیونکہ حق تعالیٰ نے علم فقہ کی اشاعت آپ ہی کے ذریعہ سے
 کرائی اور اہل اسلام کی ایک جماعت کو اس فقہ کے ذریعے مہذب کیا۔ خصوصاً
 اس اخیر دور میں کہ دولت دین کا سرمایہ یہی مذہب ہے۔ سارے ملکوں اور
 شہروں میں بادشاہ حنفی ہیں۔ قاضی حنفی ہیں۔ اکثر درس علوم دینے والے علماء
 اور اکثر عوام بھی حنفی ہیں۔ (کلمات طیبات یعنی مجموعہ مکاتیب شاہ صاحبؒ
 وغیرہ۔ مطبوعہ مجتہائی ص ۱۶۵)

علاوہ ازیں صدہا محدثین نے امام ابو حنیفہؒ کی توثیق و تعدیل اور توصیف
 و منقبت کی ہے۔ ہم یہاں پر اختصار کے طور پر ستائس مقدس علماء کرام کے نام
 نامی پر اکتفا کرتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے! کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی شان میں توثیق و تعدیل
 کے کیسے کیسے کلمات محدثین اور نقادین سے منقول ہیں۔

”ثقة ثقة ، عدل ثقة ، ثقة صدوق ، ثقة ما سمعت احد اضعفه ثقة لا
 باس به ، ثقة فى الحديث ، جيد الحفظ ، احسن الضبط ، احفظ ، حافظ
 وثقوه ، ابصر بالحديث الصحيح ، وثقة ابن معين عدله ابن مبارك

ورکیع ، انبل من الکذب ، عندنا من اهل الصدق ، لا باس به ، لم یکن
 ”

باوجود اس قدر توثیق و تعدیل کے اگر کوئی شخص حضرت امام ابو حنیفہؒ کو
 مہر و ح اور ضعیف کہے اور ان کی روایت کو قابل احتجاج نہ سمجھے تو اس سے زیادہ
 معصوب نفس پرست اور حق پوش اس زمانہ میں اور کون ہو گا؟
 فائدہ: اس مقام پر یہ بھی معلوم کر لینا چاہیے کہ تعدیل کے مراتب میں امام
 ابو حنیفہؒ کی تعدیل کس مرتبہ کی ہو گی۔
 مقدمہ ابن صلاح ص ۵۵ میں ہے۔

”اما الفاظ التعديل فعلى مراتب الاولى قال ابن حاتم اذا قيل للواحد انه
 ثقة او متقن فهو ممن يحتج بحديثه“
 کسی کی تعدیل کے لئے مختلف الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ ابن ابی حاتم فرماتے
 ہیں کہ اگر کسی کے لئے لفظ ثقة اور متقن استعمال کیا جائے تو اس کی حدیث
 حجت ہے۔
 اور تدریب الراوی ص ۱۲۶ میں ہے۔

”اما المرتبة التي زادها الذهبي والعراقي فانما اعلى من هذه وهو ما كرر
 احد هذه الالفاظ اما بعينه كثقة ثقة او لا كثقة ثبت وثقة حجة وثقة
 حافظ“

علامہ ذہبی اور عراقی نے ان کے علاوہ جو الفاظ بیان فرمائے ہیں وہ ان سے بھی اعلیٰ
 ہیں۔ وہ یہ کہ کوئی ان الفاظ کو بعینہ مکرر کر دے۔ جیسے ثقة ثقة ، یا ہم معنی لفظ
 کے ساتھ تکرار ہو جیسے ثقة ثبت ، ثقة حجة ، ثقة حافظ وغیرہ۔
 فتح المغیث میں ہے۔

”قال الخطيب ابوبكر ارفع العبد في احوال الرواة ان يقال حجة او ثقة“

خطیب ابو بکر نے فرمایا کہ راویوں میں سب سے اعلیٰ وہ ہے جس کے لئے ائقنا حجت یا ثقہ استعمال کیا جائے۔

اور حافظ عراقی الفیہ ص ۱۵۶ میں فرماتے ہیں۔

”فارفع التعديل ما كدرته كثقة ثبت والواعدته“

سب سے اعلیٰ تعدیل یہ ہے کہ وہ الفاظ تعدیل کو مکرر بیان کرے جیسے ثقہ ثبت۔

Www.Ahlehaq.Com

اور تدریب الراوی ص ۱۲۶ میں ہے۔

”المرتبة التي زادها شيخ الاسلام اعلیٰ من مرتبة التكرار وهي الوصف بافعال كاوثق الناس واثبت الناس او نحوه“

شیخ الاسلام نے تکرار سے بھی اعلیٰ جو مرتبہ بیان فرمایا ہے وہ اسم تفضیل کا استعمال کرنا ہے جیسے اوثق الناس، اثبت الناس وغیرہ۔

چونکہ امام ابو حنیفہؒ کی شان میں تعدیل کے کلمات ہر قسم کے جیسے ثقہ او ثقة ثقة وعدل ثقة بتکرار اور احفظ صیغہ افعّل منقول ہیں اس وجہ سے تمام اقوال کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کے ثقہ اور عادل ثابت ہوتے ہیں اور آپ کی روایت یقیناً جملہ اقوال کے لحاظ سے قابل احتجاج کہی جائے گی۔

”ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء“ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ امام المحدثین یحییٰ بن معین سے تعدیل کے کلمات مختلف مروی ہے۔ ازاں جملہ لا باس بھی ہے اور یہ خاص اصطلاح ہے ابن معین کی کہ لفظ لا باس سے وہ ثقہ مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ خود ابن معین نے اس کی تصریح کر دی ہے۔

مقدمہ ابن صلاح ص ۵۶ میں ہے۔

”عن ابی خیشبة قال قلت لیحیی بن معین انت تقول فلان لیس به باس
وفلان ضعیف قال اذا قلت لك لیس به باس فهو ثقة واذا قلت لك هو
ضعیف لیس هو ثبت لا تكتب حدیثه وهكذا فی تدریب الراوی
ص ۱۲۶ وفتح المغیث ص ۱۵۹“

خیشبہ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین سے کہا کہ آپ بعض کے لئے کہتے ہیں
۔ (لیس بہ باس) اور بعض کے لئے ضعیف کا لفظ استعمال فرماتے ہیں۔ اس کا کیا
مطلب ہے؟ فرمایا جس کے لئے میں لیس بہ باس کہوں سمجھ لو کہ وہ ثقہ ہے اور
جس کے لئے ضعیف کہوں وہ قابل حجت نہیں اس کی حدیث نہ لکھو۔ یہی تدریب
الراوی اور فتح المغیث میں ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت المتوفی ۱۵۰ھ کے حالات

و مناقب اور دفاع پر لکھی جانی والی کتب

وہ کتابیں جو مستقل امام ابو حنیفہ کی حیات و مناقب کے متعلق لکھی گئیں۔

۱۔ امام ابو حنیفہ عہد و حیات، فقہ و آراء عربی استاذ محمد ابو زہرہ مصری۔

۲۔ ابو حنیفہ عربی ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ

۳۔ ابو حنیفہ بطل الحرية والتسامع فی الاسلام عربی۔ عبد الحلیم جندی

۴۔ اخبار ابی حنیفہ ----- قاضی ابو العباس احمد بن محمد بن عبد اللہ بن ابی
العوام۔

۵۔ اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ابی عبید اللہ قاضی حسین بن علی صیری المتوفی ۴۳۶ھ

۶۔ عقود المرجان ----- امام احمد بن محمد طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ (صاحب معانی

الاثار)

۷۔ قلائد عقود الدر والعقیان۔ امام احمد بن محمد طحاوی (یہ عقود المرجان کا خلاصہ

(ہے)

۸۔ الروضة العاليه الميضة امام احمد بن محمد طحاوی

۹۔ مناقب النعمان ---- امام محمد بن احمد بن شعيب المتوفى ۳۵۷ھ

۱۰۔ مناقب النعمان ---- شيخ ابو عبد الله حسين بن علي الصيرفي ۴۳۴ھ

۱۱۔ مناقب النعمان ---- ابو العباس احمد لبلحات الحماني المتوفى ۳۰۸ھ

۱۲۔ شقائق النعمان في مناقب النعمان ---- علامه جلال الدين زخري المتوفى ۵۳۸ھ

۱۳۔ مناقب النعمان ---- موفق الدين بن احمد المكي خوارزمي المتوفى ۵۶۸ھ

۱۴۔ كشف الآثار في مناقب النعمان ---- امام عبد الله بن محمد الحارثي

۱۵۔ مناقب النعمان ---- امام ظهير الدين الرغنياني المتوفى ۵۰۶ھ

۱۶۔ مناقب النعمان ---- امام محمد بن محمد الكردري المتوفى ۸۲۷ھ

۱۷۔ مناقب النعمان ---- ابو القاسم بن كاس

۱۸۔ مناقب النعمان ---- ابو قاسم عبد الله بن محمد بن احمد المعروف بابن ابی العوام

۱۹۔ المواهب الشريفة في مناقب ابی حنیفہ ----- مصنف نامعلوم

۲۰۔ البستان في مناقب النعمان ---- شيخ محي الدين حافظ عبد القادر القرشي المتوفى

۷۷۵ھ

۲۱۔ تبيين الصغيفه في مناقب ابی حنیفہ ---- امام جلال الدين سيوطي

۲۲۔ عقود النعمان في مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ النعمان

علامه حافظ شمس الدين محمد بن يوسف الصالحی دمشقي المتوفى ۹۴۲ھ

۲۳۔ الخيرات الحسان في مناقب النعمان - شيخ شهاب الدين احمد بن حجر مكي -

۲۴۔ مناقب النعمان (منظوم) ترکی شمس الدين احمد بن محمد السنوasi -

۲۵۔ مناقب الامام اعظم (ترکی زبان) مولانا محمد کامي آفندی قاضي بغداد المتوفى

۱۱۳۶ھ

- ۲۶۔ مناقب الامام اعظم (ترکی زبان) مستقیم زادہ سلیمان سعد الدین آفندی۔
- ۲۷۔ مناقب الامام الاعظم فارسی --- شیخ ابو سعید عتیق داؤد الیمانی
- ۲۸۔ رسالہ فی فضیل ابی حنیفہ
- ۲۹۔ نظم الجمان --- شیخ صارم الدین ابراہیم بن محمد بن دقمان المتوفی ۸۰۹ھ
- ۳۰۔ قلائد عقود التیان --- احمد من علماء الیمن
- ۳۱۔ الفیہ فی المعانی والبیان المسمی بہ عقود الجمان (منظوم) امام سیوطی
- ۳۲۔ اقوام المسالک فی بحث روایۃ مالک عن ابی حنیفہ وروایۃ ابی حنیفہ عن مالک علامہ زاہد لکھنوی
- ۳۳۔ الانتصار لمذہب ابی حنیفہ امام ابو بکر
- ۳۴۔ تحفۃ السلطان فی مناقب النعمان --- ابوسفیان بن کاس
- ۳۵۔ جمع حدیث ابی حنیفہ --- امام ابواسماعیل عبد اللہ بن محمد الانصاری
- ۳۶۔ حیات الامام ابی حنیفہ --- سید عقیفی
- ۳۷۔ قلائد العقیان --- ابن خاقان
- ۳۸۔ مناقب ابی حنیفہ --- المکی
- ۳۹۔ مناقب الامام ابی حنیفہ --- ابی عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی
- ۴۰۔ ابو حنیفہ آراؤہ و فقیہ اردو --- استاد محمد ابو زہرہ مصری
- ۴۱۔ امام ابو حنیفہ عہد و حیات فقہ و آراء۔ (ترجمہ) سید رئیس احمد جعفری ندوی
- ۴۲۔ امام اعظم --- محمد احسن فرخی
- ۴۳۔ امام اعظم ابو حنیفہ --- مفتی عزیز الرحمن بجنوری
- ۴۴۔ امام اعظم --- ندیم کوموی
- ۴۵۔ امام ابو حنیفہ کی تدوین قانون اسلامی --- ڈاکٹر حمید اللہ
- ۴۶۔ تنویر الحاسہ فی مناقب الائمۃ الثلاثہ۔ مولانا محمد حسن فیض پوری

۴۷۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی مناظر احسن گیلانی

۴۸۔ رحمۃ الرحمن شرح قصیدۃ النعمان --- محمد اعظم نوشاہی

۴۹۔ رحمۃ الرضوان فی تذکرۃ ابی حنیفۃ النعمان میاں اصغر حسین دیوبندی

۵۰۔ سیرۃ النعمان --- علامہ شبلی نعمانی

وہ کتابیں جن میں امام ابو حنیفہ کا تذکرہ اجمالی یا تفصیلی طور پر کیا گیا ہے

۱۔ الابانۃ --- قاضی ابو جعفر احمد بن عبد اللہ بن القاسم

۲۔ الاثمار الجنیۃ فی طبقات الحنفیہ --- ملا علی قاری

۳۔ الانہاء فی مناقب الثلاثۃ الفقہاء --- امام حافظ ابو عمر یوسف بن عبد البر مالکی

۴۶۳ھ

۴۔ الاستغناء فی مناقب الثلاثۃ الفقہاء --- امام حافظ ابو عمر یوسف بن عبد البر مالکی

۴۶۳ھ

۵۔ الانتقاء فی مناقب الثلاثۃ الفقہاء --- امام حافظ ابو عمر یوسف بن عبد البر مالکی

۴۶۳ھ

۶۔ الجواہر المصیۃ فی طبقات الحنفیہ --- حافظ عبد القادر القرشی ۵۷۵ھ

۷۔ تاریخ صغیر --- امام بخاری

۸۔ معارف ابن قتیبہ --- ابن قتیبہ

۹۔ تاریخ بغداد --- حافظ ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی

۱۰۔ الانساب --- امام سمعانی

۱۱۔ تہذیب الاسماء واللغات --- امام نووی

۱۲۔ تذکرۃ الحفاظ --- امام ذہبی

- ۱۳۔ دول الاسلام۔۔۔۔ امام ذہبی
- ۱۴۔ العمر فی اخبار من الغبر امام ذہبی
- ۱۵۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی
- ۱۶۔ تہذیب خلاصہ تہذیب التہذیب الکمال۔۔۔ صفی الدین الخزرجی
- ۱۷۔ اعلام الموقعین۔۔۔ حافظ ابن قیم
- ۱۸۔ الامامت والسیاست۔۔۔ ابن قیمیہ
- ۱۹۔ اكمال فی اسماء الرجال۔۔۔ امام ولی الدین الخطیب (صاحب مشکوٰۃ)
- ۲۰۔ البدایہ والنہایہ۔۔۔ ابن کثیر
- ۲۱۔ البنایہ۔۔۔۔۔ علامہ بدر الدین عینی
- ۲۲۔ تاج التراجم فی الطبقات الخفیہ۔۔۔ امام قاسم بن قطلوبغا
- ۲۳۔ تاریخ ابن خلدون۔۔۔ علامہ ابن خلدون
- ۲۴۔ تاریخ ابن خلکان۔۔۔۔۔ ابن خلکان
- ۲۵۔ تاریخ اسلام۔۔۔۔ حسن بن ابراہیم
- ۲۶۔ تاریخ طبری۔۔۔۔ ابن جریر طبری
- ۲۷۔ تاریخ الفقہ الاسلامی۔۔۔۔ علی حسن عبد القادر
- ۲۸۔ جامع الانوار۔۔۔۔۔ امام محمد بن عبد الرحمن غزنوی
- ۲۹۔ حجة اللہ البالغہ۔۔۔۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
- ۳۰۔ حیات الحیوان۔۔۔۔ الجاحظ
- ۳۱۔ تاریخ النخیس۔۔۔۔ الدیار الکبری
- ۳۲۔ دائرة المعارف البستانی۔۔۔ مختلف حضرات
- ۳۳۔ دائرة المعارف النظامیہ۔۔۔ مختلف حضرات
- ۳۴۔ رفع الملام عن الائمة الثلاثة الاعلام۔۔۔ امام ابن تیمیہ

- ۳۵۔ الدیباچ المذہب فی معرفۃ اعیان علماء المذہب --- ابن فرحون المالکی
- ۳۶۔ شرح مختصر کرخی --- ابوالحسین قدوری
- ۳۷۔ شرح المنار --- ابن عبد الملک
- ۳۸۔ ضحیٰ الاسلام --- احمد امین بک
- ۳۹۔ طبقات --- محمد بن عمر حفید آق شمس الدین
- ۴۰۔ طبقات ابن سعد --- ابن سعد
- ۴۱۔ طبقات --- امام مسعود شبہ بن عماد الدین سندھی
- ۴۲۔ طبقات --- تقی الدین تمیمی
- ۴۳۔ طبقات --- شمس الدین ابن آجا محمد بن محمد
- ۴۴۔ طبقات --- شیخ ابراہیم جلی
- ۴۵۔ طبقات --- صلاح الدین عبد اللہ بن محمد مہندس
- ۴۶۔ طبقات الحنفیہ --- علامہ کفوی
- ۴۷۔ طبقات السنیہ --- مصنف نامعلوم
- ۴۸۔ طبقات الفقہاء --- طاش کبریٰ زادہ
- ۴۹۔ الطبقات الکبریٰ --- امام عبد الوہاب الشعرانی
- ۵۰۔ العقد الفرید --- ابن عبد الرب
- ۵۱۔ الغرف العلیہ --- ابن طولون اسحاق بن حسین
- ۵۲۔ فتوح البلد ان بلاذری
- ۵۳۔ الفکر السامی فی تاریخ الفقہ الاسلامی --- الحجوی
- ۵۴۔ فلاسفہ الاسلام فی المشرق والمغرب --- محمد لطفی جمعہ
- ۵۵۔ الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ --- محمد عبدالحی لکھنوی
- ۵۶۔ الکامل --- ابن الاثیر

۵۷۔ کتاب الاختصاص الامام ائمۃ الامصار

۵۸۔ کتاب الوزراء۔۔۔۔۔ الجشیاری

۵۹۔ مقدمہ مسند امام ابی حنیفہ ابو محمد عبد اللہ حارثی بخاری

۶۰۔ مرآۃ الجنان۔۔۔۔۔ امام الیافعی

۶۱۔ مرقاۃ الوفیہ۔۔۔۔۔ ابن دقماق ابراہیم بن محمد

۶۲۔ مضمرات۔۔۔۔۔ عمر صوفی کماردی

۶۳۔ معجم البلدان

۶۴۔ مفتاح السعاده و مصباح السیارة (اعصام الدین ابو الخیر احمد بن مصلح الدین

طالش کبریٰ زادہ)

۶۵۔ مقدمہ ابن صلاح

۶۶۔ مقدمہ اعلاء السنن۔ علامہ ظفر احمد عثمانی

۶۷۔ مقدمہ نصب الراية۔ علامہ محمد یوسف بنوری

۶۸۔ المیزان الکبریٰ۔۔۔۔۔ امام عبد الوہاب الشعرانی

۶۹۔ النجوم الزاہرہ۔۔۔۔۔ ابن تغری بردی

۷۰۔ نزہۃ الجلیس۔۔۔۔۔ الموسوی

۷۱۔ النظر فی حدوث المذاهب الاربعہ۔۔۔۔۔ احمد تیمور پاشا

۷۲۔ نظم الجمان۔۔۔۔۔ صدم الدین ابراہیم بن محمد دقاق

۷۳۔ الیواقیت الجواہر۔۔۔۔۔ علامہ شعرانی

۷۴۔ انسائیکلو پیڈیا۔۔۔۔۔ ناشر فیروز سنز

۷۵۔ مقدمہ البیان الازہر ترجمہ فقہ اکبر۔۔۔۔۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد

سرفراز خاں صفدر

۷۶۔ تاریخ المشاہیر۔۔۔۔۔ قاضی سلیمان منصور پوری

- ۷۷۔ تاریخ فقہ اسلامی --- عبدالصمد صارم
- ۷۸۔ حالات امام ابو حنیفہ --- مطیع الحق پیامی
- ۷۹۔ حدائق حنیفہ --- مولانا فقیر محمد جہلمی
- ۸۰۔ خزینۃ الاصفیاء (ترجمہ) اقبال احمد فاروقی
- ۸۱۔ عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ --- ڈاکٹر رضی
- ۸۲۔ الفہرست --- ابن ندیم
- ۸۳۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے --- تقی الدین ندوی
- ۸۴۔ آثار امام --- عبدالحفیظ رحمانی
- ۸۵۔ مقدمہ انوار الباری --- مولانا احمد رضا بجنوری
- ۸۶۔ تذکرۃ الاولیاء --- شیخ فرید الدین عطار
- ۸۷۔ کشف المحجوب سید علی ہجویری
- ۸۸۔ مقدمہ در مختار

وہ کتابیں جو امام ابو حنیفہ کے دفاع میں لکھی گئیں

- ۱۔ الاجوبة المنيفة عن اعتراضات ابن ابی شيبعة على ابی حنيفة ---
قاسم بن قطلوبغا
- ۲۔ الدرر المنيفة في الرد على ابن ابی شيبعة في ما اورده على ابی حنيفة
- حافظ عبد القدر القرشي الحنفی المتوفی ۷۷۵ھ
- ۳۔ النکت الطریقة فی التحدث عن ردود ابن ابی شيبعة على ابی حنيفة
علامہ محمد زاہد الکوثری مصری المتوفی ۱۳۷۲ھ
- ۴۔ الاجوبة اللطيفة عن بعض ردود ابن ابی شيبعة على ابی حنيفة (اردو)
مولانا احمد حسن سنہلی

یہ کتاب مکتبہ فاروقیہ ۸ گوہر گڑھ سے شائع ہو چکی ہے۔

۵۔ تائید الامام باحادیث خیر الانام (اردو) مولانا محمد شریف

۶۔ امام اعظم ابو حنیفہ اور عمل بالحدیث --- حافظ محمد عمار خان ناصر

۷۔ تقلید ائمہ اور مقام ابو حنیفہ --- مولانا محمد اسماعیل سنبھلی

۸۔ مقام ابی حنیفہ --- مولانا محمد سرفراز خان صفدر

۹۔ امام اعظم اور علم حدیث مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی

۱۰۔ الابانہ --- قاضی ابو جعفر احمد بن عبد اللہ بن القاسم

۱۱۔ الانتصار والترجیح --- عمر بن محمد بن سید الموصلی

۱۲۔ الانتصار الامام ائمۃ الامصار --- یوسف بن فرغلی سبط ابن الجوزی

۱۳۔ ایثار الانصاف --- یوسف بن فرغلی سبط ابن الجوزی

۱۴۔ النکت الطریقہ فی ترجیح مذہب ابی حنیفہ --- شیخ اکمل الدین محمد

بن محمد الباہر قی التوفی ۸۶ھ

۱۵۔ ترجیح مذہب ابی حنیفہ --- شیخ ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ البحر جانی ۳۹ھ

۱۶۔ اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ --- امام ابو یوسف

۱۷۔ تانیب الخطیب علی ساقہ فی ترجمہ ابی حنیفہ من الاکاذیب - علامہ زاہد لکھوی

۱۸۔ الترهیب --- علامہ زاہد لکھوی

۱۹۔ وفیات الاعیان فی مذہب النعمان --- نجم الدین ابراہیم بن علی طرطوسی

۲۰۔ براہین الحنفیہ لدفاع فتنہ النجدیہ --- مولانا محمد عالم آسی امرتسری

۲۱۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے نافذین --- مولانا حبیب الرحمن شیروانی

۲۲۔ حمایۃ المقلدین --- حافظ احمد علی بنالوی

۲۳۔ حدیث اعظم --- مولانا بہاء الحق قاسمی

۲۴۔ السیف الصارم لمنکر شان الامام الاعظم --- مولانا فقیر محمد جہلمی

اعتراض نمبر ۲۰: جے پوری نے ص ۱۳۲ پر ایک عنوان قائم کیا

ہے حضرت امام ابو حنیفہ کے شاگردوں اور ان کی اولاد پر جرح اس کے تحت سب سے پہلے امام ابو یوسف پر اعتراض کیا ہے فرماتے ہیں:

امام ابو یوسفؒ کے متعلق میزان الاعتدال مطبوعہ مصر جلد نمبر ۳ ص ۳۲۱ اور نیز تذکرۃ الحفاظ مطبوعہ دائرۃ المعارف جلد اول ص ۲۶۸ میں ہے کہ
 ”قال الفلاس صدوق كثير الغلط تركوه“

فلاس نے کہا یہ سچے ہیں مگر بھولنے والے بہت ہیں ان کو ترک کر دیا ہے
 (حقیقت الفقہ ص ۱۳۲)

اعتراض نمبر ۲۱: کتاب الضعفاء مطبوعہ انوار احمدی ص ۳۸ میں

ہے کہ ”يعقوب بن ابراهيم القاضي سمع ابن السائب تركه يحيى وابن مهدي وغيرهما“

ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم قاضی نے ابن السائب سے روایت کی ہے۔ یحییٰ اور ابن مہدی وغیرہ نے ان کو ترک کر دیا ہے (یعنی روایت نہیں لی)
 (حقیقت الفقہ ص ۱۳۲)

یہ دونوں اعتراض سعید بنارس نے بھی الجرح علی ابی حنیفہ ص ۱۴-۱۵ میں نقل کئے ہیں اور حامد حسین شیعہ نے بھی ملاحظہ فرمائیں (استقصاء ص ۲۲۹)

جواب: فلاس نے امام ابو یوسف کی نسبت تو صرف صدوق کثیر الغلط کہا۔ مگر عبد اللہ بن رجاہ ابو عمرو الغدانی البصری کی نسبت جو امام بخاری کے استاد ہیں اس نے یوں کہا ہے۔ صدوق کثیر الغلط والتصحيح (تذکرۃ الحفاظ - جلد اول ص ۳۷۱) ہمام بن منہ بن کامل کو جو صحیح بخاری کے راویوں میں سے ہیں فلاس نے ضعیف کہا ہے۔ جس کا جواب یوں دیا جاتا ہے۔ ولا يلتفت الي تضعيف الفلاس له فانه من فرسان الصحيحين (عمدة القاری شرح صحیح

بخاری۔ مطبوعہ استنبول۔ (جزء اول ص ۲۹۵) سعید بن یحییٰ بن سعید بن ابان جو امام بخاری کے شیخ ہیں ان کی نسبت صالح بن محمد کا قول ہے۔ ”هو ثقة الا انه كان يغلط“ (عمدة القاری۔ جزء اول۔ ص ۱۵۸) قبیصہ بن عقبہ جو امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں ان کی نسبت میزان الاعتدال۔ جلد ثانی ص ۳۴۲ میں ہے۔ ”وقال احمد كان كثير الغلط صالحاً ثقة لا باس به انتهى“ پس اگر ہم بقول فلاس امام ابو یوسف کو صدوق (بڑا سچ بولنے والا) کے ساتھ کثیر الغلط تسلیم بھی کر لیں۔ تو اس سے امام صاحب تو درکنار امام ابو یوسف بھی غیر ثقہ ثابت نہیں ہو سکتے۔ ورنہ امام بخاری بطریق اولیٰ غیر ثقہ ٹھہریں گے۔ کیونکہ ان کے استاد کثیر الغلط والتصحیف ہیں۔ کیا جے پوری یہ بتا سکتا ہے کہ ایسے کثیر الغلط راویوں کے سبب صحیح بخاری کی روایات پر کیا اثر پڑا ہے۔

امام بخاری نے جو امام ابو یوسف کی نسبت تاریخ کبیر میں ترکوہ اور کتاب الضعفاء الصغیر ص ۳۸ میں ترکہ کیجی و ابن مہدی وغیرہما لکھ دیا ہے اسے وہی تسلیم کر سکتا ہے جسے تعصب و عناد نے اندھا کر دیا ہو۔ اول تو یہ جرح غیر مفسر ہے جو ارباب اصول کے نزدیک مردود ہے۔ دوسرے یہ سراسر خلاف واقع ہے۔ امام ابن قتیبہ نے کتاب المعارف مطبوعہ مصر۔ ص ۱۷۱ میں امام ابو یوسف کے حال میں لکھا ہے ”وكان صاحب سنة حافظاً“ علامہ ذہبی نے باوجود تعصب و تشدد کے امام ابو یوسف کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے اور ان کا ترجمہ یوں لکھا ہے۔

”القاضي ابو يوسف الامام العلامة فقيه العراقيين يعقوب بن ابراهيم الانصاري الكوفي صاحب ابو حنيفة سمع هشام بن عروة و ابا اسحق الشيباني وعطاء بن السائب وطبقتهم وعنه محمد بن الحسن الفقيه واحمد بن حنبل وبشر بن الوليد ويحيى بن معين وعلي بن الجعد وعلي

بن مسلم الطوسی و عمرو بن ابی عمرو و خلق سواہم . وقال المزنی ابو یوسف اتبع القوم للحديث وروی ابو اسحق ابراہیم بن ابی داؤد والبرلسی عن یحیی بن معین قال لیس فی اصحاب الرأي اکثر حدیثا ولا اثبت من ابی یوسف وروی عباس عن ابن معین قال ابو یوسف صاحب حدیث وصاحب سنة وقال ابن سماعة كان ابو یوسف یصلی بعد ما ولی القضاء فی کل یوم میتی رکعة وقال احمد کان منصفاً فی الحدیث وقال الفلاس صدوق کثیر الغلط . مات فی ربيع الآخر سنة اثنتین وثمانین ومائة من سبعین سنة وله اخبار فی العلم والسعادة قد افردته وافردت صاحبه محمد بن الحسن رحمہ اللہ فی جزء انتهى مع الاختصار (تذکرۃ الحفاظ - مجلد اول - ص ۲۶۷ و ۳۶۸)

قاضی ابو یوسف امام علامہ فقیہ العراقین یعقوب بن ابراہیم انصاری کو فی شاگرد امام ابو حنیفہ کے ۔ انہوں نے سماع کیا ہے ہشام بن عروہ اور ابو اسحاق شیبانی اور عطاء بن سائب اور ان کے طبقہ سے ۔ اور امام ابو یوسف سے سماع کیا ہے محمد بن حسن فقیہ اور احمد بن حنبل اور بشر بن ولید اور یحییٰ بن معین اور علی بن جعد اور علی بن مسلم طوسی اور عمرو بن ابی عمرو اور ان کے سوا اور لوگوں نے اور امام مزنی کا قول ہے کیا ابو یوسف اہل عراق میں سب سے بڑھ کر حدیث کے تابع ہیں ۔ اور ابو اسحاق ابراہیم بن ابی داؤد برلسی نے روایت کی کہ یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ اصحاب رائے میں ابو یوسف سے بڑھ کر کوئی کثیر الحدیث اور ثابت نہیں اور عباس نے روایت کی کہ ابن معین نے فرمایا کہ ابو یوسف صاحب حدیث اور صاحب سنت ہیں ۔ اور ابن سماعہ کا قول ہے کہ ابو یوسف عہدہ قضا پر مامور ہونے

کے بعد ہر روز دوسور کعتیں پڑھا کرتے تھے۔ اور امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ ابو یوسف حدیث میں منصف تھے۔ اور فلاس کا قول ہے کہ صدوق کثیر الغلط تھے۔ ماہ ربیع الآخر ۸۲ھ میں ستر برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آپ کے علم و سعادت کی بابت بہت سے خبریں ہیں میں نے آپ کے مناقب میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور آپ کے شاگرد محمد بن حسن رحمہ اللہ کے مناقب میں بھی ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔

علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال۔ مجلد ثالث۔ ص ۳۲۱ میں امام ابو یوسف کے ترجمہ میں یوں لکھا ہے۔

”قال عمرو الناقد كان صاحب سنة وقال ابو حاتم يكتب حديثه وقال المزني اتبع القوم للحديث وقال ابن راهويه حدثنا يحيى بن آدم قال شهد ابو يوسف عند شريك فردده وقال لا اقبل من يزعم ان الصلوة ليست من الايمان وقد روى عن ابن معين تلين ابى يوسف واما الطحاوى فقال سمعت ابراهيم بن ابى داود البرلسي سمعت يحيى بن معين يقول ليس فى اصحاب الراى اكثر حديثا ولا اثبت من ابى يوسف وقال ابن عدى ليس فى اصحاب الراى اكثر حديثا منه“

عمر و ناقد کا قول ہے کہ ابو یوسف صاحب سنت ہیں۔ اور ابو حاتم کا قول ہے کہ ابو یوسف کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ اور امام مزنی نے فرمایا کہ اہل عراق میں امام ابو یوسف سب سے بڑھ کر حدیث کے تابع ہیں۔ اور ابن راہویہ نے کہا۔ حدیث کی ہم سے یحییٰ بن آدم نے کہا شہادت دی ابو یوسف نے شریک کے آگے۔ پس شریک نے اسے رد کر دیا اور کہا میں اس شخص کی شہادت قبول نہیں کرتا جو گمان کرتا ہے کہ نماز جزو ایمان نہیں اور ابن معین سے ابو یوسف کا

لین ہونا مروی ہے۔ مگر امام طحاوی نے فرمایا: میں نے ابراہیم بن ابی داؤد بر لسی کہ سنا وہ کہتے ہیں میں نے یحییٰ بن معین کو سنا کہ فرماتے تھے۔ اصحاب رائے میں کوئی شخص ابو یوسف سے بڑھ کر کثیر الحدیث اور ثابت نہیں۔ اور ابن عدی کا قول ہے کہ اصحاب رائے میں ابو یوسف سے بڑھ کر کوئی کثیر الحدیث نہیں۔

امام نسائی باوجود مشدد فی الجرح ہونے کے لکھتے ہیں۔ ابو یوسف القاضی ثقہ (کتاب الضعفاء والمتر وکین۔ مطبوعہ انوار احمدی الہ آباد۔ ص ۳۵)۔ قاضی ابن خلکان شافعی امام ابو یوسف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

”وروی عنه محمد بن الحسن الشیبانی الحنفی وبشر بن الولید الکندی وعلی بن الجعد واحمد بن حنبل ویحییٰ بن معین فی آخرین ولم مختلف یحییٰ بن معین واحمد بن حنبل وعلی بن المدینی فی ثقہ فی النقل و ذکر ابو عمر بن عبد البر صاحب کتاب الاستیعاب فی کتابہ الذی سماہ کتاب الانتہاء فی فضائل الثلاثة الفقہاء ان ابا یوسف المذكور کان حافظاً وانه کان یحضر المحدث و یحفظ خمسين ستین حدیثاً ثم یقوم فعلیہا علی الناس وکان کثیر الحدیث۔

(وفیات الاعیان جزء ثانی ص ۳۰۳)

اور امام ابو یوسف سے روایت کی محمد بن حسن شیبانی حنفی اور بشر بن ولید کنذی اور علی بن جعد اور احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین اور دوسروں نے۔ اور یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل اور علی بن المدینی کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ابو یوسف نقل میں ثقہ ہیں۔ اور ابو عمر بن عبد البر مصنف کتاب الاستیعاب نے اپنی اس کتاب میں جس کا نام کتاب الانتہاء فی فضائل الثلاثة الفقہاء رکھا ہے ذکر کیا ہے کہ ابو یوسف مذکور حافظ حدیث تھے۔ اور وہ محدث کی خدمت میں حاضر ہوتے اور پچاس ساٹھ حدیثیں حفظ کر لیتے۔ پھر اٹھ کھڑے ہوتے اور وہی

مدشیں لوگوں کو لکھواتے اور وہ کثیر الحدیث تھے۔

ان شہادتوں کے آگے امام بخاری شافعی کے اقوال اور خطیب شافعی کی روایات پایہ اعتبار سے بالکل ساقط اور متروک ہیں۔ چنانچہ ابن خلکان شافعی لکھتے ہیں: ”وقل نقل الخطیب البغدادی فی تاریخہ الکبیر الفاظاً عن عبد اللہ بن المبارک و وکیع بن الجراح و یزید بن ہارون و محمد بن اسماعیل البخاری و ابی الحسن الدار قطنی و غیرہم ینبوا السمع عنها فترکت ذکرہا“ (وفیات الاعیان جزء ثانی ص ۳۰۷) یعنی خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ کبیر میں عبد اللہ بن مبارک اور وکیع بن جراح اور یزید بن ہارون اور محمد بن اسماعیل بخاری اور ابوالحسن دارقطنی وغیرہ سے (امام یوسف کی نسبت) ایسے الفاظ نقل کئے ہیں جن کا سننا ہمارے کان گوارا نہیں کرتے۔ لہذا میں نے ان الفاظ کا ذکر ترک کر دیا ہے۔

قاضی ابن خلکان کے جواب سے بے پوری اور اس کے ہم مشرب اصحاب کو عبرت پکڑنی چاہیے۔

اعتراض نمبر ۲۲: امام ابو یوسف کے بعد امام محمد کے متعلق فرماتے ہیں۔

امام محمد کے متعلق میزان الاعتدال مطبوعہ مصر جلد نمبر ۳ ص ۴۲ میں ہے کہ

”لینہ النسائی وغیرہ من قبل حفظہ“

ان کو ضعیف کہا ہے امام نسائی نے اور دیگر محدثین نے حافظہ کی وجہ سے۔ (حقیقت الفقہ ص ۱۳۲)

اعتراض نمبر ۲۳: کتاب الضعفاء مطبوعہ انوار احمدی ص ۳۵ میں ہے کہ محمد بن حسن ضعیف ہیں (حقیقت الفقہ ص ۱۳۲)

نوٹ: کتاب الضعفاء سے مراد امام نسائی کی کتاب الضعفاء والمتروکیں

ہے بنارسی نے اس عبارت کی عربی نہیں لکھی تھی۔ جے پوری نے بھی مکھی پر لکھی ماری ہے۔

بنارسی نے علامہ ابن حجر عسقلانی کی لسان المیزان کے حوالہ سے امام ابو داؤد کا قول بھی نقل کیا ہے۔ ”قال ابو داؤد لا یکتب حدیثہ الخ“ یعنی امام ابو داؤد نے کہا کہ امام محمد کی حدیث قابل لکھنے کے نہیں ہے۔ (الجرح ص ۱۵)

جواب: نسائی کا امام محمد کو کتاب الضعفاء میں ضعیف کہنا اور ابو داؤد کا

قول ”لا یکتب حدیثہ“ یہ ہر دو جرحیں مبہم ہیں۔ میزان الاعتدال جلد ثالث ص ۲۴ میں ہے۔ محمد بن الحسن ابو عبد اللہ احدا الفقہاء لینہ النسائی وغیرہ من قبل حفظ یروی عن مالک بن انس وغیرہ وکان من یحور العلم والفقہ قویا فی مالک۔ یعنی ابو عبد اللہ محمد بن حسن فقہاء میں سے ہیں۔ نسائی وغیرہ نے ان کو حافظہ کے سبب لین کہا ہے۔ یہ مالک بن انس وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور علم وفقہ کے سمندروں میں سے ہیں اور امام مالک سے روایت کرنے میں قوی ہیں انتہی۔ کسی کو حدیث میں لین کہنا قریب تعدیل کے ہے۔ چنانچہ تدریب الراوی ص ۱۲۶ میں ہے۔

” (اما الفاظ الجرح فمراتب) ایضاً ادناھا ما قرب من التعدیل (فاذا قالوا لین الحدیث کتب حدیثہ ونظر) فیہ (اعتبار او قال الدار قطنی) لما قال له حمزة بن یوسف السہمی اذا (قلت فلان لین ای شی ترید) اذا قلت لین الحدیث (لم یکن ساقطاً) متروک الحدیث (ولکن مجروحاً بشی لا یسقط العدالة)“

الفاظ جرح کے بھی کئی مراتب ہیں۔ سب سے ادنیٰ وہ ہے جو قریب تعدیل کے ہو۔ پس جب ائمہ اصول کسی کو لین الحدیث کہیں۔ تو اس کی حدیث لکھی جاتی ہے۔

اور اس میں اعتبار کی حیثیت سے نظر کی جاتی ہے۔ حمزہ بن یوسف سہمی نے دارقطنی سے پوچھا کہ جب آپ کہتے ہیں فلان لین تو اس سے آپ کی کیا مراد ہوتی ہے۔ دارقطنی نے جواب دیا کہ جب میں کسی کو لین الحدیث کہہ دوں تو وہ ساقط و متروک الحدیث نہیں ہوتا۔ بلکہ ذرا سا مجروح ہوتا ہے اور عدالت کے درجے سے ساقط نہیں ہوتا۔

علاوہ ازیں امام نسائی مشدد فی الجرح ہیں جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ لہذا ان کا امام محمد کو لین کہنا دوسروں کی تعدیل کے برابر ہے۔ اب یہاں اختصار کے طور پر امام محمد کے کچھ مناقب ذکر کئے جاتے ہیں تاکہ ناظرین کو ان کی علمیت و حدیث دانی کا پوری طرح اندازہ کرنے کا موقع مل جائے۔

امام نووی تہذیب الاسماء میں امام محمدؐ کے حال میں لکھتے ہیں:

”قال الخطيب البغدادي في تاريخ بغداد اصل محمد بن الحسن دمشقي من اهل قرية تسمى حرستا قدم ابوہ العراق فولد له محمد بواسط ونشأ بالكوفة وسمع الحديث بها من ابي حنيفة ومسعر بن كدام وسفيان ثوري وعمر بن ذر ومالك بن مفعول قال وكتب ايضا عن مالك بن انس والاوزاعي وربيعه بن صالح ووبكيع بن حماد وابي يوسف وسكن بغداد وحدث بها وروى عنه الشافعي وابو سليمان الجوزجاني وابو عبيد القاسم بن سلام وغيرهم وكان الرشيد ولاء القضاء وخرج معه في سفره الى خراسان فمات بالري ودفن بها . قال الخطيب وقال محمد بن سعد كاتب الواقدي كان اصل محمد من الجزيرة وكان ابوہ من جند الشام فقدم واسطاً فولد بها محمد سنة ثنتين وثلاثين ومائة ونشأ بالكوفة وطلب الحديث وسمع سماعاً كثيراً وجالس

ابا حنيفة وسمع منه ونظر في الرأي فغلب عليه وعرف به وتقدم فيه وقدم
 بغداد فنزلها واختلف اليه الناس وسمعوا منه الحديث والرى وخرج الى
 الرقبة وهارون الرشيد فيها فولاه قضاءها ثم هزله فقدم بغداد فلما خرج
 هارون الى الرى الخرجة الاولى امره يخرج معه فمات بالرى سنة تسع
 وثمانين ومائة وهو ابن ثمان وخمسين سنة . ثم روى الخطيب باسناده
 عن محمد بن الحسن قال ترك ابى ثلثين الف درهم فانفقت خمسة
 عشر الفا على النحو واللغة وخمسة عشر الفا على الحديث والفقه
 وباسناده عن الشافعى قال قال محمد بن الحسن اقامت على باب مالک
 ثلث سنين وكسرا قال وكان يقول انه سمع لفظ اكثر من سبع مائة
 حديث وكان اذا حدثهم عن مالک امتلا منزله وكثر الناس حتى يضيق
 عليه الموضع واذا حدث عن غير مالک لم يحيئه الا اليسير من الناس
 فقال ما اعلم احدا اسوء ثناء على اصحابه منكم اذا حدثتكم عن مالک
 ملائم على الموضع واذا حدثتكم عن اصحابكم انما تاتون متكارهين .
 وباسناده عن اسماعيل بن حماد بن ابى حنيفة قال كان لمحمد بن
 الحسن مجلس فى مسجد الكوفة وهو ابن عشرين سنة وباسناده عن
 الشافعى قال ما رأيت سميئا اخف روحاً من محمد بن الحسن وما رأيت
 افصح منه كنت اذا رأيت يقرأ كان القرآن نزل بلغته وعنه قال ما رأيت
 اعقل من محمد بن الحسن وعنه قال ما رأيت مبدناً قط اذكى من محمد
 بن الحسن وعنه قال محمد بن الحسن اذا اخذ فى المسئلة كانه القرآن
 بنزل لا يقدم حرفاً ولا يؤخره وعنه قال كان محمد بن الحسن سملاً
 العين والقلب وعنه قال حملت عن محمد بن الحسن وقرى بختى كتباً

وعن يحيى بن معين قال كتبت الجامع الصغير عن محمد بن الحسن
وعن ابي عبيد ما رأيت اعلم بكتاب الله من محمد بن الحسن وعن
ابراهيم الحربى قال قلت الامام احمد من ابن لك هذه المسائل
للدقيقة قال من كتب محمد بن الحسن (كتاب تهذيب الاسماء مطبوعه
گاجن ۱۸۴۲ء ص ۱۰۴-۱۰۵)

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں کہا کہ محمد بن حسن کا اصل دمشق ہے ایک
گاؤں کے باشندوں میں سے جسے حرسا کہتے تھے۔ آپ کا والد عراق میں آیا۔ پس
واسط میں اس کے ہاں امام محمد پیدا ہوئے اور کوفہ میں نشوونما پایا اور وہاں ابو حنیفہ
ومسعر بن کدام و سفیان ثوری و عمر بن ذر و مالک بن مفعول سے حدیث سنی۔
خطیب نے کہا کہ مالک بن انس و اوزاعی و ربیعہ بن صالح و بکیر بن عمار و ابو
یوسف سے بھی حدیثیں لکھیں۔ اور بغداد میں سکونت اختیار کی اور وہیں حدیثیں
روایت کیں۔ اور امام شافعی و ابو سلیمان جوزجانی و ابو عبید قاسم بن سلام و غیر ہم
نے آپ سے حدیثیں روایت کیں۔ اور رشید نے قضاء آپ کے سپرد کی تھی
۔ سفر خراسان میں آپ اس کے ساتھ نکلے اور ری میں وفات پائی اور وہیں دفن
کئے گئے۔ خطیب نے کہا کہ محمد بن سعد کا تب و اقدی کا قول ہے کہ محمد کا اصل
جزیرہ سے تھا اور آپ کا والد شام کے لشکر سے تھا۔ پس واسط میں آیا وہاں امام محمد
۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں نشوونما پایا اور حدیث کا علم طلب کیا۔ اور
احادیث بکثرت سنیں۔ اور امام ابو حنیفہ کے صحبت اختیار کی اور آپ سے سماع کیا
اور فقہ میں غور کی۔ پس فقہ آپ پر غالب ہوئی اور اسی کے ساتھ مشہور ہو گئے اور
اس میں پیشرو بن گئے اور بغداد میں آئے۔ پس وہاں رہنے لگے اور لوگ آپ کے
پاس آتے تھے اور آپ سے حدیث و فقہ سنتے تھے۔ آپ شہر رقہ کے طرف نکلے

کہ ہارون الرشید وہاں تھا۔ پس اس نے قضاء آپ کے سپرد کی۔ پھر آپ کو
 عزول کر دیا۔ پس آپ بغداد میں آئے۔ جب ہارون پہلی دفعہ ری میں گیا۔ تو
 آپ کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ پس آپ نے ری میں ۸۹ھ میں اٹھاون برس کی عمر
 میں وفات پائی۔ پھر خطیب نے بالاسناد روایت کی کہ محمد بن حسن نے کہا کہ
 میرے باپ نے تمیں ہزار درہم چھوڑے۔ پس میں نے پندرہ ہزار تو نحو و لغت پر
 اور پندرہ ہزار حدیث و فقہ پر خرچ کئے۔ خطیب نے امام شافعی سے روایت کی کہ
 محمد بن حسن نے فرمایا کہ میں تین سال سے کچھ اوپر امام مالک کے دروازے پر رہا
 ۔ اور بیان کرتے تھے کہ میں نے سات سو سے زیادہ حدیثیں لفظ بلفظ سنی ہیں۔
 آپ جب امام مالک کی روایت سے حدیثیں سناتے۔ تو آپ کا مکان بھر جاتا اور
 لوگ اس کثرت سے آتے کہ آپ کے لئے جگہ تنگ ہو جاتی۔ اور جب امام
 مالک کے سوا کسی اور کی روایت سے حدیث سناتے تو سوائے تھوڑے سے
 آدمیوں کے کوئی آپ کے پاس نہ آتا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ مجھے کوئی ایسا شخص
 معلوم نہیں جو تمہاری نسبت اپنے اصحاب پر بڑی ثناء کرنے والا ہو۔ جب میں تم
 کو امام مالک کی روایت سناتا ہوں تو تم میرے مکان کو بھر دیتے ہو۔ اور جب
 تمہارے اصحاب کی روایت سناتا ہوں تو تم ناخوش آتے ہو اور خطیب نے بالاسناد
 اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ سے روایت کی کہ محمد بن حسن بیس سال کی عمر میں
 کوفہ کی مسجد تدریس کے لئے بیٹھا کرتے تھے۔ اور یہ ہی بالاسناد روایت کی کہ
 امام شافعی نے فرمایا: میں نے کسی جسیم شخص کو نہیں دیکھا کہ محمد بن حسن سے
 زیادہ سبک روح والا ہو۔ اور میں نے ان سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں دیکھا۔ جب
 میں آپ کو قرآن پڑھتے دیکھتا مجھے گمان ہوتا کہ گویا قرآن آپ کی لغت کے
 موافق اتر رہا ہے اور امام شافعی ہی سے روایت ہے کہ میں نے محمد بن حسن سے بڑھ

کر کوئی عاقل نہیں دیکھا۔ اور انہی سے روایت ہے کہ میں نے کسی جسیم شخص کو کبھی محمد بن حسن سے بڑھ کر ذکی نہیں دیکھا اور ان سے یہ بھی روایت ہے کہ جب امام محمد کسی مسئلہ کو شروع کرتے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا قرآن اتر رہا ہے ایک حرف آگے پیچھے نہ کرتے اور ان سے ہی روایت ہے کہ محمد بن حسن (اپنے جمال صوری و معنوی سے) دل اور آنکھوں کو بھر دیتے تھے۔ اور ان سے ایک اور روایت ہے کہ میں نے محمد بن حسن سے دو شتر بار علم حاصل کیا۔ اور یحییٰ بن معین سے روایت ہے کہ میں نے محمد بن حسن سے جامع صغیر لکھی۔ اور ابو عبیدہ سے روایت ہے کہ محمد بن حسن سے بڑھ کر میں نے کتاب اللہ کا کوئی عالم نہیں دیکھا اور ابراہیم حربی سے روایت ہے کہ میں نے امام احمد سے پوچھا کہ یہ دقیق مسئلے آپ کو کہاں سے ملے۔ فرمایا امام محمد بن حسن کی کتابوں سے۔

قاضی ابن خلکان امام محمدؒ کے ترجمہ میں یوں لکھتے ہیں:

”وكان اذا تكلم خيل الى سامعه ان القرآن نزل بلغته . وقال الشافعي ما رأيت احدا يسئل عن مسألة فيها نظر الا تبينت الكراهة في وجهه الا محمد بن الحسن وقال ايضا حملت من علم محمد بن الحسن وقربعين . وروى عن الشافعي انه قال ما رأيت سمينا ذكيا الا محمد بن الحسن (وفيات الاعيان . جزء اول ص ۵۴)“

امام محمدؒ جب کلام کرتے تو سامع کو خیال ہوتا کہ قرآن آپ کی لفت میں اتر رہا ہے اور امام شافعی نے فرمایا کہ امام محمد بن حسن کے سوا میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا کہ اس سے کوئی ایسا مسئلہ دریافت کیا جائے جس میں نظر ہو مگر کراہت اس کے پیشانی میں ظاہر ہو گی۔ اور یہ بھی امام شافعی کا قول ہے کہ میں نے امام محمد بن حسن کے علم میں سے ایک شتر بار قدر علم حاصل کیا۔ اور امام

شافعی سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ سوائے امام محمد بن حسن کے میں نے کسی جسیم شخص کو ذ کی نہیں دیکھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لسان المیزان میں امام محمد کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

”ولد بواسط ونشأ بالكوفة وتفقه على ابي حنيفة وسمع الحديث عن الثوري ومسعر بن كدام ومالك بن مفعول ومالك بن انس والاوزاعي وربيع بن صالح وجماعة وعنه الشافعي وابو سليمان وهشام الرازي وعلي بن مسلم الطوسي وغيرهم ولى القضاء فى ايام الرشيد وقال عبدالحكم سمعت الشافعي يقول قال محمد اقامت على باب مالک ثلاث سنين وسمعت منه اكثر من سبع مائة حديث وقال الربيع سمعت الشافعي يقول حملت عن محمد وقر بعير علما وقال عبدالله بن علي بن عبدالله المديني عن ابيه فى حق محمد بن الحسن انه صدوق

(تنوير الحاسه فى مناقب الائمة الثلاثة للمولوى محمد حسن مطبوعه لاهور . ص ۵۰)“

امام محمد شہر واسطہ میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں نشوونما پایا اور امام ابوحنیفہ سے علم فقہ پڑھا۔ اور ثوری و مسعر بن کدام و مالک بن مفعول و مالک بن انس و اوزاعی و ربیعہ بن صالح اور انکے سوا ایک جماعت سے حدیث سنی۔ اور آپ سے امام شافعی ابو سلیمان و ہشام رازی و علی بن مسلم طوسی وغیرہ نے حدیث سنی۔ خلیفہ رشید کے عہد میں آپ عہدہ قضاء پر مامور کئے گئے۔ اور عبدالحکم نے کہا کہ میں نے امام شافعی کو سنا کہ فرماتے تھے۔ امام محمد کا بیان ہے کہ میں امام مالک کے دروازے پر تین سال رہا اور ان سے سات سو حدیثوں سے زیادہ سنیں۔ اور ربیع کا قول ہے کہ میں نے امام شافعی کو سنا کہ فرماتے تھے۔ میں نے امام محمد سے ایک شتر بار علم حاصل کیا۔ اور عبد اللہ بن علی مدینی نے کہا کہ میرے والد امام محمد بن

حسن کے حق میں فرماتے تھے کہ وہ بڑے سچے ہیں۔
اسی طرح ابوسعمانی کتاب الانساب میں لکھتے ہیں۔

”ہو ابو عبد اللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی نسبة ولا الی شیبان
بفتح الشیبان المعجمة قبيلة معروفة الکوفی صاحب الامام ابی حنیفة
اصلہ من دمشق من اهل قرية يقال لها حرستا بفتح الحام المهملة
وسكون الراء المهملة فولد محمد بواسط ونشأ بالكوفة وتلمذ لابی
حنیفة وسمع الحديث عن مسعر بن کدام وسفيان الثوري وعمرو بن
دينار ومالك بن مفعول والامام مالک بن انس والاوزاعي وربيعه بن
صالح وبكير والقاضي ابی يوسف وسكن بغداد وحدث بها وروى عنه
الامام الشافعي محمد بن ادريس وابوسليمان موسى بن سليمان
الجوزجاني وهشام بن عبيد الله الرازي وابو عبيد قاسم بن سلام وعلى
بن مسلم الطويب وابو حفص الكبير وخلف بن ايوب وكان الرشيد
ولاه القضاء بالرقعة فصنف كتابا مسمى بالرقيات ثم عزله وقدم بغداد
فلما خرج هارون الرشيد الى الري الخرجة الاولى لعمره فخرج معه
فمات بالري سنة تسع وثمانين ومائة وحكى عنه انه قال مات ابی
وترک ثلاثين الف درهم فانفقت خمسة عشر الفاً على النحو والشعر
 وخمسة عشر الفاً على الحديث والفقه وقال الشافعي ما رأيت سميئاً
 اخفَ روحاً ممن محمد بن الحسن وقال ايضاً ما رأيت افصح منه كنت
 اظن اذا رأيته يقرأ القرآن كان القرآن ينزل على لفته وقال ايضاً ما رأيت
 اعقل من محمد بن الحسن وروى عنه ان رجلاً سأل عن مسألة فاجابه
 فقال له الرجل خالفك الفقهاء فقال له الشافعي وهل رأيت فقيها قط
 اللهم الا ان تكون رأيت محمد بن الحسن ووقف رجل على الجزني

فسأله عن اهل العراق فقال ما تقول في ابي حنيفة فقال سيدهم قال فابو يوسف قال اتبعهم للحديث قال لمحمد بن الحسن قال اكثرهم تفرعاً قال فزف قال احدهم قياساً وروى عن الشافعي انه قال ما ناظرت احدا الا تغير وجهه ما خلا محمد بن الحسن ولو لم يعرف لسانهم لحكمنا انهم من الملائكة محمد في فقهه والكسائي في نحوه و الاسمعي في شعره وروى عن احمد بن حنبل انه قال اذا كان في المسئلة قول ثلثة لم يسمع مخالفتهم فقليل له من هم قال ابوحنيفة وابويوسف ومحمد فابوحنيفة ابصرهم بالقياس وابو يوسف ابصر الناس بالآثار ومحمد ابصر الناس بالعربية (تنوير الحاسه . ص ۵۴ تا ۵۶)“

ابو عبد اللہ محمد بن حسن بن فرقد شیبانی منسوب بحیثیت ولا، طرف شیبان کی جو ایک مشہور قبیلہ ہے کوفہ کے رہنے والے شاگرد امام ابو حنیفہؒ کے۔ آپ کے اصل دمشق سے ہے ایک گاؤں کے رہنے والوں میں سے جسے رستا کہتے تھے۔ امام محمد شہر واسطہ میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں نشوونما پایا اور امام ابو حنیفہ کے شاگرد بنے۔ اور مسعر بن کدام و سفیان ثوری و عمر بن دینار و مالک بن مفعول و امام مالک بن انس و اوزاعی و ربیعہ بن صالح و بکیر و قاضی ابو یوسف سے حدیث سنی اور بغداد میں سکونت اختیار کی اور وہاں حدیثیں روایت کیں۔ اور آپ سے امام شافعی محمد بن ادریس و ابو سلیمان موسیٰ بن سلیمان جوزجانی و ہشام بن عبید اللہ رازی ابو عبیدہ قاسم بن سلام و علی بن مسلم طوسی و ابو حفص کبیر و خلف بن ایوب نے حدیثیں روایت کیں۔ اور خلیفہ رشید نے آپ کو رقبہ میں عہد و قضاء پر مامور کر دیا تھا۔ پس آپ نے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام رقیات ہے۔ پھر رشید نے آپ کو معزول کر دیا اور آپ بغداد میں آ گئے۔ جب ہارون رشید پہلی دفعہ ری کو گیا۔ تو آپ بھی اس کے حکم سے اس کے ساتھ گئے۔ اور ری میں ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔ اور امام

محمد سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے والد تمیں ہزار درہم چھوڑ کر مرے۔ پس میں نے پندرہ ہزار تو نحو و شعر میں اور پندرہ ہزار حدیث و فقہ میں خرچ کر دئے۔ امام شافعی نے فرمایا کہ میں نے امام محمد بن حسن سے بڑھ کر کسی جسیم شخص کو سبک روح والا نہیں دیکھا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے امام محمد سے زیادہ فصیح نہیں دیکھا۔ جب میں آپ کو قرآن پڑھتے دیکھا کرتا۔ تو مجھے گمان ہوتا کہ گویا قرآن آپ کی لغت کے موافق اتر رہا ہے۔ اور نیز فرمایا کہ میں نے امام محمد بن حسن سے بڑھ کر کسی کو عاقل نہیں دیکھا روایت ہے کہ ایک شخص نے امام شافعی سے ایک مسئلہ پوچھا۔ پس آپ نے اس کا جواب دیا۔ اس شخص نے امام شافعی سے کہا کہ اس مسئلے میں فقہاء آپ کے خلاف ہیں۔ اس پر امام شافعی نے فرمایا۔ کیا تو نے کبھی سوائے امام محمد بن حسن کے کوئی فقیہ دیکھا ہے۔ ایک شخص نے امام مزنی کے پاس جا کر اہل عراق کی بابت پوچھا اور کہا۔ ابو حنیفہ کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے کیا وہ سردار ہیں۔ اہل عراق کے۔ پوچھا ابو یوسف کا کیا حال ہے کہا وہ ان میں سے حدیث کے سب سے زیادہ تابع ہیں پوچھا محمد بن حسن کا کیا حال ہے کہا وہ تفریح مسائل میں سب سے زیادہ ہیں۔ پس امام زفر کا حال پوچھا۔ کہا۔ وہ قیاس میں سب سے تیز ہیں۔ روایت ہے کہ امام شافعی نے فرمایا سوائے امام محمد بن حسن کے میں نے جس سے مناظرہ کیا اس کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اگر ان کی بولی نہ پہچانی جاتی۔ تو ہم حکم لگا دیتے کہ وہ فرشتے ہیں امام محمد فقہ میں اور کسائی نحو میں اور اصمعی شعر میں روایت ہے کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ جب کسی مسئلے میں تینوں کا قول ایک ہو۔ تو ان کی مخالفت قابل سماعت نہیں۔ آپ سے پوچھا گیا کہ وہ کون ہیں۔ فرمایا ابو حنیفہ اور ابو یوسف اور محمد۔ ان میں سے امام ابو حنیفہ کو قیاس میں زیادہ بصیرت ہے امام ابو یوسف لوگوں میں سے حدیث شناس زیادہ ہیں اور امام محمد عربیت میں زیادہ مبصر ہیں۔

غرض میں کہاں تک لکھتا چلا جاؤں۔ علامہ ذہبی نے تو مناقب امام محمد میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا ذکر آپ نے تذکرہ الحفاظ میں کیا ہے۔ عبارت بالا سے امام محمد کی ثقاہت کے علاوہ یہ امر بھی ظاہر ہوا کہ آپ کو ایک بڑا فخر یہ بھی حاصل ہے کہ امام شافعی آپ کے شاگرد ہیں۔ امام شافعی خود اپنی شاگردی کا اعتراف یوں کرتے ہیں۔

”وكان محمد بن الحسن جيد المنزلة عند الخليفة فاختلفت اليه وقلت هو اولى من جهة الفقه فلزمته وكتبت عنه وعرفت اقاديهم (توالی التاسين بمعالی ابن ادريس لابن حجر العسقلانی مطبوعه مصر ص ۶۹)“

امام محمد خلیفہ رشید کے نزدیک اچھے رتبہ والے تھے۔ پس میں ان کے پاس جانے لگا اور میں نے سوچا کہ فقہ کے اعتبار سے وہ اولیٰ ہیں۔ اس لئے میں نے ان کی صحبت کو لازم پکڑا۔ اور ان سے علم نقل کیا۔ اور فقہاء کے اقوال سے واقف ہو گیا۔ نقول بالا سے یہ بھی ثابت ہے کہ امام محمد نے امام مالک سے ان کا موطا باتمام سنا ہے۔ امام محمد کا موطا وہی موطا امام مالک ہے مع الزیادات اور موطا امام مالک کی نسبت امام شافعی فرماتے ہیں۔ ”ما فی الارض کتاب اکثر صوابا من موطا مالک“ یعنی موطا امام مالک سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی کتاب صحیح نہیں ہے (تذکرہ الحفاظ۔ مجلد اول ص ۱۸۸)

اعتراض نمبر ۲۴: اسماعیل اور حماد اور امام ابو حنیفہ کے متعلق۔ میزان الاعتدال مطبوعہ مصر جلد ۱ ص ۱۰۵ میں ہے کہ

”اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت الکوفی عن ابیه عن جدہ قال ابن عدی ثلثهم ضعفاء“ اسماعیل اپنے باپ حماد سے روایت کرتے ہیں اور حماد اپنے باپ ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں ابن عدی نے کہاتینوں ضعیف ہیں۔

جواب : اولاً : ابن عدی کی جرح قابل وثوق نہیں ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے بہت سے قابل وثوق اور ثقات کو بھی اپنی کامل میں مجروح بنا دیا ہے۔ ذہبیؒ میزان کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں :

”وفیه من تکلم فیہ مع ثقته وجلالته بادنئ لین و اقل تخریج فلولاً ابن عدی وغیرہ من مؤلفی کتب الجرح ذکروا ذلک الشخص لما ذکرته لثقة الخ“

اس کتاب (کامل) میں ان راویوں کا بھی ذکر ہے جن پر ان کی ثقاہت و جلالت کے معمولی کمزوری کی بنا پر جرح کی گئی ہے۔ اگر ابن عدی یا دوسرے مؤلفین کتب جرح نے ان کا ذکر نہ کیا ہوتا تو میں بھی (ان کی ثقاہت کی وجہ سے) ہر گز ان کا ذکر نہ کرتا اور میزان کے اخیر میں لکھتے ہیں۔

”فاصله وموضوعه فی الضعفاء وفيه خلق من الثقات ذکرتهم للذب عنهم ولان الکلام غیر مثر فیهم ضعفاء الخ“ (میزان از امام ذہبیؒ)

ابن عدی کی کتاب کامل کا اصل موضوع ضعفاء ہے اگرچہ اس میں بہت سے ثقات کا بھی ذکر ہے میں نے ان کا ذکر صرف اس لئے کیا ہے کہ میں ان کی طرف منسوب ضعف کو دور کروں یا یہ بتاؤں کہ ان کے بارہ میں ضعف کی بات غیر مؤثر ہے۔

اور جعفر ابن ایاس کے ترجمہ میں لکھا ہے :

”اورده ابن عدی فی کامله فاساء“ ابن عدی نے اپنی کتاب کامل میں ان کا تذکرہ کر کے غلطی کی۔

اور حماد بن سلیمان کے ترجمہ میں تحریر ہے۔

”تکلم فیہ للارجاء ولولا ذکر ابن عدی لہ ما ذکر تہ“

ان کے بارے میں ارجاء کی وجہ سے کلام کیا ہے۔ لیکن اگر ابن عدی نے ان کا ذکر نہ کیا ہوتا تو میں بھی ہر گز نہ کرتا۔

اور حمید بن حلال کے ترجمہ میں ہے:

”وہو فی کامل ابن عدی مذکور فلہذا ذکر تہ والا فالرجل حجة“

چونکہ ابن عدی کی کامل میں ان کا تذکرہ ہے اس لئے میں نے بھی ذکر کیا۔ ورنہ وہ حجت ہیں۔

اور اشعث بن عبد المالك کے ترجمہ میں لکھا ہے:

”قلت انما اوردتہ لذكر ابن عدی لہ فی کاملہ“

میں نے ان کا ذکر اس لئے کیا کہ ابن عدی نے اپنی کتاب کامل میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

اور اسی مضمون کی بہت سی عبارتیں میزان میں موجود ہیں۔ زین الدین

عراقی نے شرح الفیہ میں لکھا ہے:

”ولکنہ رای ابن عدی ذکر فی کتابہ الكامل من تکلم فیہ وان کان ثقة“

لیکن ابن عدی نے اپنی کتاب کامل میں ہر متکلم فیہ کا تذکرہ کیا ہے اگرچہ وہ ثقہ ہو۔

اور سخاوی نے فتح المغیث میں لکھا ہے:

”ولکنہ توسع لذكرہ کل من تکلم فیہ وان کان ثقة وکذا لا یحسن ان

یقال الكامل للناقصین الخ“

لیکن ابن عدی نے اپنے کلام کو وسعت دے کر ہر متکلم فیہ کا تذکرہ کیا اگرچہ وہ ثقہ ہو۔ اسی لئے یہ کہنا درست نہیں کہ کامل میں صرف ناقصین کا تذکرہ ہے

بلکہ ابن عدی نے بہت سے رجال بخاری میں بھی کلام کیا ہے۔ ازاں جملہ

”ثابت ابن محمد العابد وسليمان بن حيان وحسان بن ابراهيم وغيرهم“ ہیں۔ ”کما فی مقدمہ فتح الباری“

پس ابن عدی جیسے متوسع کی جرح ایسے امام اعظم کے حق میں جن کو یحییٰ، شعبہ، وکیع اور علی بن المدینی وغیرہم ثقہ و صدوق اور جید الحافظ کہہ رہے ہوں کیونکر مقبول ہو سکتی ہے۔

ثانیاً: ابن عدی کی جرح مبہم ہے اور حسب قاعدہ اصول تعدیل تفسیر کے ہوتے ہوئے جرح مبہم غیر مقبول ہے۔ کما مر فی مقدمہ نمبر ۱۔ اس لئے یہ جرح قابل اعتبار نہیں۔

صاحب حقیقت الفقہ نے ص ۱۳۴ پر ایک سرخی قائم کی ہے۔

اہل کوفہ کی حدیث دانی

اس کے تحت لکھتے ہیں:

اعتراض نمبر ۲۵: تدریب الراوی مطبوعہ مصر ص ۲۳ میں ہے

کہ ”قول امام مالک: اذا خرج الحديث عن الحجاز انقطع نخاعه“
امام مالکؒ نے کہا کہ جس حدیث کے سلسلہ میں حجاز کا راوی نہ ہو اس کا مغز جاتا رہا۔ یعنی ہلکے درجہ کی ہو گئی۔ (حقیقت الفقہ ص ۱۳۴)

اعتراض نمبر ۲۶: تدریب الراوی ص ۲۳ میں قول امام شافعیؒ ہے

کہ

”اذا لم يوجد للحديث من الحجاز اهل ذهاب نخاعه“

جس حدیث کی سند حجاز میں نہ پائی جائے اس کا مغز جاتا رہا۔

(حقیقت الفقہ ص ۱۳۴)

اعتراض نمبر ۲۷: تدریب الراوی ص ۲۳ میں قول طاؤس۔

”اذا حدثك العراقي مائة حديث فاطرح تسعة وتسعين“
عراق والا آدمی اگر سو حدیثیں سنادے تو ننانوے کو تو چھوڑ ہی دو۔
(حقیقت الفقہ ص ۱۳۴-۱۳۵)

اعتراض نمبر ۲۸: تدریب الراوی ص ۲۳ میں قول زہری

”ان فی حدیث اهل الكوفة زغلا كثيرا“

کوفہ والوں کی حدیث میں بہت کدورت ہے۔ (حقیقت الفقہ ص ۱۳۵)

اعتراض نمبر ۲۹: تدریب الراوی ص ۲۳ میں قول خطیب:

”ان رواياتهم كثيرا الزغل قليلة السلامة من العلل“

ان کی روایتوں میں بہت کدورت ہے۔ اور صحت و سلامتی کم ہے۔

(حقیقت الفقہ ص ۱۳۵)

اعتراض نمبر ۳۰: تدریب الراوی ص ۲۳ میں قول ہشام بن عروہ

”اذا حدثك العراقي بالف حديث فالحق تسع مائة وتسعين وكن من

الباقى فى شك“

عراق والا آدمی اگر ہزار حدیثیں سنادے تو نو سو نوے کو تو چھوڑ ہی دو اور جو

دس باقی رہیں ان میں بھی شک رکھو۔ (حقیقت الفقہ ص ۱۳۵)

جواب: ان چھ اعتراضوں کا اکٹھا جواب دیا جاتا ہے کیونکہ ان سب میں

ایک بات مشترک ہے کہ کوفہ والوں کی حدیث بے کار ہے۔

اولاً: ان اقوال سے نہ ابو حنیفہ کی تضعیف ثابت ہوتی ہے اور نہ کسی عراقی

نہ کوئی کی اور نہ بقاعدہ اصول پر یہ جرح کے اقوال ہیں۔ خاص خاص مواقع پر

خاص وجوہ کی بنا پر ان حضرات نے یہ باتیں لکھی ہیں۔

ثانیاً: اگر حسب خیال معترض یہ جرح کے کلمات ہیں تو دنیا سے حدیث کا

نام مٹ جائے گا۔ کیونکہ حسب قول امام مالکؒ اور امام شافعیؒ ہر حدیث کی اصل

مکہ مدینہ سے ملنی چاہیے اور حسب قول زہری عراقی یعنی بصری و کوفی اور بغدادی وغیرہم کی روایات فی صدی ایک ہی قابل اعتبار ہوگی اور حسب قول ہشام بن عروہ عراقی کی فی ہزار نو سو نوے احادیث متروک اور دس احادیث محمل الصحۃ ہوں گی۔

اب معترضین اس قاعدہ کو سامنے رکھ کر احادیث کی جانچ کریں جتنی کتابیں احادیث کی موجود ہیں۔ مثلاً بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند امام اعظم، مسند امام شافعی، مسند ابوداؤد، طیالسی، معجم طبرانی کبیر و صغیر دارقطنی، مؤطا امام مالک اور سنن داری وغیرہ میں سے خاص حجاز کی روایات انتخاب کریں اور سب روایات چھوڑ دیں۔ پھر حجاز کی روایتوں میں اگر کوئی راوی، بصری، کوفی، بغدادی ہو تو اس کو چھوڑ دیں۔

پھر ان احادیث میں اگر کوئی ایسا راوی ہو کہ اس پر کسی قسم کی جرح کسی سے منقول ہو تو اس کو بھی چھوڑ دیں۔ اس کے بعد دیکھیں کہ ان کے ہاتھ میں کتنی حدیثیں صحیح باقی رہتی ہیں؟

ہمارے خیال میں نماز روزہ کی احادیث بھی ان کے پاس باقی نہ رہیں گی تو پھر اہل حدیث کا لقب بھی کذب صریح اور غلط ہو گا۔ نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عراق میں ہزاروں صحابہ موجود تھے۔

”کما قال ابن الہمام لان الصحابہ انتشرت فی البلاد خصوصاً العراق“
ابن ہمام نے فرمایا کہ صحابہ مختلف شہروں میں منتشر ہو گئے تھے خصوصاً عراق میں۔

”قال العجلی فی تاریخہ نزل الکوفۃ الف وخمسين مائة من الصحابہ“
عجلی نے اپنی تاریخ میں فرمایا ہے کہ کوفہ میں پندرہ سو صحابہ قیام پذیر ہو گئے تھے۔
انصاف کرنا چاہیے کہ جس جگہ ڈیڑھ ہزار صحابہ موجود ہوں اور شب

وروز قال الله وقال الرسول كاذب کر ہو وہاں کے لوگ حدیث سے ناواقف کیونکر ہو سکتے ہیں اور ان کی روایت محض عراقی و کوفی ہونے کی وجہ سے کیوں متروک ہو گی؟

اعتراض ۳۱: ابوداؤد مجتہبی مطبوعہ ص ۳۵۰ میں قول امام احمد بن حنبل

”سمعت احمد يقول ليس لحديث اهل الكوفة نور“
امام احمد فرماتے ہیں کہ اہل کوفہ کی حدیث میں نور نہیں ہے۔
(حقیقت الفقہ ص ۱۳۴)

پہلا جواب: یہ اعتراض بھی جے پوری نے اہل کوفہ کی حدیث دانی کے تحت ہی نقل کیا ہے اور یہ اعتراض اکثر غیر مقلد کرتے رہتے ہیں اس لئے ہم یہاں پر اس کا تفصیلی جواب دیتے ہیں۔

اولاً: اس عبارت سے نہ امام ابو حنیفہؒ کی تضعیف ثابت ہوتی ہے اور نہ کسی کوفی کی۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ امام احمدؒ ایک خاص حدیث ”من ادعی الی غیر ابیہ“ جو بواسطہ ابو عثمان مروی ہے۔ اس میں سماع کی تصریح ہے کیونکہ یہ حدیث بلفظ حدثنی مروی ہے اور کوفہ کے لوگوں نے اس حدیث میں سماع کی تصریح نہیں کی ہے۔ امام احمدؒ اسی کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ ان لوگوں کی یعنی کوفیوں کی یہ حدیث ”من حیث السماع“ روشن اور واضح نہیں ہے۔ بھلا اس عبارت کو جرح سے کیا تعلق ہے؟

ثانیاً: اگر اس خیال کو صحیح فرض کر لیا جائے تو پھر اس عبارت سے تمام اہل کوفہ کی تضعیف ثابت ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ بخاری، مسلم، مسند احمد، سنن اربعہ، دارقطنی، مسند شافعی اور مؤطا امام مالک میں کئی ہزار راوی کوفی ہیں۔ جیسا کہ اسماء الرجال سے ثابت ہے۔ پس تمام کتابیں حدیث کی حسب خیال معترضین

روای اور ضعیف ٹھہریں گے۔

ثالثاً: اگر مقررین کے نزدیک اہل کوفہ سب کے سب ضعیف ہیں، تو امام احمدؒ نے اہل کوفہ کی بعض اسانید کو اصح الاسانید کیوں فرمادیا۔ ملاحظہ ہو۔
تدریب الراوی ص ۳۳۔

”قال عبد الله بن احمد عن ابيه ليس بالكوفة اصح من هذا الاسناد يحيى بن سعيد القطان عن سفيان الثوري عن سليمان التيمي عن الحارث ابن سويد عن علي“

عبد اللہ بن احمد نے اپنے والد کا قول نقل فرمایا ہے کہ اسناد اہل کوفہ میں یہ سند سب سے زیادہ صحیح ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان نے روایت کیا سفيان ثوری سے، انہوں نے سلیمان تیمی سے انہوں نے حارث بن سويد سے انہوں نے حضرت علی سے۔

رابعاً: حدیث نبوی ﷺ سے امام ابو حنیفہ اور اوّلین قرنی کی تعریف ثابت ہے حالانکہ یہ لوگ کوئی تھے۔ چنانچہ حافظ سیوطی تبیض الصحیفہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”قد بشر ﷺ بالامام ابی حنیفہ فی الحدیث الذی اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لو کان العلم بالثریا لتناولہ رجال من ابناء فارس فہذا اصل صحیح یعتمد علیہ فی البشارة والفضیلة“

رسول اللہ ﷺ نے امام ابو حنیفہؒ کے لئے اس حدیث میں بشارت سنائی ہے جس کو ابو نعیم نے حلیہ میں ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر علم ثریا پر بھی ہو گا تو اس کو فارس کے بعض لوگ حاصل کر لیں گے۔ یہ بشارت و فضیلت کے سلسلہ میں بہت صحیح اصل ہے اور قابل اعتماد ہے۔

اور سیوطی کے شاگرد محمد بن یوسف دمشقی شافعی نے لکھا ہے:

”وما جزم به شيخنا من ان اباحيفة هو المراد من هذا الحديث ظاهر لا شك فيه لانه لم يبلغ من ابناء فارس مبلغه احد“

وہ روایت جس سے امام ابو حنیفہؒ کی عظمت شان پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کی زینت ایک سو پچاس سال تک بلند ہوتی رہے گی۔

اور حافظ ابن حجر شافعی خیرات حسان ص ۱۶ میں لکھتے ہیں۔

”ومما يصح الاستدلال به على عظم شان ابى حنيفة رحمه الله ما روى عنه عليه الصلوة والسلام قال ترفع زينة الدنيا سامة خمسين ومائة“

ہمارے شیخ نے جو اس حدیث سے امام ابو حنیفہؒ کو مراد لیا ہے وہ بلاشبہ بالکل صحیح و ظاہر ہے۔ اس لئے کہ ابناء فارس میں امام ابو حنیفہؒ کے مرتبہ کو کوئی نہیں پہنچا اب حضرت اولیس قرنی کی مدح میں روایت ملاحظہ ہو۔ ”الفیہ“ میں ہے:

”والقرنی اولیاء اهل الکوفه“

حضرت اولیس قرنی کوفہ کے ولی تھے۔

سخاوی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

”وصوب المصنف القائلین باویس بحديث عمر سمعت رسول الله ﷺ يقول ان خير التابعین رجل يقال له اویس“

حدیث عمرؓ کی وجہ سے قائلین اولیسؒ کی مصنف نے تصدیق کی ہے۔ میں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ تابعین میں بہترین شخص وہ ہیں جن کا نام اولیس ہے۔

اور خود امام احمدؒ نے بھی اپنی مسند میں اس حدیث کا اخراج کیا ہے۔

اب بنظر انصاف دیکھا جائے کہ خود امام احمدؒ اپنی مسند میں حدیث نبوی ﷺ

سے بعض اہل کوفہ کی مدح و تعریف ثابت کر رہے ہیں تو پھر وہ تمام اہل کوفہ کو ضعیف اور غیر معتبر کیونکر کہیں گے۔ ایسے اعتراضات سے شرم کرنی چاہیے۔ کسی نے خوب کہا ہے

ربا میڑ ہا مثال نیس کر دم کبھی کج فہم کو سید ہانہ پایا

دوسرا جواب : مصنف حقیقت الفقہ پر صد افسوس ہے کہ وہ مذکور بات کو بالکل نہیں سمجھا اور اگر سمجھا ہے تو خیانت سے کام لیا ہے۔ ہم ابوداؤد کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

”قال ابو علی سمعت ابا داؤد قال قال النفیلی حیث حدث بهذا الحديث والله انه عندي احلی من العسل یعنی قوله حدثنا وحدثنی قال ابو علی سمعت ابا داؤد يقول سمعت احمد يقول ليس لحديث اهل الكوفة نور قال وما رأيت مثل اهل البصرة كانوا تعلموه من شعبة“
(ابوداؤد جلد ۲ ص ۳۵۰)

ابو علیؑ کہتے ہیں کہ میں نے ابوداؤد سے سنا کہ نفیلیؒ جب یہ حدیث بیان کیا کرتے تھے تو یہ بھی فرماتے تھے کہ بخدا یہ حدیث جس میں حد ثنا اور حد ثنی کا فرق ملحوظ رکھا گیا ہے مجھے شہد سے بھی زیادہ لذیذ معلوم ہوتی ہے۔ ابو علیؑ نے ابوداؤد سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ میں نے احمدؒ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ اہل کوفہ کی حدیث میں نور نہیں اور میں نے اہل بصرہ کی طرح کوئی اور نہیں دیکھا جو یہ فرق ملحوظ رکھتا ہو کیونکہ انہوں نے شعبہؒ سے یہ حاصل کیا ہے۔ (حالانکہ امام شعبہؒ کا علم بھی اہل کوفہ ہی کا فیض تھا چنانچہ خطیب بغدادیؒ امام شعبہؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

”وعلمه كوفي“ تاریخ بغداد ج ۹ ص ۲۵۷

ناظرین! ہم نے پوری عبارت نقل کر دی ہے جس سے بات اچھی طرح

واضح ہو جاتی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ اہل بصرہ حدثنا وحدثنی وغیرہ کے الفاظ میں فرق ملحوظ رکھتے ہیں اور اہل کوفہ اس فرق کو اہمیت نہیں دیتے اور اسی عدم فرق پر قاضی عیاض المالکی المتوفی ۵۴۴ھ اور حافظ عراقی الشافعی المتوفی ۸۰۶ھ نے اجماع نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو مقدمہ فتح الملہم جلد اول ص ۷۵)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام زہری، مالک، ابن عیینہ، یحییٰ القطانؒ اکثر اہل حجاز اور اہل کوفہ اور اسی طرح اہل مغاربہ کا یہ مسلک ہے اور اسی کو ابن الحاجبؒ نے مختصر میں ترجیح دی ہے اور امام حاکمؒ نے ائمہ اربعہؒ کا یہ مذہب بتایا ہے کہ ان الفاظ کا ایک ہی معنی ہے۔ اور بعض نے ان الفاظ کی پابندی کو صرف مستحسن قرار دیا ہے (فتح الباری جلد ۱ ص ۱۱۸ طبع مصر)

حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ فن روایت کے اس دقیق فرق کے پیش نظریہ فرماتے ہیں:

کہ اہل کوفہ کی حدیث اس فرق کو واضح کرنے کے لئے اتنی روشن نہیں جتنی کہ اہل بصرہ کی روشن اور واضح ہوتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے یہ فرق امام شعبہؒ سے حاصل کیا ہے۔ امام احمدؒ کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ کوفہ والوں کی حدیث متن کے لحاظ سے بے نور ہوتی ہے۔ جیسا کہ مؤلف حقیقت الفقہ کا یہ باطل اور بے بنیاد مدعا ہے۔

نوٹ: غیر مقلدین کوفہ اور اہل کوفہ کے بارے میں اکثر بحث کرتے رہتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ کوفہ کے متعلق کچھ معلومات ناظرین کے لئے یہاں پر درج کر دیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

کوفہ اور اہل کوفہ کا تعارف | مولانا عبدالرشید نعمانی لکھتے ہیں:

کوفہ: وہ عظیم الشان اسلامی شہر جو صدیوں تک علوم اسلامیہ کا دارالعلوم بنارہا اور جو عہد مرتضوی سے لے کر بغداد کے تعمیر ہونے تک وسعت

علم اور کثرت حدیث میں تمام بلاد اسلامیہ میں ممتاز تھا جس کو علامہ نووی دار الفضل والفضلاء^(۱) بتاتے ہیں اور صاحب قاموس قبة الاسلام ودار ہجرة المسلمين لکھتے ہیں:

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس شہر کو اپنا دار الخلافہ قرار دیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:

”کان اغلب قضایاہ بالكوفة“^(۲)

حضرت علیؑ کے بیشتر فیصلے کوفہ میں صادر ہوئے۔

اور قرۃ العینین فی تفصیل الشیخین میں رقمطراز ہیں:

”وقضایائے بسیار در ایام خلافت بردست او ظاہر شدند“^(۳)

اور حافظ ابن تیمیہ، منہاج السنہ میں لکھتے ہیں:

”وانما ظہر علم علی وفقہہ فی الکوفۃ بحسب مقامہ فیہا عندہم مدۃ خلافتہ“^(۴)

بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا علم اور آپ کی فقہ کوفہ میں اسی قدر ظاہر ہوئی جتنا کہ آپ نے اپنی مدت خلافت میں کوفہ میں ان کے یہاں قیام فرمایا۔

حافظ ابن حزم نے فضائل اہل اندلس پر جو رسالہ لکھا ہے اس میں جناب امیر کے قیام کوفہ کی مدت پانچ سال اور چند ماہ بیان کی ہے^(۵) لیکن جو حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے حاشیہ پر تصریح کی ہے کہ

”صوابہ اربعة اعوام“^(۶)

۱۔ شرح صحیح مسلم از علامہ نووی باب القراءۃ فی الظہر والعصر - ۲۔ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۳۲ طبع منیریہ مصر - ۳۔ قرۃ العینین ص ۱۴۰ طبع مجتہائی دہلی - ۴۔ منہاج السنہ ج ۴ ص ۱۲۷ طبع منیریہ مصر - ۵۔ پورا رسالہ علامہ احمد بن محمد مقرئ التوفی ۱۰۴۱ھ نفع الطیب من غصن الاندلس الرطیب کے باب سابع میں نقل کر دیا ہے - ۶۔ نفع الطیب ج ۴ ص ۱۷۱ طبع مصر ۱۳۶۹ھ

صحیح یہ ہے کہ یہ مدت چار سال ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ”باب مدینۃ العلم“ (۱) کی آمد سے کوفہ کی علمی افق پر چار چاند لگ گئے تھے مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ کوفہ آپ کی تشریف آوری سے بہت پہلے عہد فاروقی ہی میں قرآن و سنت کا دارالعلوم بن چکا تھا چنانچہ حافظ ابن تیمیہ کی تصریحات اس بارے میں حسب ذیل ہیں:

”۱۔ وانما کان غالب علمہ فی الکوفۃ ومع هذا فاهل الکوفۃ کانوا یعلمون القرآن والسنة قبل ان يتولى عثمان فضلات عن علی“ (۲) اور بلاشبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیشتر علم کوفہ ہی میں رہا۔ تاہم اہل کوفہ حضرت علیؑ کے وقت تو کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے سے بھی بیشتر قرآن و سنت کا علم رکھتے تھے

”۲۔ فان اهل الکوفۃ التی کانت دارہ کانوا قد تعلموا الايمان والقرآن وتفسيره والفقه والسنة عن ابن مسعود وغيره قبل ان يقدم علی الکوفۃ“ (۳) کوفہ جو آپ (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) کا گھر تھا وہاں کے لوگ ایمان، قرآن، تفسیر قرآن، فقہ اور سنت کا علم حضرت عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) وغیرہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوفہ میں تشریف آوری سے پہلے ہی حاصل کر چکے تھے۔

۳۔ ولما ذهب الى الکوفۃ کان اهل الکوفۃ قبل ان ياتيهم قد اخذوا الدين عن سعد بن ابی وقاص وابن مسعود وحذيفه وعمار وابی موسى وغيرهم ممن ارسله عمر الى الکوفۃ“ (۴)

۱۔ حدیث میں آتا ہے ”انا مدینۃ العلم وعلی بابها“ (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ)۔

۲۔ منہاج السنہ ج ۴ ص ۱۳۹۔ ۳۔ منہاج السنہ ج ۴ ص ۱۴۲۔

۴۔ الضعاف ج ۴ ص ۱۵۷۔

جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفہ تشریف لے گئے ہیں تو اہل کوفہ آپ کے وہاں آنے سے بیشتر حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت عمار، حضرت ابو موسیٰ وغیرہ (رضی اللہ عنہم) سے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ روانہ کیا تھا دین حاصل کر چکے تھے۔

فقہاء کوفہ میں اس کا خاص اہتمام تھا کہ جب کسی صحابی کی وہاں آمد ہوتی تو اس کے پاس آ کر جمع ہو جاتے اور رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کے سننے کی خواہش ظاہر کرتے۔ چنانچہ سنن ابن ماجہ میں امام شعبی سے روایت ہے کہ

”لما قدم عدی بن حاتم الکوفة اتیناہ فی نفر من فقہاء اہل الکوفة فقلنا لہ حدثنا ما سمعت من رسول اللہ ﷺ“ (باب فی القدر)

حضرت عدی بن حاتم جب کوفہ تشریف لائے تو ہم فقہاء کی ایک جماعت کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کرنے لگے کہ آپ نے جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے ہم سے بھی بیان فرمائیے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بایں وسعت نظر ہمیشہ اس بات کے درپے رہتے کہ جب کوفہ میں کوئی نامور محدث آئے تو اس کی معلومات سے اپنے علم میں اضافہ کیا جائے۔ چنانچہ امام نصر بن محمد مروزی جو امام صاحب کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں فرماتے ہیں:

”لما رجلا الزم للآخر من ابی حنیفة قدم علینا یحییٰ بن سعید الانصاری وہشام بن عروہ وسعید بن ابی عروہ فقال لنا ابو حنیفة انظروا تجدون عند هؤلاء شینا نعمہ“ (۱)

میں نے امام ابو حنیفہ سے زیادہ کسی شخص کو حدیث سے اعتناء کرنے والا نہیں دیکھا۔ ایک دفعہ ہمارے پاس یحییٰ بن سعید انصاری، ہشام بن عروہ اور سعید

بن ابی عروبہ آئے تو امام ابوحنیفہ ہم سے فرمانے لگے کہ دیکھو تو ان لوگوں کے پاس تمہیں کوئی ایسی چیز بھی ملتی ہے کہ جس کا ہم بھی سماع کریں۔

امام اعظمؒ کے ایک اور شاگرد محدث عبد العزیز بن ابی رزمہ کا بیان بھی اسی کے قریب قریب ہے چنانچہ امام عبد اللہ بن حارثی بسند ناقل ہیں کہ

”حدثنا داؤد بن ابی العوام سمعت دهب بن زمعة سمعت عبد العزيز بن ابی رزمة وذكر علم ابی حنیفة بالحديث فقال قدم الكوفة محدث فقال ابوحنیفة لاصحابه انظر واهل عنده شی من الحديث ليس عندنا قال وقدم علينا محدث آخر فقال لاصحابه مثل ذلك“ (۱)

عبد العزیز بن ابی رزمہ نے امام ابوحنیفہ کے علم حدیث کا تذکرہ چھیڑا اور اسی سلسلہ میں یہ بھی بتایا کہ ایک بار کوفہ میں ایک محدث آئے تو امام ابوحنیفہ اپنے اصحاب سے فرمانے لگے۔ دیکھو تو ان کے پاس حدیث میں کوئی ایسی چیز ہے کہ جو ہمارے پاس نہیں ہے۔ عبد العزیز کا بیان ہے کہ دوبارہ ایک اور محدث ہمارے پاس آئے تب بھی آپ نے اپنے اصحاب سے یہی فرمایا۔

کوفہ میں کتنے صحابہ نے آکر بود و باش اختیار کی اس کے متعلق حافظ ابو بکر دولابی (۲)، قتادہ سے جن کا شمار کبار تابعین میں ہے بسند ناقل ہیں کہ

۱۔ مناقب الامام الاعظم، از صدر الائمہ، مکی ج ۱ ص ۸۳۔

۲۔ دولابی، دولاب کی طرف نسبت ہے یہ متعدد مواضع کا نام ہے منجملہ ان کے ایک بغداد کی شرفی جانب واقع تھا اور دوسرا رے کا ایک مشہور قریہ تھا۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے: ”الحافظ العالم ابو بکر محمد بن احمد بن حماد بن سعید بن مسلم الانصاری الرازی الدولابی الوراق“ اور میزان الاعتدال میں صراحت کے ساتھ ان کے لئے من اهل الروی کے الفاظ استعمال کئے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قریہ دولاب واقع رے کے رہنے والے تھے لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی، لسان المیزان ==

”حدثني ابراهيم بن الجنيد الختلي قال حدثنا نصر بن علي الازدي قال حدثنا نوح بن قيس عن ابي الرجاء محمد بن سيف عن قتاده قال نزل الكوفه الف وخمسون رجلا من اصحاب النبي ﷺ واربعة وعشرون

== میں مسلمہ بن قاسم سے ناقل ہیں کہ ان کا مسکن دولاب واقع بغداد تھا۔ انصاری بھی نسلاً نہیں ہیں بلکہ ولاء ہیں۔ دولابی حدیث کے مشہور حفاظ میں سے ہیں اور فن جرح و تعدیل کے امام ہیں۔ طلب حدیث میں حسب تصریح ذہبی، حریم، عراقی، مصر اور شام کا سفر کیا اور بہت سے شیوخ سے اس فن کی تحصیل کی، ابن الجوزی، المنتظم میں لکھتے ہیں ”وحدث عن اشیاء فیہم کثرۃ“ (اتنے شیوخ سے حدیث بیان کی کہ جو بکثرت ہیں) امام بخاری اور امام نسائی سے بھی تلمذ حاصل ہے۔ چنانچہ امام بخاری سے ان کی کتاب الضعفاء الصغیر کے بھی راوی ہیں۔ حافظ ابن یونس لکھتے ہیں ”کان الدولابی من اهل الصنعة حسن التصنيف“ (دولابی اہل فن میں سے ہیں اور عمدہ مصنف ہیں) حافظ مسلمہ بن قاسم فرماتے ہیں ”کان مقدما فی العلم والروایة ومعرفة الاخبار“ یہ علم و روایت اور معرفت احادیث میں مقدم ہیں) مسلمہ نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ فقہ میں یہ حنفی مذہب کے پیرو تھے چنانچہ ان کے الفاظ ”جالس العلماء وتفقه لابی حنیفة رحمہ اللہ“ (علماء کی خدمت میں رہے اور امام ابو حنیفہ کے مذہب پر تفقہ حاصل کیا) فن حدیث میں جن اکابر حفاظ نے آپ کے آگے زانوئے شاگردی تہہ کیا۔ ان میں ابن عدی، طبرانی، ابن المقرئ، ابو بکر مہندس خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ افسوس ہے کہ ابن عدی وغیرہ بعض متعصب محدثین نے مخالفت مذہبی کی بناء پر جیسا کہ حنفیہ کے بارے میں ان لوگوں کی عام عادت ہے ان پر بھی کلام کیا ہے۔ لیکن غنیمت ہے کہ ان ہی میں سے خود محدث دارقطنی نے ان کی تردید کر دی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں ”تکلموا فیہ ما تبین من امرہ الاخیر“ (لوگوں نے ان کے بارے میں چہ میگوئیاں کی ہیں مگر ان میں بجز خیر کے اور کچھ ظاہر نہیں ہوا) ۲۲۳ھ میں ان کی ولادت ہوئی اور ۳۱۰ھ میں یقعدہ کے مہینہ میں بمقام عرج جو مکہ اور مدینہ کے مابین ہے وفات پائی (رحمہ اللہ تعالیٰ) انہوں نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑیں جن میں سے کتاب الکافی والاسماء دو جلدوں میں حیدرآباد کن سے مجلس دائرۃ المعارف نے طبع کر کے شائع کر دی ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ، میزان الاعتدال، لسان المیزان، المنتظم)

”من اهل بدر“

آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں سے ایک ہزار پچاس شخص اور چوبیس وہ بزرگ کہ جو غزوہ بدر میں آپ کے ہمراہ رہے تھے۔ کوفہ میں آ کر فروکش ہوئے تھے۔

اور امام ابوالحسن احمد بن عبد اللہ عجل المتوفی ۳۶۱ھ (جو فن رجال میں امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین کے ہمسر شمار کئے جاتے ہیں) اپنی تاریخ میں اس سے بھی زیادہ تعداد بتاتے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

”نزل الكوفة الف وخمسه مائة من الصحابة“^(۱)

کوفہ میں ڈیڑھ ہزار صحابہ آ کر اترے۔

امام ابو عبد اللہ حاکم صاحب المستدرک علی الصحیحین نے اپنی مشہور کتاب معرفۃ علوم الحدیث کی ”فتوح الثانی والاربعین“ میں ان مشاہیر صحابہ کے نام لکھے ہیں کہ جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ سے دوسرے اسلامی شہروں میں منتقل ہو گئے تھے چنانچہ اس سلسلہ میں انہوں نے سب سے پہلے کوفہ سے ابتداء کی ہے اور سب سے زیادہ تعداد یہیں آنے والوں کی ذکر کی ہے۔ منجملہ ان کے عشرہ مبشرہ میں سے حضرت علی، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت سعید بن زید (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے نام بھی لکھے ہیں۔ بقیہ شہروں کے نام یہ ہیں۔ مکہ مکرمہ، بصرہ، مصر، شام، جزیرہ، خراسان۔

صحابہ کی اس کثرت کے باوجود علماء کوفہ کے شوق طلب کا یہ عالم تھا کہ وہ برابر مدینہ طیبہ کا سفر کیا کرتے اور وہاں کے اکابر صحابہ کے فیض علمی سے متمتع ہوتے رہتے تھے۔ چنانچہ ”رحلت“ کے بیان میں ہم لکھ چکے ہیں کہ امام احمد بن

ضبل نے طلب اسناد عالی کو جب سلف کی سنت بتایا تھا تو اس کی سند میں حضرت
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ ہی کے سفر کا تذکرہ کیا تھا۔ اور علامہ
ابن تیمیہ، منہاج السنہ میں فرماتے ہیں:

”هو (یعنی ابا عبد الرحمن السلمي) وغيره من علماء الكوفة مثل علقمة
والاسود والحارث الليثي وزر بن جیش الذي قرأ عليه عاصم بن ابي
النجدون اخذوا القرآن عن ابن مسعود وكانوا يذهبون الى المدينة
فياخذون عن عمرو عائشة ولم ياخذوا عن علي كما اخذوا عن عمرو
عائشة وشريح قاضيه انما تفقه على معاذ بن جبل باليمن“ (۱)

ابو عبد الرحمن سلمیٰ اور دیگر علماء کوفہ جیسے کہ علقمہ، اسود حارث لیثی،
زر بن جیش، کہ جن کے پاس عاصم بن ابی النجدون نے قرآن پاک کی قرأت کی
ہے ان سب لوگوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن پاک سیکھا
ہے۔ نیز یہ لوگ مدینہ طیبہ جا کر حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے
علم کی تحصیل کیا کرتے تھے بلکہ ان حضرات نے حضرت عمر اور حضرت عائشہ
رضی اللہ عنہا سے جتنا علم اُخذ کیا اتنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہیں کیا اور
کوفہ کے قاضی شریح نے فقہ کی تعلیم حضرت معاذ بن جبل سے یمن میں حاصل
کی تھی۔

اور پھر چند اوراق کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں:

”واصحاب ابن مسعود كانوا ياخذون عن عمرو علي وابي الدرداء“ (۲)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ حضرت عمر، حضرت علی اور

۱۔ یہ کتاب مجلس دائرة المعارف النظامیہ کے زیر اہتمام قاہرہ کے مطبع دار الکتاب المصریہ
سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ ۱۔ منہاج السنہ ج ۴ ص ۱۴۲۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا کرتے تھے۔

اسی کا اثر تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفہ تشریف لائے تو آپ نے یہاں کی فضا کو علم سے معمور پایا چنانچہ امام ابو بکر عتیق بن داؤد بیانی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفہ میں ورود ہوا یہ وہ زمانہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ وہاں پر لوگوں کو فقیہ بنانے میں مصروف تھے۔ جناب امیر نے مسجد کوفہ میں آ کر دیکھا تو چار سو کے قریب دواتیں رکھی ہوئی تھیں اور طلباء کتابت علم میں مصروف تھے یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا:

”لقد ترک ابن ام عبد یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہولاء سرج الکوفة“ (۱)

بلاشبہ ابن ام عبد یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو کوفہ کے چراغ بنا کر چھوڑا ہے۔

تفقہ کا درجہ علوم شرعیہ کا آخری درجہ ہے اس لئے جب متعلمین فقہ کی تعداد یہ تھی تو ظاہر ہے کہ طلبہ حدیث کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہو گی چنانچہ سیوطی نے تدریب الراوی میں ابن سیرین سے جو اکابر تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں اس سلسلہ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ

”قدمت الکوفة وبها اربعة الاف يطلبون الحديث“ (۲)

میں کوفہ آیا تو وہاں چار ہزار حدیث کے طالب علم موجود تھے۔
محدث حاکم نیشاپوری نے معرفۃ علوم الحدیث کی ”النوع التاسع

۱۔ مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ مکی ج ۲ ص ۱۳۰۔

۲۔ تدریب الراوی ص ۷۷ طبع مصر۔

والاربعةین“ میں زیر عنوان ”معرفة الائمة الثقات المشهورین من التابعین واتباع وممن یجمع حدیثهم للحفظ والمذاکرة والتبراد بهم وبذکرهم من الفرق الی الغرب“ (یعنی تابعین اور تبع تابعین کے ان مشاہیر ائمہ ثقات کی معرفت کہ جن کی حدیثیں حفظ اور مذاکرہ کے لئے جمع کی جاتی ہیں اور جن سے تبرک حاصل کیا جاتا ہے اور جن کا ذکر مشرق سے لے کر مغرب تک ہے) بلاد اسلامیہ کے ان تمام نامور ائمہ کو نام بنام گنایا ہے کہ جو اس عنوان کے تحت آتے ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں حسب ذیل مقامات کے محدثین کی فہرست دی ہے۔ مدینہ مکہ مصر شام یمن یمامہ کوفہ جزیرہ بصرہ واسط خراسان (بغداد کے علماء محدثین کا ذکر نوع ثانی واربعین“ ہی میں کر چکے ہیں جو چند سطرون سے زائد نہیں ہے) مگر آپ کو یہ معلوم کر کے شاید تعجب ہو کہ ان تمام مذکورہ مقامات میں یہ امتیاز صرف کوفہ ہی کو حاصل ہے کہ وہاں کے ائمہ ثقات^(۱) کی فہرست پورے ساڑھے تین صفحات پر مشتمل ہے۔ جبکہ بجز بصرہ کے (کہ وہاں کے ائمہ محدثین کے نام تو بلاشبہ ایک صفحہ میں آئے ہیں) باقی کسی شہر کے مشاہیر کی فہرست ایک صفحہ کو بھی پر نہ کر سکی۔ اسی طرح طبقات ابن سعد میں کسی مقام کے اتنے علماء مذکور نہیں جتنے کہ کوفہ کے ہیں چنانچہ تمام بلاد اسلامیہ میں یہ خصوصیت صرف کوفین کی ہے کہ طبقات کی پوری ایک ضخیم جلد صرف انہی کے تراجم پر مشتمل ہے اس سے آپ کوفہ کی علمی منزلت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

قراء سبعہ^(۲) میں سے عاصم، حمزہ اور کسائی تینوں کو فی ہیں۔ تفسیر میں

۲۔ حاکم نے ان ائمہ ثقات مشہورین کی فہرست میں امام ابو حنیفہؒ اور امام زفر کا بھی نام لیا ہے۔

۲۔ قرآن پاک کے وہ سات قاری کہ جن کی قرأت کے مطابق ساری دنیا میں قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے۔

حافظ عبدالقادر قرشی، الجواہر المصیۃ میں فرماتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کو علامہ ابن تیمیہ نے ”اعلم الناس بالتفسیر“ لکھا ہے ^(۱) سعید بن جبیر جن کو قوادہ تمام تابعین میں تفسیر کا سب سے بڑا عالم مانتے ہیں ^(۲)۔ اسی کوفہ کے رہنے والے تھے۔

✽ حدیث کی نشر و اشاعت کا وہاں یہ عالم تھا کہ حافظ ابو محمد حسن بن خلاد

==> ”سات ماہتاب جو آئمہ قرأ ہیں یہ ہیں:

✽ عبد اللہ بن کثیر بن المطلب القرشی مولا ہم ابو معبد، تابعین میں سے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن زہر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے سماع کیا ہے۔ مکہ معظمہ میں ۱۲۰ھ میں انتقال فرمایا۔ بعض نے سنہ وفات ۱۲۲ بتایا ہے۔

✽ نافع بن عبد الرحمن بن ابی نعیم مولیٰ جعونہ بن شعیب اللیشی، مدنی ان کے بزرگ اصفہان کے رہنے والے تھے۔ ابو رویم کنیت ہے۔ ۱۶۹ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا۔

✽ ابن عامر یہ عبد اللہ بن عامر بن یزید بن تمیم بن ربیعہ الیحصبی الدمشقی ہیں۔ دمشق کے قاضی تھے کبار تابعین میں سے ہیں ۲۱ھ کے اوائل میں پیدا ہوئے اور عاشورے کے دن ۱۱۸ھ میں وفات پائی۔ بعض نے کہا ہے کہ ۸ھ میں ان کی ولادت ہوئی تھی اس قول پر ان کی عمر

ایک سو دس برس کی ہوتی ہے۔ ✽ ابو عمرو بن العلاء بن عمار بن عبد اللہ المقرئ البصری ان کا نام کسی نے ریان کسی نے عریان کسی نے یحییٰ کسی نے عثمان کسی نے محبوب اور کسی نے کچھ اور بتایا ہے۔ بعض کہتے ہیں ان کی کنیت ہی ان کا نام ہے۔ ۱۵۴ھ میں کوفہ میں انتقال ہوا۔ ✽ عاصم بن ابی النجود (فتح نون) ابو بکر الاسدی، ۱۲ھ میں کوفہ میں وفات پائی بعض

نے سنہ وفات ۱۲۸ بیان کیا ہے۔ امام سفیان اور امام احمد نے کہا ہے کہ بہد لہ، ابو النجود کا نام ہے اور عمرو بن علی الفلاس کہتے ہیں کہ ان کی ماں کا نام ہے مگر ابو بکر بن ابی داؤد نے اس کو غلط بتایا ہے۔ ✽ حمزہ بن حبیب بن عمارہ بن اسماعیل الزیاتی التیمی مولا ہم الکوفی ابو عمارہ۔

بمقام حلوان ۱۵۸ھ میں اور بقول بعض ۱۵۶ھ میں وفات پائی۔ ✽ کسائی ابو الحسن علی بن حمزہ الاسدی مولا ہم الکوفی ۸۹ھ میں وفات پائی انہوں نے حمزہ اسدی کے پاس قرأت کی تھی۔ ان ساتوں میں بجز ابن عامر اور ابو عمر کے کوئی عرب نہیں (والجواہر المضیہ ج ۲ ص ۴۲۲،

راہر مزی۔ المحدث الفاصل بین الراوی والواعی میں محدث بغداد حافظ عفان بن مسلم سے (کہ جن کو یحییٰ بن معین فن حدیث میں امام مالک، ابن جریج، سفیان ثوری اور شعبہ کے ہم پلہ تسلیم کرتے ہیں) بسند ناقل ہیں کہ

”حدثنا عبد الله بن احمد بن معدان حدثنا مذکور بن سليمان الواسطي قال سمعت عفان يقول ، وسمع قوما يقولون نسخنا كتب فلان ونسخنا كتب فلان ، فسمعت يقول نرى هذا الضرب من الناس لا يفلهون ، كنا ناتي هذا فنسمع منه ما ليس عند هذا ونسمع من هذا ما ليس عند هذا فقدمنا الكوفة فاقمنا اربعة شهر ولو اردنا ان نكتب مائة الف حديث لكتبناها فما كتبنا الا قدر خمسين الف حديث وما رضينا من احد الا بالاملاء^(۱) الا شريكا فانه ابى علينا وما رائنا بالكوفة لحانا مجوزا^(۲)“

میں کوفہ آیا تو وہاں چار ہزار حدیث کے طالب علم موجود تھے۔ انہوں نے کچھ لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ ہم فلاں فلاں کی کتابیں نقل کر چکے ہیں۔ اس پر فرمانے لگے کہ ہماری رائے میں اس قسم کے لوگ کامیاب نہیں ہوا کرتے۔ ہمارا تو یہ دستور تھا کہ جب اس استاد کے پاس آتے تو اس سے وہ روایتیں سنتے جو اس استاد کے پاس نہ ہوتیں اور اس سے وہ سنتے جو اس کے پاس نہ ہوتیں۔ چنانچہ جب ہم کوفہ آئے تو چار ماہ قیام رہا اور اگر ہم یہ چاہتے کہ ایک لاکھ حدیثیں لکھ لیں تو لکھ سکتے تھے مگر ہم نے صرف پچاس ہزار حدیثیں ہی لکھیں اور پھر

۱۔ تقدیمہ نصب الراية میں یہ عبارت اس طرح منقول ہے کہ وما رضينا من احد الا ما لامة لیکن اس کا مطلب واضح طور پر سمجھ میں نہیں آتا۔ حافظ عراقی نے بھی شرح الفیہ (ج ۳ ص ۹۰ طبع مصر) میں عفان کا یہ بیان نقل کیا ہے اور اس کے الفاظ وہی ہیں جو متن میں مذکور ہیں۔

۲۔ اس کتاب کے قلمی نسخے کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد کن اور کتب خانہ پیر جہند و حیدر آباد سندھ میں ہماری نظر سے گزرے ہیں لیکن اس وقت یہ عبارت ہم نے محدث کوثری نے امام زیلعی کی نصب الراية پر جو مقدمہ لکھا ہے اس سے نقل کی ہے۔ (ملاحظہ ہو تقدیمہ نصب الراية ص ۳۵ مطبوعہ)

کسی سے علماء کے علاوہ راضی نہ ہوئے۔ سوائے شریک کے کہ انہوں نے ہم۔ انکار کر دیا اور ہم نے کوفہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا کہ جو عربیت میں غلطی کریں اور اس کو روار کھے۔

اور علامہ تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ میں قدوة المحدثین حافظ ابو بکر بن ابی داؤد و جستانی کی زبانی ان کا یہ بیان نقل کرتے ہیں:

”دخلت الكوفة ومعی درهم واحد فاشترین به ثلاثین مد باقلاء فكننت اكل مدا واكتب عن الاشج فكتبت عنه فی الشهر ثلاثین الف حدیث ما بین مقطوع ومرسل“^(۱)

میں جب کوفہ میں آیا تو میرے پاس ایک ہی درہم رہ گیا تھا سو میں نے اس درہم کا تیس مد باقلا خرید لیا پھر ایک مد کھاتا اور شج سے ایک ہزار حدیثیں لکھ لیتا۔ اس طرح ایک مہینہ میں میں نے تیس ہزار حدیثیں جن میں مقطوع اور مرسل بھی شامل ہیں لکھ لیں۔

ذرا تصور کیجئے اس شہر کی کثرت حدیث کا کہ جہاں عفان جیسا حافظ حدیث چار ماہ میں پچاس^(۲) ہزار احادیث لکھ لے (کہ جو مسند احمد جیسی ضخیم

۱۔ طبقات الشافعیۃ ج ۲ ص ۲۳۰ طبع حسینیہ مصر

۲۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جب محدثین احادیث کی تعداد کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد متون احادیث نہیں بلکہ طرق و اسانید ہوتے ہیں۔ نیز سلف کا دستور تھا کہ وہ آثار صحابہ و تابعین اور ان کے فتاویٰ کے لئے بھی حدیث کا لفظ استعمال کیا کرتے تھے۔ حافظ سخاوی، فتح المغیث میں لکھتے ہیں: ”وکذا آثار الصحابة و التابعین و غیرہم و فتاویہم مما کان السلف یطلقون علی کل حدیث“ (ص ۱۲ طبع انوار محمدی لکھنؤ) اور اسی طرح اس تعداد میں (مکررات و موقوفات کے علاوہ صحابہ و تابعین وغیرہ کے آثار و فتاویٰ بھی داخل ہوتے ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے لئے متقدمین حدیث کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ اس کے بعد سخاوی لکھتے ہیں کہ بہت سی حدیثیں ہیں کہ جو سو سندوں کے ساتھ مروی ہیں اور حدیث انما الاعمال بالنیات کے متعلق تو حافظ ابواسمعیل انصاری مروی سے منقول ہے کہ انہوں نے حدیث مذکور کو اس کے صرف ایک راوی یحییٰ بن سعید انصاری سے ان کے سات سو شاگردوں کی سند سے لکھا ہے۔ آج کل کے منکرین >

کتاب کی روایات سے بھی تعداد میں کہیں زیادہ ہیں۔ اور حافظ ابو بکر بن ابی داؤد ایک ہی ماہ میں تیس ہزار حدیثیں ایک ہی شیخ سے لکھ لیں وہاں حدیث و سنت کی اشاعت کا کیا عالم ہو گا یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ سے جب ان کے صاحبزادے عبد اللہ نے دریافت کیا کہ آپ کی رائے میں طالب علم کو کیا کرنا چاہیے آیا ایک ہی صاحب علم کی خدمت میں برابر حاضر رہ کر اسی سے حدیثیں لکھتا رہے یا ان مقامات کا رخ کرے کہ جہاں علم کا چرچا ہے اور وہاں جا کر علماء سے حدیث کی تحصیل کرے تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اسے سفر کرنا چاہیے اور دوسرے مقامات کے علماء سے حدیثیں لکھنی چاہیں اور ان علماء میں سب سے پہلے امام موصوف نے ”کوفین“ ہی کا ذکر کیا۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں: ”یرحل ویکتب عن الکوفیین والبصرین واهل المدینة ومكة“^(۱) امام بخاری نے طلب حدیث میں بخارا سے لے کر مصر تک تمام اسلامی شہروں کا سفر کیا تھا۔ دو دفعہ جزیرہ گئے۔ چار دفعہ بصرہ جانا ہوا چھ سال تک حجاز میں مقیم رہے مگر اس کے باوجود کوفہ اور بغداد کی وہ اہمیت تھی کہ فرماتے ہیں:

”لا احصى کم دخلت الی الکوفة وبغداد مع المحدثین“^(۲)

==> حدیث نے اہلہ فریبی کے لئے یہ شور مچا رکھا ہے کہ موجودہ حدیث کی کتابوں میں چند ہزار سے زائد احادیث کی تعداد پائی نہیں جاتی اور محدثین یہ کہتے ہیں کہ ہم نے لاکھوں حدیثوں سے ان کا انتخاب کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ احادیث کی بڑی تعداد خود محدثین کے بیانات کے مطابق خود ساختہ ہے لہذا ایسی صورت میں ان چند ہزار کا بھی کیا اعتبار رہ جاتا ہے کہ جن کو لاکھوں موضوعات سے چھانٹ کر صحیح قرار دیا گیا ہو۔ اس لئے آپ خوب سمجھ لیجئے کہ وہ ایک بہت ہی بڑا سنگین مغالطہ ہے جو بے چارے نادانف عوام کو دیا جا رہا ہے کیونکہ محدثین کے یہاں تو احادیث کی تعداد کا حساب ان کی اسانید کے اعتبار سے ہوتا تھا نہ کہ متون کے لحاظ سے پس اگر کسی حدیث کی مثلاً سوانسنادیں ہیں تو اس کی تعداد اپنی اسانید کے اعتبار سے موجود ہو گی چنانچہ حدیث انما الاعمال بالنیات کا جب شمار لگائیں گے تو اس کی سات سوانسنادوں کے اعتبار سے سات سو شمار کریں گے۔

میں شمار بھی نہیں کر سکتا کہ کوفہ اور بغداد میں مجھے محدثین کے ساتھ کتنی بار جانا پڑا۔

فن حدیث کی تبویب سب سے پہلے اسی شہر میں ہوئی۔ صحیح احادیث کا مجموعہ بھی سب سے پہلے یہیں مرتب ہوا۔^(۱)

اور فقہ کے متعلق تو پوچھنا ہی کیا، امام ابو حنیفہ نے اس کو ”معدن العلم والفقہ“ کا لقب دیا ہے^(۲) اور سفیان بن عیینہ جو ائمہ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں کہا کرتے تھے

”من اراد المغازی فالمدینة ومن اراد المناسک فمکة ومن اراد الفقہ فالکوفة“^(۳)

مغازی کے لئے مدینہ، مناسک کے لئے مکہ اور فقہ کے لئے کوفہ ہے۔

☆ فقہ حنفی جس پر بارہ سو برس سے اسلامی دنیا کا تقریباً دو ثلث حصہ عمل پیرا چلا آتا ہے اس کی بنیاد بھی یہیں پڑی۔

عربیت اور نحو کی تدوین بھی کوفہ اور بصرہ ان ہی دو شہروں میں ہوئی ہے چنانچہ لغت اور نحو کی کتابوں میں بجز ان دو مقامات کے عام طور پر اور کسی جگہ کے علماء کا اختلاف ذکر نہیں کیا جاتا۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

۱۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

۲۔ مناقب الامام الاعظم، از صدر ائمہ موفق بن احمد مکی المتوفی ۵۶۸ھ مطبوعہ مطبع دائرة المعارف النظامیہ حیدرآباد کن ج ۱ ص ۵۶۔ ۳۔ ایضاً ج ۲ ص ۶۴ علامہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں کوفہ کے ذکر میں سفیان بن عیینہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں خذوا المناسک عن اهل مكة وخذوا القراءة عن اهل المدينة وخذوا الحلال والحرام عن اهل الكوفة (یعنی مناسک اہل مکہ سے حاصل کرو اور قرأت اہل مدینہ سے اور حلال و حرام کا علم اہل کوفہ سے)

”کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود (ؓ) حضرت عمار بن یاسر، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم جیسے حضرات نیز صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی ایک خلقت آ کر اتری۔ پھر وہاں علقمہ مسروق، عبیدہ اور اسود جیسے ائمہ تابعین پیدا ہوئے۔ پھر شعبی، نخعی، حکم بن عتیہ، حماد، ابواسحاق منصور، اعمش اور ان کے اصحاب ہوئے۔

اس کے بعد ذہبی کے الفاظ ہیں:

”وما زال العلم بها متوفرا الى زمان ابن عقده“

اور ابن عقده کے زمانے تک برابر وہاں علم کی وسعت و کثرت ہی چلی آئی۔

☆ حافظ عصر ابن عقده کی وفات ۳۳۲ھ میں ہوئی ہے اس حساب سے متواتر تین سو سال تک کوفہ حدیث کا دارالعلم رہا ہے۔ محدث حاکم نیشاپوری نے کوفہ کا پہلا سفر ابن عقده کی وفات کے نو برس بعد ۳۴۱ھ میں کیا تھا اس وقت تک صحابہ کی درس گاہوں کے نشانات موجود تھے چنانچہ اس سلسلہ میں ان کا بیان حسب ذیل ہے۔

میں کوفہ میں سب سے پہلے ۳۴۱ھ میں داخل ہوا۔ ابوالحسن بن عقبہ شیبانی مجھے صحابی کی مساجد بتاتے جاتے تھے چنانچہ میں بہت سی مسجدوں میں گیا، یہ مساجد اس وقت تک آباد تھیں۔ ہم نے اپنا ٹھکانہ محلہ بجیلہ میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی مسجد کو بنایا تھا۔

اس کے بعد ۳۴۵ھ میں پھر کوفہ آنا ہوا تو ابن عقبہ کی مسجد ویران ہو چکی

۱۔ عہد فاروقی اور عہد عثمانی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیشتر قیام کوفہ ہی میں رہا۔ چنانچہ علامہ ذہبی۔ میزان الاعتدال میں اصغ بن خلیل کے ترجمہ میں تصریح کرتے ہیں انہ کان فی غالب دولتيهما بالكوفة (بلاشبہ یہ دونوں کے زمانہ خلافت میں بیشتر کوفہ ہی میں رہے)

تھی۔ اب ابوالقاسم سکونی میرا ہاتھ پکڑ کر میرے ساتھ جامع مسجد کے ستونوں کے گرد گھومتے اور بتاتے جاتے تھے کہ ہذہ اسطوانة جریر ، ہذہ اسطوانة عبد اللہ ، ہذہ اسطوانة البراء ، یہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا ستون ہے یہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے یہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کا ہے (جہاں یہ حضرات درس دیا کرتے تھے) ^(۱)

امام ابن ماجہ نے جس زمانہ میں کوفہ کا سفر کیا ہے اس کی علمی رونق بدستور قائم تھی اور یہ محدثین و حفاظ حدیث سے بھرا ہوا تھا۔ چنانچہ ان میں سے جن حضرات کے سامنے آپ نے زانوے شاگردی کیا وہ حسب ذیل ہیں:

☆ **حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ** : عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان العصبی مولا ہم الکوفی حافظ ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے ”ابوبکر بن ابی شیبہ الحفاظ عديم النظير الثبت التحریر“ بہت بڑے نامور محدث تھے۔ مصنفین صحاح ستہ میں سے امام بخاری ، مسلم ، ابوداؤد اور ابن ماجہ ان کے خاص شاگرد تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں تیس اور صحیح مسلم میں ایک ہزار پانچ سو چالیس حدیثیں ان کی سند سے مروی ہیں۔ ^(۲)

اسی طرح سنن ابی داؤد میں بھی بکثرت ان سے حدیثیں منقول ہیں اور سنن ابن ماجہ میں تو غالباً سب سے زیادہ ان ہی کی روایتیں درج ہیں۔ عمرو بن علی فلاس کا بیان ہے کہ ان سے بڑا حافظ حدیث ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ ابو عبید قاسم بن سلام کہتے ہیں کہ حدیث کا علم چار شخصوں پر آ کر منتہی ہوا۔ جن میں ابو بکر بن ابی شیبہ تو حسن اداء میں۔ اور احمد بن حنبل تفقہ میں اور یحییٰ بن معین جامعیت میں اور علی بن مدینی وسعت معلومات میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔

۱۔ معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۹۱، ۱۹۲ طبع مصر۔

۲۔ تہذیب التہذیب ترجمہ ابن ابی شیبہ

۱۔ اور موقع پر ابو عبید نے ان چاروں کے مابین ان الفاظ میں موازنہ کیا ہے کہ
 حدیث کے ربانی عالم چار ہیں۔ جن میں حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم احمد
 ان حنبلی اور روانی و حسن سیاق میں سب سے اچھے علی بن مدینی اور تصنیف میں
 سب سے خوش سلیقہ ابو بکر بن ابی شیبہ اور صحیح اور غیر صحیح حدیثوں کا سب سے
 زیادہ علم رکھنے والے یحییٰ بن معین ہیں۔ ابو علی صالح بن محمد بغدادی کا بیان ہے
 کہ میں نے جن لوگوں کو پایا ان میں حدیث اور اس علل کے سب سے بڑے عالم
 علی بن مدینی اور فقہ حدیث میں سب سے بڑھ کر احمد بن حنبل اور تحفہ مشائخ
 سے سب سے زیادہ باخبر یحییٰ بن معین اور مذاکرہ کے وقت سب سے زیادہ یاد
 داشت رکھنے والے ابو بکر بن ابی شیبہ ہیں^(۱) ابو زرہ کا بیان ہے کہ میں نے ابن
 ابی شیبہ سے ایک لاکھ حدیثیں لکھی ہیں^(۲)۔ ابن خراش کہتے ہیں کہ ایک بار
 میں نے ابو زرہ کو یہ کہتے سنا کہ ما رأیت احفظ من ابن ابی شیبہ (میں نے
 ابن ابی شیبہ سے بڑھ کر کسی کو حافظ حدیث نہیں دیکھا) اس پر میں بول اٹھا کہ
 اصحابنا البغدادیین (ہمارے بغداد کے اصحاب بھی نہیں) کہنے لگے دع
 اصحابک اصحاب مخاریق^(۳) (ارے ان تمہارے چتھڑوں والے اصحاب
 کو رہنے بھی دو) محرم ۲۳۵ھ میں انتقال فرمایا آپ نے متعدد تصانیف یاد گار
 چھوڑیں جن میں مسند اور مصنف زیادہ مشہور ہیں۔

✽ مصنف کا شمار حدیث کی ان چند بے مثال تالیفات میں ہے کہ جو اسلام
 کا کارنامہ فخر خیال کی جاتی رہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر دمشقی۔ البدایہ والنہایہ
 میں ابن ابی شیبہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وَصَاحِبُ الْمَصْنَفِ الَّذِي لَمْ يَصْنَفْ أَحَدٌ مِثْلَهُ قَطُّ لَا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ“
 (ج ۱۰ ص ۳۱۵)

یہ اس مصنف کے مصنف ہیں کہ اس کی مثل کسی نے کبھی تصنیف نہیں کی۔

۱۔ تدریب الراوی ص ۲۷۶۔ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابراہیم بن موسیٰ ابواسحاق الرازی القرء

۳۔ تہذیب التہذیب ترجمہ ابن ابی شیبہ۔

نہ ان سے پہلے اور نہ ان سے بعد۔

اور حافظ ابن حزم اندلسی نے اس کتاب کو عظمت کے اعتبار سے موطا امام مالک سے بھی مقدم رکھا ہے^(۱)۔ اور فی الواقع صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، اور سنن ابن ماجہ میں جس کثرت سے اس کتاب کی روایتیں منقول ہیں موطا کی منقول نہیں۔

مصنف میں صرف احادیث احکام کو جمع کیا گیا ہے یعنی جن سے کوئی فقہ کا مسئلہ معلوم ہو سکے اور یہ اس کتاب کا خاص امتیاز ہے کہ اس میں کسی مذہب فقہی کے ساتھ کوئی ترجیحی سلوک روا نہیں رکھا گیا بلکہ اہل حجاز اور اہل عراق دونوں کی جتنی روایات مصنف کو مل سکیں ان سب کو نہایت ہی غیر جانبداری کے ساتھ یکجا جمع کر دیا ہے جس سے ہر فقیہ کو نہایت آسانی کے ساتھ بغیر کسی تاثر کے اس مسئلہ کے بارے میں آزادی کے ساتھ رائے قائم کرنے کا موقع باقی رہتا ہے افسوس ہے کہ بعد کے مصنفین ابن ابی شیبہ کے اس غیر جانبدارانہ طرز کو قائم نہ رکھ سکے اور انہوں نے اپنی تصانیف میں یا تو صرف اپنے ہی مذہب فقہی کی روایات کے درج کرنے پر اکتفا کیا یا دوسرے مذاہب کی روایات اگر ذکر کیں تو جہاں تک ممکن ہو سکا ان پر جرح بھی کر ڈالی جس کی وجہ سے جب تک قدماء کی کتابیں پیش نظر نہ ہوں کسی مسئلہ پر غیر جانبداری کے ساتھ رائے قائم کرنا دشوار ہو گیا۔ حدیث کی بعض متداول کتابوں کے مطالعہ سے جو ظاہر بینوں کو مذہب حنفی سے عقیدت کم ہو جاتی ہے اس کی اصل وجہ یہی ہے۔ بہر حال قدماء کی تصانیف میں احادیث احکام پر جامع ترین کتاب ہے۔ دوسری ایک اور

اہم خصوصیات اس کتاب کی یہ ہے کہ اس میں حدیث نبوی کے پہلو بہ پہلو صحابہ اور تابعین کے اقوال و فتاویٰ بھی درج ہیں جس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہر حدیث کے متعلق ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس پر سلف امت کی تلتی رہی ہے یا نہیں اور دور صحابہ و تابعین میں اس روایت پر عمل درآمد کیا یا نہیں اور یہ اس کتاب کی وہ مخصوص افادیت ہے کہ جس میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتی اور یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب فقہاء محدثین میں برابر متداول چلی آتی ہے چنانچہ کتب حدیث و فقہ کی وہ شروح کہ جن میں احادیث احکام سے بحث کی جاتی ہے ان میں شاید ہی کوئی کتاب ایسی ملے کہ جس میں اس کے حوالے درج نہ ہوں اور اس کی احادیث پر بحث نہ ہو۔ صاحب کشف الظنون نے اس کتاب کا تعارف ان لفظوں میں کرایا ہے:

”هو كتاب كبير جداً جمع فيه فتاوى التابعين واقوال الصحابة واحاديث الرسول ﷺ على طريقة المحدثين بالاسانيد مرتبا على الكتب والابواب على ترتيب الفقه“

یہ ایک بہت بڑی کتاب ہے جس میں فتاویٰ تابعین، اقوال صحابہ اور احادیث رسول اللہ ﷺ کو محدثین کے طریقہ پر اسانید کے ساتھ جمع کر دیا ہے اور ترتیب فقہی پر اس کی کتب و ابواب کو مرتب کیا ہے۔

اور محدث ناقد محمد زاہد کوثری رقمطراز ہیں:

”والمصنف احوج ما يكون الفقيه اليه من الكتب الجامعة المسانيد والمراسيل وفتاوى الصحابة والتابعين ، رتبه على الابواب ليقف المطالع على مواطن الاتفاق والاختلاف بهولة وهو من اجمع الكتب

لادلة الفقهاء خاصة اهل العراق (۱)

مسانید و مراسیل اور فتاویٰ صحابہ و تابعین کی جو جامع کتابیں ہیں ان میں ایک فقیہ کو سب سے زیادہ جس کتاب کی احتیاج ہے وہ مصنف ہے جس کو ابواب پر مرتب کیا ہے تاکہ اس کا مطالعہ کرنے والا سہولت کے ساتھ اتفاق و اختلاف کے مواقع سے واقف ہو جائے۔ یہ کتاب فقہاء بالخصوص اہل عراق کے دلائل کی جامع ترین کتابوں میں سے ہے۔

ابن ابی شیبہ نے اس کتاب میں ایک مستقل باب امام ابو حنیفہ کے رد میں بھی لکھا ہے (۲) ہے جس کا عنوان ہے۔

۱۔ حواشی ذیونی تذکرۃ الحفاظ از محدث موصوف ص ۱۸۵ طبع دمشق۔

۲۔ ظاہر بیون کو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیے۔ اجتہادی مسائل میں اختلاف ناگزیر ہے اور ہر فریق کو دوسرے کے مسائل پر تنقید کا پورا پورا حق حاصل ہے اگر کسی فن میں تنقید کو ممنوع قرار دے دیا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ فن کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں نے فن استنباط و اجتہاد کو جو اس درجہ کمال پر پہنچایا کہ زندگی کے ہر مسئلہ کا حل وہ شریعت کی روشنی میں تلاش کر لیتے ہیں اور ان کا قانون فقہ ہر حیثیت سے مکمل اور جامع ہے اس کی اصل وجہ ان کی یہی علمی بحث و تحقیق ہے جس سے نصوص پر غور کرنے اور ان سے استنباط مسائل کے سارے طریقے منبج ہو کر اور نکھر کر امت کے سامنے آ گئے۔ زمانہ سلف میں اکثر ائمہ نے ایک دوسرے کے مسائل پر تنقید و اعتراض کیا ہے۔ امام لیث بن سعد کا بیان ہے کہ میں نے امام مالک کے ستر مسئلے ایسے شمار کئے کہ جو سب کے سب سنت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تھے چنانچہ میں نے اس بارے میں انکو لکھ کر بھیج دیا ہے (۱)۔ خود امام شافعی نے امام مالک کی تردید میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ ان کے بہت سے مسائل احادیث کے خلاف ہیں۔ امام رازی نے مناقب الشافعی میں اس کتاب کا دیباچہ نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حزم اندلسی جو ابواب ظواہر کے امام ہیں اپنی کتاب مراتب الدیانہ میں لکھتے ہیں کہ موطا میں ستر سے اوپر ایسی حدیثیں ہیں کہ جن پر خود امام مالک نے عمل نہیں کیا ہے (۲)۔ اور بعض مغاربہ نے ایک مستقل کتاب میں ان مسائل کو جمع بھی کر دیا ہے کہ جن میں مالکیہ کا عمل موطا کی احادیث کے صریحاً خلاف ہے (۳) محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکیم مالکی نے جو مصر کے مشہور فقیہ اور محدث تھے اور امام شافعی کے بھی شاگرد رہ چکے تھے۔ امام شافعی کے رد میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا >=

جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۸ طبع منیریہ مصر۔ ۲۔ تدریب الراوی ص ۲۲۔ ۳۔ تقییل المنفعہ بزاد کدر جال الاربعہ

از حافظ ابن حجر عسقلانی ص ۴ طبع دائرہ المعارف یدر آباد کن۔ ۴۔ طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۱ ص ۲۲۳۔

==> نام الرد علی الشافعی فی ما خالف فی الکتاب والنہ۔ یعنی ان مسائل میں شافعی کا رد کہ جن میں ان سے کتاب و سنت کے خلاف ہوا ہے (۴) لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ العیاذ باللہ یہ سب ائمہ حدیث کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ نہیں اگر ایسا کرتے تو ان کی امامت تو کیا خود ان کے اسلام پر کلام ہوتا۔ بات یہ ہے کہ یہ اجتہادی مسائل ہیں اور ان میں ضروری نہیں کہ جو روایت ایک کے نزدیک قابل قبول ہو وہ دوسرے کے نزدیک بھی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے علم میں اس کی مسند میں کوئی خرابی موجود ہو یا اس کی تحقیق میں وہ منسوخ ہو یا پھر اس کے ذہن میں اس کی کوئی اور توجیہ ہو۔ چنانچہ علامہ ابن عبد البر مالکی، جامع بیان العلم میں فرماتے ہیں:

”ليس لاحد من علماء الامة يثبت حديثا عن النبي ﷺ ثم يردده دون ادعاء نسخ عليه بان من مثله او باجماع او بعمل يجب على اصله الانقياد اليه او طعن في سنده ولو فعل ذلك احد سقطت عدالته فضلان يتخذ اماما ولزمه اثم الفسق“ (جامع بيان العلم ج ۲ ص ۱۳۸ طبع منیرہ مصر)

علماء امت میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ ایک حدیث کو آنحضرت ﷺ سے ثابت مانتے ہوئے پھر اس کو بغیر ادبائے نسخ کے رد کر دے خواہ اس نسخ کے ثبوت میں اسی درجہ کی حدیث پیش کرے یا اجماع کو یا کسی ایسے عمل کو کہ جس کا تسلیم کرنا اس کے اصول پر ضروری ہے یا پھر اس حدیث کی سند میں طعن کو ثابت کرے ورنہ اگر یونہی رد کر دے تو اس کا امام بنانا تو درکنار اس کی عدالت ہی سرے سے ساقط ہو جائے اور فسق کا گناہ اس پر عائد ہو جائے۔

چنانچہ ابن ابی شیبہ کے اس باب ہی کو لے لیجئے اور جن ائمہ حدیث نے اس کا جواب لکھا ہے وہ بھی اٹھا لیجئے اور پھر خود فیصلہ کیجئے کہ ان مسائل میں امام ابو حنیفہ کا مذہب حدیث کے مخالف ہے یا ابن ابی شیبہ کے مذہب فقہی کے ہمیں اب تک جن علماء کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے ابن ابی شیبہ کے اعتراضات کا مفصل جواب لکھا ہے وہ یہ ہیں (۱) حافظ عبد القادر قرشی مصنف الجواہر المفیہ فی طبقات الحنفیہ، ان کی تصنیف کا نام ہے ”الدور والمنیفة فی الرد علی ابن ابی شیبہ فیما اورده علی ابی حنیفة“ (۲) حافظ قاسم بن قطلوبغا التونی ۸۷۹ھ ان کی کتاب کا نام ہے ”الاجوبة المنیفة عن اعتراضات ابن ابی شیبہ علی ابی حنیفة“ علامہ قاسم کا فن حدیث میں جو پایہ ہے اس کا اندازہ آپ اس سے لگائیے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی جو ان کے استاد بھی ہیں ان کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ ”الامام الاعلام الحديث الفقيه“ اور ”الشيخ الفاضل المحدث الكامل الاوحد“ (۳) علامہ محمد زاہد کوثری التونی ۱۳۱۱ھ جبری ان کی تصنیف کا نام ہے ”النکت الطریقة فی التحدث عن ردود ابن ابی شیبہ علی ابی حنیفة“ یہ کتاب مصنف کی حیات ہی میں ۱۳۶۵ھ میں مصر سے طبع ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے۔ حافظ محمد بن یوسف صالحی شافعی مصنف سیرۃ شامیہ نے عقود الجمان میں لکھا ہے کہ خود انہوں نے بھی ابن ابی شیبہ کے رد میں ایک مستقل تالیف شروع کی تھی اور دس حدیثوں تک جواب بھی لکھ لیا تھا مگر بعد

”هل ما خالف به ابو حنیفہ الاثر الذی جاء عن رسول اللہ ﷺ“

یہ وہ ہے جس میں ابو حنیفہ نے اس حدیث کا خلاف کیا ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ سے آئی ہے۔

اس باب میں ابن ابی شیبہ نے ایک سو پچیس مسائل کی بابت دعویٰ کیا ہے کہ احادیث و آثار سے تو یہ ثابت ہوتا ہے اور امام ابو حنیفہ کا قول اس کے برخلاف ہے لیکن آپ کو علمائے احناف کی اس وسعت صدر پر شاید تعجب ہو کہ اس کے باوجود اس کتاب کی علمی وقعت ان کی نظر میں ذرا بھی کم نہیں ہوئی۔ لیکن یہی کتاب جب ابن ابی شیبہ کے نامور شاگرد شیخ الاسلام ہبی بن مخلد جن کو حافظ ابن حزم اندلسی اپنے رسالہ فضائل اہل اندلس میں امام بخاری و مسلم کا ہمسر بتاتے ہیں۔ اندلس میں لے کر داخل ہوئے اور ان کے پاس لوگوں نے اس کتاب کو پڑھنا شروع کیا تو وہاں کے فقہاء کی ایک جماعت اپنے مسائل سے اختلاف کی تاب نہ لا کر نہایت سختی سے مخالفت پر آمادہ ہو گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ عوام نے شیخ الاسلام پر یورش کر کے کتاب کی قرأت کو موقوف کر دیا۔ اس زمانہ میں محمد بن عبد الرحمن اموی، اندلس کا فرمانروا تھا جو علم و علماء کا نہایت قدردان اور بڑا ذی علم تھا۔ اسے جب اس ہنگامہ کا پتہ چلا تو فوراً ہی شیخ الاسلام کو مع فریق مخالف کے اپنے حضور میں طلب کیا اور مصنف کے ایک ایک جزء کا اول

== کو جب یہ اندازہ ہوا کہ جس بیان پر انہوں نے جواب لکھنا شروع کیا ہے وہ وہ جلدوں میں آئے گا تو قلم روک لیا کیونکہ اس زمانہ میں یہ سیرت شامیہ کی تکمیل میں مصروف تھے۔ ملا کاتب چلبی نے کشف الظنون میں حافظ قرشی اور حافظ قاسم کی تالیفات کے علاوہ اس سلسلہ میں اور تصنیف کا بھی ذکر کیا ہے جس کا نام ہے ”الرد علی من رد علی ابی حنیفہ وافتخر به وجعله بابا فی کتابہ“ ملا صاحب نے اس کتاب کے مصنف کا نام ذکر نہیں کیا مگر یہ لکھا ہے کہ یہ ایک مختصر کتاب ہے جس کا ابتدائی جملہ الحمد للہ الذی ہدانا الی الصراط المستقیم ہے اس کتاب میں اولاً ابن ابی شیبہ کے مسائل کو مع دلائل ذکر کیا ہے اور پھر اصل مسئلہ کی تقریر مع جوابات کے قلمبندی کی ہے۔

سے آخر تک خوب جائزہ لیا۔ بعد ازاں اپنے خازن کتب کو حکم دیا کہ

”هذا الكتاب لا تستغنى خزانتنا عنه فانظر في نسخه لنا“

یہ وہ کتاب ہے جس سے ہمارا کتب خانہ بھی مستغنی نہیں رہ سکتا لہذا اس کی نقل کا بندوبست کرو۔

پھر امام قسیمی بن مخلد کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ آپ اپنے علم کی نشر و اشاعت میں مصروف رہیں اور جو روایات آپ کے پاس موجود ہیں ان کو بیان فرمائیں اور فریق مخالف کو ہدایت کر دی کہ آئندہ ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے^(۱)

اس زمانہ میں اندلس میں فقہ مالکی کی حکمرانی تھی اور مصنف میں اگرچہ امام ابو حنیفہ کی طرح امام مالک کے رد میں کوئی باب بھی نہیں ہے تاہم حافظ ابو بکر بن ابی شیبہ چونکہ کوئی تھے اور اس بناء پر انہوں نے اہل عراق کی روایات اور ان کے دلائل کو بھی بہ تفصیل بیان کیا ہے۔ اور اندلس کے لوگ عام طور پر موطا اور احادیث اہل مدینہ کے علاوہ اور روایات سے نا آشنا تھے۔ ساتھ ہی ذہن میں یہ غلط مفروضہ قائم کر رکھا تھا کہ اہل عراق قلیل الحدیث ہیں اور ان کی معلومات حدیث میں برائے نام ہیں۔ اس لئے خلاف توقع جب یہ کتاب ان کے سامنے آئی تو اس کی روایات پر فقہاء مالکیہ میں سخت شورش پیدا ہوئی جو فن حدیث سے ناواقفیت کا لازمی نتیجہ تھا۔ اس جماعت کے سرخیل فقیہ اصغ بن خلیل قرطبی کو مصنف سے اس قدر برہمی تھی کہ کہا کرتے تھے۔

”لان یکون فی تابوتی راس خنزیر احب الی من ان یکون فیہا مصنف ابن ابی شیبہ“^(۲)

۱۔ فتح الطیب من غصن الاندلس الرطیب۔ ج ۳ ص ۲۷۳ طبع جدید۔

۲۔ میزان الاعتدال امام ذہبی ترجمہ اصغ بن خلیل۔

اگر میری کتابوں میں خنزیر کا سر رکھا ہو تو وہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ ان میں مصنف ابن ابی شیبہ ہو۔

قاسم بن اصبح جو مشہور حفاظ حدیث میں ہیں اکثر اصبح بن خلیل کو بدعا دیتے اور کہا کرتے کہ یہی وہ شخص ہے جس نے مجھے جی بن خلد سے حدیث نہ سننے دی کیونکہ یہ میرے باپ کو کہا کرتا تھا کہ اس کو جی کے پاس نہ جانے دینا۔^(۱) یہ اصبح بن خلیل گو فقہ مالکیہ میں نہایت نامور ہیں مگر علم حدیث سے نا آشنا تھے۔ چنانچہ ابن الفرغی لکھتے ہیں:

”کان اصبح بن الخلیل حافظ للرأی علی مذهب مالک فقیہا فی الشروط بصیرا بالعقود ودارت علیہ الفتیا ولم یکن له علم بالحديث“^(۲)
اصبح بن خلیل، مذہب مالک پر مسائل کے حافظ تھے۔ شروط میں فقیہ تھے اور معاملات پر بڑی گہری بصیرت رکھتے تھے فتویٰ کا ان پر دار و مدار تھا لیکن حدیث کا علم ان کو نہ تھا۔

✽ مصنف کے قلمی نسخے ہندوستان اور قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ چنانچہ کتب خانہ سعیدیہ حیدرآباد کن میں اس کا ایک قلمی نسخہ ہماری نظر سے بھی گزرا ہے۔ مولوی عبد التواب ملتانی مرحوم کا ارادہ تھا کہ اس کو طبع کر کے شائع کر دیا جائے چنانچہ انہوں نے اس کے پندرہ اجزاء میں سے جزء اول، ثانی و رابع کو ملتان سے طبع کر کے شائع بھی کیا۔ مگر پھر ان کا انتقال ہو گیا اور کتاب کی طباعت مکمل نہ ہو سکی اور مولوی صاحب موصوف کے پاس چونکہ اس کی طباعت کا کوئی مناسب انتظام نہ تھا اس لئے ان اجزاء کی طباعت بھی نہایت ناقص اور بے حد خراب ہے جس کی وجہ سے بہت سی جگہ کتاب مسخ ہو کر رہ گئی ہے۔

✽ **شیخ الاسلام اشج :** ان کا نام عبد اللہ اور کنیت ابو سعد ہے۔ یہ وہی ہیں جن سے ابو بکر بن ابی داؤد نے ایک ماہ میں تیس ہزار حدیثیں لکھی تھیں

۱۔ لسان المیزان ترجمہ اصبح مذکور۔

۲۔ لسان المیزان ترجمہ اصبح مذکور۔

امام ابن ماجہ نے بھی ان سے بکثرت روایتیں کی ہیں حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ اس طرح شروع کیا ہے: الاشج الامام شیخ الاسلام ابو سعد عبد اللہ بن سعید بن حصین الکندی الکوفی لحافظ محدث الکوفة وصاحب التفسیر والتصانیف تمام ارباب صحاح ستہ فن حدیث میں ان کے شاگرد ہیں۔ محمد بن احمد بن بلال شعلوی کا بیان ہے کہ میں نے ان سے بڑھ کر حافظ حدیث نہیں دیکھا۔ ابو حاتم کہتے ہیں الأشج امام زمانہ ربیع الاول ۲۵۷ھ میں جب کہ آپ کی عمر نوے سال سے متجاوز ہو چکی تھی انتقال فرمایا رحمہ اللہ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)

✽ حافظ کبیر عثمان بن ابی شیبہ، یہ ابو بکر بن ابی شیبہ صاحب مصنف کے بڑے بھائی ہیں ان سے بھی ابن ماجہ نے بکثرت روایتیں نقل کی ہیں۔ ذہبی کے میزان الاعتدال میں ان کے متعلق یہ الفاظ ہیں۔ احداثمة الحدیث الاعلام کاخیہ ابی بکر یعنی اپنے بھائی ابو بکر کی طرح یہ بھی مشاہیر ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ امام بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ سب آپ کے شاگرد ہیں۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے ان کی مرویات میں افراد وغرائب موجود ہیں حالانکہ امام بخاری ان سے بکثرت روایت کرتے ہیں۔ مزاج میں بڑا مزاج تھا حتیٰ کہ قرآن پاک کی آیات کی تصحیف سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ ۲۳۹ھ کے اوائل میں انتقال ہوا۔ ذہبی نے ان کی تصانیف میں سے مسند اور تفسیر کا ذکر کیا ہے۔ رحمہ اللہ (تذکرۃ الحفاظ میزان الاعتدال)

✽ درۃ العراق حافظ محمد بن عبد اللہ بن نمیر، ابو عبد الرحمن البہدانی الحارثی الکوفی۔ یہ اور ان کے والد عبد اللہ^(۱) دونوں بڑے پایہ کے محدث گزرے ہیں۔

۱۔ حافظ عبد اللہ بن نمیر، امام ابو حنیفہ کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں چنانچہ حافظ عبد القادر فرشی نے الجواہر المصیۃ فی طبقات الحنفیہ میں ان کا تذکرہ لکھا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے بھی اپنی مصنف میں ان کے واسطے سے امام ابو حنیفہ کی متعدد روایات نقل کی ہیں۔

چنانچہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں دونوں کا تذکرہ لکھا ہے۔ امام احمد بن حنبل ان کی بہت تعظیم کرتے اور ان کو ”درة العراق“ (عراق کا موتی) کہا کرتے تھے۔ علی بن الحسین بن الجنید کہتے ہیں ما رأیت بالكوفة مثله جمع العلم والفہم والسنة والزہد (کوفہ میں میں نے ان کی نظیر نہیں دیکھی۔ علم، فہم، سنت اور زہد سب کے جامع تھے) احمد بن صالح مصری کا بیان ہے کہ عراق میں میں نے دو شخصوں کے مثل نہ دیکھا۔ بغداد میں تو امام احمد کی اور کوفہ میں محمد بن عبد اللہ بن نمیر کی۔ یہ دونوں جامع شخص تھے جن کی نظیر سارے عراق میں میری نظر سے نہیں گزری^(۱)۔ امام بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ سب ان کے شاگرد ہیں۔ صحیح مسلم میں ان کی سند سے پانچ سو تہتر حدیثیں منقول ہیں اور امام ابن ماجہ نے بھی ان سے بکثرت روایتیں کی ہیں۔ ۲۳۴ھ میں ماہ شعبان یا رمضان میں انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)

✽ محدث کوفہ ابو کریب محمد بن العلاء بن کریب الہمدانی الکوفی۔ کوفہ کے مشہور حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ تمام ارباب صحاح ستہ ان کے شاگرد تھے۔ ابن عقدہ ان کو تمام مشائخ پر حفظ و کثرت حدیث میں مقدم رکھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ان سے کوفہ میں تین لاکھ حدیثیں شائع ہوئی ہیں۔ موسیٰ بن اسحاق کا بیان ہے کہ میں نے ابو کریب سے ایک لاکھ حدیثیں سنی ہیں۔ ابن نمیر کا قول ہے کہ عراق میں ان سے زیادہ کثیر الحدیث کوئی نہیں اور ہمارے شہر کی حدیثوں کا جاننے والا بھی ان سے زیادہ کوئی نہیں۔ ابراہیم بن ابی طالب کہتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن یحییٰ نے پوچھا کہ تم نے عراق میں سب سے بڑا حافظ حدیث کس کو دیکھا تو میں نے کہا کہ احمد بن حنبل کے بعد ابو کریب کے برابر میں نے کسی کو نہیں دیکھا علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں کان ثقة مجمعا علیہ

ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کے استاد ہیں۔ امام بخاری نے جزء القراءة میں ان سے روایت کی ہے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ نہیں لکھا ہے۔ مگر حافظ مزی نے تہذیب الکمال میں اور علامہ صفی الدین خوارزمی نے خلاصہ تہذیب و تہذیب الکمال میں ان کے حافظ الحدیث ہونے کی تصریح کی ہے۔ امام نسائی نے آپ کو ثقہ کہا ہے ابن خزمہ کہتے ہیں کان من خیار عباد اللہ ۲۵۸ھ میں وفات پائی رحمہ اللہ (تہذیب التہذیب۔ خلاصہ تہذیب)

ان حفاظ کے علاوہ کوفہ کے جن محدثین سے امام ابن ماجہ نے فن حدیث کی تحصیل کی ان کے اسما گرامی حسب ذیل ہیں۔

- ۱۔ احمد بن بدیل بن قریش ابو جعفر الیامی قاضی الکوفہ المتوفی ۲۵۸ھ ۲۔ احمد بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ بن ابی السفر الہمدانی ابو عبیدۃ الکوفی المتوفی ۲۵۸ھ
- ۳۔ احمد بن عبد الرحمن القرشی المحزومی الکوفی المقری ۴۔ احمد بن عثمان بن حکیم الاودی ابو عبد اللہ الکوفی المتوفی ۲۶۱ھ ۵۔ ابراہیم بن عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم ابو شیبہ۔ یہ حافظ ابو بکر بن ابی شیبہ صاحب مصنف کے صاحبزادے ہیں ۶۔ اسماعیل بن بہرام بن یحییٰ الہمدانی ثم الخبذی الوشار الکوفی المتوفی ۲۴۱ھ ۷۔ اسماعیل (۱) بن محمد بن اسماعیل التیمی الطحی الکوفی المتوفی ۲۳۲ھ ۸۔ اسماعیل بن موسیٰ الفراری ابو محمد الکوفی المتوفی ۲۴۵ھ ۹۔ جبارۃ بن المغلس الحماني ابو محمد الکوفی ۲۴۱ھ ۱۰۔ حسن بن علی بن عفان العاری ابو محمد الکوفی المتوفی ۲۷۰ھ ۱۱۔ سفیان بن وکیع بن الجراح الرقاسی ابو محمد الکوفی المتوفی ۱۴۷ھ ۱۲۔ مسلم بن جنادة بن سلم السوائی

۱۔ امام ابن ماجہ نے جیسا کہ سابق میں گزرا ۲۳۰ھ کے بعد رحلت علمی کی ہے اور اسماعیل طحی نے ۲۳۲ھ میں قضا کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً امام ابن ماجہ، غزوین سے نکل کر تحصیل حدیث کے لئے پہلے کوفہ ہی آئے ہیں کیونکہ یہ ان کے بیرونی شیوخ میں سب سے قدیم الوفات ہیں۔

العامري ابو السائب الكوفي المتوفى ٢٥٣ هـ ١٣ - عباد بن يعقوب الرواحي الاسدي
 ابو سعيد الكوفي المتوفى ٢٥٠ هـ ١٣ - عبد الله بن الحكم بن ابي زياد القنطاري ابو
 عبد الرحمن الكوفي المتوفى ٢٥٥ هـ ١٥ - عبد الله بن سالم ابو محمد الكوفي القزاز
 المعروف بالمفلوج المتوفى ٢٣٥ هـ ١٦ - عبد الله بن عامر بن برد الاشعري ابو عامر
 الكوفي ١٧ - عبد الله بن عامر بن زرة الحضرمي مولا هم ابو محمد الكوفي المتوفى ١٨ -
 عبيد بن اسباط بن محمد القرشي مولا هم ابو محمد الكوفي المتوفى ٢٥٠ هـ ١٩ - علقمة بن عمرو
 بن الحسين التميمي الدارمي العطاردي ابو الفضل الكوفي المتوفى ٢٥٦ هـ ٢٠ - علي بن
 محمد بن ابي الخصيب القرشي الوشاء الكوفي المتوفى ٢٥٨ هـ ٢١ - علي بن المنذر بن زيد
 الاودي ابو الحسن الكوفي الطريقي المتوفى ٢٥٦ هـ ٢٢ - عمرو بن عبد الله بن حنش
 الاودي الكوفي ٢٣ - قاسم بن زكريا بن دينار القرشي ابو محمد الطحان الكوفي المتوفى
 ٢٣٥ هـ ٢٢ - محمد بن اسحاق بن عون البكائي ثم العامري ابو بكر الكوفي المتوفى
 ٢٦٣ هـ ٢٥ - محمد بن اسماعيل بن سمرة الاحمسي ابو جعفر الكوفي السراج المتوفى
 ٢٦٠ هـ ٢٦ - محمد بن ثواب بن سعيد الهباري ابو عبد الله الكوفي المتوفى ٢٦٠ هـ ٢٧ -
 محمد بن جابر بن بحر بن عقبه المحاربي ابو بجير الكوفي المتوفى ٢٥٦ هـ ٢٨ - محمد بن طريف
 بن خليفة الجبلي ابو جعفر الكوفي المتوفى ٢٣٢ هـ ٢٩ - محمد بن عبيد بن عتبة الكندي ابو
 جعفر الكوفي ٣٠ - محمد بن عبيد بن محمد العامري الكوفي المعروف بالحنوت ٣١ - محمد بن
 عثمان بن كرامة العجلي مولا هم الكوفي المتوفى ٢٥٦ هـ ٣٢ - محمد بن عمر بن هياج
 الهمداني الصائدي ابو عبيد الله الكوفي المتوفى ٢٥٥ هـ ٣٣ - محمد بن عمر بن الوليد
 الكندي ابو جعفر الكوفي المتوفى ٢٥٦ هـ ٣٤ - محمد بن يزيد بن محمد العجلي ابو هشام
 الرباعي الكوفي قاضي بغداد المتوفى ٢٣٨ هـ ٣٥ - مسروق بن المرزبان بن مسروق
 الكندي ابو سعيد بن ابي النعمان الكوفي المتوفى ٢٣٠ هـ ٣٦ - موسى بن عبد الرحمن
 بن سعيد الكندي المسروقي ابو عيسى الكوفي المتوفى ٢٥٨ هـ ٣٧ - نصر بن

عبدالرحمن بن بکار الناجی ابو سلیمان الکوفی الوشاء المتوفی ۲۴۸ھ ۳۸۱ اصل بن
عبدالاعلیٰ بن ہلال الاسدی ابو القاسم الکوفی المتوفی ۲۴۴ھ۔

حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات میں (باستثناء جبارہ، سفیان، عباد اور محمد بن
جابر) ان سب کا تذکرہ لکھا ہے۔ امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ان تمام محدثین میں
سب سے زیادہ اسماعیل بن موسیٰ فزاری، علی بن منذر اودی اور عبداللہ بن عامر بن
زرارہ کوفی سے روایتیں نقل کی ہیں۔

مولانا محمد علی صدیقی کا ندھلوی حنفی لکھتے ہیں:

کوفہ میں علم حدیث

فتوح البلدان میں امام احمد بن یحییٰ بغدادی نے بحوالہ نافع بن جبیر بن مطعم
حضرت عمر کا کوفہ کے بارے میں یہ تاثر لکھا ہے بِالْكُوفَةِ وَجُوهُ النَّاسِ (کوفہ
میں بڑے لوگ ہیں)

ظاہر ہے کہ حضرت فاروق اعظم یہاں جس وجاہت کا تذکرہ فرما رہے
ہیں وہ دینی اور علمی وجاہت کے سوا کچھ نہیں۔ اس کی تائید خود حضرت فاروق
اعظم کے اس خط سے ہوتی ہے جو انہوں نے کوفہ والوں کے نام لکھا ہے اور جسے
حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیا ہے:

میں نے تمہارے پاس عمار بن یاسر کو بحیثیت امیر اور عبداللہ بن مسعود کو
بحیثیت معلم اور وزیر روانہ کیا ہے۔ یہ دونوں حضور انور ﷺ کے صحابہ ہیں
منتخب اور برگزیدہ ہستیاں ہیں صرف صحابی نہیں بلکہ شرکاء بدر میں سے ہیں تم ان
کی اقتداء کرو دیکھو عبداللہ کے معاملے میں میں نے تم کو اپنے اوپر ترجیح دی
ہے^(۱)

اس خالص علمی وجاہت کی وجہ سے حضرت فاروق اعظم نے امام ربانی

حضرت عبداللہ بن مسعود کو ایک بار کھڑا دیکھ کر فرمایا تھا۔

”کَيْفَ مُلِيَ عِلْمًا“
علم سے بھرا ہوا برتن ہے^(۱)۔

اور اسی علمی وجاہت اور جلالت قدر کا اثر تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی وفات کے بعد جب حضرت علی کوفہ تشریف لائے تو آپ نے یہاں کی فضا کو علم سے معمور پایا۔ چنانچہ مشہور امام ابو بکر عتیق بن داؤد فرماتے ہیں کہ:
حضرت عبداللہ بن مسعود کی وفات کے بعد جب حضرت علی کوفہ تشریف لائے تو حضرت عبداللہ کے تلامذہ لوگوں کو فقہ پڑھانے میں مشغول تھے جناب امیر نے کوفہ کی جامع میں آ کر دیکھا کہ چار صد کے قریب دواتیں رکھی ہوئی تھیں اور طلبہ لکھنے میں ہمہ تن مصروف تھے یہ دیکھ کر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ:

لَقَدْ تَرَكَ ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ هَؤُلَاءِ سُرُجَ الْكُوفَةِ^(۲)

جب فقہ یعنی علم قانون جو علوم شرعیہ کا آخری درجہ ہے اس کے طلبہ کی تعداد یہ تھی تو ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث کے طلبہ کی تعداد تو اس سے کئی گنا زائد ہو گی۔ چنانچہ امام ابو بکر الجصاص رازی نے احکام القرآن میں حجاج کے خلاف عبدالرحمن بن الاشعث کی قیادت میں اٹھی ہوئی تحریک کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

اس تحریک میں نکلنے والوں میں چار ہزار قاریوں کی تعداد تھی۔^(۳)

اور حافظ جلال الدین السیوطی نے تدریب الراوی میں امام ابن سیرین سے جو اکابر تابعین سے ہیں حدیث کے طالب علموں کے بارے میں یہ بیان نقل کیا ہے کہ:

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۴ - ۲۔ مناقب موفق ج ۲ ص ۱۳۔

۳۔ احکام القرآن ج ۱ ص ۷۱۔

قَدِمْتُ الْكُوفَةَ وَبِهَا أَرْبَعَةُ آلَافٍ يَطْلُبُونَ الْحَدِيثَ^(۱)

میں کوفہ آیا تو وہاں چار ہزار حدیث کے طالب علم تھے۔

طبقات ابن سعد کی ایک پوری جلد میں کوفہ کے علماء کا تذکرہ ہے۔ ان میں صحابہ و تابعین، اتباع تابعین کے علماء کا ایک طویل تذکرہ ہے ہم نے سرسری طور پر طبقات میں کوفہ کے علماء کو شمار کیا۔ ان کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ نکلی جب کہ اسی کتاب میں دوسرے شہروں کے علماء کا شمار اس کے عشر عشر بھی نہیں ہے۔

مشہور محدث حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث میں اسلامی شہروں کے نامور محدثین کا تذکرہ کیا ہے مگر آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ تمام شہروں میں یہ شرف صرف کوفہ ہی کو حاصل ہے کہ اس کے ائمہ حدیث کا تذکرہ کتاب کے پورے ساڑھے سات صفحات پر پھیلا ہوا ہے جبکہ دوسرے شہروں میں سے کسی بھی شہر کے محدثین کا تذکرہ اسی کتاب میں ایک صفحہ سے زائد نہیں ہے حافظ ابو محمد رامہرمزی نے اپنی کتاب ”المحدث الفاضل“ میں کوفہ میں علم حدیث کے موضوع پر مشہور محدث عفان بن مسلم سے سند متصل نقل کیا ہے۔

عفان بن مسلم کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ہم فلاں کتابیں نقل کر چکے ہیں۔ اس پر فرمانے لگے کہ ہماری رائے میں اس قسم کے لوگ کامیاب نہیں ہوا کرتے۔ ہمارا دستور تو یہ تھا کہ جب ایک استاد کے پاس جاتے تو اس سے دور وایتیں سنتے جو کسی اور سے نہ سنی ہوتیں اور دوسرے سے وہ سنتے جو پہلے سے نہ سنی ہوتیں۔ چنانچہ جب ہم کوفہ آئے تو چار ماہ ٹھہرے اگر ہم چاہتے کہ ایک لاکھ حدیثیں لکھ لیں تو لکھ سکتے تھے مگر ہم نے صرف پچاس ہزار حدیثیں لکھی ہیں۔ ہم نے کوفہ میں کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جو عربیت میں

اور علامہ تاج الدین سبکی نے الطبقات الشافعیۃ الکبریٰ میں حافظ ابو بکر بن ابی داؤد کی زبانی یہ بیان لکھا ہے کہ:

میں جب کوفہ میں آیا تو میرے پاس ایک ہی درہم تھا میں نے اس درہم سے تیس مد باقلا خرید لیا۔ ایک مد کھاتا اور شج سے ایک ہزار حدیثیں لکھتا۔ اس طرح ایک ماہ میں میں نے تیس ہزار حدیثیں جن میں مقطوع اور مرسل بھی شامل تھیں لکھ لیں (۲)۔

ذرا غور فرمائیں اس شہر میں حدیث کی بہتات کا کیا حال ہو گا عفان (۳) بن

۱۔ تقدیمہ علی نصب الراية ص ۳۵۔

۲۔ طبقات ص ۱۳۰۔

۳۔ عفان بن مسلم امام احمد اور امام بخاری کے استاد ہیں۔ علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ ان کی عادت تھی کہ اگر حدیث کے کسی بھی لفظ میں ان کو ذرا شبہ ہو تا تو اسے سرے ہی سے چھوڑ دیتے (تقریب) حدیث میں ان کی جلالت شان کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ مشہور محدث یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں کہ جب کسی حدیث میں مجھے عفان کی ہمنوائی حاصل ہو جائے تو پھر مجھے کسی کی بھی مخالفت کی پرواہ نہیں۔ امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ محدثین پانچ ہیں۔ مالک ابن جریج، ثوری، شعبہ اور عفان (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۴۵) امام احمد فرماتے ہیں کہ میرے خال میں عبدالرحمن بن مہدی سے زیادہ سوخ کے مالک ہیں (کتاب الجرح والتعديل ج ۳ ص ۱۳۰) ابن ابی حاتم نے ان کے اساتذہ میں حماد بن زید، حماد بن سلمہ اور امام شعبہ کو شمار کیا ہے اور حافظ ابن عبد البر نے الانشاء میں حماد بن زید کے بارے میں انکشاف کیا ہے (روای حماد بن زید عن ابی حنیفۃ احادیث کثیرہ (ص ۱۲۱) حافظ ذہبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ مامون الرشید کی جانب سے ان کو سرکاری وظیفہ ملتا تھا۔ خلق قرآن کے مسئلہ میں یہ بھی امام احمد کے ہمنوا تھے۔ سرکار مامون نے ان کو اپنانے کی کوشش کی اس سلسلے میں ان کا سرکاری وظیفہ بند کرنے کی دھمکی دی گئی تو فرمایا و فی السماء رزقکم الخ خطیب نے وظیفہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کان المامون یجری ==>

مسلم جیسا امام، عالم، حافظ چار ماہ میں پچاس ہزار حدیثیں لکھ لے۔ کیا حدیث کی اس بستی کو کوئی ذہین آدمی قلیل الحدیث بستی کہہ سکتا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل سے جب ان کے صاحبزادے عبد اللہ نے دریافت کیا کہ آپ کی رائے میں طالب علم کو کیا کرنا چاہیے آیا ایک ہی استاد کی خدمت میں برابر حاضر رہ کر اسی سے حدیثیں لکھتا رہے یا ان مقامات کا رخ کرے جہاں علم کا چرچا ہے اور وہاں جا کر علماء سے استفادہ کرے تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اسے سفر کرنا چاہیے اور دوسرے مقامات کے علماء سے حدیثیں لکھنی چاہیں اور ان علماء میں سب سے پہلے امام احمد نے کوفیین ہی کا ذکر کیا۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

يَزْحَلُ وَيَكْتُبُ مِنَ الْكُوفِيِّينَ وَالْبَصْرِيِّينَ وَاهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَكَّةَ^(۱)

سفر کرے اور کوفیوں، بصریوں اور مدینہ اور مکہ والوں سے احادیث لکھے امام بخاری نے طلب حدیث میں بخارا سے لے کر مصر تک تمام اسلامی شہروں کا سفر کیا تھا۔ دو دفعہ جزیرہ گئے چار بار بصرہ جانا ہوا چھ سال تک حجاز میں مقیم رہے مگر اس کے باوجود کوفہ و بغداد کو اتنی اہمیت تھی کہ فرماتے ہیں:

میں شمار نہیں کر سکتا کہ محدثین کی ہر کابی میں کوفہ اور بغداد کتنی بار مجھے جانے کا اتفاق ہوا ہے۔^(۲)

آج بھی اگر آپ رجال کی کتابیں کھول کر بیٹھیں تو ہزاروں راوی آپ کو کوفہ کے نظر آئیں گے جن کی روایات سے صحیحین اور غیر صحیحین بھری پڑی ہیں۔ صرف بخاری شریف ہی کو اٹھا لیجئے اور اس میں جس قدر صحابہ سے احادیث

== علی عفان خمس مائة درهم كل شهر امام ذہبی فرماتے ہیں کہ ان کی وفات ۲۰۲ھ میں ہوئی۔ بخاری ابو داؤد کی بھی یہی رائے ہے۔

منقول ہو کر آئی ہیں ان پر ایک سرسری نظر ڈالئے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بترتیب حروف تہجی مقدمہ فتح الباری میں تمام صحابہ کو نام بنام لکھ دیا ہے۔ ان صحابہ میں سے جو خاص کوفہ میں آ کر جاگزین ہوئے ذرا ان کے نام پڑھ لیجئے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ امام بخاری کے ان گنت بار کوفہ جانے کا کیا باعث تھا اور پتہ لگ جائے کہ کوفہ کا حدیث میں کیا مقام ہے۔

- ۱۔ حضرت اشعث بن قیس الکندیؓ۔ ۲۔ حضرت عدی بن حاتمؓ۔ ۳۔ حضرت ابہان بن اوس الاسلمیؓ۔ ۴۔ حضرت عقبہ بن عمروؓ۔ ۵۔ حضرت بریدہ بن الحصیبؓ۔ ۶۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ۔ ۷۔ حضرت جابر بن سمرہؓ۔ ۸۔ حضرت عمران بن الحصینؓ۔ ۹۔ حضرت جریر بن عبد اللہؓ۔ ۱۰۔ حضرت عمرو بن حریثؓ۔ ۱۱۔ حضرت جندب بن عبد اللہؓ۔ ۱۲۔ حضرت مرداس بن مالکؓ۔ ۱۳۔ حضرت حارثہ بن وہبؓ۔ ۱۴۔ حضرت مسیب بن حزنؓ۔ ۱۵۔ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ۔ ۱۶۔ حضرت معن بن یزیدؓ۔ ۱۷۔ حضرت خباب بن الارتؓ۔ ۱۸۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ۔ ۱۹۔ حضرت زید بن ارقمؓ۔ ۲۰۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ۔ ۲۱۔ حضرت سلمان بن مرؤؓ۔ ۲۲۔ حضرت نعمان بن مقرنؓ۔ ۲۳۔ حضرت سمرہ بن خبابہؓ۔ ۲۴۔ حضرت نضیع بن الحارثؓ۔ ۲۵۔ حضرت سنین ابو جمیلہؓ۔ ۲۶۔ حضرت وہب بن عبد اللہؓ۔ ۲۷۔ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیؓ۔ ۲۸۔ حضرت عبد اللہ بن یزید۔ ۲۹۔ حضرت عبد الرحمن بن انبریؓ۔

یہ ان کو فی صحابہ کے اسمائے گرامی ہیں جن کے حوالے سے امام بخاری نے صحیح میں ارشادات نبوت لئے ہیں اسی پر تمام صحاح ستہ کو قیاس کر لیجئے۔
 ذرا ایک قدم اور آگے بڑھائیے اور بخاری شریف ہی کا مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ اس کے راویوں میں سب سے زیادہ تعداد جس شہر کے راویوں کی ہے

وہ کوفہ ہی ہے۔ راقم الحروف نے اس ارادے سے بخاری شریف کے راویوں کا جائزہ لیا تو صرف شہر کوفہ کے راویوں کی تعداد صحیح بخاری میں تین سو سے زائد ملی ہے۔ اگر کتاب کی ضخامت کے زائد ہونے کا اندیشہ نہ ہو تا تو ہم ان کے نام ہدیہ ناظرین کرتے۔

علماء محدثین نے حفاظ حدیث کے حالات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں صرف ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو اپنے وقت میں حفاظ حدیث تھے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور کتاب تذکرہ الحفاظ ہے یہ حافظ شمس الدین الذہبی ۷۲۸ھ کی تصنیف ہے۔ حافظ موصوف نے اس کتاب میں کسی ایسے شخص کا تذکرہ نہیں لکھا ہے جس کا شمار حفاظ حدیث میں نہ ہو۔ چنانچہ علامہ ابن قتیبہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

ابن قتیبہ علم کا خزانہ ہیں لیکن حدیث میں ان کا کام تھوڑا ہے اس لئے میں نے ان کا تذکرہ نہیں کیا^(۱)۔

اور خارجہ بن زید اگرچہ فقہاء سبعہ میں سے ہے مگر ان کے بارے میں صاف تصریح کر دی ہے کہ چونکہ وہ قلیل الحدیث تھے اس لئے میں نے ان کو حفاظ حدیث میں شمار نہیں کیا^(۲)۔

ایسے ہی اس کتاب میں ان لوگوں کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے جو حفاظ حدیث تو ہیں مگر محدثین کے یہاں پایہ اعتبار سے ساقط ہیں چنانچہ امام ذہبی نے واقدی اور ہشام کلبی کو اسی لئے حفاظ حدیث میں شمار نہیں کیا۔

اس کتاب میں سے صرف ۲۵۶ھ تک کے ان محدثین کا تذکرہ پڑھ لیجئے جن کو امام ذہبی نے کوئی کہا ہے ہم یہاں صرف ان محدثین کا ذکر کریں گے جن کے لئے امام ذہبی نے کتاب میں مستقل عنوان قائم کیا ہے۔

- ۱۔ علقمہ بن قیس الامام ۶۲ھ۔ ۲۔ مسروق الہمدانی ۶۳ھ۔ ۳۔ الاسود بن یزید النخعی ۷۳ھ۔ ۴۔ عبیدہ بن عمرو السلمانی ۷۷ھ۔ ۵۔ سوید بن غفلہ الکوفی ۸۱ھ۔ ۶۔ زر بن حبیش ابو مریم الاسدی ۸۲ھ۔ ۷۔ ربیع بن خثیم ابو یزید الثوری ۶۳ھ۔ ۸۔ عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ ۷۳ھ۔ ۹۔ ابو عبد الرحمن السلمی ۷۳ھ۔ ۱۰۔ ابو امیہ شریح بن الحارث ۷۸ھ۔ ۱۱۔ ابو مقدم شریح الہمدانی ۷۸ھ۔ ۱۲۔ ابو وائل شقیق بن سلمہ ۸۲ھ۔ ۱۳۔ قیس بن ابی حازم ۹۷ھ۔ ۱۴۔ عمرو بن مہیون ابو عبد اللہ ۷۵ھ۔ ۱۵۔ زید بن وہب ابو سلیمان ۸۴ھ۔ ۱۶۔ معرور بن سوید ابو امیہ الاسدی ۱۲۰ھ۔ ۱۷۔ ابو عمرو سعد بن ایاس الشیبانی ۹۸ھ۔ ۱۸۔ ربیع بن حراش ۱۰۱ھ۔ ۱۹۔ ابراہیم بن یزید التیمی ۹۲ھ۔ ۲۰۔ ابراہیم بن یزید ابو عمران ۹۵ھ۔ ۲۱۔ سعید بن جبیر ۹۵ھ۔ ۲۲۔ عامر بن شراحیل الہمدانی ۱۰۴ھ۔ ۲۳۔ عمرو بن عبد اللہ ابواسحاق ۱۲ھ۔ ۲۴۔ حبیب بن ابی ثابت ۱۱۹ھ۔ ۲۵۔ الحکم بن عتیبہ ابو عمرو الکندی ۱۱۵ھ۔ ۲۶۔ عمرو بن مرہ ابو عبد اللہ ۱۱۶ھ۔ ۲۷۔ القاسم بن خیمہ ابو عروہ ۱۱۱ھ۔ ۲۸۔ عبد الملک بن عمیر ۱۳۶ھ۔ ۲۹۔ منصور بن المعتمر ۱۳۴ھ۔ ۳۰۔ مغیرہ بن مقسم ۱۲۶ھ۔ ۳۱۔ حصین بن عبد الرحمن ۱۲۶ھ۔ ۳۲۔ سلیمان بن فیروز ۱۳۸ھ۔ ۳۳۔ اسماعیل بن ابی خالد ۱۴۵ھ۔ ۳۴۔ سلیمان بن مہران الاعمش ۱۴۸ھ۔ ۳۵۔ عبد الملک بن سلیمان ۱۴۵ھ۔ ۳۶۔ نعمان بن ثابت ۱۵۰ھ۔ ۳۷۔ محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ ۱۴۸ھ۔ ۳۸۔ حجاج بن ارطاة ۱۴۹ھ۔ ۳۹۔ مسعر بن کدام الہمدانی ۷۵ھ۔ ۴۰۔ عبد الرحمن بن عبد اللہ المسعودی ۱۶۰ھ۔ ۴۱۔ سفیان بن سعید الثوری ۱۶۱ھ۔ ۴۲۔ اسرائیل بن یونس السبعی ۱۶۲ھ۔ ۴۳۔ زائدہ بن قدامہ ۱۶۱ھ۔ ۴۴۔ الحسن بن صالح ۱۶۷ھ۔ ۴۵۔ شیبان بن عبد الرحمن ۱۶۴ھ۔ ۴۶۔ قیس بن الربیع ابو محمد ۱۶۷ھ۔ ۴۷۔ ورقاء بن عمرو ۱۶۰ھ۔ ۴۸۔ شریک بن عبد اللہ القاضی ۷۷ھ۔ ۴۹۔ زبیر بن

- معاویہ ابوخیثمہ ۷۷ھ - ۵۰ - القاسم بن معن ۷۷ھ - ۵۱ - ابو الاحوص سلام بن
 سلیم ۷۹ھ - ۵۲ - بشر بن القاسم ۷۸ھ - ۵۳ - سفیان بن عیینہ ابو محمد ۱۹۸ھ -
 ۵۴ - ابو بکر بن عیاش ۱۹۳ھ - ۵۵ - یحییٰ بن زکریا بن ابی لائدہ ۸۲ھ - ۵۶ -
 عبد السلام بن حرب ۷۸ھ - ۵۷ - جریر بن عبد الحمید ۱۸۸ھ - ۵۸ - سلیمان بن
 حبان الاحمر ۱۹۸ھ - ۵۹ - ابراہیم بن محمد الفزاری ۱۸۵ھ - ۶۰ - عیسیٰ بن یونس
 السبعی ۱۸۵ھ - ۶۱ - عبد اللہ بن ادیس ۱۹۲ھ - ۶۲ - یحییٰ بن یمان ابو زکریا
 ۱۸۹ھ - ۶۳ - حمید بن عبد الرحمن ابو عوف ۱۹۰ھ - ۶۴ - علی بن مسہر ابو الحسن
 ۱۸۶ھ - ۶۵ - عبد الرحیم بن سلیمان ۱۹۵ھ - ۶۶ - یعقوب بن ابراہیم الانصاری
 ۳۰۸ھ - ۶۷ - ابو معاویہ محمد بن حازم ۱۹۵ھ - ۶۸ - مروان بن معاویہ ۱۹۳ھ -
 ۶۹ - حفص بن غیاث النخعی ۱۹۴ھ - ۷۰ - وکیع بن الجراح ۷۷ھ - ۷۱ - عبیدہ بن
 حمید ۹۰ھ - ۷۲ - عبید اللہ الاشجعی ۱۸۲ھ - ۷۳ - عبیدہ بن سلیمان ۱۸۸ھ - ۷۴ -
 عبد الرحمن بن محمد ۱۹۵ھ - ۷۵ - محمد بن فضیل ۱۹۵ھ - ۷۶ - حماد بن اسامہ
 ۲۰۳ھ - ۷۷ - محمد بن بشر ۲۰۳ھ - یحییٰ بن سعید القرشی ۱۹۴ھ - ۷۹ - یونس بن
 بکیر ۱۹۹ھ - ۸۰ - عبد اللہ بن نمیر ۱۹۹ھ - ۸۱ - شجاع الولید ابو بدر ۲۰۴ھ - ۸۲ -
 محمد بن عبید الایادی ۲۰۴ھ - ۸۳ - عبد اللہ بن داؤد ۲۰۹ھ - ۸۴ - الحسین بن علی
 ابو علی ۲۱۳ھ - ۸۵ - زید بن الحباب ۲۰۳ھ - ۸۶ - عبید اللہ بن موسیٰ ۲۱۳ھ -
 ۸۷ - اسحاق بن سلیمان ۲۰۰ھ - ۸۸ - محمد بن عبد اللہ ۲۱۳ھ - ۸۹ - یحییٰ بن آدم
 ۲۰۳ھ - ۹۰ - داؤد بن یحییٰ ۲۰۳ھ - ۹۱ - عبد اللہ بن یزید ۲۱۳ھ - ۹۲ - ابو نعیم
 الفضل بن وکیع ۲۱۸ھ - ۹۳ - قبیصہ بن عقبہ ابو عامر ۲۱۵ھ - ۹۴ - موسیٰ بن
 داؤد ۲۱۷ھ - ۹۵ - خلف بن نجیم ۲۰۶ھ - ۹۶ - یحییٰ بن ابی بکیر ۲۰۳ھ - ۹۷ -
 عبید اللہ ۲۰۳ھ - ۹۸ - زکریا بن عدی ۲۱۳ھ - ۹۹ - احمد بن عبد اللہ ۲۱۷ھ -
 ۱۰۰ - مالک بن اسماعیل ۲۱۷ھ - ۱۰۱ - خالد بن مخلد ۲۱۳ھ - ۱۰۲ - یحییٰ بن

عبد الحمید ۲۳۵ھ - ۱۰۳ - عبد اللہ بن محمد ابو بکر ۲۳۴ھ - ۱۰۲ - محمد بن عبد اللہ
بن نمیر ۲۳۴ھ - ۱۰۵ - عثمان بن ابی شیبہ ۲۳۹ھ - ۱۰۶ - علی بن محمد بن اسحاق
۲۳۳ھ - ۱۰۷ - احمد بن حمید ابو الحسن ۲۲۰ھ - ۱۰۸ - الحسن بن الربیع ۲۲۱ھ -
۱۰۹ - محمد بن العلاء ۲۲۸ھ - ۱۱۰ - نہاد بن السری ۲۲۳ھ -

ان حفاظ کے علاوہ دوسرے بھی کوفہ کے لاتعداد محدثین ہیں لیکن ہم نے
صرف تذکرۃ الحفاظ سے ان حفاظ حدیث کا ذکر کیا ہے۔ جو ۲۲۸ھ تک ہوئے
ہیں۔

بتانا صرف یہ چاہتا ہوں کہ جس بستی میں سب سے پہلے امام اعظم نے طلب
حدیث کے میدان میں قدم رکھا وہ بستی حدیث کی نعمت سے مالا مال تھی۔ اور
اس وقت اس میں دنیائے علم حدیث کے وہ آفتاب و ماہتاب تھے جو اپنی تابانیوں
سے دنیا کو محو حیرت کر رہے تھے اور جو امام اعظم کے علم حدیث میں اساتذہ ہیں
۔ یہاں سب کا استقصاء تو از بس دشوار ہے مگر گلے از گلزار چند گرامی قدر
ہستیاں پیش کرتا ہوں۔

علامہ التابعین امام شعبی سے تلمذ

خطیب بغدادی نے امام علی بن المدینی سے نقل کیا ہے کہ حضور انور ﷺ
کے صحابہ کا علم تین پر ختم ہے۔ عبد اللہ بن مسعودؓ۔ عبد اللہ بن عباسؓ۔ اور زید
بن ثابتؓ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے سارے علوم چھ حضرات کی طرف
منتقل ہوئے ہیں۔ علقمہ، اسود، عبیدہ، الحارث، مسروق، عمرو، اور ان اکابر کی علمی
میراث صرف دو کو ملی ہے۔ ابراہیم نخعی اور امام شعبی۔ (تلیخ فہوم اہل الاثر ص

حضور انور ﷺ کے صحابہ کے بعد لوگوں میں محدث کی حیثیت سے صرف دو ہیں امام شعبی اور سفیان ثوری^(۱)۔

حافظ ذہبی نے خود امام شعبی کی زبانی یہ انکشاف فرمایا ہے کہ:

أَذْرَكْتُ خَمْسَمِائَةَ مَنِ الصَّحَابَةِ^(۲)

میں نے پانچ سو صحابہ سے ملاقات کی ہے۔

ان کی علمیت کا اندازہ کرنا ہو تو عبد الملک بن عمیر کا وہ بیان پڑھے جو حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیا ہے۔

ایک بار امام شعبی جناب رسول اللہ ﷺ کے غزوات بیان فرما رہے تھے حضرت عبد اللہ بن عمر پیاس سے گزرے سن کر فرمایا کہ میں خود ان غزوات میں شریک ہوا ہوں۔ لیکن شعبی کو غزوات زیادہ محفوظ ہیں اور مجھ سے زیادہ عالم ہیں^(۳)۔

امام شعبی کا دور حدیث کی زبانی یادداشت کا زمانہ ہے اس عہد میں حدیثوں کو سن کر زبانی یاد کرنے کا ایسا ہی رواج تھا جیسا کہ اس گئے گزرے آج کے زمانے میں مسلمانوں میں قرآن کو یاد کرنے کا معمول ہے اس دور کے لوگوں کا فیشن ہی یہ تھا کہ سب کچھ زبانی یاد ہو کتابت کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے امام شعبی بھی کتابت حدیث کے قائل نہ تھے خود فرماتے ہیں:

مَا كَتَبْتُ سِوَاوَا فِي بَيْضَاءَ إِلَى يَوْمِي هَذَا^(۴)

میں نے کبھی بھی روشنائی اور کاغذ سے کام نہیں لیا۔

قوت حافظہ اس قدر غضب کی تھی کہ جو کچھ بھی سنتے فوراً یاد ہو جاتا۔ خود ہی فرماتے ہیں کہ روایات شعری مجھے کم یاد ہیں مگر کم یاد ہونے کے باوجود جال یہ ہے۔ اِنْ شِئْتُ لَأَنْشُذَكُمْ شَهْرًا وَلَا أَعِيذُ^(۵)

۱۔ تلخیص فہوم اہل الآثار ص ۲۳۶۔

۲۔ ۳۔ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۶ تا ۷۹۔

۵۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۶ تا ۷۹۔

اگر میں چاہوں تو ایک ماہ تک اشعار پڑھتا رہوں اور تکرار نہ ہو۔
ابن شبرمہ کی زبانی منقول ہے کہ امام شعبی فرماتے تھے:

اے شباک میں تم سے دوبارہ حدیث بیان کر رہا ہوں حالانکہ میں نے کبھی
کسی سے حدیث سن کر تکرار کی درخواست نہیں کی۔
لَا أَحَبُّتُ أَنْ يُعِيدَهُ عَلَيَّ مجھے تکرار پسند نہیں ہے۔^(۱)

علم حدیث میں اس قدر اونچا مقام رکھتے تھے کہ عاصم احوال فرماتے ہیں کہ:
میں نے بصرہ، کوفہ اور حجاز والوں کی حدیث کا امام شعبی سے زیادہ عالم کوئی
نہیں دیکھا ہے۔^(۲)

خطیب نے لکھا ہے کہ حدیث کے مشہور امام زہری کا کہنا ہے:
علماء چار ہیں مدینے میں سعید بن المسیب، کوفہ میں شعبی، بصرہ میں حسن
بصری اور شام میں مکحول۔^(۳)

امام اعظم نے شعبی کے سامنے زانوائے ادب تہ کیا ہے جیسا کہ پیچھے پڑھ
آئے ہو کہ امام اعظمؒ ۱۰۰ھ میں بعمر بیس سال امام شعبی کے حلقہ تلمذ میں داخل
ہوئے ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرے میں امام شعبی کے تلامذہ میں امام اعظمؒ کا
خاص طور پر ذکر کیا ہے اور صرف نام ہی نہیں لیا بلکہ یہ بتایا ہے کہ:
هُوَ أَكْبَرُ شَيْخِ لِأَبْنِي حَنِيفَةَ^(۴)

اور تو اور دور جدید کے بہت بڑے محقق ڈاکٹر فلپ جی نے بھی اپنی شہرہ
آفاق کتاب تاریخ العرب میں اس کا اقرار کیا ہے کہ
كَانَ مِنْ أَكْبَرِ الَّذِينَ تَخَرَّجُوا عَلَى الشَّعْبِيِّ الْإِمَامُ أَبُو حَنِيفَةَ

۱۔ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۶ تا ۷۹۔

۲۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۵۔

۳۔ تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۲۲۔

امام شعبی کے بلند پایہ تلامذہ میں سے مشہور امام ابو حنیفہ ہیں۔
عبداللہ بن داؤد الخریبی کہتے ہیں کہ میں نے امام اعظم سے دریافت کیا
کہ کبراء تابعین میں سے آپ نے کس کس سے استفادہ کیا ہے؟ فرمایا
قاسم بن محمد، طاؤس، عکرمہ، عبداللہ بن دینار، حسن بصری، عمرو بن دینار،
ابو الزبیر، عطابن ابی رباح، قتادہ، ابراہیم، شعبی اور امام نافع اور ان جیسوں سے ملا
ہوں (۲)

مسند امام میں خود ان کے حوالہ سے احادیث آئی ہیں۔ چنانچہ خوارزمی نے
جامع المسانید کے نام سے جو مجموعہ ترتیب دیا ہے اس میں بحوالہ امام شعبی ایک سے
زیادہ حدیثیں موجود ہیں اور علامہ حصکی نے اسی مسند میں امام شعبی کے حوالہ سے
روایات درج کی ہیں جس کی شرح ملا علی قاری نے لکھی ہے۔

أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ
ﷺ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَيْنِ -

حضور انور ﷺ موزوں پر مسح فرماتے تھے۔

اس روایت کی تخریج بحوالہ امام اعظم الحافظ الحارثی کے علاوہ حافظ ابو محمد
بخاری، حافظ طلحہ بن محمد، حافظ حسین بن محمد، حافظ ابو بکر بن عبدالباقی اور خود
امام محمد نے کتاب الآثار میں کی ہے ویسے تو جیسا کہ حافظ بزاز فرماتے ہیں اس
حدیث کو روایت کرنے والے حضرات کی تعداد ساٹھ ہے مگر اسی روایت کو جو
امام بخاری نے روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

إِنَّهُ خَرَجَ لِحَاجَتِهِ فَاتَّبَعَهُ الْمُغِيرَةُ بِأَدَاوَةٍ فِيهَا مَاءٌ فَصَبَّ عَلَيْهِ حِينَ

لَرَّغَ مِنْ حَاجَتِهِ فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ (۱)

آپ ضرورت سے گئے مغیرہ پانی کا برتن پیچھے سے لے کر آئے پانی آپ نے ضرورت سے فراغت کے بعد استعمال کیا۔ وضو فرمایا اور خفین پر مسح فرمایا۔

اسی روایت کو امام مسلم نے بھی اپنے مخصوص انداز میں کئی طریقوں سے بیان کیا ہے ان میں سے ایک طریق میں حضرت امام شعبی نے بھی حدیث بحوالہ عروۃ بن مغیرہ اپنے شاگرد عمر بن زائدہ سے بیان کی وہ اس طرح ہے۔

عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ وَضَّأَ النَّبِيُّ ﷺ فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَ لَهُ أَنَّى أَذْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ (۲)

حضرت مغیرہ نے حضور انور ﷺ کو وضو کرایا۔ آپ نے وضو فرمایا خفین پر مسح فرمایا اور فرمایا کہ میں نے موزے بحالت طہارت پہنے تھے۔

واضح رہے کہ حافظ ذہبی نے امام شعبی کو حفاظ حدیث کے طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے اس طبقے میں کم و بیش تیس حفاظ حدیث ہیں۔ امام ذہبی کی تصریح کے مطابق امام اعظم حضرت شعبی کے شاگرد ہیں اور یہ بھی ذہبی نے ہی لکھا ہے کہ وکیع بن الجراح، امام یزید بن ہارون، امام ابو عاصم النبیل، امام عبد الرزاق، امام عبید اللہ بن موسیٰ، امام ابو نعیم فضل بن وکیع اور امام ابو عبد الرحمن المقرئ جیسے ائمہ حدیث نے امام ابو حنیفہ کے سامنے زانوئے ادب طے کیا ہے۔ شجرہ علم حدیث کے تمام برگ و بار ان ہی اکابر سے نکلے ہوئے ہیں۔ امام عبد الرزاق، امام عبید اللہ بن موسیٰ، امام ابو نعیم اور امام ابو عبد الرحمن المقرئ کے تلامذہ میں آپ کو امام احمد اور امام بخاری ملیں گے چنانچہ حافظ ذہبی نے جہاں امام مقرئ کے ترجمہ میں یہ بتایا ہے کہ:

سَمِعَ مِنْ ابْنِ عَوْنٍ وَأَبِي حَنِيفَةَ^(۱)

وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ روی عنہ البخاری والحمد۔ امام مقری بخاری اور احمد کے استاد ہیں اور دنیا جانتی ہے کہ جیسے مسلم اور ابوداؤد امام احمد کے شاگرد ہیں ایسے ہی ترمذی اور ابن خزمہ حضرت امام بخاری کے شاگرد ہیں۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ امام شعبی کی ذات گرامی بواسطہ امام اعظم علم حدیث میں ایک مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔

امام حماد بن سلیمان سے تلمذ

والد کا نام مسلم اور کنیت ابو سلیمان ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ حماد حدیث میں حضرت انس بن مالکؓ، زید بن وہبؓ، سعید بن المسیبؓ، سعید بن جبیرؓ، عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ، ابو وائلؓ، ابراہیم نخعیؓ، عبد اللہ بن بریدہ اور عبد الرحمن بن سعد کے شاگرد ہیں اور مشہور محدث عاصم الاجولؓ، امام شعبہؓ، امام سفیان ثوریؓ، امام حماد بن سلمہؓ، امام مسعر بن کدامؓ، امام ابو حنیفہؓ اور سلیمان بن مہران کے استاد ہیں۔ امام مسلمؓ، ابوداؤدؓ، ترمذیؓ اور ابن ماجہؓ نے اپنی کتابوں میں ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ حافظ عسقلانی اور حافظ ذہبی دونوں اس پر متفق ہیں کہ حماد ابراہیم نخعی کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔

ابوالشیخ نے تاریخ اصفہان میں لکھا ہے کہ ایک روز ان کو ان کے استاد ابراہیم نخعی نے ایک درہم کا گوشت لانے کے لئے روانہ کیا۔ زنبیل ان کے ہاتھ میں تھی ادھر ان کے والد کہیں سے گھوڑے پر سوار آرہے تھے۔ صورت حال دیکھ کر حماد کو ڈانٹا اور زنبیل لے کر پھینک دی جب ابراہیم نخعی کی وفات ہو گئی تو حدیث کے طالب علم ان کے گھر گئے، دستک دی ان کے والد چراغ لے کر باہر آئے، طلبہ نے دیکھ کر کہا کہ ہمیں آپ کی نہیں آپ کے صاحبزادے

کی ضرورت ہے۔ یہ شرمندہ ہو کر اندر تشریف لے آئے اور حماد سے کہا کہ جاؤ باہر جاؤ۔ اب مجھے پتہ چلا ہے کہ یہ مقام تمہیں ابراہیم کی زنبیل کے صدقے میں ملا ہے۔^(۱)

علامہ خوارزمی نے امام بخاری کے حوالہ سے بسند متصل نقل کیا ہے کہ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ

لَقَدْ سَأَلْنِي هَذَا يَعْْنَى حَمَّادًا مِثْلَ مَا سَأَلْنِي جَمِيعُ النَّاسِ^(۲)

حافظ عبد اللہ بن وہب دنیوری کہتے ہیں کہ:

ایک بار حافظ ابو زرہ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ ایک خراسانی ان کے سامنے موضوع حدیثیں بیان کر رہا ہے اور یہ ان روایات کو غلط بتا رہے ہیں۔ وہ شخص ان کی باتوں پر ہنس رہا ہے کہ واہ کیا خوب! جو روایت تم کو یاد نہیں اس کو غلط بتا رہے ہو۔ اس پر میں نے اس شخص سے پوچھا اسناد ابو حنیفہ عن حماد؟ بتاؤ امام ابو حنیفہ کی بواسطہ حماد کی کیا روایات ہیں؟ بے چارہ چپ ہو گیا پھر میں نے حافظ ابو زرہ سے دریافت کیا ما تحفظ لابی حنیفہ؟ آپ کو حماد کی سند سے امام ابو حنیفہ کی کتنی حدیثیں یاد ہیں؟ اس پر حافظ ابو زرہ نے حدیثوں کا سلسلہ شروع کر دیا^(۳)۔

یاد رہے کہ امام حسن بن زیاد کا بیان ہے کہ امام اعظم چار ہزار حدیثیں روایت کرتے تھے جن میں دو ہزار حماد کی تھیں۔ چنانچہ امام حافظ زکریا نیشاپوری بسند متصل امام موصوف سے ناقل ہیں:

امام ابو حنیفہ کی کل روایات چار ہزار تھیں ان میں دو ہزار حماد کی اور دو

ہزار تمام اساتذہ کی ہیں^(۱)۔

نقد و رجال کے امام حضرت شعبہ امام حماد کی صداقت کا لوہا مانتے ہیں اور سید الحفاظ یحییٰ بن معین ان کی ثقاہت کو سراہتے ہیں۔ امام ابو عبد اللہ الحاکم نے معرفۃ علوم الحدیث میں جہاں ان ائمہ حدیث کا تذکرہ کیا ہے جن کی علم حدیث میں امامت مسلم ہے اور جن کی ثقاہت پر فن حدیث میں اعتماد ہے ائمہ حدیث کی اس فہرست میں حماد بن ابی سلیمان کا بھی ان میں تذکرہ کیا ہے^(۲)۔ حافظ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں اور حافظ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں ارباب فتویٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت حماد کا بھی ذکر کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کا تذکرہ باوجود عدالت، صداقت اور ثقاہت کے اس معذرت کے ساتھ کیا ہے۔

لَوْلَا ذَكَرَ ابْنُ عَدِيٍّ فِي الْكَامِلِ لَمَّا أَوْرَدَتْهُ^(۳)

اگر ابن عدی ذکر نہ کرتا تو میں میزان میں ان کا ترجمہ نہ لکھتا۔

در اصل بتانا یہ چاہتے ہیں کہ امام حماد اپنی جلالت قدر کی وجہ سے اس قدر اونچے مقام پر ہیں کہ ان کا ذکر میزان میں نہ آنا چاہیے کیونکہ یہ امام ذہبی کی اس پالیسی کے خلاف ہے جس کا تذکرہ خود امام ذہبی نے کتاب کے دیباچے میں کیا ہے۔

میزان الاعتدال میں ائمہ متبوعین کا ذکر

میرا اشارہ اس وعدے کی طرف ہے جو امام موصوف نے میزان کے مقدمہ

میں کیا ہے کہ:

۱۔ مناقب الموفق ج ۱ ص ۹۶۔

۲۔ معرفۃ علوم الحدیث ص ۲۱۰۔

۳۔ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۷۹۔

لَا أَذْكَرُ فِي كِتَابِي مِنَ الْآيَةِ الْمَتْبُوعِينَ فِي الْفُرُوعِ أَخْذًا لِحِلَالَتِهِمْ
فِي الْإِسْلَامِ وَعَظَمَتِهِمْ فِي النُّفُوسِ مِثْلَ أَبِي حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِي ^(۱)

میں اپنی کتاب میں ان اماموں کا ذکر نہ کروں گا جن کی فروع میں تقلید کی جاتی ہے کیونکہ اسلام میں ان کی جلالت اور لوگوں میں ان کی عظمت موجود ہے جیسے ابو حنیفہ اور شافعی۔

ظاہر ہے کہ امام حماد صرف امام نہیں بلکہ امام الائمہ ہیں پھر ان کا میزان میں تذکرہ اس وعدے کی خلاف ورزی ہے۔ امام ذہبی نے اس سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ میں نے میزان میں ان کا تذکرہ ان کی ثقاہت، صداقت اور عدالت کے مشتبہ ہونے کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ صرف اس لئے کیا ہے کہ امام عدی نے الکامل میں ان کا ذکر کیا ہے۔

تاریخ کا المناک حادثہ

شاید آپ خلش محسوس کریں کہ خیر امام حماد کی حد تک تو یہ بات درست ہے لیکن اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ جن کا نام لے کر کہا جا رہا ہے کہ ان جیسوں کا میزان میں ذکر نہ ہو گا خود ان کا بھی میزان میں ذکر ہے اور ذکر بھی کوئی طویل نہیں بلکہ صرف ایک سطر ہے۔

یہ تاریخ صحافت کا بڑا ہی المناک اور دردناک حادثہ ہے دراصل میزان الاعتدال اولاً جب ہندوستان میں چھپی تو امام صاحب کا تذکرہ تقطیعاً کتاب کے اندر نہیں بلکہ کتاب کے حاشیہ پر پریس والوں نے چھاپ دیا اور خود پریس والوں نے ایسا کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ میزان کے کئی نسخوں میں سے ایک کے حاشیہ پر چونکہ ایسا ہی درج تھا اس لئے اس کو اصل کتاب میں جگہ نہیں دی گئی اس کے بعد مصر کے پریس سے جو میزان چھپ کر آئی تو یار لوگوں نے کتاب

کے اندر داخل کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ میزان میں امام اعظم کا کوئی ذکر نہ تھا غالباً کسی نے مطالعہ میں اپنی یادداشت حاشیہ میں درج کر دی تھی اور بعد کو مطابح والوں نے اسے اصل کتاب ہی میں داخل کر دیا۔

مولانا عبدالحی صاحب غیث الغمام میں فرماتے ہیں کہ میزان کے جن نسخوں کا میں نے مطالعہ کیا ہے ان میں اس عبارت کا نام تک نہیں ہے اور نہ ہونے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حافظ عراقی شرح الفیہ میں فرماتے ہیں کہ ابن عدی نے کامل میں ان سب حضرات کا تذکرہ کیا ہے جن پر کسی نے کسی درجے میں کلام ہے چاہے وہ ثقہ ہی ہیں لیکن امام ذہبی نے میزان اس التزام کے ساتھ لکھی ہے کہ اس میں کسی صحابی اور ائمہ متبوعین میں سے کسی امام کا ذکر نہ ہو گا۔ حافظ سخاوی نے شرح الفیہ میں بھی یہ بات لکھی ہے کہ امام ذہبی نے ائمہ متبوعین کے ذکر نہ کرنے کا التزام کیا ہے اور حافظ سیوطی نے بھی تدریب الراوی میں میزان کی اسی خصوصیت کا ذکر کیا ہے۔ ان اکابر کی یہ تصریحات کھلے بندوں کہہ رہی ہیں کہ میزان میں امام اعظم کا ترجمہ نہیں ہے۔ مشہور محدث علامہ محمد بن اسماعیل الیمانی توضیح الافکار میں رقمطراز ہیں کہ امام ذہبی نے میزان میں امام اعظم کا ترجمہ نہیں لکھا ہے لیکن امام نووی نے تہذیب الاسماء میں امام صاحب کا تذکرہ لکھا ہے اور اس سے زیادہ یہ کہ خود حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی لسان المیزان میں امام اعظم کا کوئی ترجمہ نہیں لکھا حالانکہ لسان المیزان الاعتدال ہی کا چر بہ ہے۔ یہ اس بات کی صریح شہادت ہے کہ میزان میں امام اعظم کا ترجمہ نہ تھا۔ خیر یہ ایک ضمنی بات تھی۔ بتایہ رہا تھا کہ امام حماد کی ذات گرامی اپنی ثقاہت کی وجہ سے بہت اونچے مقام پر ہے۔ قلم کو روکنا چاہتا ہوں مگر کیا کروں رکتا نہیں ہے۔ بزرگان دین کی عدالت و ثقاہت تو اپنی جگہ ہے افسوس تو اس پر آتا ہے کہ لوگ اکابر کے منہ سے نکلی ہوئی بات کا منشا

خود نہیں سمجھتے اور بات کا خواہ مخواہ بتلگڑ بنادیتے ہیں۔ انا للہ فالی اللہ المشتکی ذرا غور فرمائیں کہ ایک بار امام حماد حج کر کے کوفہ واپس آئے لوگ ملاقات کی خاطر حاضر ہوئے۔ آپ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے کوفہ والو! تم اللہ سبحانہ کا شکر ادا کرو میں عطاء بن ابی رباح، طاؤس اور مجاہد سے ملا ہوں لیکن تمہارے بچے اور بچوں کے بچے بھی علم میں ان سے آگے ہیں اس میں کون سی توہین کی بات ہے یہ تو کوفہ میں علم کی بہتات پر تحدیثِ نعمت ہے۔

امام حماد پر ار جاء کی تہمت

ظلم بالائے ظلم یہ کہ ان کے متعلق رجال کی کتابوں میں یہ فقرہ بھی لکھ دیا گیا ہے۔

تکلم فیہ للار جاء

حالانکہ امام حماد کا دامن اس تہمت سے بالکل پاک ہے صرف امام حماد نہیں بلکہ ان کی طرح بخاری اور مسلم کے کتنے ہی راویان حدیث ہیں جن کی ثقاہت اور عدالت مسلم ہے مگر ان پر صرف فکری اختلاف کی وجہ سے ار جاء کی تہمت جڑ دی ہے۔ خدا بھلا کرے شہرستانی کا کہ انہوں نے رجال المرجیہ کے عنوان سے مختلف اکابر مثلاً الحسن بن محمد، سعید بن جبیر، طلق بن حبیب، محارب بن دثار، حماد بن ابی سلیمان، امام اعظم، قاضی ابو یوسف، امام محمد وغیرہ وغیرہ کا نام لکھ کر یہ بات لکھ دی ہے کہ:

هَؤُلَاءِ كُلُّهُمْ اِثْمَةُ الْحَدِيثِ (۱)

حافظ سیوطی نے تدریب الراوی میں جہاں بخاری و مسلم کے ان راویوں کی فہرست دی ہے جن کو کہنے والے مرجیہ کہہ گئے ہیں وہاں یہ بھی بتایا ہے کہ ان کی طرف جس ار جاء کی نسبت کی گئی ہے اس سے مقصود مرجیہ کا وہ ار جاء نہیں

ہے جو اہل السنۃ کی اپوزیشن ہے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے:

تَاخِيرُ الْقَوْلِ فِي الْحُكْمِ عَلَى مَرْتَكِبِ الْكِبَايِرِ^(۱)

اگر ار جاء یہی ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب مومن ہے لیکن اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے خواہ بخش دے خواہ سزا دے۔ تو سب اہل السنۃ ہی ار جاء کے شکار ہیں۔ سب یہی کہتے ہیں:

مُرْجِيٌّ أَمْرُهُ وَمُقَوَّضٌ مَصِيرُهُ إِلَى رَبِّهِ إِنْ سَاءَ عَذْبُهُ وَإِنْ شَاءَ عَفَا

عَنْهُ^(۲)

امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد سب کا یہی مسلک ہے۔ ابن الجوزی نے مناقب میں امام احمد کی یہی رائے لکھی ہے کہ اہل توحید میں سے کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا چاہے اس نے کبائر ہی کا ارتکاب کیوں نہ کیا ہو^(۳)۔

خود امام بخاری نے صحیح میں یہ عنوان قائم کر کے کہ

الْمَعَاصِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يُكْفَرُ صَاحِبُهَا بِإِثْمِهَا إِلَّا بِالشِّرْكِ^(۴)

یہی بتایا ہے کہ شرک کے سوا گناہ خواہ کیسا ہی سنگین ہو مگر گناہ گار کافر نہیں ہوتا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ حافظ بدر الدین عینی نے امام بخاری کے دعویٰ اور دلائل کی توضیح کے بعد لکھا ہے:

هَذَا هُوَ مَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ^(۵)

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ مرجیہ جو کہتے ہیں کہ گناہ سے کچھ نہیں ہوتا اور خوارج جو کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے اور معتزلہ کی رائے میں مرتکب کبیرہ کی ہر گز بخشش نہ ہو گی ان میں سلامتی کی راہ وہی ہے جو اہل

۱۔ تدریب الراوی ص ۲۱۹۔

۲۔ تدریب الراوی ص ۱۱۲۔

۳۔ مناقب ابن الجوزی ص ۹۶۔

۴۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۔ ۵۔ عمدۃ القاری ج ۱ ص ۸۰۔

النتہ نے اختیار کی ہے اور جس کی قانونی تعبیر یہ ہے کہ ایمان نام ہے تصدیق قلبی اور اقرار زبانی کا۔ جس طرح ایک تندرست آدمی بیمار ہو سکتا ہے اسی طرح ایک مسلمان سے بھی گناہ سرزد ہو سکتا ہے۔

اگر اسی کا نام ارجاء ہے جو آپ حافظ سیوطی کی زبانی سن آئے ہیں تو پھر مرجیہ ہونے کی پھبتی کیوں ہے؟ اور زبان و قلم کے یہ سارے ہنگامے کیوں ہیں؟ غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ غصہ صرف اس پر ہے کہ ایمان کے بارے میں قانونی تعبیر فقہاء محدثین نے الگ کیوں اختیار کی ہے۔ اور فقہاء نے اس موضوع پر وہی زبان کیوں اختیار نہیں کی جو بعد میں محدثین نے کی ہے۔ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ جس کسی نے فقہاء کو مرجیہ کہا ہے اس نے عقائد کے لحاظ سے نہیں بلکہ صرف ان الفاظ کی وجہ سے کہا ہے جن سے مرجیہ کی موافقت کی جاتی ہے^(۱)۔

یہاں تفصیل کا موقع نہیں ہے اس پر تفصیلی بحث انشاء اللہ آئندہ اوراق میں آئے گی۔ بتانا صرف یہ چاہتا ہوں کہ امام حماد حضرت امام اعظم کے استاد فقہ ہونے کے ساتھ استاد حدیث بھی ہیں۔

قاضی ابو یوسف کی کتاب الآثار میں امام حماد کے حوالہ سے امام ابو حنیفہ کی روایات موجود ہیں۔

عَنْ أَبِي يُوسُفَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ لَمْ يَجْتَمِعْ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ عَلَى شَيْءٍ كَمَا اجْتَمَعُوا عَلَى التَّنْوِيرِ بِالْفَجْرِ وَالتَّكْبِيرِ بِالْمَغْرِبِ وَلَمْ يَثَابِرُوا عَلَى شَيْءٍ مِنَ التَّطَوُّعِ كَمَا ثَابَرُوا عَلَى أَرْبَعٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيِ الْفَجْرِ^(۲)

۱۔ کتاب الایمان ص ۱۶۱۔

۲۔ کتاب الآثار ص ۵۶۔

ابراہیم کہتے ہیں کہ حضور انور ﷺ کے صحابہ کا کسی کام پر اتنا ایک نہیں ہوا جتنا صبح کی نماز کو چاندنا کر کے پڑھنے اور مغرب کی نماز کو سویرے پڑھنے پر ہوا ہے اور کسی بھی نفل پر اتنی ہمیشگی نہیں کی جتنی کہ ظہر سے پہلے چار سنتوں اور صبح کی نماز سے پہلے دو سنتوں پر کی ہے۔

امام محمد نے مؤطا میں امام مالک کے ساتھ کچھ امام اعظم کی روایات بھی درج کی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ سَبَّلَ عَنِ الْوُضُوءِ مِنْ مَسِّ الذَّكَرِ فَقَالَ إِنْ كَانَ فَاقْطَعُهُ ^(۱)

۱۔ مؤطا امام محمد ص ۵۴۔ نوٹ: آج مؤطا امام مالک کے دو ہی نسخے متداول ہیں ایک امام یحییٰ بن یحییٰ لیشی کا۔ اور دوسرا امام محمد کا، جن کے متعلق امام ذہبی نے لکھا ہے کان من بحور العلم والفقه قويا في مالک (ميزان الاعتدال) علم اور فقہ کے سمندر تھے اور امام مالک سے آدھ بیانات میں بے حد قابل اعتماد ہیں۔ امام مالک کے سارے تلامذہ میں امام محمد کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے امام مالک کی ساری حدیثوں کو امام مالک کی زبان سے سناور نہ عام طور پر امام مالک کے شاگرد پڑھتے اور وہ سنتے۔ یہی وجہ ہے کہ امام محمد کو امام مالک سے مؤطا سننے میں پورے تین سال لگے نیز لوگوں نے امام مالک سے مؤطا کی روایت کی ہے ان میں کوئی بھی جلالت شان میں امام محمد کا ہمسر نہیں بلاشبہ امام شافعی مؤطا کے رواقہ میں داخل ہیں لیکن قطع نظر اس بات کے کہ ان سے مؤطا کا کوئی نسخہ مروی نہیں ہے ان کو امام محمد سے وہی نسبت ہے جو امام مالک سے ہے کیونکہ امام شافعی نے دونوں اماموں سے یکساں استفادہ کیا ہے اور گو انہوں نے امام محمد سے حدیث کا علم بھی بہت کچھ حاصل کیا ہے جیسا کہ حافظ ذہبی نے تصریح کی ہے اور الشافعی فاضل بمحمد بن الحسن فی الحديث (۵۹) لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ فقہ میں وہ خاص طور پر امام محمد ہی کے تربیت یافتہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ حد سے زیادہ ان کی تعظیم کرتے تھے۔ خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں امام شافعی سے ناقل ہیں امن الناس علی فی الفقہ محمد بن الحسن اور حافظ سمعانی نے بویعلیٰ کی زبانی امام شافعی کے یہ الفاظ لکھے ہیں۔ اعاننی اللہ برجلین بابن عیینہ فی الحديث وبمحمد فی الفقہ (بلوغ الامانی ص ۲۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود سے دریافت کیا گیا کہ پیشاب گاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو کا حکم کیا ہے؟ فرمایا اگر ناپاک ہے تو کاٹ دو۔
امام محمد نے کتاب الآثار میں بھی بحوالہ امام اعظم ابن حنابلہ بے شمار روایات درج کی ہیں۔

مُحَمَّدٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ يُوجَرُ الْمَيِّتُ بَعْدَ مَوْتِهِ وَلَدَّ يَدْعُو لَهُ بَعْدَ مَوْتِهِ فَهُمْ يُوجَرُ فِي دُعَائِهِ وَرَجُلٌ عَلَّمَ عِلْمًا يَعْمَلُ بِهِ وَيَعْلَمُهُ النَّاسُ فَهُوَ يُوجَرُ عَلَى مَا عَمِلَ وَعَلَّمَ وَرَجُلٌ تَرَكَ صَدَقَةً^(۱)

تین چیزوں سے مرنے کے بعد مرنے والا فائدہ اٹھاتا ہے۔ بیٹا جو مرنے کے بعد اس کے لئے دعا مانگے۔ عالم جس نے علم حاصل کیا عمل کیا اور لوگوں کو تعلیم دی لوگوں کے علم و عمل کا میت کو بھی فائدہ ہوتا ہے تیسرے وہ زمین جسے خیراتی کاموں کے لئے صدقہ بنا کر چھوڑ دیا گیا۔

ایسے ہی حافظ ابو محمد حارثی نے اپنے مسند میں بحوالہ امام اعظم کی بہت سی روایات درج کی ہیں۔

أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَمْ يَقْنُتْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي الْفَجْرِ إِلَّا شَهْرًا حَارَبَ حَيًّا مِّنَ الْمُشْرِكِينَ فَقَنْتَ يَدْعُوا^(۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ حضور انور ﷺ نے صبح کی نماز میں صرف ایک ماہ قنوت کی جب کہ مشرکین کے ایک قبیلہ سے جنگ تھی۔
امام اعظم ہی کا جو مسند بروایت حصکی موجود ہے اس میں حضرت حماد کے حوالہ سے روایات موجود ہیں۔

أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ
 أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ وَلَا يَغُودُ
 لَشَيْءٍ مِّنْ ذَلِكَ (۱)

۱۔ شرح مسند ملا علی قاری ص ۸۰۔

نوٹ: یہ حدیث مختلف الفاظ میں دوسرے محدثین ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کی ہے ابوداؤد کی روایت میں اس حدیث کو بیان کرنے والے چھ راوی ہیں۔ عثمان، وکیع، سفیان ثوری، عاصم، عبدالرحمن اور علقمہ اور اسی سند کے ساتھ یہ حدیث ترمذی میں موجود ہے مگر اس میں ہناد کی جگہ محمود بن غیلان ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اس حدیث کو ان روایات کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ وکیع، سفیان، عاصم، عبدالرحمن اور علقمہ۔ کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن المبارک کہتے ہیں کہ یثبت حدیث ابن مسعود دراصل یہ ایک سنگین مغالطہ ہے حدیثیں دو ہیں اور دونوں ابن مسعود کی ہیں ایک یہ کہ حضور انور ﷺ نے پہلی بار کے علاوہ نماز میں رفع یدین نہیں کیا۔ دوسری یہ کہ عبداللہ کہتے ہیں کہ کیا میں تم کو حضور انور ﷺ جیسی نماز نہ پڑھاؤں۔ عبداللہ نے نماز پڑھائی اور تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا۔ دونوں میں فرق ہے پہلی حدیث میں حضور کے بارے میں ہے کہ آپ نے نہیں کیا اور دوسری میں آپ کے عمل کا نہیں بلکہ خود عبداللہ کے عمل کا ذکر ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں پہلی مرفوع ہے اور دوسری موقوف ہے۔ کچھ راویوں نے دونوں کو مخلوط کر دیا تھا۔ عبداللہ بن المبارک کہتے ہیں کہ روایتی حیثیت سے پہلی بات ثابت نہیں ہے اور ثابت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس اسناد سے پہلی روایت عبداللہ بن المبارک کو پہنچی ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ثابت نہ ہونے سے مطلقاً نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف اس اسناد کی صحت کی نفی ہے۔ علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ ابن المبارک کے نزدیک کسی حدیث کا ثابت نہ ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اور بھی کسی کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔ مشہور محدث یحییٰ القطان اسے صحیح کہتے ہیں۔ حافظ ابن حزم کی رائے میں صحیح ہے اور امام ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے۔ یہ موضوع ذرا تفصیل طلب ہے صرف اتنی بات یاد رکھئے کہ حدیثیں دونوں طرح آئی ہیں رفع یدین کرنے اور نہ کرنے کی۔ امام اعظم نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز میں رفع یدین نہ کرنے کی سنت کو اولیٰ وافضل قرار دیا ہے کیونکہ صحابہ کی زیادہ تعداد اسی پر عمل پیرا تھی اور محدثین کا بتایا ہوا ضابطہ ہے کہ إِذَا تَنَازَعَ الْخَبْرَانِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ نَظَرْنَا إِلَى مَا عَمِلَ عَلَيْهِ صَحَابُهُ (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضور انور ﷺ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

بطور گُلے از گلزار چند روایات ہیں۔ بتانا یہ چاہتا ہوں کہ امام حماد حضرت امام اعظم کے استاد حدیث ہیں اور استاد بھی ایسے شفیق کہ حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ امام صاحب کے والد بزرگوار نے امام حماد سے ایک مسئلہ دریافت کیا حماد نے جواب دیا۔ امام صاحب نے جواب پر ایک سوال کر دیا۔ بات لمبی ہو گئی۔ حضرت حماد خاموش ہو گئے۔ امام صاحب جب مجلس سے رخصت ہو گئے تو امام حماد نے فرمایا: هَذَا مَعَ فَقْهِهِ يَخْبِي اللَّيْلُ^(۱)

یہ صرف فقیہ نہیں بلکہ شب زندہ دار بھی ہیں۔

امام حماد کے فرزند کہتے ہیں کہ ایک بار میرے والد محترم سفر میں تشریف لے گئے واپسی پر میں نے دریافت کیا کہ اس دوران میں زیادہ کون یاد آیا؟ میرا خیال تھا کہ وہ یہی فرمائیں گے کہ تو! لیکن انہوں نے امام ابو حنیفہ کا نام لیا اور فرمایا کہ اگر مجھے یہ قدرت ہوتی کہ میں ابو حنیفہ سے ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی نظر جدا نہ کروں تو نہ کرتا^(۲)

ابو اسحاق السبعی سے تلمذ

ان کا نام عمرو بن عبداللہ اور کنیت ابو اسحاق ہے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ میں ان کو علم حدیث میں امام اعظم کا استاد لکھا ہے یہ خود علم حدیث میں صحابہ کرام یعنی زید بن ارقم، عبداللہ بن عمرو، عدی بن حاتم طائی اور براء بن عازب کے شاگرد ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ: حَدَّثَ عَنْ ثَلَاثِ مِائَةِ شَيْخٍ^(۳)

۱۔ الاثقاء فی فضائل الثلاثہ ص ۷۲۔

۲۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۸۔

۳۔ تاریخ بغداد ترجمہ حماد۔

ان کے تین سواستاد ہیں۔

ان میں اڑتیس صحابہ کرام ہیں۔ امام ابو داؤد طیالسی کہتے ہیں کہ حدیث ہمیں چار شخصوں سے ملی ہے۔ زہری، قتادہ، ابواسحاق السبکی اور امام اعمش۔ پھر سب کے بارے میں ایک ایک فن کی امامت کا ذکر کرتے ہوئے ابواسحاق کے متعلق دعویٰ کیا ہے کہ

أَعْلَمُهُمْ بِحَدِيثِ عَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُودٍ^(۱)

انہوں نے قرآن حکیم امام ابو عبد الرحمن السلمی سے پڑھا ہے حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ امام اعمش فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے تلامذہ ان کو دیکھتے تو پکاراٹھتے۔

هَذَا غُمْرُ وَالْقَارِي^(۲)

ابو عبد الرحمن السلمی حضرت عبد اللہ بن مسعود کے جلیل القدر شاگردوں میں سے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ ابو عبد الرحمن السلمی اور ان کے علاوہ کوفہ کے دوسرے علماء جیسے علقمہ، اسود حارث اور زر بن حبیش نے قرآن عزیز عبد اللہ بن مسعود سے حاصل کیا ہے۔^(۳)

صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی بتایا ہے کہ یہ لوگ مدینے جا کر حضرت عمر، حضرت عائشہ سے بھی استفادہ کرتے تھے۔

ابواسحاق السبکی کی وفات ۱۲ھ میں ہوئی ہے۔ امام شعی فرماتے ہیں کہ امام ابواسحاق السبکی مجھ سے سال یا دو سال بڑے ہیں ان سے امام اعظم نے بہت احادیث روایت کی ہیں۔ چنانچہ کتاب الآثار میں قاضی ابویوسف فرماتے ہیں:

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۸۔

۲۔ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۶۶۔

۳۔ منہاج السنۃ ج ۴ ص ۱۴۲۔

أَبُو يُوسُفَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ السَّبْعِيِّ عَنْ شُرَيْحٍ أَنَّهُ قَالَ إِذَا مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ بَانَتْ بِالْإِنْلَاءِ

شرح کہتے ہیں کہ چار ماہ گزرنے پر عورت ایلاء سے بانکہ ہو جائے گی۔^(۱)
حافظ ابو محمد حارثی اپنے مسند میں فرماتے ہیں:

أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ السَّبْعِيِّ عَنْ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ أَذَانِ بِلَالٍ وَابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ إِلَّا قَدْ رَمَا نَزْلُ هَذَا وَيَضَعُهُ هَذَا
بلال اور ابن ام مکتوم کی اذانوں میں صرف دونوں مؤذنوں کے اترنے اور چڑھنے کا فرق ہوتا تھا^(۲)

حافظ موسیٰ بن زکریا نے اپنے مسند میں بھی بحوالہ ابو اسحاق السبعی بہت روایات لکھی ہیں۔

أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ السَّبْعِيِّ عَنِ الْبَرَاءِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُعَلِّمُنَا التَّشْهَدَ كَمَا يُعَلِّمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ

حضور انور ﷺ ہمیں تشہد ایسے ہی سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورت۔^(۳)

امام ابو اسحاق السبعی کو حافظ ذہبی نے حفاظ کے چوتھے طبقہ میں شمار کیا ہے۔ امام شعبہ، امام اعمش اور امام سفیان ثوری جیسے اجلہ ائمہ حدیث ان کے شاگرد ہیں۔

الامام الحافظ شیبان سے امام اعظم کا تلمذ

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے۔
الامام، الحافظ، الحجۃ، اصل میں بصرہ کے رہنے والے ہیں مگر کوفہ میں اقامت فرما لی تھی۔ حکم بن عتیہ، زیاد بن علاقہ، منصور بن المعتمر، عبد الملک بن عمیر، سماک

بن حرب، سلیمان بن مہران اور حسن بصری سے حدیث کی تعلیم پائی ہے۔ سید الحفاظ یحییٰ بن معین سے ان کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا کہ ہر پہلو سے ثقہ ہیں۔ تمام ائمہ نقد و جرح ان کی ثقاہت و صداقت پر متفق ہیں۔ حافظ عسقلانی نے جن ائمہ فن سے ان کی ثقاہت و صداقت نقل کی ہے ان میں ابوالقاسم البغوی، یعقوب بن شبیبہ، ابو حاتم، العجلی، النسائی اور یحییٰ بن سعید خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ زائدہ بن قدامہ، ابوداؤد طیالسی، الحسن بن موسیٰ، عبدالرحمن بن مہدی علم حدیث میں ان کے شاگرد ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب میں ان کے شاگردوں کی فہرست میں امام اعظم کا بھی ذکر کیا ہے اور حافظ ذہبی نے امام صاحب کی شاگردی کا ان لفظوں میں تذکرہ کیا ہے۔

حَدَّثَنَا الْإِمَامُ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْهُ ^(۱)

حافظ عسقلانی نے لکھا ہے کہ عبدالرحمن بن مہدی کو ان کے سامنے زانوئے ادب طے کرنے پر بڑا ہی ناز تھا مجتہد اور شاگردوں کے مشہور امام المسند علی بن الجعد ^(۲) جوہری بھی ان کے شاگرد ہیں۔ امام بخاری، امام مسلم، امام

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ترجمہ شبیبی۔

۲۔ علی بن الجعد حدیث کے مشہور امام ہیں۔ امام بخاری اور ابوداؤد کے استاد ہیں اور حدیث میں جیسے ابن ابی ذئب اور شعبہ کے شاگرد ہیں ایسے ہی قاضی ابویوسف سے بھی ان کو شرف تلمذ حاصل ہے اور قاضی صاحب کے اصحاب میں سے ہیں۔ ان کا پورا نام ابوالحسن علی بن الجعد الجوهری ہے ان کی حدیث دانی کا اندازہ کرنا ہو تو مشہور محدثین جزیرہ، احمد، اسحاق بن راہویہ اور یحییٰ بن معین کا یہ اتفاقی فیصلہ پڑھے۔ امام جزیرہ کہتے ہیں کہ ہم چاروں ایک روز ان کے در دولت پر حاضر ہوئے آپ اپنی کتابیں لے آئے اور واپس اندر چلے گئے ہمیں خیال ہوا کہ کھانا لینے گئے ہیں ہمیں ان کی کتابوں میں کوئی غلطی نہیں ملی، کھانے سے فراغت کے بعد کتابوں میں درج شدہ ساری احادیث ہمیں زبانی سنا دیں۔ محدث خوارزمی فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے بارے میں ان کا تاثر یہ تھا کہ امام اعظم جب حدیثیں پیش

الدراد، اور امام ترمذی نے اپنی کتابوں میں ان سے کافی روایات لی ہیں اور امام
علم کے مسانید میں بھی ان کے حوالہ سے احادیث آئی ہیں۔

أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيَىٰ عَنِ الْمُهَاجِرِ عَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى
سُؤْلُ اللَّهِ ﷺ عَنْ صَوْمِ الصَّغِيرِ وَالْوَصَالِ

حضور انور ﷺ نے چپ رہنے اور ہمیشہ کے روزے سے منع فرمایا ہے۔^(۱)
یہی روایت بحوالہ عکرمہ الحافظ الحارثی بخاری نے بھی اپنے مسند میں بیان کی
ہے۔

الحکم بن عتیبہ سے امام اعظم کا تلمذ
حافظ ذہبی نے ان کو شیخ الکوفہ لکھا ہے۔ قاضی شریح، ابوداؤد، ابراہیم
نخعی، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ اور سعید بن جبیر سے علم حدیث پڑھا ہے۔ خلاصہ میں
ان کو احد الاعلام بتایا ہے۔ امام اوزاعی، امام مسعر بن کدام، حمزہ الزیات، امام
شعبہ اور ابو عوانہ نے خلاصہ میں امام اعظم کو ان کا شاگرد قرار دیا ہے ان کے
بارے میں سفیان بن عیینہ کا تاثر یہ تھا کہ حکم اور حماد جیسا کوئی نہیں ہے۔ ائمہ
اربعہ حدیث نے اپنی کتابوں میں ان کی سند سے حدیثیں لی ہیں۔ امام اعظم نے
بھی ان کے حوالے سے ایک سے زیادہ روایات لی ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ
ابراہیم نخعی سے احادیث میں حکم سے زیادہ پاسدار کوئی نہیں ہے۔ امام ابویوسف

== کرتے ہیں وہ موتی کی طرح آبدار ہوتی ہیں۔ (ج ۲ ص ۳۰۸) اگرچہ بخاری، ابوداؤد،
اور مسلم سب ہی کو ان کے سامنے زانوئے ادب طے کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے مگر
افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث ان سے اس لئے نہیں لی ہے کہ
یہ بزرگ ان لوگوں میں سے تھے جو خلق قرآن کے مسئلہ میں تشدد دین میں سے نہ تھے امام
ذہبی نے لکھا ہے کہ ان کا کہنا تھا کہ مَنْ قَالَ الْقُرْآنَ مَخْلُوقٌ لَمْ أَغْفُهِ اسی بنا پر ان پر
بدعتی ہونے کی تہمت لگائی گئی ہے۔

نے کتاب الآثار میں بحوالہ حکم یہ روایت درج کی ہے۔

عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُخَيَّمَةَ عَنْ شُرَيْحٍ أَنَّهُ قَالَ
سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْمَسْحِ فَقَالَ سَلْ عَلِيًّا فَإِنَّهُ كَانَ يُسَافِرُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ
فَسَأَلْتُ عَلِيًّا فَقَالَ امْسَحْ

شرح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے موزوں پر مسح کے بارے میں
پوچھا فرمایا کہ حضرت علیؓ سے پوچھو وہ حضور انور ﷺ کے رفیق ہوتے تھے۔ میں
نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا فرمایا کہ مسح کر لو۔ (۱)

الامام الحافظ ابو محمد حارثی اپنے مسند میں ایک سے زیادہ حدیثیں لائے ہیں۔

أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عُثَيْبَةَ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ شُرَيْحٍ عَنْ عَلِيٍّ عَنِ
النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ يَحْرُمُ مِنَ الرُّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ
حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ رضاعت سے وہ سب رشتے حرام ہیں جو
قربات سے حرام ہیں۔ (۲)

کوفہ کے سب اساتذہ کا استقصاء منظور نہیں ہے صرف بطور گلے از گلزار
چند کا تعارف ہدیہ ناظرین ہے ان کے علاوہ کوفہ کے جن محدثین سے امام اعظم
نے علم حدیث حاصل کیا ہے۔ ان میں سے خاص خاص کے اسمائے گرامی یہ ہیں
۔ اسماعیل بن خالد ۱۲۶ھ بیان بن بشر، جامع بن ابی راشد ۱۴۸ھ جامع بن شداد
الحارثی ۱۱۸ھ، الحسن بن سعد بن معبد، زید بن ابی انیسہ ۱۲۴ھ، زیاد بن علاقہ
۱۳۵ھ زیاد بن حدیر الاسدی، ابو عبد الرحمن، سعید بن مسروق ۱۲۸ھ، مسلمہ
بن کھیل ۱۲۱ھ سلیمان بن ابی سلیمان ۱۴۱ھ سماک بن حرب ۱۲۳ھ عبد الملک بن
عمیر ۱۲۶ھ ابو الحارث علقمہ بن مرثد ۱۳۰ھ، ابو ردق عطیہ بن الحارث الہمدانی
عبد الرحمن بن عبد اللہ ۱۶۵ھ ابو عبد اللہ عون بن عبد اللہ ۱۲۰ھ، عتبہ بن عبد اللہ

بن عتبہ قاسم بن عبد الرحمن بن منصور بن التمر بن منصور بن دینار بن یزید بن عبد الرحمن ابو داؤد بن خالد بن علقمہ، زکریا بن ابی زائدہ تہذیب التہذیب، تذکرہ الحفاظ حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان سب کا ترجمہ لکھا ہے مسانید امام اعظم میں ان سب سے روایات موجود ہیں۔

(ماخوذ امام اعظم اور علم الحدیث ص ۱۸۹ تا ۲۱۳)

اعتراض نمبر ۳۲ : جے پوری صاحب مزید کچھ آگے چل کر

ایک عنوان یہ قائم کرتے ہیں۔

”کیا حنفی مذہب میں ولی ہوئے ہیں“

اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

”اکثر حنفی کہا کرتے ہیں کہ ہمارے مذہب کے حق ہونے کی بڑی دلیل

یہ ہے کہ اس مذہب میں ہزاروں اولیاء اللہ ہوئے ہیں اس کا جواب بگوش دل

ملاحظہ ہو۔ حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کہ جن کو چاروں مذہب والے

بڑا ولی مانتے ہیں وہ صاف اس بات سے انکار کرتے ہیں چنانچہ طبقات ابن رجب

جلد ۱ ص ۱۰۲ میں ہے کہ ”قیل للشیخ هل كان لله وليا على غير اعتقاد

احمد بن حنبل فقال ما كان ولا يكون“

ترجمہ: حضرت پیران پیر سے پوچھا گیا کہ حنبلی مذہب والوں کے سوا اور

مذہب میں بھی کچھ ولی ہوئے ہیں یا نہیں۔ فرمایا نہ تو ہوئے ہیں اور نہ ہوں گے

۔ (حقیقت الفقہ ۱۲۳)

جواب : احناف کے ساتھ جے پوری صاحب کے بغض و عناد کو ملاحظہ

فرمائیے کہ انہیں احناف کے اندر کسی ولی اللہ کا ہونا بھی گوارا نہیں ہے اور وہ یہ

ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حنفی مذہب میں کوئی ولی نہیں ہوا۔ اور یہ ثابت کرنے

کے لئے انہوں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا ایک قول ڈھونڈا ہے

لیکن ان کا اس قول سے استدلال کرنا بالکل غلط ہے فائدہ اور بے کار ہے۔

اولاً: تو اس لئے کہ جے پوری صاحب کو کوئی حدیث پیش کرنی چاہیے تھی جس سے ثابت ہوتا کہ حنفی مذہب میں نہ ولی ہوئے ہیں نہ ہوں گے مذکورہ قول تو امتی کا ہے اور غیر مقلدین کے ہاں تو اقوال صحابہ حجت نہیں چہ جائیکہ دیگر حضرات کے اقوال، اس لئے یہ قول پیش کرنا شانِ تحدیث کو بے لگانے کے مترادف بلکہ بقول غیر مقلدین کے شرک ہے۔

ثانیاً: جے پوری صاحب نے مذکورہ قول کا ترجمہ بھی انتہائی غلط کر کے لوگوں کو دھوکہ دینا چاہا ہے اس لئے کہ انہوں نے اعتقاد کا ترجمہ مذہب کیا ہے جو غلط ہے۔ کیونکہ فقہی طور پر مذہب مسلک کے معنی میں ہوتا ہے اور حضرت شیخ کے قول میں اعتقاد سے مسلک ہر گز مراد نہیں بلکہ اعتقاد سے وہ بنیادی عقائد مراد ہیں جن پر کفر و اسلام اور نجات و عذاب کا دار و مدار ہے۔ ظاہر ہے کہ ان بنیادی عقائد میں ائمہ اربعہ باہم متفق ہیں اور ان کا آپس میں کوئی اختلاف نہیں لہذا صحیح ترجمہ یوں ہو گا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے سوال ہوا کہ حضرت امام احمد حنبل رحمہ اللہ کے جو عقائد تھے ان عقائد سے ہٹ کر کوئی ولی ہوا ہے تو آپ نے فرمایا نہ ہوا ہے نہ ہو گا۔ اس ترجمہ کو سامنے رکھتے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ معتزلہ، خوارج و روافض کی تردید کر رہے ہیں کہ ان میں نہ ولی ہوا نہ ہو سکتا ہے کیونکہ وہ امام احمد کے عقائد سے ہٹے ہوئے تھے نہ کہ ائمہ اہل سنت کے متبعین کی۔ براہِ عدم تقلید کا یہ انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔

ثالثاً: اگر جے پوری صاحب کے ترجمے کے مطابق حضرت شیخ کی عبارت کا مطلب وہی ہے جو جے پوری صاحب سمجھنا چاہتے ہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ حنبلیوں کے سوا۔ مائیکوں اور شافعیوں میں بھی کوئی ولی نہ ہوا ہو: جے پوری

صاحب کے حواری سوچ کر جواب دیں کیا وہ یہ کہنے کے لئے تیار ہیں؟ یاد رہے کہ جے پوری صاحب کا صرف حنبلیوں میں اولیاء ماننا یہ اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ غیر مقلدین میں بھی نہ کوئی ولی ہوا ہے نہ ہو گا کیونکہ غیر مقلدین جس طرح امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے مقلد نہیں ہیں اسی طرح وہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بھی مقلد نہیں ہیں لہذا غیر مقلدین خود اپنی زبان سے اقرار ہی ہو گئے کہ نہ ان میں کوئی ولی ہوا ہے نہ ہو گا۔

دابعاً: جے پوری صاحب کا احناف میں ولیوں کا انکار کرنا سورج کی روشنی میں دن کا انکار کرنے کے مترادف ہے۔ جے پوری صاحب کے حواریین سوچ کر جواب دیں کہ

۱۔ حضرت ابراہیم ادہم بلخی، حضرت شقیق بلخی، حضرت بشر حافی، حضرت داؤد طائی رحمہم اللہ، حضرت امام صاحب کے شاگرد یہ اولیاء تھے یا نہیں؟

۲۔ حضرت علی ہجویری، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت خواجہ فرید الدین، حضرت خواجہ نظام الدین، حضرت علاؤ الدین صابر کلیری، حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمہم اللہ جو سب کے سب حنفی ہے یہ اولیاء تھے یا نہیں؟

۳۔ حضرت مجدد الف ثانی، ان کے صاحبزادگان اور ان کے خلفاء حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادگان جو سب حنفی تھے یہ اولیاء تھے یا نہیں؟

اندازہ فرمائیے جے پوری صاحب کی ذہنیت کا، کہتے ہیں آئینہ میں اپنا ہی منہ نظر آتا ہے۔ چونکہ غیر مقلدین میں کوئی ولی اللہ نہیں ہے اس لئے انہیں احناف میں بھی اولیاء نظر نہیں آتے۔

اعتراض نمبر ۳۳: صاحب حقیقت الفقہ نے ص ۱۸۶ پر ایک سرخی قائم کی ہے باب متعلق اختلاف اقوال پھر اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

فلعنة ربنا اعداد رمل----- علی من رد قول ابی حنیفہ

ترجمہ: لعنت ہو ہمارے رب کی بقدر شمار ریت کے اس شخص پر کہ جو ابو حنیفہ کے قول کو رد کرے یعنی قبول نہ کرے (در مختار جلد ۱ ص ۲۶)

جواب: یہ شعر امام عبد اللہ بن المبارک المتوفی ۱۸۱ھ کی طرف منسوب ہے (دیکھئے مقدمہ عمدۃ الرعاۃ ص ۳۳) عبد اللہ بن المبارک امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں اور ان کا یہ قول امام صاحب کے ان مسائل کے بارے میں ہے جو ان کے علم کے مطابق قرآن و حدیث کے عین مطابق تھے اور ان کا رد کرنے والا مستحق لعنت ہی ہے کیونکہ وہ اصل میں قرآن و حدیث کا رد کر رہا ہے۔ متاخرین فقہاء کے مسائل و تخریجات جو غیر مجتہدین کے قیاسات ہیں وہ اس سے مراد نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ پیش نظر رکھنی چاہیے کہ ایک ہے رد کرنا اور ایک ہے کسی مسئلے سے اختلاف کرنا یہاں پر رد کی بات ہو رہی ہے۔ عبد اللہ بن المبارک امام صاب کے شاگرد ہیں اور شاگرد کی اپنے استاد کے متعلق ایسی حسن عقیدت، جوش محبت اور فرط عشق کوئی انوکھی بات نہیں ہے زیادہ سے زیادہ اس کو غلو فی الحقیقت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ ایسے اقوال اسماء الرجال کے کتابوں میں بے شمار ہیں۔

شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کا اپنے اساتذہ کے متعلق نظریہ غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کے حالات میں لکھا ہے کہ

اساتذہ کا ادب: میاں صاب اپنے اساتذہ جناب مولانا شاہ ولی اللہ جناب مولانا شاہ عبدالعزیز اور جناب مولانا شاہ محمد اسحاق قدس سرہ اور ان کے خاندان کا بہت ادب کرتے، اکثر قرآن و حدیث کے ترجمہ کے موقع پر فرماتے مجھ سے

اس کا مقراضی ترجمہ سنو جو ہمارے بزرگوں سے سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے اور بیان مسائل میں بھی انہی بزرگوں کے اقوال سے سند لاتے اور فرماتے ہمارے حضرات یوں فرماتے ہیں۔ اس پر کوئی آزاد طبع طالب علم اگر یہ کہہ دیتا کہ ان حضرات کا کہنا سند نہیں ہو سکتا جب تک قرآن و حدیث سے سند نہ دی جائے تو بہت خفا ہو کر فرماتے، مردود کیا یہ حضرات گھس گئے تھے ایسی ہی اڑان گھائی اڑاتے ہیں۔ (الحیات بعد الممات ص ۳۰۳)

ناظرین آپ نے میاں صاحب کا واقعہ بھی پڑھا جس میں میاں صاحب مرحوم اعتراض کرنے والوں کو اس لئے مردود کہتے ہیں کہ انہوں نے ان کے اساتذہ کرام کے بارے میں بے اعتمادی کا اظہار کیا ہے۔ اور اگر کوئی امام ابو حنیفہؒ کی شان رفیع میں انتہائی بے اعتقادی کا ذکر کرتا ہو اور ان کے قول کو محض تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے رد کرتا ہو جن کے علم و فضل اور تقویٰ و طہارت کو حضرت میاں مرحوم کے اساتذہ کرام بھی نہ صرف یہ کہ تسلیم کرتے ہوں بلکہ ان کی تقلید کو اپنے گلے کا طوق بناتے اور سمجھتے ہوں اور امت کی اکثریت ان کی تعریف میں رطب اللسان ہو اگر کوئی صاحب فرط محبت اور جوش عقیدت میں آ کر شاعرانہ تخیل کے تحت ایسا کہہ دے تو وہ کیونکر باعث ملامت ہو سکتا ہے؟ اور جن کتابوں مثلاً در مختار وغیرہ میں اس کا ذکر ہے وہ کیونکر ناقابل اعتبار ٹھہرائی جاسکتی ہیں؟ اگر یہ ہی طرز استدلال ہے تو الحیات بعد الممات کو ناقابل اعتبار سمجھنا چاہیے۔ جس میں حضرت میاں صاحب کے اساتذہ پر بے اعتمادی کرنے والے کو مردود کہا گیا ہے۔ بلکہ خود حضرت میاں صاحب پر بھی اعتبار نہیں کرنا چاہیے جنہوں نے اپنے اساتذہ پر بے اعتمادی کرنے والے کو مردود کہا ہے۔

اعتراض نمبر ۴: صاحبین یعنی امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں امام

محمد و ابو یوسف نے دو ثلث سے زیادہ مسائل میں امام ابو حنیفہ کا خلاف کیا ہے
(در مختار جلد ۱ ص ۲۴) (حقیقت الفقہ ص ۱۸۶)

جواب: امام ابو یوسف اور امام محمد یہ دونوں حضرات خود مجتہد فی المذہب ہیں اور مجتہد کو دوسرے مجتہد کی تقلید واجب نہیں ہوتی۔ ہاں اگر وہ اپنے بڑے مجتہد کی تقلید کرے تو اس کے لئے جائز ہے۔ جیسا کہ امام ابو یوسف امام ابو حنیفہ کی تقلید کرتے تھے۔

اعتراض نمبر ۳: ابو حنیفہؒ نعمان بن ثابت کو فی مقتدا ہیں فرقہ حنیفہ کے۔ اکثر اہل علم نے ان کو مرجیہ فرقے میں شمار کیا ہے چنانچہ ایمان کی تعریف اور اس کی کمی زیادتی کے بارے میں جو عقیدہ مرجیہ کا ہے انہوں نے بھی بعینہ وہی عقیدہ اپنی تصنیف فقہ اکبر میں درج فرمایا ہے۔ علامہ شہرستانی نے کتاب الملل والنحل میں بھی رجال المرجیہ میں مسام بن ابی سلیمان (اصل میں حماد بن ابی سلیمان ہے) اور ابو حنیفہ اور ابو یوسف اور محمد بن حسن وغیرہم کو درج کیا ہے۔ اسی طرح غسان بھی جو فرقہ غسانیہ کا پیشوا ہے۔ ابو حنیفہ کو فرقہ مرجیہ میں شمار کرتا ہے (الملل والنحل مطبوعہ مصر ص ۱۸۸ و ص ۱۹۴ جلد اول) اور غضب یہ کہ اپنے سر کدہ اور مقتدا حضرت پیران پیر رحمہ اللہ علیہ نے بھی امام صاحب کو مرجیہ لکھ دیا (حقیقت الفقہ ص ۳۹ حاشیہ مولانا داؤد راز)

یہ اعتراض سعید بنارسى نے بھی کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

لیکن امام صاحب کا ایک مزید ار حال اور سنئے۔ امام صاحب علاوہ اس کے جو ضعیف تھے مرجیہ بھی تھے اور مرجیہ کے بارے میں ترمذی میں بروایت ابن عباس مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”صنفان من امتی لیس لهما فی الاسلام نصیب المرجیة والقدریة“ یعنی مرجیہ اور قدریہ اسلام سے خارج ہیں (مطلب یہ ہے کہ مسلمان نہیں) اب سنئے ثبوت ابن قتیبہ دینوری نے

کتاب المعارف میں فہرست اسماء مرجیہ کی یوں لکھی ہے۔ ۱۔ ابراہیم التمیمی ۲۔ عمرو بن مرہ ۳۔ ابو ذر ہمدانی ۴۔ طلق بن حبیب ۵۔ عبدالعزیز بن ابی داؤد ۶۔ ابنہ عبدالجید ۷۔ خارجہ بن مصعب ۸۔ عمرو بن قیس الماجری ۹۔ ابو معاویہ الضریر ۱۰۔ یحییٰ بن زکریا ۱۱۔ ابن ابی زائدہ ۱۲۔ محمد بن السائب ۱۳۔ مسعر بن کدام ۱۴۔ حماد بن ابی سلیمان ۱۵۔ ابو حنیفہ الفقہ ۱۶۔ ابو یوسف صاحب الرا۱۔ محمد بن حسن انتہی اس میں حماد بن ابی سلیمان امام صاحب کے استاد ہیں اور امام صاحب بھی خود موجود ہیں۔ اور ابو یوسف اور محمد بن حسن امام صاحب کے شاگرد ہیں۔ چاروں کے چاروں مرجیہ۔ اور مرجیہ کی بابت حدیث اوپر سنائی گئی۔ یہ لطف پر لطف ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی نے تمام حنیفہ کو مرجیہ لکھا ہے دیکھو غنیۃ الطالبین ص ۲۲۷۔ اب تمام حنیفوں کی بابت یہ کہنا بے جا نہ ہو گا ”لیس لہم فی الاسلام نصیب کما ورد فی الحدیث فافہموا ولا تعجلوا“ (الجرح علی ابی حنیفہ)

رئیس احمد ندوی غیر مقلد نے بھی یہ اعتراض اپنی کتاب ضمیر کا بحران ص ۱۵۔ ۱۶ پر کیا ہے۔

یہ اعتراض حامد حسین شیعہ نے بھی کیا ہے: وہ لکھتا ہے:

”ابن قتیبہ دینوری کہ از اعظم ثقات اہل سنت وعمدہ ترین معتبرین ایشان است ابو یوسف رافع استاد اعظمش یعنی ابو حنیفہ واستاد استادش یعنی حماد بار فیقش یعنی محمد بن الحسن مرجی قرار مے دھر ومجموعہ ابن اساتذہ وتلامذہ دریک رس بستہ بسوئے دار البوار مے فرستد چنانچہ در کتاب معارف کہ بعنایت ایند ومتعال نسخہ متعارف ان پیش این تشتت البال حاضر است میفر ماید۔ اسماء المرجئہ ابراہیم التمیمی عمرو بن مرہ ابو ذر الہمدانی طلق بن حبیب

حماد بن ابی سلیمان ابو حنیفۃ الفقیہ عبدالعزیز بن ابی رواد ابن عبدالمجید خارجه بن مصعب عمر بن قیس الماصر ابو معاویۃ الضریر یحییٰ بن زکریا بن ابی زائده ابو یوسف صاحب الراى محمد بن الحسن محمد بن السائب مسعر بن کدام انتہی . استقصاء . ص ۲۲۲ . و از ہمیں جا است کہ عارف ربانی و قطب صمدانی شیخ عبدالقادر جیلانی در کتاب غنیۃ ابو حنیفہ راجحی گفتہ حضرات حنفیہ را ہم مرجئہ قرار دادہ ی مقتضائے حدیث صنفان من امتی لیس لہما من الاسلام نصیب احدہما مرجی والاخر قدری کما رواہ الترمذی امام اعظم و اتباعش را از اسلام خارج فرمودہ . استقصاء ص ۲۲۳ ملخصاً

نوٹ: یہ اعتراض اکثر غیر مقلد کرتے ہیں۔

جواب : امام صاحب سے پہلے حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما بھی اسی اتہام کا نشانہ بن چکے تھے ۔ چنانچہ علامہ ذہبی نے صحیح بخاری کے ایک راوی محارب بن وثار کے ترجمہ میں لکھا ہے ۔ ”وقال ابن سعد لا یحتجون بہ کان ممن یرجئ علیا و عثمان ولا یشہد علیہما بایمان ولا کفر“ (میزان الاعتدال ۔ مجلد ثالث ۔ ص ۹) یعنی ابن سعد نے کہا کہ لوگ محاریب بن وثار کے ساتھ احتجاج نہیں کرتے ۔ وہ منجملہ ان کے تھا جو حضرت علی و عثمان کو مرجئہ کہتے تھے اور نہ ان کے ایمان کی شہادت دیتے تھے اور نہ کفر کی انتہی ۔ امام صاحب کا اس اتہام سے بری ہونا خود ان کی تصانیف سے ظاہر ہے ۔ آپ فقہ اکبر میں یوں تحریر فرماتے ہیں :

”ولا نقول ان المومن لا تضمرہ الذنوب ولا نقول انه لا یدخل النار ولا نقول انه یخلد فیہا وان کان فاسقا بعد ان ینخرج من الدنیا مؤمنا ولا

نقول ان حسناتنا مقبولة وسيئاتنا مغفورة كقول المرجئة“

ہمارا یہ عقیدہ نہیں کہ مومن کو گناہ مضر نہیں اور نہ یہ کہ گناہ گار مومن دوزخ میں داخل نہ ہو گا۔ اور نہ ہمارا عقیدہ ہے کہ مومن خواہ فاسق ہو دوزخ میں ہمیشہ رہے گا بعد اس کے کہ دنیا سے مومن گیا ہو اور نہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ مومن کی نیکیاں مقبول ہیں اور اس کی برائیاں معاف کی گئی ہیں جیسا کہ مرجیہ کا قول ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ امام صاحب پر یہ اتہام کس طرح لگایا گیا۔ اور ابن قتیبہ تک کیونکر پہنچا۔ امام محمد بن عبد الکریم شہرستانی شافعی (متوفی ۵۴۸ھ) اپنی کتاب ملل^(۱) و فحل (مطبوعہ مطبع عنانیہ جزء اول ص ۷۹) میں مرجیہ کے فرقوں کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

”الغسانية اصحاب غسان الكوفي زعم ان الايمان هو المعرفة بالله تعالى وبرسوله والاقرار بما انزل الله مما جاء به الرسول في الجملة دون التفصيل والايمان يزيد ولا ينقص وزعم ان قائلا لو قال اعلم ان الله قد حرم اكل الخنزير ولا ادرى هل الخنزير الذي حرمه هذه الشاة ام غيرها كان مومنا ولو قال ان الله قد فرض الحج الى الكعبة غير اني لا ادرى اين الكعبة ولعلها بالهند كان مومنا ومقصوده ان امثال هذه الاعتقادات امور وراء الايمان لا انه كان شا كافي عهذه الامور فان عاقلاً لا يستجير من عقله ان يشك في ان الكعبة الى اى جهة وان الفرق بين الخنزير

۱۔ امام شہرستانی اپنی بے تصعبی کا اظہار اس کتاب کے مقدمہ میں بدین الفاظ کرتے ہیں۔
”وشر على نفسى ان اورد من هذا كل فرقة على ما وجدته في كتبهم من غير تعصب لهم“
یعنی میں نے اپنے اوپر یہ شرط کر لی ہے کہ ہر ایک فرقہ کا مذہب بغیر کسی تعصب کے
ذکروں جیسا کہ میں نے اس فرقہ کی کتابوں میں پایا۔

والشاة ظاہر ومن العجب ان غسان کان یحکمی عن ابی حنیفہ رحمہ اللہ مثل مذہبہ ویعبدہ من المرجئۃ ولعلہ کتاب ولعمری کان یقال لابی حنیفہ واصحابہ کثیر من اصحاب المقالات من جملة المقالات من جملة المرجئۃ ولعل السبب فیہ انہ لما کان یقول الایمان هو التصدیق بالقلب وهو لا یزید ولا ینقص طنوا بہ انہ یوخر العمل من الایمان والرجل مع تحرجه فی العمل کیف یفتی بترك العمل وله سبب آخر وهو انہ کان یخالف القدیریہ والمعتزلۃ الذین ظہروا فی الصدر الاول والمعتزلۃ کانوا یلقون کل من خالفہم فی القدر مرجئا وكذلك الوعییدیۃ من الخوارج فلا یبعد ان اللقب انما لزمہ من فریقۃ المعتزلۃ والخوارج واللہ اعلم“

غسانیہ اصحاب ہیں غسان کوئی کے غسان کا خیال تھا کہ ایمان پہنچانا اللہ ورسول کا ہے اور اقرار کرنا اجمالی کے طور پر نہ کہ تفصیل کے طور پر ساتھ اس کے بعد جناب رسالت مآب اللہ کی طرف سے لائے اور ایمان زیادہ ہوتا ہے اور گھٹتا نہیں۔ اور اس کا خیال تھا کہ اگر کوئی شخص کہے۔ میں جانتا ہوں کہ اللہ نے سور کا کھانا حرام کر دیا ہے۔ مگر میں نہیں جانتا کہ وہ سور جسے حرام کیا ہے یہ بکری ہے یا اس کے سوا اور تو وہ مومن ہو گا اور اگر کہے کہ اللہ نے کعبہ کا حج فرض کیا ہے۔ مگر میں نہیں جانتا کہ کعبہ کہاں ہے۔ شائد وہ ہند میں ہے۔ تو وہ مومن ہے۔ غسان کا مقصود یہ ہے کہ اس طرح کے اعتقادات خارج از ایمان ہیں۔ نہ یہ کہ وہ ان امور میں شک کرتا تھا۔ کیونکہ کوئی عقلمند اپنی عقل سے جائز نہیں سمجھتا کہ اسی امر میں شک کرے کہ کعبہ کس طرف کو ہے۔ اور سور اور بھیڑ میں فرق ظاہر ہے۔ اور تعجب یہ ہے۔ کہ غسان امام ابو حنیفہ سے اپنے مذہب کی مثل نقل کرتا تھا اور امام صاحب کو مرجئیہ میں سے سمجھتا تھا۔

شاید یہ جھوٹ ہے۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم ہے کہ امام ابو حنیفہ اور آپ کے شاگردوں کو مرجیہ سنت^(۱) کہا جاتا تھا۔ اور بہت سے اصحاب مقالات نے امام ابو حنیفہ کو مرجیہ میں سے شمار کیا ہے۔ شائد اس کا سبب یہ ہے کہ چونکہ امام صاحب قائل تھے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور وہ کم و بیش نہیں ہوتا۔ اس لئے انہوں نے گمان کیا آپ عمل کو ایمان سے موخر کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ عمل میں اپنے مبالغہ و اجتہاد کے باوجود کس طرح ترک عمل کا فتویٰ دے سکتے تھے۔ اور اس کا ایک اور سبب ہے اور وہ یہ ہے کہ امام صاحب ان قدر یہ و معتزلہ کی مخالفت^(۲) کرتے تھے جو صدر اول میں ظاہر ہوئے۔ اور معتزلہ ہر

۱۔ اس سے ظاہر ہے کہ امام صاحب اور آپ کے اصحاب کے علاوہ دیگر اہل سنت و جماعت کی طرف، بھی الرجاء کی نسبت کی جاتی تھی۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت مطبوعہ نوکلشور ص ۵۰۹ میں لکھتے ہیں۔ وبعض از علمائے اہل اعتزال ارجا را بابل سنت و جماعت نسبت کنند کہ جانب مغفرت و امیدواری را رعایت مینمایند و میگویند۔ اگر خدا خواهد ہمہ گناہان را بنجشد اگرچہ مقرون بتوبہ نبود و فاسق مخلد ورنار نبود و این محض تعصب و مکابرہ است چہ ارجا آنست کہ موخذہ و عقاب را اصلاً راہ نہ ہند و بدان قائل نہا شدہ گویند کہ معصیب باوجود ایمان اصلاً ضرر ندارد و آنچہ اہل سنت و جماعت میگو بند نظر بمشیت و ارادت حق اسات تعالیٰ کہ یغفر لمن یشاء و یعذب من یشاء۔ و عذاب را برائے عصاة اثبات میکنند و از ضرر آن خائف مے باشند و لیکن الایمان بین الخوف و الرجاء انتہی۔

۲۔ علامہ عبد العزیز بخاری (متوفی ۳۰۷ھ) نے امام فخر الاسلام ابوالحسن علی بن محمد بن حسین بزدوی (متوفی ۴۸۲ھ) کے قول ”وکان فی علم الاصول اماما صادقا“ کے تحت میں بحوالہ مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان للامام ظہیر الدین المرغینانی یوں لکھا ہے: ”ومما يدل علی بتحرہ فیہ ما روی یحییٰ بن غیبان عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ انہ قال کنت رجلاً اعطیت جدلاً فی اکلام فمضی دھر فیہ اتردد وبہ اخاصہم وعنه“

ایک شخص کو جو قدر میں ان کی مخالفت کرتا تھا مرجی کہتے تھے۔ اسی طرح خوارج میں سے وعید یہ اپنے مخالف کو مرجی کہتے ہیں۔ پس بعید نہیں کہ یہ لقب امام صاحب پر معتزلہ و خوارج ہر دو فریق کی طرف سے چسپاں ہو گیا ہو۔ واللہ اعلم جیسا کہ مرجیہ کا قول ہے۔

اسی طرح شرح مواقف (مطبوعہ استنبول۔ جلد ثالث۔ ص ۲۹۳) میں لکھا

ہے۔

”الغسانیة اصحاب غسان الکوفی قالوا الایمان) هو المعرفة بالله ورسوله

== افاضل وکان اکثر اصحاب الخصومات بالبصرة فدخلنها یثقا وعشرين مرة اقيم سنة وقل واکثر وکنت قد نازغت طبقات الخوارج من الاباهية وغيرهم وطبقات المعتزلة وسائر طبقات اهل الاهواء وکنت بحمد الله اغلبهم واقهم ولم یکن فی طبقات اهل الاهواء احدا جدل من المعتزلة کان ظاهر کلامهم مموه بقبله القلوب وکنت ازیل تمویهم مبدا الکلام واما الروافض واهل الارزاء الذین یخالفون الحق فکانوا بالکوفة اکثر وکنت فہرتهم بحمد الله ایضا (کشف الاسرار علی اصول النبردوی جلد اول ص ۹)“ ترجمہ: علم کلام میں امام صاحب کے تبصر کی ایک دلیل یہ ہے کہ یحییٰ بن شبان نے روایت کی کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ خدا نے مجھ کو کلام میں خصوصیت کی قدرت عطا کی تھی۔ پس ایک زمانہ گزر گیا۔ میں کلام میں متردد تھا اور اسی کے ساتھ مخالفت کرتا تھا اور اسی کی حمایت کرتا تھا۔ اور اکثر اصحاب خصومات بصرہ میں تھے اس لئے کچھ اوپر بیس دفعہ میں وہاں گیا۔ ایک سال یا کم و بیش وہاں قیام کرتا تھا اور اباضیہ وغیرہ خوارج کے فرقوں اور معتزلہ کے فرقوں اور بدعت کے باقی فرقوں کے ساتھ مناظرہ کرتا اور بحمد اللہ میں ان پر غالب آ جاتا اور ان کو مغلوب کر لیتا اور اہل بدعت کے فرقوں میں معتزلہ سے بڑھ کر کوئی فرقہ جھگڑنے والا نہ تھا۔ کیونکہ ان کا ظاہر ہر کلام دلوں کے جادو کے ساتھ ملمع کیا ہوتا تھا اور میں اصول کلام سے ان کی طمع کاری کو زائل کر دیتا تھا۔ روافض اور مرجیہ جو حق کی مخالفت کرتے تھے وہ تو کوفہ میں کثرت سے تھے اور بحمد اللہ میں انکو بھی مغلوب کر لیتا تھا۔ انتہی۔

بما جاء من عنده اجمالا لا تفصيلا (وہو) ای الایمان (یزید ولا ینقص وذلک) الاجمال (مثل ان یقول وقد فرض) اللہ (الحج ولا ادری) این الکعبہ ولعلہا بغير مکة وبعث محمدا ولا ادری اهو الذی بالمدينة ام غیرہ وحریم الخنزیر ولا ادری اهو هذه الشاة ام غیرہا فان القائل بهذه المقالات مومن ومقصودہم بما ذکرہ ان هذه الامور لیست داخلہ فی حقیقۃ الایمان والافلا شبہہ فی ان عاقلا لا یشک فیہا (وغسان کان یحکیہ) ای القول بما ذهب الیہ (من ابی حنیفہ) وبعده من المرجئة (وہو افتراء) علیہ قصد بہ غسان ترویج مذہبہ بموافقة رجل کبیر مشہور وقال الآمدی ومع هذا فاصحاب المقالات قد عدوا ابا حنیفہ واصحابہ من مرجئة اهل السنة ولعل ذلک لان المعتزلة فی الصدر الاول کانوا یلقبون من خالفہم فی القدر مرجئیا او لانه لما قال الایمان ہی التصدیق ولا یزید ولا ینقص ظن بہ الارجاء بتاخیر العمل عن الایمان ولس كذلك اذ عرف منه المبالغة فی العمل والاجتهاد فیہ“

غسانیہ اصحاب ہیں غسان کوئی کے۔ وہ کہتے تھے کہ ایمان معرفت ہے اللہ کی اور اللہ کے رسول کی ساتھ اس کے جواب لائے اللہ کے ہاں سے اجمال کے طور پر نہ کہ تفصیل کے طور پر۔ اور ایمان بڑھتا ہے اور گھٹتا نہیں اور وہ اجمال یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص یوں کہے۔ کہ اللہ نے حج فرض کر دیا ہے۔ اور میں نہیں جانتا کہ کعبہ کہاں ہے۔ شاید وہ مکہ کے سوا کسی اور جگہ ہے۔ اور اللہ نے حضرت محمد کو مبعوث کیا ہے۔ اور میں نہیں جانتا کہ آپ وہی ہیں جو مدینہ میں ہیں یا کوئی اور۔ اور اللہ نے سور کو حرام کر دیا اور میں نہیں جانتا کہ وہ یہ بکری ہے یا کوئی اور چار پایہ۔ پس ان اقوال کا قائل مومن ہے۔ اور غسانیہ کا مقصود ان اقوال سے یہ ہے کہ یہ امور حقیقت ایمان میں داخل نہیں۔ ورنہ اس میں کوئی شبہ نہیں

کہ عقلمندان امور میں شک نہیں کرتا۔ اور غسان اپنے اس قول کو امام ابو حنیفہ سے نقل کرتا تھا اور آپ کو مرجعہ سے شمار کرتا تھا۔ مگر یہ آپ پر افتراء ہے اس سے غسان کا مقصود یہ تھا کہ ایک بڑے مشہور شخص کی موافقت سے اپنے مذہب کو رواج دے۔ آمدی (متوفی ۶۳۱ھ) نے (ابکار الافکار میں) کہا کہ با اینہم اصحاب مقالات نے امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب کو مرجعہ اہل سنت میں شمار کیا ہے۔ شاید اس کا سبب یہ ہے کہ معتزلہ صدر اول میں ان اشخاص کو جو قدر میں ان کی مخالفت کرتے تھے مرجعہ کے لقب سے پکارتے تھے۔ یا اس کا سبب یہ ہے کہ چونکہ امام صاحب قائل ہیں کہ ایمان تصدیق کا نام ہے اور وہ کم و بیش نہیں ہوتا اس لئے عمل کو ایمان سے موخر کرنے کی وجہ سے آپ پر ارجاء کا گمان کیا گیا۔ حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ امام صاحب کا عمل و عبادت میں مبالغہ و اجتہاد مشہور ہے۔

علامہ سید محمد مرتضیٰ (متوفی ۱۲۰۵ھ) عقود الجواهر المنیفہ (مطبوعہ قسطنطنیہ۔ جزء اول ص ۱۱) میں تحریر فرماتے ہیں۔

”واما نسبة الارضاء اليه فغير صحيح فان اصحاب الامام كلهم على خلاف رأى اصحاب الارضاء فلو كان ابو حنيفة مرجئا لكان اصحابه على رأيه وهم الآن موجودون على خلاف ذلك واذا اجمع الناس على امر وخالفهم واحدا واثنان لم يلتفت الى قوله ولم يصدق في دعواه حتى ان الصلوة عند ابي حنيفة خلف المرجئة لا تجوز ومن اجمع الامة على انه احد الائمة الاربعة المجمع عليهم لا يقدر فيه قول من لا يعرفه الا بعض المحدثين .“

امام صاحب کی طرف ارجاء کی نسبت صحیح نہیں کیونکہ امام صاحب کے سب اصحاب مرجعہ کی رائے کے خلاف ہیں۔ پس اگر امام ابو حنیفہ مرجعہ جی ہوتے۔ تو

آپ کے اصحاب بے شک آپ کی رائے پر ہوئے۔ حالانکہ وہ اب تک اس کے خلاف پر موجود ہیں۔ اور جب لوگ کسی امر پر متفق ہوں اور ایک یا دو ان کے مخالف ہوں۔ تو اس ایک یا دو کے قول کی طرف انتفات نہ کی جائے گی اور اسے اپنے دعوے میں سچا نہ سمجھا جائے گا۔ یہاں تک کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مرجعہ کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ امت کا اس امر پر اجماع ہے کہ امام ابو حنیفہ ان ائمہ اربعہ میں سے ہیں جن پر سب کا اتفاق ہے۔ لہذا آپ میں ایسے شخص کا قول قاذح نہ ہو گا جس کو سوائے بعض محدثین قاذح نہ ہو گا جس کو سوائے بعض محدثین کے کوئی اور نہ جانتا ہو۔

بیان بالا سے ظاہر ہے کہ ارجاء کی نسبت امام صاحب اور آپ کے اصحاب کی طرف محض افتراء ہے۔ جس کا بانی خواہ غسان ہو یا معتزلہ یا کوئی اور۔ مگر مجھے امام بخاریؒ پر رہ رہ کر تعجب آتا ہے کہ انہوں نے اس افتراء کو صحیح سمجھ کر اپنی کتاب الضعفاء میں درج کر دیا۔ چنانچہ نواب صدیق حسن بھوپالی نے اتحاد الدبلا میں لکھا ہے کہ ہم نے تلاش کر کے یہ بات معلوم کی کہ امام الائمہ محمد بن اسماعیل بخاری نے امام ابو حنیفہ کو کتاب الضعفاء میں یوں ذکر کیا ہے۔

”نعمان بن ثابت الکوفی روی عنہ عباد بن العوام وابن المبارک وهشيم ووکیع ومسلم بن خالد وابو معاوية والمقرئ وكان مرجئا سکتوا عن روايته ومن حديثه . (تنوير الحاسه فی مناقب الائمة الثلاثة ص ۳۱)“

نعمان بن ثابت کوئی روایت کی آپ سے عباد بن عوام وابن مبارک و ہشیم ووکیع و مسلم بن خالد و ابو معاویہ و مقرئ نے اور تھے آپ مر جی۔ سکوت کیا ہے لوگوں نے آپ کی روایت سے اور آپ کی حدیث سے

ابن راہویہ جن کا تعصب حنیفہ کرام کے ساتھ پہلے بیان ہو چکا امام بخاری کے شاگرد ہیں۔ اور ابن قتیبہ شاگرد ہیں ان راہویہ کے۔ پس اس طرح ممکن

بلکہ غالب ہے کہ امام بخاری سے یہ افتراء توسط ابن راہویہ امام ابن قتیبہ کو پہنچا،
- تجاوز الله عنا وعنهم

امام بخاری نے کتاب الضعفاء میں جو امام صاحب کی نسبت لکھا ہے وہ خود
امام بخاری کے قاعدے کے موافق غلط ہے کیونکہ صحیح بخاری میں مرجعہ کی
روایات سے حدیثیں موجود ہیں جیسا کہ عنقریب بیان کیا جائے گا۔ بناری نے
جو تکفیر کا فتویٰ دیا ہے۔ اس کا وہ قیامت کے دن جواب دہ ہو گا۔

بناری نے فہرست مرجعہ تو نقل کر دی اور خوش ہو گیا کہ اس میں امام
صاحب و صاحبین اور حماد بن ابی سلیمان موجود ہیں۔ مگر ان کے علاوہ جو اور نام
ہیں ان پر بالکل غور نہیں کی۔ لہذا ہم ان کو مع مختصر حالات (دیکھو خلاصۃ
تذہیب تہذیب الکمال اور کتاب الجمع بین رجال الصحیحین لابن القیسرانی
الشیبانی) یہاں لکھتے ہیں:

۱۔ ابراہیم تیمی: امام بخاری کے استاد کے استاد کے استاد ہیں (صحیح
بخاری۔ باب ظلم دون ظلم) تمام صحاح ستہ میں ان کی روایت سے حدیثیں موجود
ہیں۔

۲۔ عمرو بن مرہ: امام بخاری کے استاد کے استاد کے استاد ہیں (صحیح
بخاری۔ باب علامۃ حب اللہ عزوجل) تمام صحاح ستہ میں ان کی روایت سے
حدیثیں موجود ہیں۔

۳۔ ذرہدانی: امام بخاری کے استاد کے استاد کے استاد ہیں (صحیح
بخاری۔ باب المتیمم هل ینفخ فیہما) تمام صحاح ستہ میں ان کی روایت سے
حدیثیں موجود ہیں۔

۴۔ طلق بن حبیب: ادب مفرد للبخاری کے راویوں میں سے ہیں۔ صحیح
بخاری کے سوا باقی صحاح ستہ میں ان کی روایت موجود ہے۔

۵۔ عبد العزیز بن ابی داؤد: صحیح بخاری میں ان سے تعلیقاً روایت موجود ہے مسلم کے سوا باقی ائمہ اربعہ نے ان سے روایت کی ہے۔
 ۶۔ عبد المجید بن عبد العزیز بن ابی رواد: مسلم اور ائمہ اربعہ نے ان سے روایت کی ہے۔

۷۔ خارجہ بن مصعب: ترمذی اور ابن ماجہ کے راویوں میں سے ہیں۔
 ۸۔ عمر بن قیس الماصر: امام ثوری کے استاد اور ادب مفرد للبخاری کے راویوں میں سے ہیں۔

۹۔ ابو مجاہد ضریح: امام بخاری کے استاد کے استاد ہیں۔ تمام صحاح ستہ میں ان سے روایت موجود ہے۔

۱۰۔ یحییٰ^(۱) بن زکریا بن ابی زائدہ: ابن مدینی کے استاد اور امام بخاری کے استاد کے استاد ہیں۔ تمام صحاح ستہ میں ان سے روایت موجود ہے۔

۱۱۔ محمد بن السائب: صحیح ترمذی کے راویوں میں سے ہیں۔
 ۱۲۔ مسعر بن کدام: امام بخاری کے استاد کے استاد ہیں۔ صحیح بخاری (باب الوضوء بالمد) بلکہ تمام صحاح ستہ میں ان سے روایت موجود ہے۔

اب ہم بنارسی سے پوچھتے ہیں کہ چار کی نسبت تو آپ نے نعوذ باللہ تکفیر کا فتویٰ دے دیا۔ باقی بارہ کی نسبت جو اسی فہرست میں شامل ہیں کیا فتویٰ دیتے ہیں اور یہ بھی بتائیے کہ امام بخاری اور دیگر ائمہ جنہوں نے ان کی روایت کو صحیح سمجھ کر صحاح میں درج کر دیا ان کا کیا حکم ہے اور صحاح ستہ کا اعتبار کہاں تک رہا۔ فافہموا ولا تعجلوا۔

بنارسی نے جو غنیۃ الطالبین کا حوالہ بقید صفحہ دیا ہے۔ وہ غنیۃ مترجم بہ ترجمہ فارسی مولوی عبد الحکیم سیالکوٹی مطبوعہ لاہور سے ہے۔ اس نے صرف حنفیہ کا
 ۱۔ بنارسی غلطی سے اسے دو نام علیحدہ علیحدہ سمجھا ہے۔

نام مرجیہ کے فرقوں میں دیکھ کر لکھ دیا کہ حضرت پیران پیر نے تمام حنفیہ کو مرجیہ لکھا ہے۔ اسے چاہئے تھا کہ حنفیہ کی تشریح بھی جو اسی کتاب میں ص ۲۳۰ پر درج ہے دیکھ لیتا۔ اور وہ یہ ہے۔ ”واما الحنفیۃ فہم بعض اصحاب ابی حنیفۃ النعمان بن ثابت زعموا ان الایمان ہو المعرفة والاقرار باللہ ورسولہ وبما جاء من عندہ جملة علی ما ذکرہ البرہوقی فی کتاب الشجرۃ“ یعنی حنفیہ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کے بعض اصحاب ہیں جنہوں نے گمان کیا کہ ایمان اللہ و رسول کے معرفت اور زبان سے ان کا اقرار کرنا اور رسول جو کچھ اللہ کے ہاں سے لائے اس کا اقرار کرنا ہے برسمیل اجمال جیسا کہ برہوقی نے کتاب الشجرہ میں ذکر کیا ہے انتہی۔ مترجم فارسی نے اس عبارت پر یہ حاشیہ لکھا ہے۔ بدانکہ ذکر حنفیہ در فرق مرجہ و گفتن کہ ایمان نزد ایشان معرفت است و اقرار خلاف مذہب این طائفہ است کہ در کتب مقرر است و شاید این را بعض مبتدعات بہ بعض این فرقہ داخل کروا نور کلام شیخ قدس سرہ انتہی۔ اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ یہ عبارت الحاقی نہیں۔ تو اس سے یہ کہاں پایا جاتا ہے کہ حضرت غوث پاک رحمہ اللہ علیہ نے تمام حنفیہ کو مرجہ قرار دیا ہے۔ بلکہ آپ نے تو بناء بر قول برہوقی امام صاحب کے بعض اصحاب کو مرجہ لکھا ہے۔ جس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ کے نزدیک عمل ایمان کی جزو ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ ”ونعتقد ان الایمان قول باللہ و معرفۃ بالجنان و عمل بالارکان“ (غنیۃ الطالبین مطبوعہ مطبع میریہ بمکتبہ الحمیۃ۔ جزء اول ص ۵۵) چونکہ اس بعض نے صرف قول و معرفت پر اقتصار کیا۔ اس لئے آپ نے اسے مرجہ کہہ دیا۔ حالانکہ عمل کمال ایمان کی جزو ہے نہ کہ حقیقت ایمان کی۔ فافہم

مولانا محمد ابراہیم صاحب میرسیا لکھنؤی غیر مقلد شاگرد مولانا سید نذیر حسین

محدث دہلوی۔ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس موقع پر اس شبہ کا حل بھی نہایت ضروری ہے کہ بعض مصنفین نے سیدنا امام ابو حنیفہؒ کو بھی رجال مرجیہ میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ آپ اہل سنت کے بزرگ امام ہیں۔ اور آپ کی زندگی اعلیٰ درجہ کے تقویٰ اور تورع پر گذری ہے۔ جس سے کسی کو بھی انکار نہیں۔

ارجاء اور امام ابو حنیفہؒ

بے شک بعض مصنفین نے (خدا ان پر رحم کرے) امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے شاگردوں امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور امام حسن بن زیاد (رحمہم اللہ) کو رجال مرجیہ میں شمار کیا ہے۔ جس کی حقیقت کو نہ سمجھ کر اور حضرت امام صاحب مدوح کی طرز زندگی پر نظر نہ رکھتے ہوئے بعض لوگوں نے اسے خوب اچھالا ہے۔ لیکن حقیقت رس علماء نے اس کا جواب کئی طریق پر دیا ہے۔

اول: یہ کہ آپ پر یہ بہتان ہے۔ آپ مخصوص فرقہ مرجیہ میں سے نہیں ہو سکتے۔ ورنہ آپ اتنے تقویٰ و طہارت پر زندگی نہ گزارتے۔ حوالجات ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ منہاج السنۃ میں فرماتے ہیں۔

”كما ان ابا حنيفة وان كان الناس خالفوه في اشيائهم وانكروها عليه فلا يستريب احد في فقهه وفهمه وعلمه وقد نقلوا عنه اشيائهم يقصدون الشناعة عليه وهي كذب عليه قطعاً مثل مسألة الخنزير البري ونحوها (منهاج السنۃ جلد اول ص ۲۵۹ مطبوعہ مصر)“

جس طرح کہ اگرچہ بہت لوگوں نے کئی مسائل میں امام ابو حنیفہؒ کی مخالفت کی اور آپ پر ان امور کا انکار کیا۔ لیکن کوئی شخص بھی ان کی نقاہت اور فہم اور علم میں شک نہیں کر سکتا۔ اور لوگوں نے آپ سے بہت سی ایسی

چیزیں نقل کیں جن سے ان کا مقصد آپ پر برائی تھوپنا تھا۔ حالانکہ وہ باتیں آپ پر قطعی طور پر جھوٹ ہیں۔ مثلاً خنزیر بری اور مثل اس کی دیگر مسائل۔

(ب) اسی طرح دوسرے موقع پر امام مالکؒ امام شافعیؒ، امام احمدؒ امام بخاریؒ، امام ابو داؤدؒ، امام دارمیؒ وغیرہم ائمہ اہل سنت کے ساتھ امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے شاگردوں امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ امام زفرؒ اور امام حسن بن زیادؒ لؤلؤی کا ذکر بھی ان کے ساتھ ہی کر کے سب کے علم و فضل اور اجتہاد کی تعریف کرتے ہیں۔ حالانکہ بعض مصنفین نے ان کو بھی رجال مرجیہ میں شامل کیا ہے۔ (منہاج السنۃ جلد اول ۲۳۱/۲۳۲)

(ج) نیز فرماتے ہیں:

امام مالکؒ، امام احمدؒ، اور امام ابو حنیفہؒ وغیرہم ائمہ سلف میں سے ہیں (منہاج السنۃ جلد دوم ص ۲۳۳ نیز جلد اول ص ۲۴۰/۲۴۱)

کہاں تک گنتے جائیں۔ منہاج السنۃ ایسے حوالجات سے بھری پڑی ہے۔ اور امام ابن تیمیہؒ امام ابو حنیفہؒ کے حق میں دیگر ائمہ سنت کی طرح نہایت ہی حسن ظن رکھتے ہیں۔

۲۔ اسی طرح علامہ شہرستانی فرماتے ہیں:

”اور تعجب ہے کہ غسان (مرجیوں میں سے فرقہ غسانیہ کا پیشوا) امام ابو حنیفہؒ سے بھی مثل اپنے مذہب کے نقل کیا کرتا تھا۔ اور آپ کو مرجیوں میں شمار کرتا تھا۔ اور غالباً یہ جھوٹ ہے۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کو مرجیہ السنۃ کہا جاتا تھا۔ اور بہت سے اصحاب مقالات نے آپ کو منجملہ مرجیہ کے شمار کیا ہے“ (الملل والنحل للشہرستانی جلد اول ص ۱۸۹)

تنبیہ: گو اس حوالہ میں مرجیہ کہا جانا مذکور ہے لیکن ”مرجیہ السنۃ“

کہنے میں مدافعت بھی ہے۔ کیونکہ مرجیہ خالصہ اور مرجیہ السنۃ میں فرق ہے کہ مرجیہ خالصہ تو وہ ہیں جو بحیثیت فرقہ کے جمیع خصوصیات مرجیہ کے قائل ہیں۔ جن کو علامہ شہرستانی (جلد اول ص ۱۸۶ میں) مرجیہ خالصہ کہتے ہیں اور امام ابن تیمیہؒ منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۷۲ میں اور حضرت نواب صاحبؒ بحوالہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ دلیل الطالب میں ان کا مذہب یہ بیان کرتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے معصیت ضرر نہیں دیتی۔ اور یہ مذہب خلاف صحابہؓ اور ائمہ سنت ہے۔ اور مرجیہ السنۃ سے ایسے لوگ مراد ہیں جو ہوں تو اہل سنت لیکن بحسب لغت ان مسائل کی وجہ سے جو اہل سنت کے نزدیک قابل اعتراض نہیں ہیں ان پر ار جاء کالفظ بولا گیا جیسا کہ سابقاً حضرت حسن بن محمد بن حنفیہؒ کے ذکر میں حافظ ابن حجرؒ کے کلام سے گذر چکا (دیکھو کتاب ہذا ص ۳۴/۳۵)

۳۔ اسی طرح حافظ ذہبیؒ آپ کی جلالت شان کے بدل قائل ہیں چنانچہ آپ اپنی مایہ ناز کتاب میزان الاعتدال کے شروع میں فرماتے ہیں:

”اور اسی طرح میں اس کتاب میں ان ائمہ کا ذکر نہیں کروں گا جن کی احکام شریعت (فروع) میں پیروی کی جاتی ہے کیونکہ ان کی شان اسلام میں بہت بڑی ہے اور مسلمانوں کے دلوں میں ان کی عظمت بہت ہے۔ مثلاً امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ (میزان جلد اول ص ۳ مطبوعہ لکھنؤ)

اسی طرح حافظ ذہبیؒ اپنی دوسری کتاب ”تذکرۃ الحفاظ“ میں آپ کے ترجمہ کے عنوان کو معزز لقب امام اعظم سے مزین کر کے آپ کا جامع اوصاف حسنہ ہونا ان الفاظ میں ارقام فرماتے ہیں:

”كَانَ إِمَامًا وَرِعًا عَالِمًا عَامِلًا مُتَعَبِّدًا كَبِيرَ الشَّانِ لَا تَقْبَلُ جَوَائِزُ السُّلْطَانِ بَلْ يَتَجَرَّ وَيَكْتَسِبُ (تذکرۃ جلد ۱ ص ۱۵۱)“

آپ (دین کے) پیشوا۔ صاحب ورع، نہایت پرہیزگار، عالم باعمل تھے (ریاضت کش) عبادت گزار تھے۔ بڑی شان والے تھے۔ بادشاہوں کے انعامات قبول نہ کرتے تھے بلکہ تجارت کر کے اور اپنی روزی کما کر کھاتے تھے۔

سبحان اللہ! کیسے مختصر الفاظ میں کس خوبی سے ساری حیات طیبہ کا نقشہ سامنے رکھ دیا ہے۔ اور آپ کی زندگی کے ہر علمی اور عملی شعبہ اور قبولیت عامہ اور غنائے قلبی اور حکام و سلاطین سے بے تعلقی وغیرہ وغیرہ فضائل میں سے کسی بھی ضروری امر کو چھوڑ نہیں رکھا۔

اسی طرح اسی کتاب میں امام یحییٰ بن معینؒ سے نقل کر کے فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ”امام ابو حنیفہؒ میں کوئی عیب نہیں اور آپ کسی برائی سے متہم نہ تھے ص ۱۵ (۱)“

تنبیہ: شائد آپ کے دل میں ان حوالجات کے بعد بھی یہ وسوسہ گذرے کہ ہو سکتا ہے کہ امام ذہبیؒ کو امام صاحب کے مرجیہ ہونے کا علم نہ ہو۔ سو اس کا مختصر اور مسکت جواب یہ ہے کہ حافظ ذہبیؒ میزان الاعتدال میں امام مسعر کے ترجمہ کے ضمن میں امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے بزرگ استاد حماد بن ابی سلیمانؒ کا بالخصوص ذکر کر کے سب مذکورین سے الزام ارجاء کو اس طرح دفع کرتے ہیں۔

”مسعر بن کدام حجت ہیں۔ امام ہیں۔ اور سلیمانی کا یہ قول کہ مسعر، اور حماد بن ابی سلیمان اور نعمان یعنی امام ابو حنیفہؒ اور عمرو بن مرہ اور عبد العزیز بن ابی رداد اور ابو معاویہ عمر بن ذرہ اور اس قسم کے دیگر بہت سے بزرگ جن کا ذکر

۱۔ امام یحییٰ بن معین جرح میں متشددین سے تھے۔ باوجود اس کے وہ امام ابو حنیفہؒ پر کوئی جرح نہیں کرتے۔

اس نے کیا ہے ”مرجیہ میں سے ہیں قابل اعتبار نہیں ہے“ (میزان جلد دوم ص ۷۷ مطبوعہ لکھنؤ)

اس کے بعد حافظ ذہبی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ ”ارجاء^(۱)“ بہت سے بڑے بڑے علماء کا مذہب ہے پس مناسب نہیں کہ اس کے قائل پر حملہ کیا جائے (ص ۷۷۰)

اس فہرست میں دیگر بزرگوں کے ساتھ امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے استاد حمادؒ کا بھی ذکر ہے جن کے مناسب حال یہ شعر ہے۔

نہ تنہا من دریں مے خانہ مستم
جنید و شبلی و عطار شد مست
امام سعید بن جبیر تابعیؒ

اسی طرح علامہ شہرستانیؒ حضرت سعید بن جبیرؒ کو بھی رجال مرجیہ میں شمار کرتے ہیں۔ لیکن حجاج بن یوسف مشہور ظالم نے جو ان کو قتل کیا تو حافظ ذہبیؒ اسی واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ ”قَتَلَهُ الْحَجَّاجُ فَأَتَلَهُ اللَّهُ“ حضرت سعید بن جبیر تابعی ہیں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے شاگرد ہیں جب کوفہ کے لوگ حج کو آتے اور حضرت ابن عباسؓ سے کوئی مسئلہ دریافت کرتے تو آپ جواب میں فرماتے کیا تم میں سعید بن جبیر نہیں ہے؟ اگر حضرت سعید بن جبیرؒ واجب التعظیم بزرگ نہ ہوتے تو حافظ ذہبیؒ جیسا ناقد الرجال امام ان کے قتل پر حجاج کے حق میں یہ بددعا نہ کرتا۔^(۲)

۱۔ یعنی ارجاء کی وہ صورت جو اہل سنت کے نزدیک قابل اعتراض نہیں ہے۔ جو عنقریب انشاء اللہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ علیہ کی عبارت سے نقل کی جائے گی۔ اور کچھ علامہ شہرستانی رحمہ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ حرائی رحمہ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے ذکر ہو چکی ہے۔

۲۔ حضرت سعید بن جبیرؒ کے یہ حالات تذکرہ الحفاظ جلد اول ص ۶۶ میں ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ تقریب میں فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیرؒ ۹۵ھ میں فوت ہوئے۔

حاصل کلام یہ کہ لوگوں کے لکھنے سے آپ کس کس کو ائمہ اہل سنت کی فہرست سے خارج کریں گے۔

خاتمة الحفاظ حافظ ابن حجرؒ اور امام ابو حنیفہؒ

حافظ ذہبیؒ کے بعد خاتمة الحفاظ حافظ ابن حجرؒ کو بھی دیکھئے۔ علوم حدیثیہ و تاریخہ میں ان کے تجر و فضل و کمال اور احوال رجال سے پوری آگاہی کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ آپ تہذیب التہذیب میں جو اصل میں امام مزیؒ کی کتاب تہذیب کی تہذیب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے ترجمہ میں آپ کی دینداری اور نیک اعتقادی اور صلاحیت عمل میں کوئی بھی خرابی اور کسریاں نہیں کرتے۔ بلکہ بزرگان دین سے ان کی از حد تعریف نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں ”الْأَنَاسُ فِیْ أَبْنِیْ حَنِیْفَةَ حَاسِدٌ وَجَاهِلٌ“ یعنی حضرت امام ابو حنیفہؒ کے متعلق (بری رائے رکھنے والے) لوگ کچھ تو حاسد ہیں اور کچھ جاہل ہیں۔ سبحان اللہ! کیسے اختصار سے دو حرفوں میں معاملہ صاف کر دیا ہے۔

نیز حافظ صاحب مدوح لکھتے ہیں کہ قاضی احمد بن عبدہ قاضی رے نے اپنے باپ سے نقل کیا کہ ہم ابن عائشہ کے پاس بیٹھے تھے کہ اس نے امام ابو حنیفہؒ کی ایک حدیث بیان کر کے کہا کہ تم لوگ اگر آپ کو دیکھ پاتے تو ضرور آپ کو چاہنے لگتے۔ پس تمہاری اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے یہ شعر کہا گیا ہے۔

اَقِمُوا عَلَیْهِمْ وَیَذَلُّکُمْ لَا اَبَا لَکُمْ مِّنَ اللّٰوِمِ اَوْ سُدُّوا الْمَكَانَ الَّذِیْ سَدُّوا
یعنی ”لو گو! تمہارا برا ہو۔ تمہارے باپ مرجائیں۔ ان پر ملامت کی زبان،
کو تاہ کرو۔ ورنہ اس مکان کو ہڑ کرو جس کو انہوں نے پُر کیا تھا“ یعنی ویسے بن
کرد کھاؤ۔ سبحان اللہ کیسے عجیب پیرائے میں اعلیٰ درجہ کی تعریف کی ہے۔

حوالہ تاریخ صغیر اور سیدنا امام ابو حنیفہؒ

امام بخاری (علیہ رحمۃ اللہ الباری) کے بعض حوالے بعض لوگوں کے لئے سخت ٹھوکر کا باعث ہوئے ہیں۔ پس لازم ہے کہ ہم ان میں سے سب سے سخت حوالے کا ذکر کر کے اس کا جواب دیں۔ اور باقی حوالوں کو اس کے قیاس پر چھوڑ دیں۔ وبالله التوفیق۔

مولانا ثناء اللہ صاحب امر تسری مرحوم اکثر دفعہ فرمایا کرتے تھے۔ عرب کا منہ زور شاعر متنبی کہتا ہے۔

إِذَا أَتَيْتَكَ مُذَمِّمِي مِنْ نَاقِصٍ فَهِيَ الشَّهَادَةُ لِي بِأَنِّي بَكَّامِلٌ

”یعنی جب تیرے پاس میری مذمت کسی ناقص آدمی کے ذریعے پہنچے تو تو سمجھ لے کہ وہ اس بات کی شہادت ہے کہ میں کامل ہوں“
محدثین کے نزدیک روایت کے متعلق سب سے پہلے راویوں کی دیکھ بھال ہوتی ہے کہ وہ کیسے ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کی طرح اپنی دیگر کتب میں صحت کا التزام نہیں کیا۔ پس دیکھنا چاہیے کہ یہ روایت امام بخاریؒ تک کس واسطے سے پہنچی ہے سو معلوم ہو کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تاریخ صغیر میں فرماتے ہیں۔

”بیان کیا ہم سے نعیم بن حماد نے اس نے کہا ہم سے بیان کیا فزاری نے اس نے کہا میں (امام) سفیانؒ کے پاس (بیٹھا) تھا کہ ان کے پاس (امام) نعمان (ابو حنیفہؒ) کی موت کی خبر آئی تو انہوں نے کہا الحمد للہ۔ وہ اسلام کو گھنڈی گھنڈی کر کے توڑتا تھا۔ اسلام میں اس سے بڑا بد بخت کوئی پیدا نہیں ہوا“ (معاذ اللہ) (تاریخ صغیر ص ۷۴ مطبوعہ الہ آباد)

الجواب : نعیم کے متعلق نفاذ ائمہ حدیث میں سخت اختلاف ہے۔ بعض کی رائیں اچھی ہیں اور بعض کی بہت سخت ہیں۔ حافظ ذہبیؒ میزان میں فرماتے ہیں۔

- ۱۔ اَحَدُ الْاَيْمَةِ الْاَغْلَامِ عَلٰی لَبِنٍ فِیْ حَدِیْثِہٖ ”یعنی ائمہ اعلام میں سے ایک ہے۔ باوجود اس کے روایت حدیث میں نرم ہے“
- ۲۔ خَرَجَ لَہُ الْبُخَارِیُّ مَقْرُوْنًا بِغَیْرِہٖ امام بخاری نے اس کی حدیث روایت کی ہے لیکن دوسرے (ثقہ راوی) کے ساتھ ملا کر۔
- ۳۔ قَالَ الْعَبَّاسُ بْنُ مُصْعَبٍ فِیْ تَارِیْخِہٖ نَعِیْمٌ بْنُ حَمَّادٍ وَضَعَ کُتُبًا فِی الرِّدِّ عَلٰی الْحَنْفِیَّةِ یعنی عباس بن مصعب نے اپنی تاریخ میں کہا کہ نعیم بن حماد نے خفیوں کے رد میں کئی کتابیں تصنیف کیں۔
- ۴۔ امام یحییٰ بن معینؒ کہتے ہیں کہ اَنَا اَعْرِفُ النَّاسَ (میزان) یعنی میں نعیم کے حال سے سب سے زیادہ واقف ہوں اس کے بعد امام ذہبیؒ افتراق امت کی حدیث جو نعیم کی روایت سے ہے ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی بَضْعٍ وَسَبْعِیْنَ فِرْقَةً اَعْظَمُہَا فِتْنَةٌ عَلٰی اُمَّتِیْ قَوْمٌ یَّقِیْمُوْنَ الْاُمُوْرَ بِرَاہِیْمٍ فِیَحْلُوْنَ الْحَرَامَ وَیَحْرَمُوْنَ الْحَلَالَ (میزان ج ۲ ص) یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری امت ستر سے کچھ اوپر فرقوں میں منقسم ہو جائے گی میری امت پر سب سے بڑے فتنہ والا وہ فرقہ ہو گا جو امور (دین) کو اپنی رائے سے قیاس کر کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنائیں گے (معاذ اللہ)
- بے شک نعیم کی یہ حدیث خفیوں کے رد کے لئے متشددین کے ہاتھ میں سیف مصقول کا کام دیتی ہے۔ لیکن اس کے آگے ملاحظہ فرمائیں کہ نعیم کی اس روایت کی بابت امام ذہبیؒ انہی امام یحییٰ بن معینؒ کی کیا رائے نقل کرتے ہیں۔
- ”محمد بن علی بن حمزہ مروزیؒ“ (۱) کہتے ہیں۔ میں نے حضرت یحییٰ بن معینؒ سے

۱۔ محمد بن علی بن حمزہ مروزیؒ انہی نعیم بن حماد کے بھی شاگرد ہیں (لسان المیزان) حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں کہا ثِقَّةٌ صَاحِبُ حَدِیْثٍ ثِقَّةٌ ہے صاحب حدیث ہے بارہویں طبقے سے ہیں ۲۸۳ میں فوت ہوئے۔

اس روایت کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔ لَيْسَ لَهُ أَصْلُ یعنی اس کا کوئی اصل نہیں ہے^(۱)۔

اس روایت کو نعیم کی کتب دوبارہ تردید حنفیہ کے ساتھ ملا کر غور کیا جائے تو صاف کھل جاتا ہے کہ نعیم کی مخالفت بنا بر تحقیقات نہیں۔ بلکہ بے اصل روایات کی بنا پر ہے۔

خیر یہ تو مذہب حنفی کے متعلق اس کی روش کا حال ہے۔ اب خود سیدنا حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ذات اقدس کی نسبت حافظ ذہبیؒ کا حوالہ ملاحظہ فرمائیں کہ آپ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔ ”(ابو الفتح) ازدی نے کہا نعیم سنت کی تقویت میں حدیث بنالیا کرتا تھا اور جھوٹی حکایتیں بھی (امام ابو حنیفہؒ) نعمان کی عیب گوئی میں جو سب کی سب جھوٹ ہیں“ (میزان جلد ۴ ص ۵۳۶)

اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس قول کو تہذیب التہذیب میں نقل کیا ہے۔ کہ حافظ عبد العظیم منذری نے ترغیب و ترہیب کے خاتمہ پر بعض ان راویوں کی فہرست لکھی ہے جن کے متعلق ائمہ حدیث کی مختلف رائیں ہیں اس فہرست میں اسی نعیم کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور امام ازدی کا مذکورہ بالا قول نقل کیا ہے کہ نعیم (مذکور) سنت کی تقویت میں اور امام ابو حنیفہؒ کی بد گوئی میں جھوٹی حدیثیں اور من گھڑت حکایتیں بنالیا کرتا تھا (ترغیب و ترہیب مطبوعہ دہلی بر حاشیہ مشکوٰۃ ص ۵۷۴)

اس کے علاوہ ہم ایک نادر حوالہ کا ذکر کرتے ہیں جو اکثر علماء کی نظر سے مخفی ہے۔

حوالہ کتاب نہایۃ السؤل

احوال کتاب ومصنف: اس کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ ریاست

راپور میں موجود ہے یہ نسخہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے مصنف نے اس کتاب کی تالیف ربیع الاول یاربیع الآخر ۸۲۸ھ میں شروع کی اور ۱۶ ربیع الاول ۸۲۹ھ میں اس سے فراغت پائی گویا تالیف و کتابت ہر دو میں ایک سال لگا کتاب ضخیم ہے فل سیکپ سائر پر بار یک خط سے پانچ سو ورق پر ختم ہوئی ہے۔ یعنی ایک ہزار صفحہ کی ضخامت ہے۔ مصنف کا نام ابراہیم ہے والد کا نام خلیل ہے حلب کے رہنے والے ہیں سبط ابن الصبی کے نام سے مشہور تھے ۸۴۱ھ میں فوت ہوئے۔ رحمہ اللہ۔ کتاب کی عبارت یوں ہے (کان نعیم) ممن یضع الاحادیث فی تقویۃ السنۃ وحکایات مزورۃ فی شلب نعمان کلھا کذب کتاب کا پورا نام ”نہایۃ السؤل فی رواۃ السنۃ الاصول“ ہے جس میں مصنف علام نے صحاح ستہ کے راویوں کو جمع کر کے ان کے احوال ذکر کئے ہیں۔ مجھ عاجز کو اس کتاب کا مطالعہ مولانا محمد علی و شکوت علی صاحبان کے چچیرے بھائی حافظ احمد علی صاحب کی معرفت جو اس کتب خانہ کے سرکار راپور کی طرف سے متہم تھے اور نواب حامد علی خاں صاحب بالقابہ مرحوم والے ریاست کے معتمد خاص تھے۔ نصیب ہوا تھا۔ مولانا عبدالحی لکھنوی نے فوائد بہیہ میں ان کے ترجمہ اور تصنیف کا ذکر تفصیل سے لکھا ہے۔ ان میں نہایۃ السؤل کا بھی ذکر کیا ہے۔

۴۔ امام نسائی کہتے ہیں۔ نعیم ضعیف۔ لیس بشقۃ یعنی نعیم ضعیف ہے۔ ثقہ نہیں ہے لیس بحجۃ (اکیلا روایت کرے تو) حجت نہیں ہے۔

۵۔ ذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال ربما اخطأ و وہم یعنی ابن حبان نے اس کو ثقات میں لکھا ہے اور (باوجود اس کے) کہا وہ خطا بھی کرتا تھا اور وہم بھی۔

۶۔ اسی طرح امام ابوداؤد کہتے ہیں۔ نعیم کی بیس احادیث ہیں جن کا کوئی اصل نہیں۔

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ نعیم کی شخصیت ایسی نہیں ہے کہ اس کی روایت کی بنا پر حضرت امام ابو حنیفہؒ جیسے بزرگ امام کے حق میں بد گوئی کریں جن کو حافظ شمس الدین ذہبیؒ جیسے ناقد الرجال امام اعظم کے معزز لقب سے یاد کرتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر البدایہ میں آپ کی نہایت تعریف کرتے ہیں اور آپ کے حق میں لکھتے ہیں۔ احد ائمة الاسلام والسادة الاعلام واحد او كان العلماء واحد الاثمة الاربعة اصحاب المذاهب المتبوعة (نیز امام یحییٰ بن معینؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ آپ (امام ابو حنیفہؒ) ثقہ تھے۔ اہل الصدق سے تھے کذب سے متہم نہ تھے۔ نیز عبد اللہ بن واؤذ حرینی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ لوگوں کو مناسب ہے کہ اپنی نماز میں امام ابو حنیفہؒ کے لئے دعا کیا کریں۔ کیونکہ انہوں نے ان پر فقہ اور سنن (نبویہ) کو محفوظ رکھا (البدایہ والنہایہ جلد دہم ص ۱۰۷)

فیض ربانی

ہر چند کہ میں سخت گناہ گار ہوں۔ لیکن یہ ایمان رکھتا ہوں اور اپنے صالح اساتذہ جناب مولانا ابو عبد اللہ عبید اللہ غلام حسن صاحب مرحوم سیالکوٹی اور جناب مولانا حافظ عبد المنان صاحب مرحوم محدث وزیر آبادی کی صحبت و تلقین سے یہ بات یقین کے رتبے تک پہنچ چکی ہے کہ بزرگان دین خصوصاً حضرات ائمہ متبوعینؒ سے حسن عقیدت نزول برکات کا ذریعہ ہے۔ اس لئے بعض اوقات خدا تعالیٰ اپنے فضل عمیم سے کوئی فیض اس ذرہ بے مقدار پر نازل کر دیتا ہے۔ اس مقام پر اس کی صورت یوں ہے کہ جب میں نے اس مسئلہ کے لئے کتب متعلقہ الماری سے نکالیں۔ اور حضرت امام صاحبؒ کے متعلق تحقیقات شروع کیں تو مختلف کتب کی ورق گردانی سے میرے دل پر کچھ غبار آ گیا

جس کا اثر بیرونی طور پر یہ ہوا کہ دن دوپہر کے وقت جب سورج پوری طرح روشن تھا یکا یک میرے سامنے گھپ اندھیرا چھا گیا گویا ظلمت بغضہا فوق بغض کا نظارہ ہو گیا۔ معاذ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ یہ حضرت امام صاحبؒ سے بدظنی کا نتیجہ ہے اس سے استغفار کرو میں نے کلمات استغفار دہرانے شروع کئے۔ وہ اندھیرے فوراً کافور ہو گئے اور ان کی بجائے ایسا نور چکا کہ اس نے دوپہر کی روشنی کو مات کر دیا اس وقت سے میری حضرت امام صاحبؒ سے حسن عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی۔ اور میں ان شخصوں سے جن کو حضرت امام صاحبؒ سے حسن عقیدت نہیں ہے کہا کرتا ہوں کہ میری اور تمہاری مثال اس آیت کی مثال ہے کہ حق تعالیٰ منکرین معارج قدسیہ آنحضرت ﷺ سے خطاب کر کے فرماتا ہے ﴿اَقْتِمَارُؤَنَّهُ عَلٰی مَا یَرٰی﴾ میں نے جو کچھ عالم بیداری اور ہشیاری میں دیکھ لیا اس میں مجھ سے جھگڑا کرنا بے سود ہے۔

وهذا والله ولی الهدایة۔

خاتمة الکلام : اب میں اس مضمون کو ان کلمات پر ختم کرتا ہوں اور اپنے ناظرین سے امید رکھتا ہوں کہ وہ بزرگان دین سے خصوصاً ائمہ متبوعینؑ سے حسن ظن رکھیں۔ اور گستاخی اور شوخی اور بے ادبی سے پرہیز کریں۔ کیونکہ اس کا نتیجہ ہر دو جہان میں موجب خسران و نقصان ہے۔

فسئل الله الکريم حسن الظن والتادب مع الصلاحين ونعوذ بالله العظیم من سوء الظن بهم والوقیعة فیهم فانه عرق الرفض والخروج وعلامة المارقین ولنعم ما قیل ۔

از خدا خواہیم توفیق ادب بے ادب محروم شد از لطف رب
 خاک پائے علماء متقدمین و متاخرین حافظ محمد ابراہیم میرسیا لکوٹی۔
 (ماخوذ تاریخ اہل حدیث ص ۵۶ تا ۷۲ مطبوعہ اسلامی پبلشنگ کمپنی اندرون

اعتراض نمبر ۳۶: جے پوری نے ص ۱۱۵ میں کعبہ شریف میں چار مصلوں کا قائم ہونا نقل کیا ہے پھر ص ۱۱۶ پر ایک سرخی قائم کی ہے چار مصلوں کا بدعت ہونا۔

جواب: اس اعتراض کا جواب خود جے پوری نے ص ۱۱۷ میں ہماری طرف سے نقل کر دیا ہے وہ فرماتے ہیں:

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی مطبوعہ ہلالی سنیل الرشاد ص ۳۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ

البتہ چار مصلیٰ جو مکہ معظمہ میں مقرر کئے ہیں لاریب یہ امر زبوں ہے کہ تکرار جماعات وافتراق اس سے لازم آ گیا کہ ایک جماعت کے ہونے میں دوسرے مذہب کی جماعت بیٹھی رہتی ہے اور شریک جماعت نہیں ہوتی۔ اور مرتکب حرمت ہوتے ہیں مگر یہ تفرقہ ائمہ دین حضرات مجتہدین سے نہ علمائے متقدمین سے بلکہ کسی میں سلطنت میں کسی وجہ سے یہ امر حادث ہوا ہے کہ اس کو کوئی اہل علم اہل حق پسند نہیں کرتا پس یہ طعن نہ علماء اہل حق مذہب اربعہ پر ہے بلکہ سلاطین پر ہے۔ کہ مرتکب اس بدعت کے ہوئے۔ (مجموعہ رسائل مولانا رشید احمد گنگوہی ص ۶۴ مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ)

جب حنفی علماء خود اس بات کی تردید کر رہے ہوں تو پھر دوسرے غیر مقلدین کو عموماً اور جے پوری کو خصوصاً اس امر سے باز آنا چاہیے تھا۔

نوٹ: غیر مقلدین سے ہمارا سوال ہے کہ اس واقعہ سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت بھی الحمد للہ خانہ کعبہ میں ائمہ اربعہ کے چاروں مذہب موجود تھے اور ان کے ماننے والے بھی موجود تھے مگر آپ کا پانچواں مصلیٰ کہاں تھا۔ اگر آپ کا مذہب اس وقت ہوتا تو آپ کے مصلیٰ کا ذکر بھی اس واقعہ میں ضرور ملتا۔

حقایق الفقہ بجواب

حقیقت الفقہ

پیر جی سید مشتاق علی شاہ صاحب
اس کتاب میں غیر مقلدین کی مشہور
کتاب حقیقت الفقہ تالیف مولانا یوسف
جے پوری کا جواب دیا گیا ہے اور امام
ابو حنیفہ اور فقہ حنفی کے بعض مسائل
پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات دیے گئے
ہیں نیز انکے علاوہ بہت سے اہم مسائل
اس کتاب میں آگئے ہیں اس موضوع پر
بہترین کتاب ہے۔

پیشکش: اہل حق

Www.Ahlehaq.Com

www.ahlehaq.com

یہ حق تو چھانے آیا ہے

باب دوم

اس باب میں فقہ حنفی
پر کیے گئے اعتراضات کے
جوابات دیئے گئے ہیں۔



www.ahlehaq.com

باطل کو مٹانے آیا ہے

حقایق الفقہ بجواب

حقیقت الفقہ

پیر جی سید مشتاق علی شاہ صاحب
اس کتاب میں غیر مقلدین کی مشہور
کتاب حقیقت الفقہ تالیف مولانا یوسف
جے پوری کا جواب دیا گیا ہے اور امام
ابو حنیفہ اور فقہ حنفی کے بعض مسائل
پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات دیے گئے
ہیں نیز انکے علاوہ بہت سے اہم مسائل
اس کتاب میں آگئے ہیں اس موضوع پر
بہترین کتاب ہے۔

پیشکش: اہل حق

Www.Ahlehaq.Com

اعتراض ۱

دبر یا فرج میں انگلی داخل کی خشک نکلی تو روزہ فاسد نہیں۔ در مختار ص ۵۱۱ ج ۱، عالمگیری ص ۲۹۱، ہدایہ ج ۱ ص ۸۹۳، بہشتی زیور حصہ سوم ص ۱۴ (حقیقت الفقہ ص ۲۱۶، مسئلہ ۳۹۸، باب کتاب الصوم)

الجواب

یہ مسئلہ قرآن کی کس آیت یا حدیث کے خلاف ہے؟ اگر غیر مقلدین کے نزدیک ایسا کرنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے تو ہمت کر کے قرآن حکیم یا حدیث سے ثبوت پیش کریں، اور ذرا اپنے گھر کی بھی خبر لیں۔ آپ کے علامہ وحید الزمان غیر مقلد لکھتے ہیں ”اگر مرد نے اپنی انگلی دبر میں داخل کر دی تو روزہ نہیں ٹوٹا۔ اگر عورت نے اپنی انگلی اپنی شرمگاہ میں داخل کر دی تو روزہ نہیں ٹوٹا۔“ (نزل الابرار من فقہ النبی المختار ص ۲۲۹ ج ۱)

اعتراض ۲

سوتی عورت یا مجنونہ سے جماع کیا گیا تو روزے کا کفارہ نہیں۔ در مختار ص ۵۱۵ ج ۱، ہدایہ ج ۱ ص ۹۳۷، کنز الدقائق ص ۸۷، مالا بد منہ ص ۶۳، بہشتی زیور حصہ اول ص ۱۵ (حقیقت الفقہ ص ۲۱۶، مسئلہ نمبر ۴۰، کتاب الصوم)

الجواب

منصفی دنیا سے ساری اٹھ گئی

دوستو ایمان داری اٹھ گئی

فریب کاری اور تدلیس کی حد ہو گئی۔ معلوم ہوتا ہے غیر مقلدین کے مذہب میں حیاء و شرم کوئی بری چیز نہیں ہے۔ کتنا سچا ارشاد گرامی ہے۔

ان ما ادرک من کلام النبوة الاولى اذا لم تستحی فاصنع ما

شئت او کما قال (بخاری)

میں آپ کے سامنے ہدایہ سے مسئلہ کی اصلی صورت پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد آپ لوگ اندازہ لگا سکیں گے کہ معترض نے حیا و شرم و دیانت کو بالائے طاق رکھ کر اس کو کیا سے کیا کر دیا۔ ہدایہ کے اصل الفاظ یہ ہیں:

واذا جومت النائمة والمجنونة وهی صائمة علیہا القضاء دون

الکفارة (ج ۱ ص ۲۷۷)

ترجمہ۔ یعنی جب سونے والی یا دیوانی عورت سے اس حال میں کہ وہ عورت روزے سے ہی جماع کر لی جاوے تو عورت پر روزے کی قضا واجب ہے، کفارہ نہیں۔

اس میں مصنف نے یہ خیانتیں کی ہیں۔

۱۔ اس نے ظاہر کیا ہے کہ مرد پر کفارہ نہیں ہے حالانکہ ہدایہ میں کفارہ واجب نہ ہونے کو مرد کے متعلق نہیں کہا گیا ہے۔ (علیہا کی ضمیر مؤنث کی طرف ہے، آنکھیں کھول کر دیکھئے)

۲۔ عورت پر صرف کفارہ واجب نہیں ہے، قضا واجب ہے، مگر معترض نے ظاہر نہیں کیا ہے۔ اگر معترض یہ کہے کہ میں نے یہ کب کہا ہے کہ یہ مرد کا حکم ہے؟ تو اس سے کہا جائیگا کہ تمہارے اس جملہ کا کیا مطلب ہے جو تم نے لکھا ہے کہ ”روزے کی حالت میں بھی مزے اڑاؤ“ اگر اس میں عورت سے خطاب ہے تو تمہاری حد سے بڑھی ہوئی بے غیرتی و بے حیائی کے علاوہ اس میں یہ خرابی ہے کہ مجنون اور سوئی عورت سے خطاب صحیح نہیں ہے پھر اس غریب نے کیا خطا کی تھی جو اس کو نشانہ تعریض بنایا جا رہا ہے؟ بہر حال ان وجوہ کے علاوہ اور چند وجوہ سے بھی اس جملہ میں عورت کو مخاطب قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ پس لامحالہ مرد مخاطب ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تم نے اس حکم کو مرد کا حکم ظاہر کیا ہے جو سراسر خلاف دیانت ہے۔ علاوہ بریں اگر یہ فریب کاری تمہارا مقصود نہ ہوتی تو تم کو کیا غرض پڑی تھی کہ ہدایہ کے لفظ علیہا کو نظر انداز کرتے ہوئے اس

مسئلہ کو ہدایہ سے نقل کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صورت مذکورہ بالا میں سونے والی عورت اور دیوانی پر کفارہ واجب نہیں ہے صرف قضاء واجب ہے اور اس سے صحبت کرنے والے مرد کا حکم ہدایہ میں مذکور ہے اس کا حکم رد المحتار، شامی اور الاشبہ والنظائر وغیرہ میں بصرحت یوں مذکور ہے۔

اما الواطی فعليه القضاء دون الكفارة اذ لا فرق بين وطئه عاقلة او غیرها (شامی ص ۱۱۳ ج ۲)

”لیکن صحبت کرنے والے مرد پر قضاء و کفارہ دونوں واجب ہیں اس لیے کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ با عقل و ہوش عورت سے صحبت کرے یا بے عقل و ہوش سے۔“

Www.Ahlehaq.com

اعتراض ۳

جو روزے میں زنا کے ڈر سے جلق لگائے اور منی نکال دے تو امید ثواب ہے۔ ہدایہ ص ۸۹۳ ج ۱۔ (حقیقت الفقہ ص ۲۱۷ مسئلہ نمبر ۴۱۲، کتاب الصوم)

الجواب

وائے بے غیرتی! جس مسئلہ کا ہمارے مذہب کی کسی کتاب میں بھی وجود نہیں ہے، اس کو معترض نے ہدایہ جیسی معروف و مشہور کتاب کی طرف منسوب کر دیا اور ایسا کرنے سے نہ اس کو خدا کا ڈر مانع ہوا اور نہ رسوائی کے خوف ہی نے باز رکھا۔ معترض کا دروغ بے فروغ ظاہر کرنے کے لیے میں یہاں اپنے مذہب کی کتابوں کے دو مسئلے لکھتا ہوں۔

۱۔ در مختار ص ۱۱۳، ص ۱۱۴ جلد ۲ میں ہے:

اوا ستمنی بکفہ..... فانزل..... قضی (مختصراً)

یعنی روزے دار نے جلق لگا کر منی نکالی تو قضاء رکھنا واجب ہے۔

۲۔ در مختار، شامی ص ۱۰۹ ج ۲ میں ہے:

فلو ادخل ذكره في حائط او نحوه حتى امنی او استمنى بکفہ

بحائل يمنع الحرارة ياثم ايضا ويدل ايضا على ما قلنا فى الزيلعى
حيث استدل على عدم حله بالكف بقوله تعالى: والذين هم لفروجهم
حافظون (الاية) وقال فلم يبيح الاستمتاع الا بهما اى بالزوجة والامة
اه فافاد عدم حل الاستمتاع اى قضاء الشهوة بغيره (ص ۱۰۹ ج ۲
خلاصه)

ترجمہ۔ ”اگر عضو مخصوص دیوار یا ایسی ہی کسی چیز میں داخل کر کے منی
نکالے یا جلق لگا کر نکالے، چاہے کوئی کپڑا ہی لپیٹ کر ایسا کیوں نہ کیا ہو، جو ہاتھ
تک عضو مخصوص کی گرمی نہ پہنچنے دے تو گنہگار ہے اور اس کی دلیل وہ بھی ہے
جو زیلعی میں ہے کہ خدائے پاک نے والذین هم لفروجهم (الایہ) میں
صرف بیوی اور زر خرید لونڈی سے ہی یہ خواہش پوری کرنے کی اجازت دی ہے،
اور کوئی صورت مباح نہیں کی ہے۔ پس سوائے ان دو صورتوں کے جلق وغیرہ
کوئی صورت حلال نہیں ہے۔“

اور مزید درج ہے!

الاستمناء حرام وفيه التعزير

یعنی ”جلق لگا کر منی نکالنا حرام ہے اور اس پر سزا دی جائے گی“

اس کے ساتھ ہی اپنا مذہب بھی ملاحظہ ہو۔

عرف الجادی معنفہ نور الحسن خاں غیر مقلد میں ہے

”مشت زنی کرنی (جلق لگانا) یا اور کسی چیز سے منی کو خارج کرنا اس شخص
کے لیے مباح ہے جس کی بیوی نہ ہو اور اگر گناہ میں مبتلا ہونے کا خوف ہو تو
واجب یا مستحب ہے“

اور نزل الابرار میں مطلق جلق لگانے کو جائز لکھا ہے۔ رہا جانور سے صحبت
کرنے کا مسئلہ تو اس کے متعلق ہماری فقہ کا یہ فیصلہ ہے۔

او بهيمة فانزل قضی (در مختار ص ۱۱۳، ۱۱۴ ج ۲)

یعنی ”اگر جانور سے صحبت کر کے منی نکالے تو اس پر قضا واجب ہے“

اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ایسا کرنے والا سخت سزا کا مستحق ہے بالخصوص روزے کی حالت میں ایسا کرے تو اور زیادہ سختی کا مستحق ہے۔

اعتراض ۴

”روزے دار عورت یا مرد سے اغلام کرے تو روزہ کا کفارہ نہیں۔ ہدایہ ص ۹۰۳ ج ۱) (حقیقت الفقہ ص ۲۱۷، مسئلہ ۴۱۳ کتاب الصوم، درایت محمدی ص ۵۵)

الجواب

یہ حوالہ بھی غلط ہے اور سراسر جھوٹ ہے۔ ہدایہ میں یہ ہرگز نہیں ہے اور اگر مادون الفرج کے لفظ سے یہ مطلب پیدا گیا ہے تو معترض کی کم علمی اور نادانی ہے۔ چنانچہ فتح القدیر، بنایہ، رد المحتار، در مختار، مغرب (لفت فقہ) وغیرہ میں تصریح ہے کہ مادون الفرج سے مراد پاخانہ اور پیشاب کے مقام کے علاوہ مراد ہے۔ الحاصل حوالہ بالکل غلط ہے اور ہمارے مذہب کا یہ ہرگز مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس صورت میں فقہ حنفی کا یہ حکم ہے کہ ایسے شخص پر قضاء و کفارہ دونوں واجب ہیں۔

در مختار ص ۱۱۷، ۱۱۸ ج ۲ میں ہے۔ ان جامع المکلف آدمیا لمشتہی فی رمضان اداء لما مر او جومع وتوارت الحشفة فی احد السبیلین انزل اولاً قضی وکفر (مختصر)

اور رد المحتار ص ۱۱۷، ۱۱۸ ج ۲ میں ہے قوله فی احد السبیلین ای القبل او الدبر وهو الصحيح فی الدبر والمختار انه بالاتفاق (خلاصہ)
”اگر کوئی شخص عورت کے پیشاب یا پاخانہ کے مقام یا مرد کے پاخانہ کے مقام میں صحبت کرے تو دونوں پر قضاء و کفارہ واجب ہے۔ علامہ شامی نے تصریح کی ہے کہ ہمارے علماء کا باتفاق یہی مذہب ہے کہ پاخانہ کے مقام پر صحبت کرنے سے کفارہ و قضاء دونوں واجب ہوتے ہیں۔“

اعتراض ۵

بھیگے کتے کی چھینٹوں سے اور اس کے کانٹے سے کپڑا نپاک نہیں ہوتا۔
در مختار ص ۱۱۲ ج ۱۔ (حقیقت الفتہ ص ۲۰۳، مسئلہ ۲۵۲ باب کتے کے متعلق)

الجواب

اس میں کیا قباحت ہے؟ شرعی قباحت ظاہر کرنے کے لیے کسی آیت یا حدیث کا حوالہ پیش کرنا ضروری ہے۔ شرعی قباحت دکھاتے ہوئے یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مولوی وحید الزمان نے بھی لکھا ہے کہ اس صورت میں کپڑا نپاک نہیں ہوتا۔ نزل الابرار ص ۲ ج ۱ میں ہے۔ ولا الثوب ینجس بانفصاضہ ولا بعضہ ولا العضو ولو اصابہ رتبہ یعنی کپڑا یا بدن کتے کی چھینٹوں سے نپاک نہیں ہوتا نہ کانٹے سے، چاہے اس کا لعاب بھی کیوں نہ لگ جائے اور یہ بھی دیکھ لینا چاہیے کہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ میں اس کی بابت کیا لکھا ہے۔ معترض کی اطلاع کے لیے ہم یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کے ایک باب میں یہ فرمایا ہے۔

وسور الکلاب وممرھا فی المسجد..... الخ

یعنی اور کتے کے جھوٹے اور اس کے مسجد میں گزرنے کا باب۔ اس کے بعد امام زہری کا ایک فتویٰ نقل کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کوئی دوسرا پانی موجود نہ ہو۔ تو اس پانی سے وضو جائز ہے جس میں کتے نے پیا ہو۔ اس مقام پر حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں والظاہر من تصرف المصنف انه یقول بطہارۃ (فتح الباری ص ۱۹۱) یعنی امام بخاریؒ کے تصرف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کتے کے جھوٹے کو پاک کہتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے مذکورہ بالا باب کے متصل ہی دوسرے باب میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک شخص نے ایک پیاسے کتے کو اپنے موزے سے پانی پلایا اور اللہ نے اس کے اس فعل کو پسند فرمایا۔ اس حدیث کے تحت حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں استدلل بہ المصنف علی طہارۃ سور الکلب (فتح ص ۱۹۱) یعنی امام بخاریؒ نے اس حدیث سے کتے کے جھوٹے کی پاکی پر استدلال کیا

ہے اس کے بعد شکاری کتے والی حدیث ذکر کر کے اس کو بھی اس کی پاکی کی دلیل بنایا ہے پس سوال یہ ہے کہ اگر مان بھی لیجئے کہ مسئلہ مذکورہ ہدایہ ہی میں ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ ہدایہ میں لکھ دینا جرم ہو گیا مگر بخاری میں تو جرم نہیں؟ اور اگر بخاری میں بھی ہونا جرم تھا تو پہلے بخاری ہی پر کیوں نہ ہاتھ صاف کیا۔

اعتراض ۶

کتے کے بالوں کا تکیہ بنانے میں مضائقہ نہیں۔ ہدایہ ج ۱ ص ۲۳۰۔ (حقیقت الفقہ ص ۲۰۳ مسئلہ ۲۵۶ باب کتے کے متعلق)

الجواب

اس مسئلہ کی ہدایہ میں کہیں بھی تصریح نہیں کی گئی ہے۔ معترض سچا ہو تو یہ تصریح دکھا کر سو روپے انعام حاصل کرے۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فانقوا النار۔ اگر معترض یہ کہے کہ ہدایہ میں گو اس کی تصریح نہیں ہے بلکہ ہم نے ہدایہ کے کسی قول سے اس کو نکالا ہے تو ہم کہیں گے کہ اس صورت میں اس بات کی تصریح کر دینا ضروری تھا۔ تصریح نہ کرنا در حقیقت صاحب ہدایہ پر افتراء اور بہتان ہے جو قطعاً حرام ہے اور ہدایہ کے کسی قول پر یہ اگر تفریع ہو سکتی ہے تو نزل الابرار اور بخاری کے محولہ بالا مسئلہ پر بھی تو یہ تفریع جاری ہوگی بلکہ نزل الابرار اور عرف الجادی کے ایک مسئلہ سے تو یہاں تک ثابت ہوتا ہے کہ سور کے بالوں سے ازار بند بنانا جائز ہے اور تکیہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اعتراض ۷

جس عورت کو مرد طلاق رجعی دے چکا ہو اگر نماز میں اس کی فرج دیکھے تو نماز فاسد نہیں۔ عالمگیری جلد ۱ ص ۱۴۳ (حقیقت الفقہ ص ۲۱۱ مسئلہ ۳۴۷) یہ مسئلہ الاشباہ والنظائر ص ۴۱۸ مطبوعہ بیروت الفن السوس میں بھی موجود ہے۔

الجواب

یہ مسئلہ کتاب الطلاق سے تعلق رکھتا ہے یہ عبارت بالذات وبلاصالت رجعت کے لیے تحریر کی گئی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی تو عدت میں اگر اس شخص کی نظر نماز کی حالت میں شہوت سے عورت کی شرمگاہ پر پڑ گئی تب بھی رجوع ثابت ہو جائیگا مگر نماز فاسد نہ ہوگی کیوں کہ فقط نظر تو کسی چیز پر بھی پڑ سکتی ہے اس میں نمازی کا کیا قصور ہے نمازی کے سامنے سے انسان، حیوان مرد عورت، چھوٹا، بڑا عریاں غیر عریاں سب ہی گزر سکتے ہیں یہ یاد رہے کہ فقہ حنفی یہ نہیں کہتی کہ نماز میں جان بوجھ کر ایسا کرو۔ بلکہ اگر ایسا ہو گیا تو رجوع ثابت ہو جائیگا۔

نوٹ۔ غیر مقلدین اس عبارت کے خلاف نہ تو کوئی قرآن کی آیت پیش کر سکتے ہیں اور نہ حدیث۔

اعتراض ۸

جس عضو پر نجاست لگی ہو وہ تین بار چائے سے پاک ہو جاتی ہے۔ (منہ نپاک ہو تو بلا سے) منیہ ص ۷، بہشتی زیور حصہ ۲ ص ۱۸، عالمگیری جلد ۱ ص ۶۱۔ (حقیقت الفقہ ص ۱۹۹ مسئلہ نمبر ۱۹۵)

اعتراض ۹

نجاست بھرا کپڑا اس قدر چائے کہ نجاست کا اثر جاتا رہے تو پاک ہے عالمگیری جلد ۱ ص ۶۱، ہدایہ جلد ۱ ص ۲۱۹۔ (حقیقت الفقہ ص ۱۹۹ مسئلہ ۱۹۷)

اعتراض ۱۰

چھری پر نجاست لگے تو چائے سے پاک ہے۔ عالمگیری جلد ۱ ص ۶۱، ہدایہ جلد ۱ ص ۲۲۲ (حقیقت الفقہ ص ۱۹۹ مسئلہ نمبر ۱۹۷)

اعتراض ۱۱

جو انگلی یا پستان نپاک ہو جائے تو چائے سے پاک ہو جاتی ہے۔ در مختار جلد

الجواب

ان چاروں اعتراضوں کا اکتھا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

غیر مقلدین نے اپنی ناقص الفہمی کی بنا پر فتاویٰ عالمگیری کی عالمی حیثیت نہیں سمجھی۔ یہ فتاویٰ بفضلہ تعالیٰ عالمی فتاویٰ ہے۔ اس میں وہ تمام مسائل حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو عالم اسلام میں عموماً یا خصوصاً پیش آتے رہتے ہیں یا آسکتے ہیں تاکہ مملکت اسلامیہ کے قاضی صاحبان ان سے استفادہ کر کے ان سے نادر سے نادر واقعات و مقدمات کا حل دریافت کر سکیں۔ دنیائے عالم میں جہاں عاقل بالغ آباد ہیں، وہاں پاگل اور بچے بھی رہتے ہیں۔ ان کی وجہ سے بھی کئی مسئلے جنم لیتے رہتے ہیں۔ مندرجہ بالا مسئلہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ہاتھ کی کسی انگلی پر اگر پیشاب یا شراب یا خون لگ جائے تو انگلی کو اس نجاست سے صاف کرنے کے لیے پانی ہی استعمال کیا جاسکتا ہے مگر بچوں اور پاگلوں سے یہ امید نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ اس نجاست کو پانی سے ہی صاف کریں گے بلکہ یہاں ممکن ہے کہ بجائے انگلی دھونے کے اسے چاٹ لیں (العیاذ باللہ) اور چاٹنے کے بعد وہی انگلی کسی شخص کے پانی میں ڈبو دیں اور وہ شخص اسلامی عدالت میں اس نوعیت کا مقدمہ دائر کر دے کہ میں نے پچاس روپے کا مثلاً پانی خرید کر مٹکے میں ڈالا تھا، فلاں پاگل نے نجاست سے لبریز انگلی کو پہلے اچھی طرح چاٹا پھر اپنی انگلی میرے پانی میں ڈبو دی جس سے پانی پلید اور بیکار ہو گیا لہذا مجھے پاگل کے مال سے پانی کی قیمت دلائی جائے تو جس قاضی نے فتاویٰ عالمگیری کا مندرجہ بالا مسئلہ پڑھا ہے، وہ یہ کہہ کر مقدمہ خارج کر دیگا کہ جب مدعی خود تسلیم کرتا ہے کہ پاگل نے پہلے انگلی سے نجاست کو چاٹ کر زائل کر دیا تھا، پھر پانی میں ڈبویا تھا تو پاگل کی انگلی کے سبب پانی پلید نہ ہوا کیونکہ جب انگلی پر سے نجاست زائل کر دی گئی تو نہ انگلی پلید رہی نہ پانی پلید ہوا۔ فتاویٰ عالمگیری کی عبارت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معاذ اللہ نجاست کو چاٹنا جائز ہے یا یہ کہ فقہ حنفی میں انگلی پاک کرنے کا یہی طریقہ

ہے۔ یہ نجس فہمی صرف مخالفین کی دماغی نجاست کا نتیجہ ہے بلکہ فتاویٰ عالمگیری میں تو یہاں تک نفاست پسندی فرمائی گئی ہے کہ جو حلال جانور نجاست کھاتا ہو، اسے نہ کھائیں بلکہ کئی دن تک باندھ رکھیں کہ نجاست نہ کھانے پائے پھر جب اس کا گوشت نجاست کے اثر سے پاک ہو جائے تو ذبح کر کے کھائیں۔ اونٹ چالیس دن تک باندھا جائے، بھینس بیس دن تک، مرغی تین دن تک اور چڑیا ایک دن تک۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۸)

اعتراض ۱۲

چوپایہ کے فرج یا ران میں وطی کی، اگر انزال نہ ہو تو غسل واجب نہیں۔ ہدایہ ج ۱ ص ۳۷ (حقیقت الفقہ ص ۱۹۲ مسئلہ ۱۰۷)

جواب

فرمائیے، یہ مسئلہ کس آیت یا حدیث کے خلاف ہے۔ اگر کسی حدیث میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ چوپائے کے ساتھ یا شرمگاہ کے علاوہ شہوت رانی کی جائے تو بلا انزال غسل واجب ہے تو وہ حدیث بیان فرمائیں۔ اگر کوئی ایسی حدیث نہیں تو شرم کرو۔ پھر اس مسئلے کو گندا اور خلاف حدیث کس عقل سے سمجھتے ہو؟ تمہارے ہاں صحیح بخاری میں تو عورت سے جماع کرنے سے بھی بلا انزال غسل لازم نہیں سمجھتے۔ امام بخاری ایسی حالت میں غسل لازم نہیں سمجھتے۔ صرف احوط فرماتے ہیں تو چوپائے یا تفخیز و تبطین سے بلا انزال غسل لازم کس دلیل سے سمجھا جائیگا؟ جب وجوب غسل پر کوئی دلیل ہی نہیں تو فقہاء علیہم الرحمہ نے کیا برا کیا کہ فقدان دلیل کی وجہ سے وجوب غسل کا حکم نہیں دیا۔ اگر کسی کے پاس کوئی دلیل ہے تو بیان کرے ورنہ اپنا اعتراض واپس لے۔

البتہ ہدایہ شریف میں عدم وجوب غسل پر دلیل بھی لکھی ہے کہ اس کی بیست ناقص ہے مگر یہ دلیل کوئی فقیہ سمجھے، فقہ کے دشمنوں کو اس کی کیا سمجھ؟ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ فقہاء کے نزدیک چوپائے سے شہوت رانی کرنا

جائز ہے اور اس کی کوئی سزا نہیں ہے کیونکہ یہ صرف غسل کے وجوب اور عدم وجوب کا بیان تھا۔ اس سے متعلق سزا کا بیان کتاب الحدود میں موجود ہے۔ اسی ہدایہ شریف میں کتاب الحدود کے تحت ایسے شخص کی سزا درج ہے۔

اعتراض ۱۳

سور کی کھال کے سوا ہر جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔ در مختار ج ۱ ص ۱۰۲ (حقیقت الفقہ ص ۲۰۳ مسئلہ ۲۶۲۔ درایت محمدی ص ۵۲ مسئلہ

(۳

Www.Ahlehq.Com

الجواب

صحیح مسلم میں موجود ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ایما اہاب دبغ فقد طهر یا اذا دبغ الہاب فقد طهر

ہدایہ شریف میں اسی حدیث کے الفاظ ہیں یعنی کل اہاب دبغ فقد طهر

تجب ہے کہ اس معترض کو یہ خیال نہیں آیا کہ میں یہ اعتراض در مختار پر کر رہا ہوں یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ صاحب در مختار نے وہی کہا ہے جو حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ پھر اگر یہ گندا مسئلہ ہے تو شرم کرو کہ اس کی نوبت کہاں تک پہنچتی ہے؟

تمہارا مولوی وحید الزمان بڑا پکا غیر مقلد، تقلید کو برا کہنے والا، صحاح ستہ کا ترجمہ کرنے والا، قرآن مجید کی تفسیر لکھنے والا اور فقہ محمدی لکھنے والا، کتے، درندے، بھیڑیے تو ایک طرف خنزیر کے چمڑے کو بھی دباغت سے پاک لکھتا ہے۔

فقہاء علیمہ الرحمہ نے تو خنزیر کو مستثنیٰ کیا ہے مگر یہ حضرت تو اس کو بھی مستثنیٰ نہیں کرتے۔ چنانچہ نزل الابرار کے ص ۲۹ ج اول میں لکھتے ہیں۔

ایما اہاب دبغ فقد طهر و مثله المثانة والکرش واستثنی بعض اصحابنا جلد الخنزیر والادمی والصحیح عدم الاستثناء

جس چمڑے کو دباغت دی جائے پاک ہو جاتا ہے۔ مثانہ اور اوجری میں بھی اسی طرح ہے۔ ہمارے بعض اصحاب (غیر مقلدین) نے خنزیر اور آدمی کو مستثنیٰ کیا ہے حالانکہ صحیح یہ ہے کہ یہ بھی مستثنیٰ نہیں۔

جب آپ کے بڑے یہی مسئلہ لکھتے ہیں تو آپ حنفیہ کو کیوں آنکھیں دکھاتے ہیں پہلے اپنے گھر کی خبر لیجئے۔ اپنے وحید الزمان پر اعتراض کیجئے۔ آپ یہی کہیں گے کہ ہم وحید الزمان کے مقلد نہیں۔ ہمارا مذہب قرآن و حدیث ہے۔

میں کہتا ہوں کہ تم ان کے فتاویٰ پر بلا دلیل عمل کرتے ہو یا نہیں؟ اگر کہو کہ نہیں تو بالکل غلط ہے مولوی ثناء اللہ ایڈیٹر اہل حدیث کے کئی ایسے فتاویٰ ہیں جن پر انہوں نے کوئی دلیل نہیں لکھی مگر پوچھنے والوں نے ان کو مان لیا۔

کیا وحید الزمان، صدیق حسن وغیرہ غلطی نہیں کر سکتے؟ تو کیا وجہ ہے کہ ان کے مسائل پر تو بلا تحقیق عمل کیا جائے۔ اور ائمہ احناف کے مسائل پر تنقید ہی تنقید روا رکھی جائے۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ آپ لوگ برائے نام ”غیر مقلد“ ہیں۔

اعتراض ۱۴

نمازی کے جسم پر کتا بیٹھ جائے، منہ سے لعاب نہ نکلے تو مضائقہ نہیں۔
بہشتی گوہر ص ۳۳۔ (حقیقت الفقہ ص ۲۱۰ مسئلہ نمبر ۳۲۸)

جواب

غیر مقلدین کے نزدیک تو کتا پاک ہے اس لئے ان کو اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ غیر مقلدین کے حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ نواب صدیق حسن خان غیر مقلد بدور الاحد ص ۱۶ پر لکھتے ہیں۔

”وحدیث ولوغ کلب دال بر نجاست تمامہ کلب از لحم و عظم و دم و شعرو عرق نیست بلکہ ایں حکم فقط مختص بولوغ اوست الحاقش بقیاس بولوغ سخت بعید است ولا سیما با حدیث ابن عمر کہ نزد ابی داؤد وغیرہ بلفظ کانت الکلاب تبول

فی المسجد وتقبل وتدبر زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم
یکونوا یرشون شیئا آمہ

ناظرین، نواب صاحب کتے کے گوشت اور ہڈیوں اور خون اور بالوں اور پسینے
سب کو پاک کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ نپاکی کا حکم صرف اس کے منہ ڈالنے پر ہے
اور باقی کوئی چیز اس کی نپاک نہیں۔ لہذا اب آپ ہی انصاف کریں کہ اگر کوئی
فحش پاک چیز کو جیب میں یا آستین میں رکھ کر نماز پڑھے تو اس کی نماز جائز ہے یا
ناجائز۔

- ۲۔ نواب نور الحسن خاں غیر مقلد بن نواب صدیق حسن خان عرف الجادی ص ۱۰
میں لکھتے ہیں۔ کہ کتے کے نپاک ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔
- ۳۔ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب نیل الاوطار کے باب ما یجوز
فیہ اقتناء الکلب میں فرماتے ہیں۔

واستدل باحدیث الباب علی طہارة الکلب الماذون باتخاذه
لان فی ملا بستہ مع الاحترار عنہ مشقة شديدة فالاذن باتخاذه اذن
بمکملات مقصوده کما ان المنع من اتخاذه مناسب للمنع منه وهو
استدلال قوی کما قال الحافظ لا یعارضہ الا عموم الخبر فی الامر
بغسل ما ولغ فیہ الکلب من غیر تفصیل و تخصیص العموم غیر
مستنکر اذا سوغه الدلیل اه (نیل الاوطار صفحہ ۳۴۹ جلد ثامن)

کہ احادیث باب سے اس کتے کی طہارت پر استدلال کیا گیا ہے جس کے
پالنے کی شریعت نے اجازت دی ہے کیونکہ اس سے بچنے اور پرہیز کرنے میں
اجازت کے وقت بہت ہی مشقت اور تکلیف ہے اور یہ استدلال قوی ہے چنانچہ
حافظ ابن حجر نے بیان کیا ہے اس کے معارض گو حدیث ولو غ الکلب کا عموم ہے
لیکن عموم کی تفصیل جس وقت اس کو دلیل جائز کرے، ناجائز اور بری نہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ شوکانی اس کتے کو طاہر اور پاک کہتے ہیں جس کے
پالنے کی شریعت نے اجازت دی ہے اور وہ وہ ہے جو شکار یا کھیتی کی حفاظت یا

جانوروں کی حفاظت وغیرہ کے لیے پالا جائے۔

غیر مقلدین کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات کتے کی طہارت کے قائل ہیں جب ان کے نزدیک کتا طاہر ہے تو اگر بالفرض طاہر شے کو اپنے پاس رکھ کر نماز پڑھے تو غیر مقلدین کے قواعد کے اعتبار سے نماز اس کی صحیح ہے پھر خفیوں پر کیا اعتراض ہے شاید جے پوری صاحب کی نظر ان کتابوں پر نہیں پڑی ورنہ ضرور اپنے مجتہدوں پر خفا ہو جاتے کہ ہم تو خفیوں پر اعتراض کرتے ہیں اور تم انہیں کے مذہب کے موافق اپنی اپنی کتابوں میں مسئلے لکھتے چلے جاتے ہو۔

اب اصل مسئلہ کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں

۱۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب رد المحتار المعروف شامی جلد اول صفحہ ۱۳۵ میں ہے۔
قال فی البدائع قال مشایخنا من صلے وفی کمہ جرو تجوز صلوٰتہ
وقیدہ الفقیہ ابو جعفر الہندوانی بکونہ مشبود الفم صاحب بدائع سے
علامہ شامی نقل کرتے ہیں کہ مشائخ کا قول ہے کہ اگر کسی نے اتفاقاً اپنی آستین
میں کتے کے بچہ کو رکھ کر نماز پڑھی تو اس کی نماز جائز ہے بشرطیکہ اس کا منہ بندھا
ہوا ہوتا کہ لعاب جو نجس ہے کپڑے میں نہ لگنے پائے ورنہ کپڑا ناپاک ہو کر نماز
فاسد ہو جائے گی۔ یہ تو ایک قول ہے جس کو شامی نے نقل کیا ہے۔ وجہ اس کی
یہ ہے کہ کتے کہ طہارت و نجاست میں اختلاف ہے۔

۲۔ البحر الرائق شرح کنز الدقائق جلد اول ص ۱۰۲ میں ہے۔ وقال فی القنیۃ
رامز المجد الاثمة وقد اختلف فی نجاسة الکلب والذی صح عندی
من الروایات فی النوادر والامالی انه نجس العین عندهما وعند ابی
حنیفۃ لیس بنجس العین اھ ومنشی علیہ ابن وہبان فی منظومہ
وذكرہ فی عقد الفوائد شرحہا اھ

مجد الاثمة کہتے ہیں مجھ کو جو صحیح طریق سے معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ
صاحین کے نزدیک کتا نجس العین ہے اور امام صاحب کے نزدیک نجس العین نہیں
ہے۔ اور نجاست عین کے یہ معنی ہیں کہ اس کے تمام اجزا نجس و ناپاک ہیں اور امام

صاحب فرماتے ہیں کہ تمام اجزاء پر نپاکی کا حکم لگانا صحیح نہیں۔ کتا نپاک ہے لیکن عین نجس نہیں اس کو جو نجس کہا جاتا ہے، اس بنا پر کہ اس کا گوشت اور خون نپاک ہے۔

۳۔ در مختار اور اس کی شرح ردالمحتار میں ہے۔

ولیس الکلب نجس العین عند الامام (در مختار) نجاسة بنجاسة لحمه ودمه ولا يظهر حکمها وهو حی مادامت فی معدنها کنجاسة باطن المصلی فهو کغیره من الحيوانات اه (ردالمختار جلد اول صفحہ ۱۳۵) وعلیه الفتوی اه (در مختار) وهو الصحيح والاقرب الى الصواب (بدائع) وهو ظاهر المتون بحر ومقتضى عموم الادلة فتح اه (ردالمختار صفحہ ۱۳۵)

اس سے ثابت ہوا کہ جب کتا خشک ہو تو اس کا ظاہری بدن پاک ہے اس کی جو نپاکی ہے وہ گوشت اور خون اور لعاب اور پیشاب و پاخانہ کی نپاکی ہے اسی بنا پر اس کے منہ کو یہ شرط لگائی گئی کہ اگر کسی نے نماز میں اس کو اٹھالیا تو نماز کے جائز ہونے کے لیے اس کے منہ کا بندھا ہوا ہونا ضروری ہے اگر منہ بندھا ہوا نہ ہوگا تو نماز جائز نہ ہوگی۔ وفي المحيط صلی ومعه جرو کلب او ما لا يجوز الوضوء بسوره قبل لم یخر والا صح انه ان کان فمه مفتوحا لم یجز لان لعابه یسبل فی کفه فینجس لو اکثر من قدر الدرهم ولو مشدودا بحیث لا یصل لعابه الی ثوبه جاز لان ظاهر کل حیوان طاهر ولا یتنجس الا بالموت ونجاسة باطنه فی معدته فلا یظهر حکم النجاسة باطن المصلی اه والاشبه اطلاق الجواز عند امن سیلان القدر المانع قبل الفراغ من الصلوة کما هو ظاهر ما فی البدائع (حلیہ) (ردالمختار صفحہ ۴۶ جلد اول) اور اس کی ایسی مثال ہے کہ انسان جب نماز پڑھتا ہے تو اس کے بدن میں خون پاخانہ پیشاب سب ہی کچھ ہوتا ہے مگر اس کی پاکی کا حکم دیا جاتا ہے اسی طرح کتا بھی اپنے ظاہری خشک بدن کے اعتبار

سے پاک ہے اس کے اٹھا لینے سے نماز میں فساد پیدا نہیں ہوگا۔ اگر نماز پڑھتے میں کسی نے اپنے بچے کو اٹھا لیا تو اس کی نماز ہو جاتی ہے حالانکہ بچہ کے پیٹ میں پاخانہ، پیشاب خون وغیرہ سب کچھ موجود ہے نماز کے جواز میں خلل انداز نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے ہوتے تو بچے آپ کے کندھے اور پیٹھ پر سوار ہو جاتے تھے اور آپ نماز پڑھتے رہتے تھے آپ کی نماز میں کسی قسم کی خرابی پیدا نہیں ہوتی تھی چنانچہ صحاح ستہ میں یہ واقعہ موجود ہے جس سے مولوی جے پوری صاحب کسی طرح انکار نہیں کر سکتے وجہ یہی ہے کہ جو نجاست بدن کے اندر ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا ظاہری بدن خشک ہے اس کی طہارت کی بنا پر نماز جائز ہے جے پوری صاحب اس میں کون سی اعتراض کی بات ہے شوکلنی اور صدیق حسن خاں وغیرہ سے کہتے کہ آپ کتے کے پاک ہونے کے کیوں قائل ہو گئے۔ حنفیہ کے یہاں اس کا گوشت بالاتفاق ناپاک ہے اگر کوئی شخص گوشت کا ٹکڑا لے کر نماز پڑھے گا تو نماز جائز نہ ہوگی۔ ولا خلاف فی نجاسة لحمه وطهارة شعره ۱۱ (درمختار) ولذا اتفقوا علی نجاسة سورة المتولد من لحمه فمعنی القول بطهارة عينه طهارة ذاته ما دام حیا وطهارة جلده بالدباغ والذکوة وطهارة مالا تحله الحیاة من اجزائه کغیرہ من السباع (رد المحتار صفحہ ۱۳۶) اسی بنا پر اس کے لعاب اور جھوٹے کے ناپاک ہونے پر اتفاق ہے کہ وہ گوشت نجس سے پیدا ہوتا ہے مولوی وحید الزماں صاحب غیر مقلد تو کتے کے پیشاب تک کو پاک کہتے ہیں چنانچہ ہدیہ المہدی جز ثالث کے صفحہ ۷۸ میں انہوں نے تصریح کی ہے اسی طرح کتے کے لعاب کو بھی وہ پاک کہتے ہیں چنانچہ کتاب مذکور کے صفحہ ۳۷ میں تصریح کی ہے والحق عدم النجاسة لهذا آپ پہلے اپنے گھر کی خبر لیجئے پھر دوسروں سے کہئے اور لعاب کے پاک ہونے کے لیے کسی صحیح حدیث کو بیان کریں۔ یاد رکھئے کہ حنفیہ کی ایک جماعت جو کتے کو پاک کہتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ زندہ ہے پاک ہے مرنے کے بعد ظاہر بدن بھی ناپاک ہو جاتا ہے اس کے چمڑے کو بھی پاک

کہتے ہیں بشرطیکہ دباغت کیا ہوا یا زنج کیا ہوا ہو۔ ورنہ پاک نہیں ہے اسی طرح وہ اجزاء بھی اس کے پاک ہیں جن میں حیات طول نہیں کرتی چنانچہ بال وغیرہ۔ باقی تمام اجزاء اس کے ناپاک ہیں۔ یہاں تک تو ایک قول کی بنا پر گفتگو تھی جن کے نزدیک کتا ناپاک تو ہے مگر نجس العین نہیں جس کے معنی معلوم ہو چکے۔ دوسرا قول خفیوں کا نجس العین ہونے کا بھی ہے چنانچہ صاحبین بھی اس کے قائل ہیں امام صاحب سے بھی ایک روایات ہے وقد اختلفت روایات المبسوط فیہ فذكر فی بیان سورہ ان الصحيح من المذهب عندنا ان عین الکلب نجس الیہ یشیر محمد فی الکتاب بقولہ ولیس المیت بالنجس من الکلب والخنزیر ثم قال وبعض مشایخنا یقولون عینہ لیس بنجس ویستدلون علیہ بطہارۃ جلدہ بالدباغ اھ و ذکر فی الايضاح اختلاف الروایۃ فیہ وفی مبسوط شیخ الاسلام واما جلد الکلب فمن اصحابنا فیہ روایتان فی روایۃ یطہر بالدباغ وفی روایۃ لا یطہر وهو الظاهر من المذهب و ذکر فی البدائع ان فیہ اختلاف المشائخ فمن قال انه نجس العین جعلہ كالخنزیر ومن جعلہ طاهر العین جعلہ مثل سائر الحيوانات سوى الخنزیر اھ واختار قاضیخان فی الفتاوی نجاسة عینہ وفرع علیہا فروعا اھ (البحر الرائق صفحہ ۱۰۱ جلد اول) ومما فی السراج ان جلد الکلب نجس وشعرہ طاهر وهو المختار اھ لان نجاسة جلدہ مبنیۃ علی نجاسة عینہ فقد اتفق القول بنجاسة عینہ والقول بعدمہا علی طہارۃ شعرہ اھ (رد المختار صفحہ ۱۳۶ جلد اول) ان اقوال سے ثابت ہوا کہ حنفیہ کے یہاں ایک قول کتے کے نجس العین ہونے کا بھی ہے اس قول پر نہ اس کی کھال پاک ہے نہ اس کو ساتھ لے کر نماز پڑھنا جائز ہے نہ ذبح کرنے اور دباغت دینے سے جلد پاک ہوتی ہے نہ اس کے بال پاک ہیں چنانچہ البحر الرائق میں مصرح ہے لہذا اس قول کی بنا پر تو بے پوری صاحب کچھ کہہ نہیں سکتے۔ اور یہ اختلاف اس بنا پر ہوا کہ احادیث مختلف اور آپس میں ایک

دوسرے کے معارض ہیں قرآن اور احادیث صحیحہ نے شکاری کتے پالنے کی اجازت دی ہے، اسی طرح کھیتی کی حفاظت کے لئے کتے پالنے کی اجازت ہے اسی طرح بکریوں وغیرہ کی حفاظت کے لیے پالنے کی اجازت ہے۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اتخذ کلبا الا کلب صید او زرع او ماشیۃ انتقص من اجرہ کل یوم قیراط رواہ الجماعة اھ (منتقى الاخبار)

عن سفیان بن ابی زہیر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من اقتنی کلبا لا یغنی عنہ زرعاً ولا صرعاً نقص من عمل کل یوم قیراط متفق علیہ (منتقى الاخبار)

عن عبد اللہ بن المغفل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لولا ان الکلاب امة من الامم لامرت بقتلہا فاقتلوا منها الاسود البہیم رواہ الخمسة وصححہ الترمذی (منتقى الاخبار)

یہ صحاح ستہ کی حدیثیں ہیں ان سے کتے کے پالنے کی اجازت ثابت ہے بشرطیکہ کسی حاجت اور غرض کے لیے پالا جائے ورنہ اس کے عمل کا ثواب ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔ اگر کتا نجس العین ہوتا تو آنحضرت کبھی بھی پالنے کی اجازت نہ فرماتے جو لوگ نجس العین نہیں مانتے انہیں جیسی احادیث سے استدلال کرتے ہیں اور یہی زیادہ صحیح ہے اور اکثر حنفیہ اسی پر عامل ہیں۔ ولکننا نقول الانتفاع بہ مباح حالۃ الاختیار فلو کان عینہ نجسا لما ابیح الانتفاع بہ وذكر ایضا فی کتاب الصيد فی مسئلۃ بیع الکلب فی التعلیل قال وبهذا یتبین انه لیس بنجس العین اھ وقال فی البدائع والصحیح انه لیس بنجس العین وکذا صححہ فی موضع اخر وقال انه اقرب القولین الی الصواب اھ ولذا صحح فی الہدایۃ طہارۃ عینہ وتبعہ شارحوہا کالاتصانی والکاکی والسغناقی والذی یقتضیہ عموم ما فی المتون کالقدوری والمختار وطہارۃ عینہ ولم یعارضہ ما

یوجب نجاستها فوجب احقیة تصحیح عدم نجاستها الا تری انه ینتفع به حراسة واصطیادا قد صرح فی عقد الفوائد شرح منظومه ابن وهبان بان الفتوی علی طهارة عینہ ۱۵ (بحر الرائق صفحہ ۱۰۱ جلد ۱) غرض ان دلائل صحیحہ سے اس کی طہارت ثابت ہے اور یہی صحیح ہے پس اگر کوئی شخص کہتے کہ بچے کو لے کر نماز پڑھے بشرطیکہ اس کا منہ بندھا ہوا ہو اس کی نماز ان احادیث کی بنا پر جائز ہے۔ اگر مولوی صاحب میں ہمت ہے تو اس کے خلاف میں کوئی حدیث پیش کریں جس سے یہ ثابت ہو کہ نماز ایسی حالت میں جائز نہیں ورنہ خاموش ہو کر بیٹھ رہیں۔ دوسری دو روایتیں ہیں جن میں کہتے کہ بیچنے اور اس کی قیمت کو منع فرمایا ہے مگر رائج اور قوی اول ہی ہے۔

اعتراض ۱۵

سور کی کھال بھی دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔ منیہ ص ۴۷ (حقیقت الفقه ص ۲۰۳ مسئلہ نمبر ۲۶۵)

نوٹ منیۃ المصلیٰ کی شرح حللی کبیر مطبوعہ لاہور ص ۱۳۵ میں تصریح موجود ہے کہ یہ صرف امام ابو یوسفؒ کا قول ہے ان کا مذہب نہیں ہے اس کے علاوہ فقہ کی دیگر کتابوں میں بھی موجود ہے مگر جے پوری صاحب نے اس بات کا ذکر نہیں کیا اور اسے حنفی مذہب بنا کر پیش کر دیا۔

جواب

جے پوری صاحب نے خود اس سے اوپر والے یعنی مسئلہ نمبر ۲۶۳ میں در مختار ج ۱ ص ۱۰۲ کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ سور کی کھال کے سوا ہر جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے جب فقہ حنفی کا یہ مسئلہ در مختار میں لکھا تھا تو پھر اعتراض کیوں کیا۔ صرف عوام کو مغالطے میں ڈالنا ہے اور کچھ نہیں۔ غیر مقلدین کے نزدیک سور کے گوشت کے علاوہ سور کی اور کوئی چیز نپاک ہی نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

امام شوکانی اور نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد کے نزدیک بجز گوشت سور کے اور کوئی چیز اس کی نپاک ہی نہیں شوکانی نے نجاستوں میں صرف گوشت سور کو شمار کیا ہے چنانچہ درر بہیہ میں فرماتے ہیں ولحم خنزیر نواب صاحب اس کی شرح میں فرماتے ہیں الدلیل علیٰ نجاست ماقد منا قریبا من الایۃ الکریمۃ ۵۱ (الروضۃ الندیہ صفحہ ۱۲) کہ سور کے گوشت کے نپاک ہونے کی دلیل ہم قریب ہی بیان کر چکے ہیں جو آیت شریفہ ہے۔ اس سے قبل پانچویں سطر میں آیت کے مضمون کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ والظاہر رجوعہ الی القرب وهو لحم الخنزیر الا مراد الضمیر ولہذا اجر منا ہہنا بنجاستہ لحم الخنزیر ۵۱ (الروضۃ الندیہ صفحہ ۱۲) کہ چونکہ ضمیر مفرد ہے اس بنا پر ظاہر یہی ہے کہ اقرب کی طرف راجع ہے جو لحم خنزیر ہے اسی لیے ہم اس جگہ پر سور کے گوشت کے نجس و نپاک ہونے کے قائل ہوئے باقی اور کوئی چیز اس کی نپاک نہیں ہے۔ نواب نور الحسن خاں غیر مقلد لکھتے ہیں۔

۹ پس دعوائے نجس ہمیں بودن سگ و خنزیر برو پلید بودن خردوم مسفوح و حیوان مردار ناتمام است آرے کل لحم اہلہا و آشامیدن خمر حرام است و نیست ملازمت میان حرمت و نجاست آرے ہر نجس حرام است نہ ہر حرام نجس اھ۔ (عرف الجادی صفحہ ۱۰) گو فارسی ہے مگر عام ناظرین کے سمجھنے کے لیے اس عبارت کا ترجمہ کیے دیتا ہوں۔ فرماتے ہیں۔

”پس کتے اور سور کے اور شراب و خون مسفوح کے اور مرے ہوئے جانور کے نپاک و نجس عین ہونے کا دعویٰ کرنا صحیح نہیں ہے ہاں ان دونوں کا گوشت کھانا اور شراب پینا بے شک حرام ہے لیکن حرمت و نپاکی میں لزوم نہیں۔ جو چیز نپاک ہے، وہ حرام ضرور ہے مگر ہر ایک حرام چیز نپاک نہیں ہوتی۔“

یہ قول تو با آواز دہل کہہ رہا ہے کہ سور کا کوئی جز بھی نپاک نہیں حتیٰ کہ اس کا گوشت بھی نپاک نہیں صرف حرام ہے اور حرام اور نجس میں زمین و آسمان کا فرق ہے مولوی محمد یوسف جے پوری کو خاص طور پر اس کی طرف توجہ کرنی

چاہیے کہ ان کے الہدیت بھائی خنزیر و کتے دونوں کو نپاک نہیں کہتے۔ نواب صدیق حسن خاں فرماتے ہیں۔

ہم چنیں استدلال بر نجاست خنزیر بلفظ ر جس کما۔ یعنی نیست چہ مراد بر جس چنا کہ گوشت حرام است نہ نجس و دور دو آیت در تحریم اکل است نہ در نجاست و میان تحریم و نجاست تلازم نیست۔ بسیار است کہ یک شے حرام و طاہری بود چنانکہ در حرمت علیکم امہاتکم و نحو آل بودہ است و ہمیں است حل استدلال بغسل آئینہ اہل کتاب کہ در ان خوک پزند کہ آن بنا بر تحریم اکل و شراب است نہ بنا بر نجاست و این حکم دیگر است مقصود شارع نیست اھ۔ (بدور الابلہ صفحہ ۱۶)

اسی طرح لفظ ر جس سے سور کے نپاک ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں بلکہ ر جس سے مراد حرام ہے نہ نپاک چنانچہ ماسبق میں گزر چکا ہے اور آیت کھانے کے حرام ہونے میں نازل ہوئی ہے، نپاک ہونے کے بارے میں نہیں۔ اور تحریم و نجاس میں لزوم نہیں ہے بسا اوقات ایک شے حرام ہونے کے ساتھ ساتھ پاک بھی ہوتی ہے چنانچہ آیت علیکم امہاتکم وغیرہ میں ہے اور یہی حال اس حدیث سے استدلال کا ہے جس میں آنحضرت نے اہل کتاب کے برتنوں کے دھونے کا حکم دیا ہے جن میں وہ سور پکایا کرتے تھے کہ وہ حکم اس کی نجاست کی بنا پر نہ تھا کیونکہ یہ حکم دوسرا جو شارع علیہ السلام کا مقصود نہیں بلکہ وہ حکم اکل و شرب کی تحریم کی بنا پر تھا۔

نواب صدیق حسن خان کا ایک اور حوالہ :

و اگر تنزلاً بہ تقدیر احتمال دویم محتمل از برائے احتجاج در محل نزاع منتہض نباشد اھ (بدور الابلہ صفحہ ۱۶) اور اگر احتمال کے طریق پر چلیں (کہ ممکن ہے نجاست کی وجہ سے دھونے کا حکم فرمایا ہو) تو جو دلیل محتمل ہو محل نزاع میں قابل استدلال نہیں ہے۔

ناظرین ان عبارتوں کو دیکھ کر کیا کوئی عاقل انکار کر سکتا ہے کہ نواب

صاحب وغیرہ سور کی طہارت کے قائل نہیں ہیں۔ اسی طرح نواب صاحب نے دلیل الطالب فی ارنج المطالب کے صفحہ چار سو چالیس ۴۴۰ میں بیان کیا ہے۔ مولوی وحید الزماں صاحب غیر مقلد نے ان سے بھی بڑھ کر مکمل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ سور تو سور اس کا لعاب بھی پاک ہے اگر کسی برتن میں سور یا کتے نے منہ ڈالا دیا تو وہ نپاک نہیں ہوتا۔ والحق عدم النجاسة والا مر بالغسل تعبدی اولما فیہ من السمیۃ اھ (ہدیہ المہدی صفحہ ۳۷) نجس نہ ہوتا ہی حق ہے۔ مولوی وحید الزماں فرماتے ہیں، اسی پر بس نہیں امام بخاری بھی اسی کے قائل ہیں۔

واختارہ البخاری وغیرہ من اصحابنا اھ (ہدیہ المہدی صفحہ ۳۷) جے پوری صاحب مولف حقیقت الفقہ اب آنکھیں کھول کر ملاحظہ فرمائیے یہ کیسے راز ہیں یہ کیا غضب ہو گیا کہ امام بخاری تک اس کے قائل ہو گئے۔ اب فرمائیے کہ امام ابو یوسف پر کیا اعتراض ہے آپ کے اہل حدیث کے یہاں تو سور اپنے تمام اجزاء کے ساتھ پاک ہے۔ اگر کوئی شخص اس کو اٹھالے یا اس کی کھل کی جائے نماز بنائے یا لباس بنا کر پہن لے اور نماز پڑھے تو سب جائز ہے۔ عقل مند امام ابو یوسف صاحب سور کو نپاک کہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اگر اس کے چمڑے کو دباغت دے کر پاک کر لیا جائے تو جانماز بنانا جائز ہے بغیر دباغت کے جائز نہیں اور آپ کے یہاں تو مکمل پاک ہے اور بغیر دباغت کے اس کے چمڑے کا استعمال جائز ہے دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

امام ابو یوسف کے دلائل

اب امام ابو یوسف کی دلیل سنئے عن عبد اللہ ابن عباس قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقول اذا دبغ الاھاب فقد طھر (مسلم شریف) عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس وقت چمڑے کو دباغت دی جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔ جے پوری صاحب، امام ابو یوسف اس حدیث پر عمل کرتے ہیں آنحضرت نے کسی

چڑے کی تخصیص نہیں کی بلکہ عام طور پر فرما دیا کہ چڑا دباغت کیا ہوا پاک ہوتا ہے کوئی بھی چڑا ہو اور کسی وقت بھی دباغت کیا جائے عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ورواہ مسلم ایما اہاب دبغ فقد طہر رواہ الترمذی وصححہ ورواہ مسلم بلفظ اخر اھ (فتح القدیر صفحہ ۸۱ جلد اول) آنحضرت فرماتے ہیں کوئی سا بھی چڑا ہو جب دباغت کیا جائے تو بیشک پاک ہو جاتا ہے اس حدیث کو ترمذی نے روایت کر کے اس کی تصحیح کی ہے جے پوری صاحب یہ تو ان کتابوں کی حدیثیں ہیں جن کو آپ معیار اسلام فرماتے ہیں حنفی ان احادیث پر عمل کرتے ہیں اور آپ نے اور آپ کے بھائی ہندوں نے ان کو پس پشت ڈال دیا ہے کہ بغیر دباغت کے بھی اس کو طاہر کہتے ہیں جب سور کے تمام اجزا ہی آپ کے نزدیک پاک ٹھہرے تو آپ لوگوں کو دباغت کی کیا ضرورت ہے۔

عاشق ہوئے ہیں یار کے ہم کس امید پر

جزا و نارسا کوئی سلمان ہی نہیں

مولوی محمد یوسف غیر مقلد جے پوری مؤلف حقیقت الفقہ بھی ان احادیث کے منکر ہیں اس لیے مسائل مذکورہ کو اعتراضاً "عوام کے بہکانے کے واسطے پیش کیا ہے جن کی حقیقت ناظرین نے معلوم کر لی۔ دیکھئے اور غور سے دیکھئے کہ آپ لوگوں کا اجتہاد و قرآن و حدیث دونوں کے خلاف واقع ہوا اور اس نے سور کو پاک کر دیا اور امام ابو یوسف کا اجتہاد قرآن و حدیث کے موافق کہ خنزیر کو نپاک بھی کہتے ہیں کیونکہ قرآن نے اس کو نجس قرار دیا ہے اور اس کے چڑے کو دباغت کے بعد پاک کہتے ہیں کیونکہ حدیث صحیح نے اس کو پاک کہا ہے اس کو عمل بالقرآن و الحدیث کہتے ہیں اور انہیں وجوہ سے فقہ کو قرآن و حدیث کا عطر کہا جاتا ہے کہ اس کا کوئی مسئلہ قرآن و حدیث کے صراحتاً مخالف نہیں ہے لیکن اس سے مجبوری ہے کہ

گر نہ بسند بروز شیرہ چشم
چشمہ آفتاب را چہ گناہ

امام ابو یوسف کا مذہب

اب اور سنئے کہ یہ امام ابو یوسف کا مذہب نہیں ہے بلکہ ایک روایت ان سے منقول ہے کہ سور کا چڑا دباغت کے بعد پاک ہو جاتا ہے ان کا مذہب بھی یہی ہے کہ خنزیر نجس العین ہے دباغت سے بھی پاک نہیں ہوتا ہر چیز میں نجاست موجود ہے وہ کسی طرح دور نہیں ہو سکتی۔ ملاحظہ فرمائیں

۱۔ وفی المبسوط روی عن ابی یوسف انه يطهر بالدباغ وفی ظاہر الروایة لا يطهر اما لانه لا یحتمل الدباغ او لان عینہ نجس اه (البحر الرائق صفحہ ۱۰۱ جلد ۱)

۲۔ وفی المبسوط واما جلد الخنزیر فقد روی عن ابی یوسف انه يطهر بالدباغ ایضا وفی ظاہر الروایة انه لا یحتمل الدباغ فان له جلودا مترادفة بعضها فوق بعض کالآدمی وانما لم يطهر لعدم المطهر وهو الدباغ اه (کفایہ مصری جلد اول صفحہ ۸۲) الا فی روایة عن ابی یوسف ذکرها فی المنیة اه (رد المحتار صفحہ ۱۳۳ جلد ۱)

۳۔ وروی عن ابی یوسف ان الجلود کلها تطهر بالدباغ لعموم الحدیث اه (بدائع جلد اول صفحہ ۸۲)

یہ حنفیوں کی کتابوں کی عبارتیں ہیں جے پوری صاحب ان کو غور سے ملاحظہ فرمائیں سب میں تصریح ہے کہ امام ابو یوسف سے صرف ایک روایت ہے کہ خنزیر کا چڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہے ورنہ ان کا مذہب یہی ہے کہ پاک نہیں ہوتا۔ آپ نے یہ دھوکہ دیا ہے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد تینوں کا یہ مذہب ہے کہ خنزیر نجس العین ہے اس کے تمام اجزاء موت و زندگی میں ناپاک ہیں اس کے چمڑے پر نماز درست نہیں اس کی بیع و شرا جائز نہیں۔ لہذا حقیقت الفقہ میں جے پوری صاحب نے جو مسئلہ پیش کیا ہے بالکل غلط اور عوام کو دھوکہ دینا ہے جو الہدایت ہونے کے زیبا نہیں ہے۔ آپ نے روایت مذہب کو یا تو اپنے قصور فہم کی وجہ سے ایک سمجھا ہے یا دیدہ و دانستہ عوام کو برا لگیئے

کرنے کے واسطے ایسا کیا اور اس قول کو پس پشت ڈال دیا۔ ع مائل حدیثیم و غا
رانہ شائیم۔

فقہ حنفی کا مفتی بہ قول کہ سور نجس عین ہے

۱۔ اب وہ عبارتیں ملاحظہ فرمائیں جو آپ کو یہ بتلائیں گی کہ حنفیوں کے مذہب
میں سور اپنے تمام اجزاء کے ساتھ نجس و ناپاک ہے تا کہ کسی طرح کا وہم باقی نہ
رہے۔ ثم قول الکرخی الا جلد الانسان والخنزیر جواب ظاہر قول
اصحابنا (الی ما نقلته اولاً) والصحیح ان جلد الخنزیر لا یطهر
بالدباغ لان نجاسته لیست لما فیہ من الدم والرطوبة بل هو نجس
العین فکان وجود الدباغ فی حقہ والعدم بمنزلة واحدة وقیل ان
جلده لا یحتمل الدباغ لان له جلوداً مترادفة بعضها فوق بعض کما
للآدمی ۱۵ (بدائع صفحہ ۸۶ جلد اول) ہمارے تینوں اماموں کا ظاہر قول یہی ہے کہ
کہ سور نجس العین ہے و باغت دینے سے اس کا چمڑا پاک نہیں ہوتا کیونکہ اس کی
نپاکی اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس میں خون اور رطوبات پائے جاتے ہیں بلکہ وہ تو
سر سے لے کر پیر تک نپاک ہی نپاک ہے پس و باغت کا وجود وعدم دونوں یکساں
ہیں لہذا و باغت سے کچھ فائدہ نہیں اور وہ پاک نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بعض نے اس
کی علت یہ بھی بیان کر دی کہ اس کے چمڑے میں تہ بہ تہ ہونے کی وجہ سے
و باغت اپنا اثر ہی نہیں کرتی غرض کوئی بھی صورت ہو سور پاک نہیں ہو سکتا۔
۲۔ اس سے قبل صاحب بدائع فرماتے ہیں۔

ومنها الدباغ للجلود النجسة فالدباغ تطهير للجلود کلها الا
جلد الانسان والخنزیر کذا ذکر الکرخی ۱۵ (صفحہ ۸۵) کہ و باغت چمڑوں
کو پاک کر دیتی ہے لیکن انسان اور سور کے چمڑے کو نہیں کرتی۔ چنانچہ امام کرخی
نے ذکر کیا ہے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے مذہب سے کرخی
طحاوی وغیرہ زیادہ واقف ہوتے ہیں اور ہمیشہ مذہب ہی کو نقل کرتے ہیں۔

۳۔ خلا جلد خنزیر فلا یطهر (در مختار) ای لانہ نجس العین بمعنی

ان ذاتہ بحمیع اجزائہ نجسۃ حیا ومینا فلیست نجاستہ لما فیہ من الدم کنجاسة غیرہ من حیوانات فلذا لم یقبل التطہیر فی ظاہر الروایۃ عن اصحابنا (روالمختار جلد اول صفحہ ۱۳۳) سور کا چڑا پاک نہیں ہوتا کیونکہ وہ نجس العین ہے یعنی اس کی ذات زندگی و موت کی حالت میں اپنی تمام اجزاء کے اعتبار سے نپاک ہے اس کی نپاکی دوسرے جانوروں کی طرح خون کی وجہ سے نہیں ہے اسی بنا پر ہمارے ائمہ کے ظاہر مذہب میں وہ پاکی کو قبول نہیں کرتا۔

۴۔ واما الخنزیر فجميع اجزائه نجسة کذا فی الاختیار شرح المختار ۱ھ (فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۲۵ جلد اول) خنزیر کے تمام اجزاء نپاک ہیں چنانچہ اختیار میں مصرح ہے۔

۵۔ کل اهاب دبغ فقد طهر الا جلد الآدمی والخنزیر کذا فی الزاہدی ۱ (عالمگیری صفحہ ۲۵) تمام چمڑے دبغت سے پاک ہو جاتے ہیں مگر انسان اور خنزیر کا چمڑا پاک نہیں ہوتا۔ چنانچہ زاہدی میں تصریح ہے۔

۶۔ وشعر الخنزیر اذا وقع فی الماء یفسدہ لانہ نجس العین ۱ھ (فتاویٰ قاضی خاں جلد اول صفحہ ۱۰) سور چونکہ نجس العین ہے اس لیے اس کے بال اگر پانی میں گر پڑیں تو پانی نپاک ہو جاتا ہے۔

۷۔ وکل اهاب دبغ فقد طهر وجازت الصلوة فیہ والوضوء منہ الا جلد الخنزیر والآدمی بخلاف الخنزیر لانہ نجس العین اذا لہاء فی قوله تعالیٰ فانہ رجس منصرف الیہ لقربہ ۱ھ (ہدایہ)

۸۔ قلنا جلد الخنزیر لا یندبغ فلا یطهر لان شعرہ غلیظ ینبت من لحمہ ولانہ نجس العین کالخمر ۱ھ (کفایہ جلد اول صفحہ ۸۱)

۹۔ بخلاف جلد الخنزیر فانہ لا یطهر بالدباغ لنجاسة عینہ ۱ھ (عنایہ ج ۱ ص ۸۲)

۱۰۔ الا جلد الخنزیر والآدمی (کنز) لنجاسة عینہ (البحر الرائق ص ۲۰۰)

جے پوری صاحب ان عبارتوں کو ملاحظہ فرمائیں۔ کنز الدقائق، بحر الرائق، بدائع، ہدایہ، عنایہ، کفایہ، قاضیخان، عالمگیری، درمختار، شامی، وں کتابوں سے میں نے اقوال نقل کیے ہیں سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ حنفیہ کا مذہب ہے کہ خنزیر نجس العین ہے اس کے تمام اجزاء نپاک ہیں اس کا چمڑا دباغت سے پاک نہیں ہوتا۔ یہی مذہب امام ابو حنیفہ امام ابو یوسف امام محمد کا ہے۔ روایات فقہیہ اور بھی نقل کر سکتا ہوں۔ لیکن حق کی اتباع کے واسطے یہ کفنی ہے یہیں سے مولوی محمد یوسف جے پوری کی دھوکہ بازی ظاہر ہو گئی جو انہوں نے اس مسئلہ میں کی ہے۔

ایک بات اور سن لیجئے کہ گو حدیث تمام جلود کو شامل ہے جس میں جلد خنزیر بھی آجاتی ہے لیکن حنفیہ نے خنزیر کے چمڑے کو اس سے علیحدہ کیا ہوا ہے وجہ یہ کہ قرآن شریف کی آیت کے معارض ہے ولحم الخنزیر فانه رجس کہ خنزیر کا گوشت بھی حرام ہے کیونکہ خنزیر نپاک ہے۔ ظاہراً ضمیر اقرب کی طرف راجع ہے اور ضمیر کے قریب تر خنزیر ہے خنزیر کے اعتبار سے لحم بعید ہے اور اس کو نواب صدیق حسن خان غیر مقلد بھی تسلیم کر رہے ہیں کہ ضمیر اقرب کی طرف راجع ہے مگر انہوں نے لحم کو اقرب قرار دیا ہے اور ہم خنزیر کو اقرب قرار دیتے ہیں جس پر مشاہدہ شاہد ہے اور ظاہری بصارت گواہ ہے اور مضاف الیہ کی طرف ضمیر کا رجوع بغیر انکار شائع ہے کلام عرب بلکہ قرآن و حدیث میں اس کے نظائر موجود ہیں گو مضاف کی طرف بھی ضمیر راجع ہوتی ہے لیکن موضوع احتیاط میں طریق احتیاط کو اختیار کیا جاتا ہے اور وہ اسی صورت میں ہے جو حنفیوں نے اختیار کی ہوئی ہے پس حدیث مذکور کو چونکہ قرآن شریف کی آیت کے خنزیر کے بارے میں معارض ہے اور قرآن شریف کی آیت قطعی اور حدیث مذکور خبر واحد ظنی ہے لہذا جلد خنزیر میں قرآن کی آیت کو مقدم رکھا جائے گا۔ اور خنزیر کے علاوہ حدیث دوسرے جلود پر محمول ہوگی۔ اس طرح قرآن و حدیث دونوں پر

عمل ہو جائے گا اور آپ کے یہاں تو قرآن و حدیث دونوں کو چھوڑ دیا گیا۔ خنزیر بھی طاهر اور اس کے تمام اجزاء طاهر بلکہ گوشت بھی پاک اور لعاب بھی پاک ہے چنانچہ عبارتیں نقل کر چکا ہوں لہذا سچ سچ فرمائیے کہ قرآن و حدیث پر کون عامل ہے؟ اس کو تحقیق کہتے ہیں اور اس کا نام اجتہاد صحیح ہے۔ جیسے پوری صاحب اسے غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

اعتراض ۱۶

اسی اعتراض سے ملتا جلتا ایک اور اعتراض بھی ملاحظہ فرمائیں۔

غیر مقلدین کے مشہور عالم دین مولوی عبد الجلیل سامرودی اپنی کتاب عذاب مہین صفحہ ۲۱ میں لکھتے ہیں۔

ذرا در مختار کتاب الصيد کو ملاحظہ فرمائیں۔ والخنزیر لیس بنجس العین عند ابی حنیفہ یعنی ابو حنیفہ کے نزدیک سور نجس العین نہیں۔ یہ اعتراض مولانا جونا گڑھی نے بھی کیا ہے ملاحظہ فرمائیں سیف محمدی ص

۱۳۶ مسئلہ نمبر ۵۰۔

Www.Ahlehq.Com

جواب

ناظرین صاحب در مختار بیان کرتے ہیں فلاں فلاں جانور سے شکار کرنا جائز ہے جس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ جانور نجس العین نہ ہو اگر نجس العین ہوگا تو اس سے شکار جائز نہیں۔ فلا بنخنزیر لجناسۃ عینہ اھ (در مختار کتاب الصيد) لہذا خنزیر سے شکار کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ نجس العین ہے پھر بیان کرتے ہیں کہ اس قاعدہ کی بنا پر جو لوگ کہتے کہ نجس العین کہتے ہیں اور ان کے نزدیک کہتے کہ ذریعہ سے بھی شکار کرنا جائز نہ ہو گا۔ وعلیہ فلا یجوز بالکلب علی القول بنجاسۃ عینہ (در مختار) اس کے بعد صاحب در مختار فرماتے ہیں چونکہ نص کہتے کہ شکار کے جواز میں وارد ہو چکا ہے اس لیے اس کا اتباع ضروری ہے اور اس پر کسی دوسری نجس العین چیز کو قیاس نہیں کیا جائیگا۔ الا ان یقال ان النص ورد

فیه فتنہ اھ (در مختار) وهو قوله عليه الصلوة والسلام لعدي بن حاتم اذا ارسلت كلبك واذكر اسم الله تعالى فان امسك عليك فادر كنهه قد قتل ولم ياكل منه فكله فان اخذ الكلب ذكوة رواه البخاري ومسلم واحمد اھ (رد المختار صفحہ ۳۰۸ جلد ۵) چونکہ بخاری و مسلم کی یہ حدیث جواز شکار میں وارد ہو چکی ہے اس لیے کہتے کے شکار کو جائز کہا جاتا ہے اور خنزیر کے بارے میں نص جواز شکار وارد نہیں ہوا بلکہ اس سے بچنے اور پرہیز کرنے کا حکم ہے لہذا خنزیر کو کتے پر قیاس نہیں کر سکتے صاحب در مختار ان لوگوں کے قول کو رد کرتے ہیں جنہوں نے خنزیر کو کتے کے ساتھ جواز شکار میں لاحق کر دیا اور خنزیر کو نجس العین ہونے سے نکال دیا۔ وہ یتدفع قول القہستانی ان الكلب نجس العین عند بعضهم والخنزیر نجس العین عند ابی حنیفۃ علی ما فی التجرید وغیرہ فتامل اھ (در مختار) کہ ہم نے جو تقریر کی ہے اس سے قسمانی کا قول رد ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ بعض کے نزدیک کتا نجس العین ہے اور اس سے شکار جائز ہے اور خنزیر ابو حنیفہ کے نزدیک نجس العین نہیں تو اس سے شکار کیوں جائز نہیں۔

در مختار کی تقریر یہی تھی کہ کتے کے بارے میں نص وارد ہو چکا اس لئے اس کا شکار جائز ہے وجہ الاول ان الكلب و ان قیل بنجاسة عينه لكن لما ورد النص فيه بخصوصه وجب اتباعه اھ (رد المختار صفحہ ۳۰۸ جلد ۵) اور خنزیر کے بارے میں نص وارد نہیں ہوا اس لیے کہتے پر قیاس کر کے اس کے شکار کو جائز نہیں کر سکتے۔ والوجه الثانی ان الخنزیر دخل ظاهرا فی عموم قوله تعالى وما علمتم من الجوارح لکنہ مستثنی لحرمة الانتفاع بنجس العین وما ورد به النص بخصوصه حتی يتبع بل امرنا باجتنابه فلا یصح قیاسه علی الكلب المنصوص علیہ ولذا اجزم باستثنائه المصنف كالهدایة والتبیین والبدائع والاختیار اھ (رد المختار جلد خامس صفحہ ۳۰۸) خنزیر سے نجس العین ہونے کی بنا پر نفع اٹھانا حرام

ہے لہذا اس کے ذریعہ شکار کرنا بھی حرام ہے۔

ناظرین درمختار والے تو ان لوگوں کا رد کرتے ہیں جنہوں نے امام ابو حنیفہ کی طرف یہ منسوب کیا تھا کہ ان کے نزدیک خنزیر نجس العین نہیں ہے درمختار والے کہتے ہیں کہ امام صاحب کے مذہب میں خنزیر نجس العین ہے نہ ہونے کا قول غلط ہے۔ نعم فاتہ الجواب عن قول القہستانی والخنزیر لیس بنجس العین لکن ترکہ لظہور ان المذہب خلافہ والتعلیل بنجاسة عینہ مبنی علی ما هو المذہب نامل (رد المحتار جلد خامس صفحہ ۳۰۸)

لہذا یہ کہنا کہ درمختار میں نجس العین نہ ہونے کا قول بیان کیا ہے اور یہ ابو حنیفہ کا قول ہے غلط محض ہے صرف عوام کو دھوکہ دینا مقصود ہے اور کچھ نہیں۔

حنفی مذہب میں سور نجس العین ہے

ناظرین اب چند عبارتیں اور آپ کے سامنے کتاب الصيد کی پیش کیے دیتا ہوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ حنفی خنزیر کو نجس العین کہتے ہیں اور یہی ظاہر روایت ہمارے ائمہ سے منقول ہے اور یہی حنفیوں کا مذہب ہے۔

(۱) ومنها ان لا یكون ذو الناب الذی یصطاد به من الجوارح محرم العین فان کان محرم العین وهو الخنزیر فلا یوکل صیدہ لان محرم العین محرم الانتفاع به والاصطیاد به انتفاع به فکان حراما فلا یتعلق به الحل۔ وقد قال اصحابنا جمیعا کل ذی مخلب وذی ناب علم قتلعلم ولم یکن محرم العین فصید به کان صیدہ حلالا لعموم قوله عز شانه وما علمتم من الجوارح اه (بدائع صفحہ ۵۸ جلد ۵)

(۲) اطلقهما فتمل الخنزیر ولکنہ مستثنی لانہ نجس العین یكون الانتفاع به محرما کما فی المنبع ننهی حاشیہ الدرر علی الغرر جلد اول صفحہ ۱۶۶)

(۳) والخنزیر مستثنی من ذلک لانہ نجس العین اه (تکملہ بحر الرائق صفحہ ۲۲۱)

یہ تین عبارتیں ہیں اور ان سے قبل بھی کچھ نقل ہو چکی ہیں سب اس پر دال ہیں کہ خنزیر نجس العین ہے۔

اعتراض ۱۷

سور نجس العین نہیں ہے (ابو حنیفہ) جب یہی نجس العین نہیں تو نہ معلوم پھر کون ہوگا۔ در مختار جلد ۵ ص ۲۷۱۔ (حقیقت الفقہ ص ۲۰۲ مسئلہ نمبر ۲۳۹)

جواب

اس اعتراض کا مفصل جواب اعتراض نمبر ۱۶ میں گذر چکا ہے یہاں پر مختصر نقل کرتے ہیں۔

جے پوری صاحب آپ فرمائیں کہ آپ کے نزدیک سور کیسا ہے پاک ہے یا نپاک جو صورت اختیار کریں اس کے واسطے صریح صحیح حدیث صحاح ستہ کی پیش کریں۔ آپ کے بنوں کے نزدیک تو اس کا لعب تک پاک ہے جس پر کوئی دلیل شرعی نہیں۔ دیکھئے جواب اعتراض ۱۶۔

دوسرے یہ یاد رکھئے کہ نپاک اور نپاک عین ہونے میں فرق ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے فرض کر لیں کہ امام صاحب کے نزدیک نجس العین نہیں۔ لیکن نپاک تو ہے آپ کہئے کہ آپ کے یہاں تو پاک ہے کہاں پاک اور کہاں نپاک دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

تیسرے میں پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ ہمارے تینوں اماموں سے ظاہر روایت میں اس کا نجس العین ہونا منقول ہے اور قستانی کے قول کی تردید در مختار والوں نے کر دی ہے جہاں سے آپ نے نقل کیا ہے وہیں اس کا جواب موجود ہے۔

۴۔ ایک اور بات سن رکھئے کہ حنفیہ کے یہاں قستانی کی نقل قابل اعتبار نہیں خصوصاً اس وقت کہ محققین کے نقول اور تصریحات کے خلاف ہو اور یہاں ایسا ہی ہے چنانچہ معلوم ہو چکا ہے حنفیہ نے تصریح کی ہے۔

او لعدم الاطلاع على حال مولفها كشرح الكنز لملا

مسکین و شرح النقایۃ للقهستانی الخ (رد المختار جلد اول نقلاً عن شرح
الاشباہ صفحہ ۵۰)

وقال المولى عصام الدين فى حق القهستانی انه لم يكن من
تلامذة شيخ السلام الهروى لا من عليهم اداينهم وانما كان دلال
الكتب فى زمانه ولا كان يعرف الفقه ولا غيره بين اقرانه وبويده انه
يجمع فى شرحه هذا بين الغث والسمين والصحيح والضعيف من
غير تصحيح ولا تدقيق فهو كحاطب اليل جامع بين الرطب
واليابس فى اليل وهو العوارض فى ذم الروافض اهـ (النافع الكبير صفحہ ۱۱۹)
قستانی کی روایت وہیں معتبر ہوتی ہے جہاں محققین احناف نے اس کے
خلاف کی تصریح نہ کی ہو۔ لہذا قستانی کے قول کو پیش کرنا علم فقہ سے مس نہ
ہونے کی دلیل ہے۔

ملا علی قاری مکی حنفی مختصر وقایہ کی شرح میں فرماتے ہیں۔ واستثنی
الخنزیر فان الاصطیاد به لا یجوز بالا جماع لنجاسة عينه (شرح
مختصر وقایہ لعلی قاری جلد ثانی صفحہ ۲۴۴ کتاب الصيد)
ملا علی قاری نے بھی صاحب جامع رموز کے قول کا اعتبار نہ کیا ورنہ اس
طرح کبھی نہ لکھتے۔

اعتراض ۱۸

کتے اور بھیڑیے کی کھال ذبح کرنے سے پاک ہو جاتی ہے۔ منیہ ص
۵۳۔

حقیقت الفقہ ص ۲۰۳ مسئلہ نمبر ۲۹۹ عذاب مہین ص ۷۸، بوئے غسلیں
ص ۴، سیف محمدی ص ۴۸، مسئلہ نمبر ۹، درایت محمدی ص ۵۲ مسئلہ نمبر ۶

اعتراض ۱۹

گدھے ذبح ہوئے کی چربی اور گوشت بالاتفاق پاک ہے۔ ہدایہ جلد ۱ ص

۱۲۷ و ۱۳۲۔ (حقیقت الفقہ ص ۲۰۳ مسئلہ نمبر ۲۶۱ درایت محمدی ص ۵۶ مسئلہ نمبر ۶)

اعتراض ۲۰

جو کھال دباغت سے پاک ہوتی ہے وہ پاک ہو جاتی ہے جانور کے ذبح سے در مختار جلد ۱ ص ۱۰۴ عالمگیری جلد ۱ ص ۳۲، ہشتی زیور حصہ ۱ ص ۷۸۔ (حقیقت الفقہ ص ۲۰۳ مسئلہ نمبر ۲۶۳، درایت محمدی ص ۵۲ مسئلہ نمبر ۶)

جواب

تینوں اعتراضوں کا جواب اکٹھا ملاحظہ فرمائیں۔

شریعت نے پاک ہونے کے لیے دو قاعدے بیان کیے ہیں ایک چمڑے کو دباغت کیا جائے تو پاک ہو جاتا ہے چنانچہ اس کی بحث گزر چکی دوسرا قاعدہ پاک ہونے کے واسطے ذبح کرنا ہے۔ اگر بکری، اونٹ، بیل، بھیڑ، دنبہ، ہرن وغیرہ کو شریعت کے قاعدہ کے مطابق ذبح کیا جائے تو پاک بھی ہو جاتا ہے اور حلال بھی ہوتا ہے اس کے پاک ہونے کی وجہ یہی ہے کہ جو نجس رطوبات اور دم مسفوح (بنے والا خون) نلپاک ہے ذبح کرنے سے نکل جاتا ہے جو قرآن اور صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ الا ما ذکبتم تمہارے لیے وہ جانور حلال و پاک ہیں جن کو تم شرعی قاعدے سے ذبح کرو۔

چونکہ جانور دو قسم کے ہیں ایک حلال، دوسرے حرام، اسی طرح ایک حلت ہے اور ایک طہارت اور ایک حرمت اور ایک نجاست۔ اگر کسی حلال جانور کو شریعت کے قاعدے سے ذبح نہ کیا جائے تو وہ حرام اور نلپاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی حرام جانور کو کسی شرعی طریق سے ذبح کیا جائے تو گو اس میں حلت نہیں ہوتی مگر دوسرا وصف جو پاکی ہے نجس رطوبات کے دور ہونے کی وجہ سے ثابت ہو جاتی ہے اس بنا پر جن جانوروں کا گوشت کھایا نہیں جاتا ان کے چمڑے ذبح کرنے سے پاک ہو جاتے ہیں اور ان پر نماز پڑھ سکتے ہیں کیونکہ ذبح کرنا اس کو

میتہ کرنا نہیں ہے ماکہ اس پر نجس ہونے کا حکم لگایا جائے۔

آنحضرت نے مردار کے چمڑے کو دباغت دینے کے بعد پاک فرمایا ہے اور اس کے واسطے طہارت کا حکم دیا ہے عن عائشة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال طہور کل ادییم دباغہ اسناد حسن کلہم ثقات اھ (دار قطنی صفحہ ۱۸ جلد اول) عن عائشة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ذکوة المیتة دباغھا اھ (دار قطنی صفحہ ۱۷) وقال دباغھا ذکوة لھا (دار قطنی صفحہ ۱۷) الا دبغتموہ فانہ ذکوة لہ (دار قطنی ص ۱۷)

آنحضرت نے ان روایات میں دباغت اور زکوة کو جس کو ذبح بھی کہتے ہیں اور طہارت بھی ایک فرمایا ہوا ہے جو فائدہ ذبح کرنے سے حاصل ہوتا ہے وہی دباغت سے حاصل ہوتا ہے۔

جس طرح دباغت کے ذریعہ سے اجزاء نجس اور رطوبات زائل ہو جاتے ہیں اسی طرح ذبح کرنے سے نجس اجزاء زائل ہو جاتے ہیں پس ایسے ذبیحہ کی طہارت میں جو نجس العین نہ ہو بنا بر روایات مذکورہ کے کوئی شک نہیں کیونکہ دونوں دباغت اور ذبح جب ازالہ رطوبات نجس میں شریک ہیں تو طہارت میں بھی شریک ہوں گے تفریق بغیر دلیل تحکم پر مبنی ہے۔

غیر مقلدین سے سوال

جن جانوروں کا گوشت نہیں کھلیا جاتا ہے اگر ان کو بسم اللہ کہہ کر شرعی طریق سے کوئی ذبح کر دے تو بے پوری صاحب فرمائیے کہ وہ نپاک رہیں گے یا پاک ہو جائیں گے اگر صورت اول ہے تو اس کے لیے کوئی صریح صحیح حدیث پیش کریں کہ وہ نپاک ہی رہتے ہیں۔ اگر پاک ہو جاتے ہیں تو آپ اپنے مذہب کے صحیح ہونے کے واسطے حدیث صحیح پیش کریں اور پھر وہی ہماری دلیل ہوگی اور آپ کا شور و غل مچانا بیکار ہوگا لیکن اس کا خیال رہے کہ عام لوگوں کو دھوکہ میں نہ ڈالیے گا کہ یہ لوگ پاک کہتے ہیں تو حلال بھی ہونا چاہیے حلال ہونا اور چیز ہے اور پاک ہونا اور شے ہے دونوں میں فرق ہے ایک چیز شرع سے پاک ہے لیکن

حلال نہیں ہوتی۔

پھر حنفیہ مطلقاً ذبح کو طہارت نہیں کہتے بلکہ اس کے لیے صحیح قول کی بنا پر ذبح شرعی کی شرط لگائی ہوئی ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان یا اہل کتاب ہو بسم اللہ کہہ کر ذبح کر لے جو محل ذبح ہے اسی پر فعل واقع ہو اگر ان میں سے ایک امر بھی مفقود ہو گا تو طہارت کا حکم نہیں دیا جائیگا۔

اسی طرح محققین حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ اس ذبح سے فقط چیز اس کا پاک ہوتا ہے باقی اور اجزا جن میں حیات حلول کیے ہوئے ہے پاک نہیں ہوتے گو ذبح کا مقتضی یہ ہے کہ گوشت بھی پاک ہو جائے لیکن اول رانج ہے ساتھ ہی ساتھ اس کی بھی تصریح ہے کہ جو جانور نجس العین ہیں وہ ذبح سے پاک نہیں ہوتے اسی طرح یہ بھی مصرح ہے کہ جن کا چمڑا دباغت کو قبول نہیں کرتا وہ بھی ذبح کرنے سے پاک نہیں ہوتے۔

امام شوکانی فرماتے ہیں

البحث عما لا یوجد فیہ نص علی قسمین احدهما ان یبحث عن دخوله فی دلالة النص علی اختلاف وجوهها فهذا مطلوب لا مکروه بل ربما کان فرضاً علی من تعین علیہ من المجتہدین ۱۵ (نیل الاوطار صفحہ ۳۲۳ جلد آٹھویں)

اعتراض ۲۱

حقیقت الفقہ ص ۲۲۳ مسئلہ نمبر ۵۲۳ و ۵۲۵ و ۵۲۶ میں ہے

زوجہ مفقودہ الخبر نوے برس انتظار کرے عالمگیری جلد ۲ ص ۸۸۲ ہدایہ جلد ۲

ص (۶۲۱)

(فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر ص ۴۳ مسئلہ نمبر ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲)

مولانا صادق سیالکوٹی فرماتے ہیں فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ میں ہے ”زوجہ مفقودہ

الخبر نوے برس انتظار کرے“

الجواب

”نوے برس انتظار کرے“ کے الفاظ فتویٰ کے نہیں حکیم صاحب کے منکھڑت ہیں۔ فتویٰ کی اصل عبارت یہ ہے لا یفترق بینہ و بین امراتہ و حکم بموتہ بمضی تسعین سنة وعلیہ الفتوی واذًا حکم بموتہ اعتدت امراتہ عدة الوفاة من ذالک الوقت فان عاد زوجها بعد مضی المدة فهو احق بها یعنی مفقود اس کی بیوی کے درمیان قاضی تفریق نہ کرے۔ ہاں جب مفقود کی عمر نوے برس ہو جائے تو اب اس کی موت کا فیصلہ کرے اسی پر فتویٰ ہے اور فیصلہ موت کے بعد اس کی بیوی عدت وفات (چار ماہ دس دن) گزارے اور اگر نوے برس گزرنے کے بعد عورت کا خاوند اس کے نکاح ثانی سے پہلے گھر واپس آجائے تو وہ اسی کی بیوی سمجھی جائے گی (ص ۳۰۰ جلد ۲) معلوم ہوا خاوند کا ۹۰ برس کی عمر کو پہنچنا نکاح ٹوٹنے کا اصل سبب نہیں بلکہ نکاح ٹوٹنے کا اصل سبب صرف یہ ہے کہ خاوند طلاق دے یا مرجائے۔ ۹۰ برس پر فتویٰ صرف اس لیے دیا گیا ہے کہ عموماً اس عمر کا آدمی مرجاتا ہے۔ بنا بریں اگر ۹۰ برس کے بعد خاوند گھر آجائے تو یہ عورت بدستور اسی کی بیوی رہتی ہے۔ اور دوسری جگہ نکاح کرنے کی مجاز نہیں ہوتی۔ فتاویٰ عالمگیری کا یہ فتویٰ قرآن مجید کی کسی آیت یا رسول اکرم سید دو عالم ﷺ کی کسی حدیث کے ہرگز مخالف نہیں اس لیے حکیم مذکور نے بے تحاشا ہاتھ پاؤں مارنے کے باوجود اس فتویٰ کے خلاف نہ کوئی آیت پیش کی ہے نہ حدیث اور نہ ہی کسی دوسرے وہابی میں اس کے خلاف آیت و حدیث پیش کرنے کی ہمت ہے۔ ادعوا شهدائکم ان کنتم صادقین۔

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں لیکن ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

البتہ ہم فتاویٰ عالمگیری کے فتویٰ کی تائید میں آیات مبارکہ بھی پیش کر سکتے

ہیں اور احادیث شریفہ بھی ملاحظہ ہوں۔

آیت نمبر ۱۔ والمحصنات من النساء اور تم پر حرام ہیں شوہر دار عورتیں (النساء ع ۴) جن کے خاوند مفقود ہو جائیں وہ عورتیں پہلے کی طرح اب بھی شوہر دار ہیں جب تک انہیں طلاق نہیں ملتی یا خاوند نہیں مرتے تب تک وہ انہیں کے خیالہ عقد میں ہیں تو اس آیت کی رو سے ان سے نکاح درست نہیں۔

آیت نمبر ۲۔ بیدہ عقدہ النکاح نکاح کی گرہ صرف خاوند کے ہاتھ ہے (البقرہ ع ۳) مفقود الخیر بھی خاوند ہی ہے تو نکاح کی گرہ کو وہی کھول سکتا ہے۔ یعنی اس کے سوا کوئی دوسرا طلاق نہیں دے سکتا تو جب تک اس کے مرنے یا طلاق دینے کی یقینی خبر نہ پہنچے تب تک اس کی بیوی سے نکاح درست نہیں۔ کیونکہ ابھی تک نکاح سابق کی گرہ نہیں کھلی۔

حدیث نمبر ۱۔ یا ایہا الناس انما الطلاق بید من اخذ بالساق لے لوگو طلاق کا مالک صرف خاوند ہے (طبرانی فیض القدر جلد ۲ ص ۲۹۳) مفقود الخیر جب خاوند ہے تو اس کی بیوی کو اس کے سوا کوئی طلاق نہیں دے سکتا تو خاوند کی موت یا طلاق کے بغیر اس سے نکاح درست نہیں۔

حدیث نمبر ۲۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ امرأۃ المفقود امرأۃ حتی یاتیہا البیان مفقود کی عورت جب تک بیان نہ آئے (یعنی اس کی موت یا طلاق معلوم نہ ہو) اسی کی عورت ہے (بیہقی جلد ۷ ص ۴۴۵)

حدیث نمبر ۳۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مفقود کی عورت کے متعلق فرمایا کہ امرأۃ ابتلیت فلتنصبر لا تنکح حتی یاتیہا یقین موتہ وہ ایک عورت ہے جو مصیبت میں مبتلا کی گئی اس کو صبر کرنا چاہیے۔ دوسری جگہ نکاح نہیں کرنا چاہیے جب تک موت کی یقینی خبر نہ آئے (بیہقی جلد ۷ ص ۴۴۶)

حدیث نمبر ۴۔ عن ابن مسعود وافق علیا علی انہا تنتظرہ ابدًا حضرت ابن مسعود نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی موافقت کی اور فرمایا کہ

مفقود کی بیوی اس کی موت تک انتظار کرے (الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایہ

ص ۶۷۶)

Www.Ahlehaq.Com

سوال

مغیرہ بن شعبہ کی حدیث کا راوی سوار بن معصب اور محمد بن شریک دونوں ضعیف ہیں (بیہقی ص ۴۴۵، درایتہ ص ۲۷۶، فتح القدیر جدید ص ۴۷۲ جلد ۵)

جواب

جب تحقیق بالا سے معلوم ہو گیا کہ مغیرہ بن شعبہ کی حدیث کا مضمون آیات قرآنیہ کے اور حدیث نمبر ۱-۳-۴ کے موافق ہے تو سند کے بعض رواۃ کے ضعیف ہونے سے مضمون حدیث ضعیف نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ترمذی جلد ۱ ص ۱۳۳ اور مشکوٰۃ ص ۲۷۵ میں اس حدیث کی سند کو لایصح کہا گیا ہے جس کا مضمون سورۃ النساء ع ۴ آیت نمبر ۱ کے بالکل مطابق ہے اور صحیح ہے۔

سوال

سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک عورت نے اپنے خاوند کی گمشدگی کی شکایت کی تو آپ نے اسے صرف چار برس انتظار کرنے کا حکم دیا (بیہقی جلد ۷ ص ۴۴۶)

جواب

اس اعتراض کی صحت اس پر موقوف ہے کہ معترضین معتبر سند کے ساتھ ثابت کریں کہ اس عورت کا خاوند گمشدگی کے وقت ۸۶ برس سے کم عمر کا تھا کیونکہ ۸۶ سال کی عمر کا آدمی گم ہو جائے تو فتویٰ عالمگیری کے مطابق بھی اس کی بیوی چار سال کے بعد عدت وفات گزار کر نکاح ثانی کر سکتی ہے۔

سوال

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مندرجہ بالا فیصلہ کے ساتھ بطور قاعدہ کلیہ یہ بھی ارشاد

فرمایا کہ ایما امراة فقدت زوجها فلم تدراين هو فانها تنتظر اربع سنين ثم تنتظر اربعة اشهر وعشرا جس عورت کا خاوند گم ہو جائے اور وہ نہ جانتی ہو کہ کہاں گیا؟ تو وہ عورت چار برس انتظار کرے پھر (خاوند کو مردہ سمجھ کر) چار ماہ دس دن عدت وفات گزارے (بیہقی جلد ۷ ص ۴۴۵)

جواب

بے شک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ارشاد فرمایا تھا پھر اس کے مطابق عمل ہوا اور عورت نے نکاح ثانی کر لیا لیکن مصیبت یہ پیش آئی کہ اس کا پہلا خاوند زندہ واپس آگیا اور اس نے بیوی کی واپسی کا مطالبہ کیا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے گمشدگی کی وجہ پوچھی تو بولا کہ مجھے کافر جن گرفتار کر کے لے گئے تھے انہوں نے کئی سال اپنی قید میں رکھا پھر ان سے مسلمان جنوں نے جنگ کر کے مجھے چھڑایا اور یہاں پہنچایا فخیبرہ عمر رضی اللہ تعالیٰ بین الصداق و بین امراتہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے معذور جان کر فرمایا کہ مہر کی رقم (جو تو نے بیوی کو دی تھی) یا بیوی ان دونوں میں سے جو بھی تو پسند کرے لے جا! اس نے مہر کی رقم پسند کی آپ نے بیت المال سے ادا فرمائی (بیہقی جلد ۷ ص ۴۴۶) معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے مذکورہ فیصلہ پر بعد میں غیر مطمئن ہو گئے تھے ورنہ مفقود کو اس کی بیوی واپس کرنے پر رضا مند نہ ہوتے۔ بنا بریں صاحب ہدایہ علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ رجوع الی قول علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر نے اپنے پہلے فیصلہ سے رجوع کر کے حضرت علی سے موافقت کر لی تھی۔ ص ۶۲۳ بلکہ

سیدنا علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم نے واشکاف الفاظ میں اس فیصلہ کی مخالفت کی آپ فرماتے ہیں۔ لیس الذی قال عمر رضی اللہ عنہ بشیء یعنی فی امراتہ المفقودہ ہی امراتہ الغائب حتی یاتیہا یقین موتہ او طلاقہا ونکاحہا باطل مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق حضرت عمر کا فیصلہ درست نہیں۔

جب تک موت یا طلاق کی یقینی خبر نہ آئے تب تک وہ عورت بدستور مفقود کی بیوی ہے اس کا نکاح ثانی باطل ہے (بیہقی جلد ۷ ص ۴۴۴) معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ صحابہ کرام میں اختلافی تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دلائل قوی تھے اس لیے حنفی علماء نے آپ کے قول شریف کے مطابق فتویٰ دیا۔ چونکہ حنفی علماء سب سے بڑے محدث اور سب سے بڑے قیہ ہیں اس لیے ان کی شان کے لائق یہی ہے کہ اختلافی مسائل میں صرف وہی مسئلہ اختیار فرمائیں جسے قرآن و حدیث کی نصوص نے قوت بخشی ہو۔

سوال

حکیم صادق نے فتاویٰ عالمگیری پر طنز کرتے ہوئے ایک مثال دی ہے کہ ایک لڑکی کی ۱۸ سال کی عمر میں شادی ہوئی دو سال کے بعد اس کا خاوند گم ہو گیا تو اس کے بارے میں فتاویٰ عالمگیری کا فتویٰ یہ ہے کہ وہ ۹۰ سال تک خاوند کا انتظار کرے پھر چار ماہ دس دن عدت گزارے پھر کسی مرد سے نکاح کر سکتی ہے اس وقت وہ ایک سو دس سال چار ماہ دس دن کی ہو جائے گی۔ (ملخصاً)

الجواب

حکیم کا معنی ”دانا“ اور صادق کا معنی ”سچا“ ہے مگر موصوف دانائی اور سچائی دونوں سے محروم ہیں۔ اور ”نحوائے“ خرد کا نام جنوں اور جنون کا خرد۔ حکیم و صادق کہلاتے ہیں۔ کتب فتاویٰ میں آسان تر کتب فتاویٰ عالمگیری ہے مگر حکیم بے چارے کی جمالت ملاحظہ ہو کہ اسے اس آسان کتاب کا یہ ایک مسئلہ بھی نہیں آتا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ذکر کردہ ۹۰ برس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ گمشدگی کے وقت سے ۹۰ برس شمار ہوں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ گمشدہ آدمی کی پیدائش کے وقت سے ۹۰ برس گئے جائیں گے۔ یعنی اگر گمشدگی کے وقت خاوند کی عمر ۸۶ برس تھی تو اس کی بیوی ۴ برس انتظار کرے گی اور اگر ۸۸ برس تھی تو ۲ برس اور

اگر ۸۹ برس تھی تو صرف ایک برس انتظار کرے گی۔ پھر عدت وفات ۴ ماہ ۱۰ دن گزار کر نکاح ثانی کرنے کی مجاز ہوگی۔

نادان حکیم نے نکاح ثانی کے وقت جو عورت کی عمر ایک سو دس سال چار ماہ دس دن بتائی ہے یہ عمر فتاویٰ عالمگیری کے مطابق متصور نہیں ہو سکتی ہے ”مفقود الخبر“ کی بیوی کے متعلق سیدنا عمر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے ارشادات اور فیصلہ جات مذکور ہو چکے ہیں۔ اور قرآن وحدیث کی روشنی میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا فیصلہ زیادہ قوی اور موافق قواعد شرعیہ کے ہے اسی بنا پر حنفیہ نے اسی کو پسند کیا ہے مگر غیر مقلد وہابیوں کا ان میں سے کسی پر ایمان نہیں سب سے باغی ہیں نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے۔ اسی وجہ سے حکیم صادق نے فتاویٰ عالمگیری پر جابلانہ تنقید تو کی مگر اپنا مذہب نہ بتایا کہ کیا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس مسئلہ میں غیر مقلد وہابیوں کا کوئی مذہب نہیں چنانچہ ان کے میرسیالکوٹی نے واشگاف الفاظ میں اس امر کا اعتراف کیا ہے بحوالہ فتاویٰ ثنائیہ میرسیالکوٹی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

نمبر ۱۔ اس امر (یعنی نکاح زوجہ مفقود الخبر) کی تصریح نہ قرآن مجید میں ہے اور نہ زمان نبوی میں ایسا کوئی واقعہ ہوا اور آثار صحابہ اور مذاہب مجتہدین اس میں مختلف ہیں اور زمانہ سلف میں اس امر میں کسی ایک قول پر اجماع بھی نہیں ہوا لہذا دلائل اربعہ میں سے صرف قیاس باقی رہ گیا۔ سو اس کی رو سے کسی خاص میعاد کا تقرر حکم شرعی نہیں ہو سکتا۔

نمبر ۲۔ عورت کی حالت پر نظر کر کے حقوق ضرر کا لحاظ ضروری ہے جس کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں کی جاسکتی۔ (جلد ۲ ص ۷۵)

نمبر ۳۔ مفقود کی زوجہ کو معسر کی زوجہ پر قیاس کرنا صحیح بلکہ اولیٰ ہے لہذا اس کی نسبت بھی عورت کے مطالبہ کے وقت فسخ (نکاح) کا حکم دیا جاسکتا ہے اور انتظار کے لیے کوئی خاص میعاد ضروری نہیں (جلد ۲ ص ۷۷)

نمبر ۴۔ ”ہماری“ (یعنی غیر مقلد وہابیہ کی) ناقص سمجھ میں یہی آتا ہے کہ

حضرت عمر کا فیصلہ کوئی دائمی حکم نہیں۔ بلکہ حالات زمانہ کے ماتحت اقتصادی تھا“
(جلد ۲ ص ۸۹)

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ غیر مقلد وہابیوں کے میر سیالکوٹی کا فتویٰ نہ حضرت عمر کے قول پر ہے نہ حضرت علی کے قول پر نہ مغیرہ بن شعبہ کی روایت کردہ حدیث مرفوعہ پر ہے نہ قرآن مجید کی آیت والمحصنات من النساء پر ہے کہ یہ لوگ خود کو ”اہل حدیث یا کتاب و سنت“ کا پیروکار کس منہ سے کہتے ہیں ان کا علم و عمل تو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ انہیں اہل ہوا اور اصحاب خواہشات کے نام سے موسوم کیا جائے۔

سوال

میاں بیوی دونوں جوان ہیں اس حالت میں خاوند گم گیا تو جوان عورت کے لیے خاوند کی عمر ۹۰ برس ہونے تک انتظار کرنا بہت مشکل ہے فقہ حنفی میں اس مشکل کا علاج کیا ہے؟

الجواب

فقہ حنفی وہابی مذہب کی طرح باطل آراء فاسد خیالات اور نفس پسند خواہشات کے مجموعہ کا نام نہیں بلکہ قرآن مجید حدیث شریف اجماع امت اور قیاس شرعی سے ثابت شدہ مسائل و احکام کے مجموعہ کا نام فقہ حنفی ہے۔ بنا بریں علماء احناف نے اس مصیبت زدہ عورت کے لیے عفت صبر اور روزوں کی کثرت کو تجویز کیا ہے کیونکہ قرآن و حدیث نے اور اقوال صحابہ نے اسی علاج کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو اللہ عزوجل نے فرمایا والیستعفف الذین لا یجدون نکاحا حتی یغنیہم اللہ من فضلہ جو نکاح کی طرف کوئی راہ نہ پائیں وہ عفت سے کام لیں یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے بے پرواہ کر دے (سورۃ النور ع ۴)

مفقود الخبر کے طلاق دینے یا مرنے کی جب تک خبر نہیں آتی تب تک اس

کی بیوی نکاح ثانی کی طرف راہ نہیں پاتی تو اسے بمطابق اس آیت کے صبر و عفت سے کام لینا چاہیے۔ یہی اس کا قرآنی علاج ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا یا معشر الشبان من استطاع منکم الباءة فلیتنزوج فانہ اغض للبصر و احصن للفرج و من لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ و جاء اے گروہ جوانان تم میں جسے نکاح کی طاقت ہو وہ نکاح کرے کہ نکاح پریشان نظری و بدکاری سے روکنے کا سب سے بہتر طریقہ ہے اور جسے نکاح ناممکن ہو اس پر روزے لازم ہیں کہ کسر شہوت نفسانی کر دیں گے (مشکوٰۃ ص ۲۶۷)

مفقود الخیر کی بیوی کے لیے جب نکاح ثانی ناممکن ہو گیا تو وہ بمطابق اس حدیث کے روزوں کی کثرت کرے یہی اس کا موافق سنت علاج ہے۔
سیدنا علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں فلتنصبر مفقود الخیر کی بیوی صبر کرے (نیہتی جلد ۷ ص ۴۴۷)

جو علاج کتاب و سنت سے ثابت ہو اس سے ہٹ کر وہابیہ کا دوسرے علاجوں کی تلاش میں سرگردان و حیران پھرنا تعجب خیز و حیرت انگیز ہے۔ غیر مقلد وہابی سوچیں اور سوچ کر بتائیں کہ جو عورت ابتداءً بلوغ سے معاذ اللہ جذام ابرص میں مبتلا ہو اور اس کے ساتھ ایسی کریہ المنظر بھی ہو کہ اسے کوئی شخص بحالت عدم جذام برص بھی قبول نہ کرتا تو ایسی عورت کا صبر و عفت اور روزوں کی کثرت کے علاوہ کیا علاج تجویز کیا جاسکتا ہے؟ پھر جب مسئلہ مذکورہ میں حضرت شیر خدا نے زوجہ مفقود کو ”فلتنصبر“ کہہ کر پابند صبر کر دیا ہے تو اب چون و چرا ان کی کب گنجائش رہی؟ کیا کوئی وہابی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کسی ایک بال شریف کی بھی برابری کر سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

اس خیال ست و محال ست و جنوں

تو پھر کتاب و سنت کی روشنی میں ان کے بتائے ہوئے علاج سے گریز کر کے ادھر ادھر منہ مارنے کا کیا فائدہ؟

مردار جانور کا چمڑا دھوپ یا ہوا میں سکھائے ہوئے پر نماز اور اس کے ڈول سے وضو جائز ہے۔ عالمگیری جلد ۱ ص ۳۲ ہشتی زیور حصہ اول ص ۷۷۔ (حقیقت الفقہ ص ۲۰۳ مسئلہ نمبر ۲۶۹ ہوئے غسلین نمبر ۷)

کتے کی کھال کا ڈول اور جائے نماز بنانا جائز ہے۔ در مختار جلد ۱ ص ۱۰۵۔ ہدایہ جلد ۱ ص ۱۱۲ (حقیقت الفقہ ص ۲۰۳ مسئلہ نمبر ۲۵۸ عذاب مہین ص ۷۸ ہوئے غسلین ص ۴) دونوں اعتراضوں کا اکتھا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

الجواب

چونکہ آنحضرت ﷺ نے فرما دیا کہ ہر قسم کے چمڑے دباغت سے پاک ہو جاتے ہیں اس لیے ان کا ڈول جائے نماز بنانا سب کچھ درست ہے۔ اگر اس سے انکار ہے تو حدیث سے انکار ہے جو اہل حدیث کے معنی بھول جانے کی دلیل ہے۔

کتے کا چمڑا دباغت سے پاک ہوتا ہے یا نہیں؟ جو صورت اختیار کریں اس کے واسطے صریح صحیح حدیث پیش کریں۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ کھالیں دباغت سے پاک ہو جاتی ہیں تو ان پر نماز پڑھنا یا ان کے ڈول کے پانی سے وضو کرنا کیوں منع ہو گا؟ ہاں! تمہارے پاس کوئی صحیح حدیث اس کے برخلاف ہو تو پیش کرو لیکن پہلے اپنے مولوی وحید الزمان کی نزل الابرار دیکھ لیتا۔ وہ فرماتے ہیں ویتخذ جلدہ مصلی و دلوا ص ۳۰۔ یعنی کتے کے چمڑے کا ڈول اور جائے نماز بنالیتا درست ہے۔

Www.Ahlehq.Com

کتا نجس العین نہیں ہے۔ (ابو حنیفہ) در مختار جلد ۱ ص ۱۰۵ عالمگیری جلد ۱ ص

۲۵ ہدایہ جلد ۱ ص ۹۲ و ۱۲۸۔ بہشتی زیور حصہ ۱ ص ۸۲ (حقیقت الفقہ ص ۲۰۳)
مسئلہ نمبر ۲۵۲۔ درایت محمدی ص ۵۲ مسئلہ نمبر ۵)

الجواب

کتے کے نجس العین ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔ اگر ہے تو پیش کرو۔ زمانہ
نبوی میں کتے برابر مسجد نبوی میں آتے جاتے رہتے تھے نبی کریم ﷺ نے نہ تو کبھی
کتوں کو مسجد سے روکا اور نہ ان کی آمد و رفت کی جگہ کبھی دھلوائی اور صاف
کرائی۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں

كانت الكلاب تقبل وتدبر في المسجد في زمان رسول الله
صلى الله عليه وسلم ولم يرشون شيئا من ذلك

تنبیہ

کتے کے نجس العین نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ زندہ کتا نجس نہیں ہے
اور اس کی کھال دباغت سے پاک ہو سکتی ہے دیکھو شامی ج ۱ ص ۱۴۶۔ ہاں اس کا
گوشت خون لعاب نلپاک ہیں۔ (شامی ص ۱۴۵ جلد ۱)

مندرج بالا عبارت سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ ”کتا نجس نہیں“ معترض
اتنا بے خبر ہے کہ نجس اور نجس العین میں فرق نہیں جانتا۔ فقہاء علیہم الرحمۃ نے
کتے کو نجس العین بھی لکھا ہے۔ اور نجس العین نہ ہونے کی بھی روایت ہے۔ کتا
نجس العین نہ سہی نجس تو ہے اس کا گوشت اور خون بالاتفاق پلید ہے۔ کسی فقہ کی
کتاب میں اس کے گوشت یا خون کو پاک لکھا ہوا دکھاؤ۔

لو ہم تمہارے پیشواؤں سے دکھادیتے ہیں کہ وہ کتا کو پلید نہیں سمجھتے۔ وحید
الزمان نے لکھا ہے۔

دم المسک طاہر وکذا الکلب وریقہ عند المحققین من

اصحابنا (نزل الابرار)

”ہمارے محققین کے نزدیک مچھلی کا خون پاک ہے اسی طرح کتا اور اس کا لعاب (بھی پاک) ہے۔

امام بخاری بھی ان محققین میں ہیں جو کتے کو پاک سمجھتے ہیں۔
عرف الجاوی ص ۱۰ میں تصریح ہے کہ کتے کے نپاک ہونے میں کوئی دلیل نہیں۔ نواب صدیق حسن بھی بدور الابلہ میں کتے کو پاک لکھتا ہے۔ تو یہ مسئلہ بھی غیر مقلد کے اپنے ہی گھر سے نکل آیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری جلد اول ص ۱۳۸ میں ماکیہ کا مذہب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لکون الکلب طاهر عندهم کہ کتا ماکیہ کے نزدیک پاک ہے۔
امام شعرانی میزان الکبریٰ میں لکھتے ہیں۔ ومن ذالک قول الامام الشافعی واحمد وابی حنیفہ بنجاسة الکلب مع قول الامام مالک بطهارته

حافظ ابن حجر عسقلانی ”فتح الباری جلد ۱ ص ۱۳۰ میں نقل کرتے ہیں۔ وانما ساق المصنف هذا الحديث هذا ليستدل به مذهبہ فی طهارة سور الکلب

یعنی امام بخاری اس حدیث کو اس لیے لائے ہیں تاکہ کتے کے جوٹھے کے پاک ہونے پر اپنے مذہب کے لیے استدلال کریں۔

کیسے جناب امام مالک اور امام بخاری کے متعلق کیا خیال ہے اور اپنے وحید الزمان اور نواب صدیق حسن خان اور نواب نور الحسن خان کے بارے میں کیا رائے ہے؟ مکن افسوس کہ آپ کو تو صرف امام اعظم سے ہی بغض و عناد ہے۔

اعتراض ۲۵

نیز ترمذی بھیگے ہوئے چھوڑے کا پانی جو شیریں ہو گیا ہو تو اس سے وضو

جائز ہے۔ در مختار ج ۱ ص ۱۱۳۔ عالمگیری ج ۱ ص ۲۸۔ ہدایہ ج ۱ ص ۸۵ (حقیقت الفقہ ص ۱۸۹ مسئلہ نمبر ۶۳، درایت محمدی ص ۵۲ مسئلہ نمبر ۷)

اعتراض ۲۶

نبیز تھوڑا پکا ہوا ہو اگرچہ نشہ آور ہو تب بھی وضو جائز ہے اور یہی اصح ہے۔ عالمگیری ج ۱ ص ۲۸۔ (حقیقت الفقہ ص ۱۸۹ مسئلہ نمبر ۶۳) دونوں اعتراضوں کا اکٹھا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

الجواب

امام اعظم کی یہ روایت مفتی بہ نہیں۔ خود فقہاء علیہم الرحمۃ نے تصریح کی ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح اور مفتی بہ روایت یہ ہے کہ نہ اس کا پینا جائز ہے اور نہ اس سے وضو درست ہے۔

خود صاحب ہدایہ نے ص ۳۰ میں اس کا ذکر کیا ہے فرماتے ہیں۔

قال ابو یوسف تیمم ولو يتوضأ به وهو رواية عن ابی حنیفہ (ہدایہ)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ نبیز تمر سے وضو نہ کرے تیمم کرے اور یہ روایت ابو حنیفہ سے ہے۔ بلکہ امام اعظم کا یہی آخری قول ہے۔

چنانچہ علامہ عینی شرح ہدایہ جلد اول ص ۲۸۶ میں فرماتے ہیں۔

روی عنہ نوح ابن ابی مریم واسد بن عمرو الحسن انه تیمم ولا يتوضأ به قال قاضی خان وهو الصحيح وهو قوله الا خیر وقد رجع الیه

نوح بن ابی مریم واسد ابن عمر اور حسن نے امام اعظم سے روایت کیا ہے کہ نبیز تمر سے وضو نہ کرے تیمم کرے۔ قاضی خان نے لکھا ہے کہ یہ صحیح ہے اور امام صاحب کا یہ آخری قول ہے امام اعظم نے اس کی طرف رجوع فرمایا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری، پارہ اول ص ۱۷۶ میں لکھتے ہیں۔

ذکر قاضی خان ان ابا حنیفہ رجع الی هذا القول قاضی خان نے ذکر کیا ہے۔ کہ امام صاحب نے نبیذ تمر سے وضو ناجائز ہونے کی طرف رجوع کیا۔ پس وہ مسئلہ جس سے امام صاحب نے رجوع فرمایا فقہاء نے جس کو مفتی بہ قرار نہیں دیا، اس کو ذکر کر کے احناف پر اعتراض کرنا محض عوام کلا انعام کو مغالطہ میں ڈالنا ہے۔

اعتراض ۲۷

صاف چکنے پتھر پر تیمم جائز ہے اگرچہ دھلا ہوا ہو۔ درمختار جلد ۱ ص ۱۱۴ عالمگیری ج ۱ ص ۳۵، بہشتی زیور حصہ اول مسئلہ نمبر ۸۸ (حقیقت الفقہ ص ۲۰۴ مسئلہ نمبر ۲۸-۲۷۸)

اعتراض ۲۸

تیمم ہڑتال و سرمہ وغیرہ و گندھک سیندھ نمک اور پانی سے بنے ہوئے نمک اور کوئلے سے جائز ہے۔ درمختار ج ۱ ص ۱۱۸، عالمگیری ج ۱ ص ۳۵، ہدایہ ج ۱ ص ۱۳۵، شرح وقایہ ص ۵۷، قدوری ص ۱۰، بہشتی زیور حصہ اول ص ۸۷ (حقیقت الفقہ ص ۲۰۴ مسئلہ نمبر ۲۸۰)

الجواب

کیا تمہارے پاس کوئی حدیث ہے جس میں یہ حکم ہوا ہو کہ ان اشیاء پر تیمم درست نہیں۔ اگر ہے تو بیان کرو۔ ورنہ اپنا اعتراض واپس لو۔ سنئے! ہدایہ شریف میں اس کی دلیل موجود ہے یعنی ان الصعید اسم لوجه الارض صعيد مٹی ہی کو نہیں کہتے بلکہ صعيد روئے زمین کا نام ہے۔ علامہ عینی شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں۔

لان الصعید لیس التراب انما هو وجه الارض ترابا کان اوصخر الاتراب علیہ او غیرہ۔

کیونکہ صعید مٹی نہیں بلکہ روئے زمین ہے مٹی ہو یا پتھر جس پر مٹی نہ ہو یا اس کا غیر ہو۔ اور حدیث بخاری و مسلم میں آیا ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا جعلت لی الارض مسجداً وطهوراً۔

کہ میرے لیے جنس زمین کو مسجد اور طہور بنایا گیا۔

ایک حدیث میں آیا ہے التراب طہور المسلم۔

علامہ یعنی شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں۔

هذا الذي ذكره في الحقيقة استدلال لابی حنیفة ومحمد علی

جواز التیمم بجميع اجزاء الارض لان اللام فيها للجنس فلا

يخرج شئ منها وكان الارض كلها جعلت مسجداً وما جعل مسجداً

هو الذي جعل طهوراً (یعنی ج ۱ ص ۳۱۱)

در حقیقت اس میں ابو حنیفہ و محمد کی دلیل ہے کہ زمین کے جمیع اجزاء کے

ساتھ تیمم جائز ہے کیونکہ اس میں لام جنس کے لیے ہے تو کوئی چیز اس سے خارج

نہ ہوگی اور سب زمین مسجد بنائی گئی ہے تو جو مسجد بنائی گئی، وہی پاک کرنے والی

بنائی گئی۔ تو اس سے تیمم بھی درست ہوا۔ کیونکہ ریت، چونہ، پتھر اور گچ یہ سب

چیزیں مسجد ہیں اور ان پر نماز جائز ہے جن پر نماز پڑھنا جائز ہوا، ان پر تیمم کرنا بھی

جائز ہے۔

نواب صدیق حسن بھوپالی روضۃ الندیہ کے ص ۳۹ میں لکھتا ہے۔

قال فی القاموس والصعید التراب او وجه الارض انھی

والثانی هو الظاهر من لفظ الصعید لانه ما صعدای علا وارتفع علی

وجه الارض وهذه الصفة لا تختص بالتراب ويوجد ذلك حدیث

جعلت لی الارض مسجداً وطهوراً۔

قاموس میں ہے کہ صعید تراب ہے یا روئے زمین اور دوسرا معنی لفظ صعید

سے ظاہر ہے۔ صعید وہ ہے جو بلند ہو اور زمین کے اوپر ہو۔ اور یہ صفت یعنی

روئے زمین پر ہونا، مٹی کے ساتھ مختص نہیں کہ تیمم اسی کے ساتھ مختص ہو۔

اور حدیث جعلت لی الارض مسجدا وطھوا بھی اس کی تائید کرتی ہے۔
 عرف الجادی میں ہے۔ تخصیص صعید بتراب ممنوع است۔ صعید کی تخصیص
 مٹی سے کرنا صحیح نہیں۔ معلوم ہوا کہ قرآن حکیم نے تیمم کے لیے صعیدا
 طیباً فرمایا ہے۔ صعید روئے زمین کو کہتے ہیں اور روئے زمین میں ہر جگہ مٹی
 نہیں ہوتی۔ ریگستان میں ریت ہے، پتھریلی زمین میں پتھر ہے، لہذا ہر وہ چیز جو جس
 زمین سے ہوگی۔ اس پر تیمم جائز ہے۔ اس مسئلہ کو جس کا ماخذ قرآن و سنت ہے،
 خلاف عقل و نقل قرار دینا فرقہ غیر مقلدین ہی کا خاصہ ہے۔

اعتراض ۲۹

نماز جنازہ وعید کے واسطے تیمم کرنا جائز ہے اگرچہ پانی موجود ہو۔ درمختار ج
 ۱ ص ۱۱۵ (حقیقۃ الفقہ ص ۲۰۵ مسئلہ نمبر ۲۸۵)

الجواب

فرمائیے! یہ مسئلہ کس آیت یا حدیث کے خلاف ہے؟ ایسے شخص کے لیے
 تم ہی بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا حکم فرمایا ہے؟

اب ہم سے سنئے! ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب تجھے خوف ہو
 کہ اگر میں وضو کروں گا تو جنازہ کی نماز فوت ہو جائے گی۔ تیمم کر کے نماز میں
 شامل ہو جاؤ۔ اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔ اس حدیث کے الفاظ ہیں۔

عن ابن عباس اذا خفت ان تفوتک الجنازة وانت علی غیر
 وضوء فتیمم وصل رواہ ابن ابی شیبہ (تخریج زیلعی ص ۸۲ جلد اول)

ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک جنازہ پر تشریف لائے۔ آپ بے وضو تھے۔ آپ نے تیمم
 کر کے نماز پڑھی۔ اس اثر میں اگرچہ جنازہ فوت ہو جانے کی قید نہیں مگر یہ قید پہلے
 اثر میں موجود ہے۔ اس لیے یہاں بھی یہی سمجھا جائے گا تا کہ آثار متعارض نہ
 ہوں۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابن عمر انه اتى بجنزة وهو على غير وضوء فتيمم ثم صلى
عليها رواه البيهقي في المعرفة (الجوهر النقي ج ۱ ص ۵۹)

بوجہ جمت جامعہ کے نماز عید کا نماز جنازہ پر قیاس ہے۔ جمت جامعہ یہ ہے
کہ جس طرح نماز جنازہ کا بدل نہیں عید کا بھی کوئی بدل نہیں۔ اس لیے جو حکم
اس مسئلہ میں جنازہ کا ہے، وہی عید کا ہے کہ فوت کا خوف ہو تو تیمم کر کے شامل
ہو جائے۔

اس کے علاوہ شیخ عبدالحی نے حاشیہ ہدایہ میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی
اللہ عنہما سے نماز عید میں بھی تیمم کر کے مل جانا لکھا ہے بشرطیکہ نماز کے فوت کا
خطرہ ہو۔ چنانچہ فرمایا ونقل عن ابن عمر فی صلوة مثله یعنی نماز عید میں اسی
طرح عبد اللہ بن عمر سے منقول ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ صحابہ کرام سے ثابت ہے
اور اس کے خلاف کوئی صحیح حدیث نہیں ملتی۔ جن احادیث میں لا صلوة الا
بطہور آیا ہے وہ اس کے خلاف نہیں ہیں کیونکہ تیمم بھی بطور ہی تو ہے۔

اعتراض ۳۰

جب تک نجاست درہم برابر نہ ہو ستر نہ کھولے اور اگر زیادہ ہو تو کھول
دے خواہ پردہ ہو یا نہ ہو۔ منیہ ص ۸ (حقیقت الفقہ ص ۲۰ مسئلہ نمبر ۲۱۶، درایت
محمدی ص ۵۳ مسئلہ نمبر ۱۰)

اعتراض ۳۱

جسم دار نجاست (پاخانہ) ایک مثقال (۳ ماشہ) تک معاف ہے۔ عالمگیری
جلد ۱ ص ۶۱۔ مالا بدمنہ ص ۱۶، بہشتی زیور حصہ ۲ ص ۱۵ (حقیقت الفقہ ص ۱۹۷
مسئلہ نمبر ۱۷۸)

Www.Ahlehq.Com

اعتراض ۳۲

غلیظ نجاست (پاخانہ خون شراب) ایک درہم (۳ ماشہ) تک معاف ہے۔
در مختار ج ۱ ص ۱۵۲، ہدایہ ج ۱ ص ۲۱۳، شرح وقایہ ص ۷۵، کنز ص ۲۵، قدوری

ص ۱۷، منیہ ص ۵۴ (حقیقت الفقه ص ۱۹۷، مسئلہ نمبر ۱۷۹، درایت محمدی ص ۵۳ مسئلہ نمبر ۱۰)

الجواب تینوں اعتراضوں کا اکتھا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

بے شک فقہاء علیہم الرحمۃ نے ایسا لکھا ہے لیکن یہ معافی بہ نسبت صحت نماز نہ بہ نسبت گناہ کے۔ یعنی اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسا کرنے والے کو گناہ بھی نہیں۔ خود فقہاء علیہم الرحمۃ نے تصریح فرمائی ہے کہ ایسا کرنا مکروہ تحریمہ ہے۔ درمختار میں ہے۔

عفا الشارع عن قدر درهم وان کره تحريما ويجب غسله

(درمختار)

شارع نے قدر درہم معاف کیا ہے اگرچہ مکروہ تحریمی ہے پس اس کا دھونا واجب ہے۔ معلوم ہوا کہ جس کپڑے کو بقدر درہم نجاست لگی ہو۔ اس میں نماز پڑھنا ہمارے نزدیک مکروہ تحریمہ ہے۔ اس کا دھونا واجب اور نماز کا اعادہ واجب ہے۔ کما قال الشيخ عبد الحئی لکھنوی فی عمدة الرایہ (ص ۱۵۰ ج ۱) اشار الی ان العفو عنه بالنسبة الی صحة الصلوة به فلا ینافی الاثم کہ یہ معافی بہ نسبت صحت نماز ہے نہ یہ کہ اس کو گناہ نہیں۔ اور یہ اجازت ہی اس صورت میں ہے کہ دھونے کے لیے پانی یا دوسرا پاک کپڑا نہ ملے۔ اگر پانی میسر ہے اور وقت کی گنجائش بھی ہے تو اسے دھولینا چاہیے۔ چنانچہ فتاویٰ غیاثیہ ص ۱۳ میں ہے۔

دخل فی الصلوة فرای فی ثوبه نجاسة اقل من قدر الدرهم وكان فی الوقت سعة فالأفضل ان یقطع او یغسل الثوب ویستقبلها فی جماعة اخرى وان فاتته هذه لیكون مؤدیا فرضه علی الجواز بیقین فان كان عامدا للماء ولم یکن فی الوقت سعة اولاً برجع؟ جماعة اخرى مضی علیها هو الصحیح۔

یعنی نماز شروع کی تو دیکھا کہ کپڑے میں قدر درہم سے کم نجاست ہے اور وقت میں فراخی ہے تو افضل یہ ہے کہ نماز قطع کر کے کپڑا دھو ڈالے اور دوسری جماعت میں نئے سرے سے نماز شروع کرے اگرچہ یہ جماعت اس کی فوت ہی کیوں نہ ہو جائے۔ تاکہ اس کے فرض یقیناً ادا ہو جائیں اور اگر پانی نہیں یا وقت میں وسعت نہیں یا دوسری جماعت ملنے کی امید نہیں تو اسی کے ساتھ نماز پڑھ لے۔

مطلوی فرماتے ہیں۔

المراد عفا عن الفساد به والا فکراهة التحريم باقية اجماعا ان بلغت الدرهم تنزيها ان لم تبلغ (مطلوی علی مرقا الفلاح ص ۹۰)
یعنی عفو سے مراد ہے کہ نماز فاسد نہیں ورنہ کراہت تحریمی اجماعاً باقی رہتی ہے اگر درہم کو نجاست پہنچے اگر درہم سے کم ہو تو کراہت تنزیہی رہتی ہے۔
معلوم ہوا کہ اگر بقدر درہم نجاست کے ساتھ نماز پڑھے گا تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی جس کا اعادہ واجب اور کپڑے کا دھونا واجب ہے۔

پس دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ معترض ان تمام باتوں کو بھی لکھتا پھر اعتراض کرتا تا کہ ناظرین کو اصل مذہب کا پتہ لگ جاتا۔ مگر یہاں تو عوام کو صرف مغالطہ میں ڈال کر مذہب حنفی سے بیگانہ کرنا مقصود تھا۔ دیانت سے کیا کام؟ جب اصل مسئلہ معلوم کر چکے تو اس معافی کا ماخذ بھی معلوم کر لینا چاہیے۔ یہ معافی فقہاء نے استنجا بالا حجار سے اخذ کی ہے کیونکہ ظاہر ہے پتھر ڈھیلے مزیل نجاست نہیں ہیں بلکہ مجفف اور مشف ہیں تو موضع غائط کا نجس ہونا شریعت نے نماز کے لیے معاف کیا ہے اور وہ قدر درہم ہوتا ہے اس لیے فقہاء نے نماز کے لیے بقدر درہم معاف لکھا ہے۔

نووی شرح مسلم میں حدیث اذا استيقظ احدكم من منامه فليغتسل بعض فوائد میں لکھتے ہیں۔ منها ان موضع الاستنجاء لا يطهر بالا حجار بل يبقی نجسا معفوا عنه في حق الصلوة (نووی ص ۱۳۶)

یعنی بعض فوائد میں سے یہ ہے کہ استنجا کی جگہ پتھروں سے پاک نہیں ہوتی بلکہ نجس رہتی ہے جو نماز کے حق میں معاف ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر فتح الباری پارہ ۱ میں لکھتے ہیں ہدایہ شریف میں ہے قدرناہ بقدر الدرہم اخذنا عن موضع الاستنجاء (ص ۵۸) کہ وہ قلیل نجاست جو کہ عفو ہے، ہم نے اس کا اندازہ بقدر درہم رکھا اور اس کا ماخذ استنجا کی جگہ (کا معاف ہونا ہے)

علامہ شامی فرماتے ہیں۔

قال فی شرح المنیۃ ان القلیل عفو اجماعا اذا الاستنجاء بالحجر کاف بالاجماع وهو لا یستاصل النجاسة والتقدير بالدرہم مروی عن عمر وعلی وابن مسعود وهو مما لا یعرف بالرای فیحمل علی السماع وفی الحلیۃ التقدير بالدرہم وقع علی سبیل الکناۃ عن موضع خروج الحدث من الدبر کما افاده ابراہیم النخعی بقولہ انہم استکرہوا ذکر المقاعد فی مجالسہم فکنا عنہ بالدرہم ویعضدہ ما ذکرہ المشائخ عن عمرانہ سئل عن القلیل من النجاسة فی الثوب فقال اذا کان مثل ظفری ہذا یمنع جواز الصلوة قالوا وظفرہ کان قریباً من کفنا۔ ۱ھ (شامی ص ۲۳۱ ج ۱ اول)

شرح منیہ میں کہا ہے کہ نجاست قلیل اجماعاً معاف ہے کیوں کہ پتھروں سے استنجا کرنا بالاجماع کافی ہے اور وہ نجاست کو بالکل ختم نہیں کرتا۔ اور درہم کا اندازہ حضرت عمرو علی وابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے چونکہ اس میں رائے کا دخل نہیں اس لیے سماع پر محمول ہوگا۔ اور حلیہ میں ہے کہ درہم کا اندازہ بطور کنایہ ہے دیر سے جیسے کہ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اپنی مجالس میں مقاعد کا ذکر برا سمجھا تو کنایتاً "درہم سے تعبیر کیا۔ اور اسی کی تائید کرتا ہے جو مشائخ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر سے جب قلیل نجاست کے متعلق

پوچھا گیا تو فرمایا جب میرے ناخن کے مثل ہو تو نماز کے جواز کو منع نہیں کرتا کہتے ہیں کہ آپ کا ناخن ہماری ہتھیلی (کے مقرر) کے برابر تھا۔
اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ قدر درہم بھی صحابہ سے مروی ہے۔ واللہ الحمد۔

اعتراض ۳۳

حرام جانوروں کی بیٹ میں چوتھائی سے کم کپڑا بھر جائے تو پاک ہے۔ شرح وقایہ ص ۷۵ (حقیقت الفتہ ص ۱۹۸، مسئلہ نمبر ۱۸۵، درایت محمدی ص ۵۳ مسئلہ نمبر ۱۱)

الجواب

امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک نجاست مغلظہ وہ ہے جس کی نجاست میں نص وارد ہو اور اس کے معارض کوئی نص نہ ہو۔
نجاست مخففہ وہ ہے جس کے معارضہ میں کوئی نص ہو۔ علامہ شامی ص ۲۳۲ ج اول میں فرماتے ہیں۔

اعلم ان المغلظ من النجاسة عند الامام ماورد فيه نص لم يعارض بنص آخر فان عورض بنص اخر فمخفف كبول مايوكل لحمه

جائے کہ جس میں نص بلا معارضہ وارد ہو وہ نجاست مغلظہ ہے۔ اور جس میں دوسری نص معارض ہو، وہ مخففہ ہے جیسے حلال جانوروں کا بول۔
علامہ مغلطوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۸۸ میں فرماتے ہیں۔

ان الامام رضی اللہ عنہ قال ماتوافقت علی نجاستہ الادلة فمغلظ سواء اختلفت فیہ العلماء وکان فیہ بلوی ام لا والا فهو مخفف۔

امام رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جس چیز کی نجاست پر اولہ متفق ہوں، وہ

مغلظ ہے، اس میں علماء کا اختلاف ہو یا نہ ہو اور عموم بلوی ہو یا نہ ہو اور جس چیز کی نجاست پر دلائل متفق نہیں، وہ مخفف ہے۔

معلوم ہوا کہ امام صاحب کے نزدیک نجاست خفیفہ وہ ہے جس کی نجاست اور طہارت میں دلائل کا تعارض ہو۔ یعنی بعض دلائل سے اس شے کا نجس ہونا ثابت ہوتا ہے اور بعض سے پاک ہونا۔

چند مثالیں

حلال جانوروں کے بول کا بعض روایات سے پاک ہونا ثابت ہوتا ہے چنانچہ حدیث عر نبین جن کو حضورؐ نے اونٹ کا بول پینے کی اجازت فرمائی اور حدیث حسن بصری جس میں انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے حج تمتع سے روکنے کا ارادہ کیا تو ابی بن کعبؓ نے فرمایا: لیس ذلک لک کہ تمہیں روکنے کا حق نہیں کیونکہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمتع کیا۔

حضرت عمرؓ نے جرہ کے حلوں سے منع کرنے کا ارادہ کیا۔ اس لیے کہ وہ بول لاکول اللحم سے رنگے جاتے تھے تو ابی بن کعبؓ نے فرمایا: لیس ذلک لک قد لبسہن النبی ولبسناہن فی عہدہ کہ اس کے روکنے کا آپ کو حق نہیں پہنچتا۔ ان حلوں کو رسول اللہ ﷺ نے پہنا اور آپ کے عہد مبارک میں ہم نے بھی پہنا۔

اس حدیث کو امام احمد نے مسند ابی ابن کعب میں روایت کیا۔ نیز حدیث جابر وبراء رضی اللہ عنہما کے مطابق حلال جانوروں کے بول میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن بعض روایات سے ناپاک ثابت ہوتا ہے۔ چونکہ مجتہد (امام اعظم) کی نظر میں اختلاف اور تعارض کے باعث ايقان حاصل نہ ہوا اس لیے آپ نے اس کو نجاست خفیفہ فرمایا اور نجاست خفیفہ کے ساتھ بھی نماز پڑھنا مکروہ فرمایا۔ اگرچہ ربیع سے کم ہو۔

ابن ہمام فتح القدیر ص ۸۱ ج ۱ میں فرماتے ہیں۔

والصلوة مکروہہ مع مالا یمنع کہ جس قدر نجاست معاف ہے اس کے ساتھ بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے بلکہ زیادہ لگ جائے سے تو امام اعظم اعادہ نماز کا حکم فرماتے ہیں۔

وکان ابوحنیفہ یکرہہ یقول اذا وقع فی وضوء افسد الوضوء وان اصاب الثوب منه شئ ثم صلی فیہ اعاد الصلوۃ
امام ابوحنیفہ (ابوال بہائم) کو مکروہ گردانتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر وضوء کے پانی میں (بہائم کے بول میں سے کچھ) گر جائے تو وضوء کو فاسد کر دے گا۔ اگر اس میں سے زیادہ کپڑے کو لگے اور کوئی شخص اس میں نماز پڑھے تو چاہیے کہ نماز کا اعادہ کرے۔

معلوم ہوا کہ نجاست خفیفہ جب کہ زیادہ لگ جائے تو امام صاحب کے نزدیک نماز دہرانا ضروری ہے۔ اور بہت کا اندازہ ربع کپڑے یا بدن کے اس حصہ کا ہے جس کو نجاست لگی ہے۔ اگر آستین کو لگی ہے تو آستین کا ربع دامن پر ہے تو دامن کا ربع مراد ہے اور اسی پر اکثر مشائخ علیم الرحمہ کا فتویٰ ہے۔ علامہ شامی نے تحفہ، محیط، مجتبیٰ اور سراج سے اسی کی تصحیح نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ ”در حقیقت اسی پر فتویٰ ہے“ معلوم ہوا کہ ربع کل کپڑے کا مراد نہیں۔ فتویٰ اسی پر ہے کہ ربع اس حصے کا مراد ہے جس پر نجاست خفیفہ لگی ہے چونکہ چوتھائی کو بعض احکام میں کل کا حکم ہے اس لیے کپڑے یا بدن کے چوتھائی کو حضرت امام صاحب نے کل کا حکم دیا ہے۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایسی نجاست جس پر نصوص متفق نہیں، اگر کپڑے پر کپڑے کے اس حصہ کی چوتھائی سے کم لگے تو نماز میں معلوم ہو جانے پر نماز کو اس صورت میں توڑا جائے گا جب کہ فوت جماعت یا فوت وقت کا خوف نہ ہوگا۔ اندریں صورت کپڑے دھو کر دوبارہ نماز ادا کی جائے گی۔ اگر اسی کپڑے سے نماز ادا کی گئی تو مکروہ ہوگی۔ مگر ادا ہو جائے گی۔ اور وہ بھی اس تقدیر پر کہ دوسرا جامہ طاہر میسر نہ ہو۔ (دیکھو کشف التباس صدیق حسن ص ۲۶۸)

اب فرمائیے کہ اس مسئلہ پر کیا اعتراض ہے؟ اور کس آیت یا حدیث کے خلاف ہے؟ غیر مقلدین کے نزدیک اگر سارا کپڑا نجاست خفیفہ سے تر ہو تو بھی نماز ہو جائے گی۔ کیونکہ ان کے نزدیک تو نہ صرف حلال جانوروں کا بلکہ حرام جانوروں کا بول بھی پاک ہے۔ چنانچہ وحید الزمان نزل الابرار جلد اول ص ۴۹ میں لکھتا ہے۔
وڪذلك الخمر وبول ما يوكل لحمه ومالا يؤكل لحمه من
الحيوانات

اور اسی طرح شراب، حلال حیوانات اور حرام حیوانات کا بول بھی پاک ہے۔ شوکلنی نے دربیہ میں لکھا ہے۔

فیما عرا ذلک خلاف والاصل الطہارۃ
(انسان کے پاخانہ اور بول، کتے کے لعاب، لید، خون، حیض اور خنزیر کے گوشت) کے ماسوا (کے نجس ہونے میں) اختلاف ہے اور اصل طہارت ہے۔
محی الدین غیر مقلد لاہوری نے بلاغ المبین کے ص ۳۲ میں لکھا ہے۔ کہا بخاری نے کہ آنحضرت ﷺ نے آدمیوں کے پیشاب کے سوا کسی چیز کے دھونے کا حکم نہیں دیا۔

اسی طرح صدیق حسن نے بھی لکھا ہے۔ پس جب معترض کے اکابر کے ہاں حلال اور حرام جانوروں کا بول پاک ہے اور پاک شے سے اگر سارا کپڑا بھیگا ہوا ہو تو بھی نماز کا منع نہیں۔ پھر وہ کس منہ کے ساتھ امام اعظم کے مسئلہ پر اعتراض کر رہا ہے؟

ان کے نزدیک نجاست غلیظ سے بھی کپڑا اگر تر ہو تو نماز ہو جاتی ہے چنانچہ صحیح بخاری میں تعلیقا آیا ہے کہ غزوہ ذات الرقاع میں ایک شخص کو تیر لگا اور خون جاری ہو گیا۔ اسی حالت میں وہ نماز پڑھتا رہا۔ خون جاری ہونا ظاہر ہے کہ کپڑے اور بدن کو تر کر دیتا ہے۔ خون نجاست غلیظ ہے اس کے باوجود ایک صحابی کا نماز پڑھتے رہنا ثابت ہوا اور وہ بھی صحیح بخاری سے پھر امام صاحب پر اعتراض کرتے ہوئے کچھ تو شرم چاہئے۔ افسوس کہ معترض کو اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہ آیا

لیکن دوسروں کے تنگے کو پہاڑ سمجھ رہا ہے۔

اعتراض ۳۴

حرام پرند جانوروں کی بیٹ پاک ہے۔ (محمد) منیہ ص ۳۸ (حقیقت الفقہ ص

۱۹۸ مسئلہ نمبر ۱۸۴)

الجواب

حرام جانوروں کی بیٹ امام صاحب کے نزدیک نجاست مخففہ ہے اس لیے قدر درہم سے زیادہ لگ جانے پر بھی نماز ہو جائے گی۔ اگر معترض کے پاس اس کے مغلف ہونے اور اس کے لگ جانے سے نماز ناجائز ہونے کی دلیل ہے تو پیش کرے۔ اگر نہیں اور یقیناً "نہیں تو ائمہ مجتہدین پر بے جا طعن سے توبہ لازم ہے۔"

سنے! فقہا علیہم الرحمہ نے ایک اصول لکھا ہے جو قرآن و حدیث سے مستنبط ہے وہ یہ ہے المشقة تجلب التيسير کہ مشقت آسانی کو کھینچتی ہے۔ یعنی تکلیف اور مشقت کے وقت شرعاً تخفیف ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یرید اللہ بکم اليسر ولا یرید بکم العسر
اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے تنگی کا نہیں۔

اور فرمایا! ما جعل علیکم فی الدین من حرج یعنی اللہ تعالیٰ نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں کی۔
حدیث پاک میں ہے!

احب الدین الی الحنیفة المسموحہ (رواہ بخاری تعلیقاً)

اللہ کا تعالیٰ کا پسندیدہ ترین دین، سہولت پر مبنی دین حنیف ہے۔ اور بخاری

شریف میں مرفوعاً آیا ہے

حضور ﷺ نے فرمایا!

الدین یسر ”دین آسان ہے“
حافظ ابن حجر فتح الباری پ ۱ میں لکھتے ہیں۔

وقد يستفاد من هذه الإشارة جواز الأخذ بالرخصة الشرعية
اس حدیث میں یہ ارشاد مستفاد ہے کہ رخصت شرعیہ پر عمل کرنا درست
ہے۔ الاشباہ والنظائر کے ص ۹۶ میں لکھا ہے۔ کہ عبادات میں اسباب تخفیف سات
ہیں۔ سفر، مرض، خبر، نسیان، جہل، عسر اور عموم بلوی۔ معلوم ہوا کہ عموم بلوی
اور عسر بھی اسباب تخفیف میں سے ہیں اس کی مثال میں صاحب اشباہ والنظائر
فرماتے ہیں۔

كالصلوة مع النجاسة المعفو عنها كما دون ربع الثوب من
مخففة وقدر الدرهم من المغلظة جیسے نماز اس نجاست کے ساتھ جو معاف
ہے یعنی نجاست محفہ سے ربع ثوب سے کم اور نجاست مغلظہ سے قدر درہم
کے ساتھ۔

اعتراض ۳۵

شروع کرنا نماز کا سوا عبی کے درست ہے اگرچہ عبی جانتا ہو۔ در مختار جلد ۱
ص ۲۱۰ و ۲۲۴۔ عالمگیری ج ۱ ص ۹۳۔ (حقیقت الفقہ ص ۲۰۵ مسئلہ نمبر ۲۹۰۔
درایت محمدی ص ۵۳ مسئلہ نمبر ۱۳۰)

اعتراض ۳۶

بجائے اللہ اکبر، اللہ الاکبر یا اللہ الکبیر یا اللہ اکبار یا اللہ الاکبار کہنا جائز ہے۔
(ابو یوسف) در مختار ج ۱ ص ۲۲۴۔ ہدایہ جلد ۱ ص ۲۳۵۔ قدوری ص ۲۲ منیۃ
المصلی ص ۴ (حقیقت الفقہ ص ۲۰۵ مسئلہ نمبر ۲۹۱)

اعتراض ۳۷

بجائے اللہ اکبر کے الحمد للہ یا تبارک اللہ یا اللہ اجل یا اللہ اعظم یا الرحمن

اکبر کے تو جائز ہے۔ عالمگیری جلد ۱ ص ۹۲۔ ہدایہ جلد ۱ ص ۳۴۴۔ شرح وقایہ ص ۹۲۔ قدوری ص ۲۲۔ (حقیقت الفقہ ص ۲۰۶ مسئلہ نمبر ۲۹۲)

اعتراض ۳۸

بجائے اللہ اکبر کے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہے تو جائز ہے۔ عالمگیری جلد ۱ ص ۹۲ ہدایہ جلد ۱ ص ۳۴۴۔ شرح وقایہ ص ۹۲ کنز ص ۳۴ منیہ ص ۷۴۔ (حقیقت الفقہ ص ۲۰۶ مسئلہ نمبر ۲۹۳)

اعتراض ۳۹

اللہ اکبر فارسی میں پڑھے تو بھی جائز ہے۔ عالمگیری جلد ۱ ص ۹۳۔ ہدایہ جلد ۱ ص ۳۲۵۔ منیہ ص ۷۴۔ (حقیقت الفقہ ص ۲۰۶ مسئلہ نمبر ۲۹۴)

اعتراض ۴۰

نماز کے سب اذکار اور خطبہ اور ثنا وغیرہ ہر زبان میں درست ہیں۔ (ابو حنیفہ) درمختار جلد ۱ ص ۲۲۴ و ص ۲۲۵۔ شرح وقایہ ص ۹۲۔ ہدایہ ج ۱ ص ۳۴۹۔ (حقیقت الفقہ ص ۲۰۶ مسئلہ نمبر ۲۹۵)

اعتراض ۴۱

فارسی زبان فائق ہے۔ (گوعربی جانتا ہو) درمختار جلد ۱ ص ۲۲۴۔ (حقیقت الفقہ ص ۲۰۶ مسئلہ نمبر ۲۹۶)

اعتراض ۴۲

سب اذکار سوا قراءت کے باوجود عربی جاننے کے غیر زبان میں جائز ہیں۔ (ابو حنیفہ) درمختار ج ۱ ص ۲۲۵

اعتراض ۴۳

سلام یا جواب سلام اور تکبیر وقت زنج کے اور قراءت غیر زبان میں جائز ہے۔ در مختار جلد ۱ ص ۲۲۳۔ عالمگیری ج ۱ ص ۹۳۔ ہدایہ جلد ۱ ص ۳۳۷۔ شرح وقایہ ص ۹۳۔ کنز الدقائق ص ۳۵ (حقیقت الفقہ ص ۲۰۶ مسئلہ نمبر ۲۹۸)

اعتراض ۴۴

بقدر ضرورت قراءت عربی میں پڑھ کر فارسی میں پڑھے تو بلا خوف درست ہے۔ در مختار ج ۱ ص ۲۲۵۔ (حقیقت الفقہ ص ۲۰۶ مسئلہ نمبر ۲۹۹)

الجواب

ان دس اعتراضوں کا اکٹھا جواب ملاحظہ فرمائیں۔
افسوس کہ معترض کو ہدایہ شریف کی یہ عبارت نظر نہ آئی۔ بروی رجوعہ فی اصل المسئلة الی قولہما وعلیہ الاعتماد (ہدایہ ص ۸۶) لام اعظم کا اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کی جانب رجوع مروی ہے اور اسی پر اعتماد (فتویٰ) ہے۔ در مختار میں بھی اسی پر فتویٰ لکھا ہوا ہے اور توضیح تکوین ص ۷۹ میں بھی موجود ہے۔

پس جس مسئلہ میں لام صاحب کا رجوع ثابت ہے اور فقہاء نے تصریح بھی کی ہو اور فقہاء کا اس پر فتویٰ بھی نہ ہو، اس کو ذکر کر کے طعن کرنا تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟ جب خود صاحب ہدایہ نے اور دیگر فقہاء علیم الرحمہ نے تصریح فرمادی کہ قرآن کا ترجمہ نماز میں پڑھنے سے نماز جائز نہیں اور لام صاحب نے اپنے پہلے قول جواز سے رجوع فرمایا ہے تو اب قول مرجوع عنہ کو پیش کر کے طعن کرنا کوئی اچھی بات نہیں۔

اعتراض ۴۵

سجدہ فقط ناک یا فقط پیشانی پر کرنا جائز ہے۔ (ابوضیفہ) ہدایہ جلد ۱ ص ۳۷۵ (حقیقت الفقہ ص ۲۰۹ مسئلہ نمبر ۳۱، درایت محمدی ۵۳ مسئلہ نمبر ۱۹)

مگر مکروہ تحریمی ہے۔ امام اعظم، امام یوسف اور امام محمد سب کے نزدیک سجدہ میں مسنون طریقہ یہی ہے کہ پیشانی اور ناک دونوں زمین پر لگائے۔ اگر صرف پیشانی لگائے تو نماز مکروہ ہوگی۔ اگر صرف ناک لگائے تو امام صاحب کی ایک روایت میں جائز ہے مگر مکروہ تحریمہ اور صاحبین جائز نہیں کہتے۔ شرح وقایہ میں اسی قول پر فتویٰ لکھا ہے کہ جائز نہیں بلکہ شیخ عبدالحی نے عمدة الرعایہ میں برہان شرح مواہب الرحمن، مراقی الفلاح اور مقدمہ غزنویہ سے نقل کیا ہے کہ امام اعظم نے اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا ہے۔ درمختار میں ہے کہ

وکره اقتصاره فی السجود علی أحدهما ومنع الاكتفاء
بالانف بلا عذر والیہ صح رجوعه وعلیہ الفتوی

سجدہ میں صرف ناک یا پیشانی پر اکتفا مکروہ ہے اور صاحبین نے ناک پر بلاعذر اکتفاء مکروہ فرمایا ہے۔ امام اعظم کا رجوع اسی طرف صحیح ہوا ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ علامہ شامی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

پس اس حالت میں کہ فقہاء علیہم الرحمہ نے تصریح کی ہے کہ سجدہ میں صرف ناک یا صرف پیشانی بلاعذر لگانا مکروہ تحریمی ہے جس سے نماز ناقص ہو جاتی ہے تو اس پر اعتراض کرنا تعصب یا جہالت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟
مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

سوال۔ اگر صرف ناک یا پیشانی پر سجدہ کرے تو ادا ہو گا یا نہیں۔

جواب۔ اگر کسی عذر سے ایسا کرے تو جائز ہے اور بلاعذر صرف پیشانی پر سجدہ کیا تو سجدہ ہو جائے گا لیکن مکروہ ہے اور بلاعذر صرف ناک پر سجدہ کرنے سے سجدہ ادا بھی نہ ہوگا۔ (تعلیم الاسلام حصہ سوم ص ۹۸ مطبوعہ تاج کمپنی کراچی)

اعتراض ۴۶

روزہ میں ہاتھ سے منی نکلنے سے روزہ فاسد نہیں۔ (درمختار جلد ۱ ص

۵۱۲۔ ہدایہ جلد ۱ ص ۸۹۳ (حقیقت الفقہ ص ۲۱۶ مسئلہ نمبر ۲۰۱، درایت محمدی ص

۵۲ مسئلہ نمبر ۲۳)

Www.Ahlehq.Com

الجواب

معرض نے اگر کتب فقہ کسی استاد سے پڑھی ہوتیں تو اسے معلوم ہوتا کہ صاحب ہدایہ جب لفظ ”قالوا“ کہتا ہے تو اس کی مراد کیا ہوتی ہے۔ یہاں بھی صاحب ہدایہ نے ”علی ما قالوا“ کہا ہے۔

شیخ عبدالحی مقدمہ عمدة الرعایہ کے ص ۱۵ میں فرماتے ہیں۔

لفظ قالوا يستعمل فيما فيه اختلاف المشائخ كذا في النهاية في كتاب الغضب وفي العناية والبنایہ فی باب ما یفسد الصلوة وذكر ابن الهمام فی فتح القدير فی باب ما یوجب القضاء الکفارة من کتاب الصوم ان عاداته ای صاحب الهدایہ فی مثله افاده الضعف مع الخلاف انتهى وكذا ذكره سعد الدين التفتازاني ان فی لفظ قالوا اشارة الى ضعف ما قالوا

لفظ ”قالوا“ وہاں بولتے ہیں جہاں مشائخ کا اختلاف ہو۔ نہایہ کے کتاب الغضب اور العناۃ والبنایہ کے باب ما یفسد الصلوة میں ایسا ہی لکھا ہے۔ ابن الهمام فتح القدير میں فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ کی عادت اس لفظ کے مثل سے ضعف مع الخلاف کا افادہ ہے یعنی جہاں اختلاف ہو تو ضعیف قول پر صاحب ہدایہ لفظ ”قالوا“ بولتے ہیں۔ اسی طرح سعد الدین تفتازانی نے کہا ہے کہ لفظ قالوا میں ضعف کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ ہدایہ شریف کے حاشیہ پر لکھا ہے۔

قوله علی ما قالوا عاداته فی مثله افاده الضعف مع الخلاف وعامة المشائخ علی ان الاستمناء مفسر وقال المصنف فی التجنیس انه المختار۔

صاحب ہدایہ کی عادت ہے کہ قالوا اور اس کی مثل بول کر ضعف مع

الخلاف کا فائدہ بتاتے ہیں اور اکثر مشائخ اس طرف ہیں کہ مشیت زنی سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے خود صاحب ہدایہ نے تجنیس میں اسی کو مختار فرمایا ہے۔

معلوم ہوا کہ صاحب ہدایہ نے لفظ قالوا سے اس قول کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جس قول کو خود مصنف ضعیف کہے اس کو محل طعن بنانا غیر مقلدین ہی کا وطیرہ ہے۔

فتاویٰ عالمگیری ص ۱۲۳ میں ہے

الصائم اذا عالج ذكره حتى امني عليه القضاء وهو المختار وفيه قال عامة المشايخ۔

روزہ دار نے اگر مشیت زنی کی اور منی نکل آئی تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس پر قضا لازم ہے یہی مختار ہے اور عامۃ المشائخ اسی پر ہیں۔

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ معترض نے کم علمی یا تعصب کی بنیاد پر احناف کے خلاف قہنہ پروری کی ہے۔ معترض کو واضح ہو کہ مشیت زنی کو غیر مقلدین نے جائز لکھا ہے دیکھو عرف الجادی۔ غیر مقلدین کے نواب نور الحسن خان بن نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں۔

وبالحملہ استرمل منی بکف یا پھرنے از جملاوات نزد دعائے حاجت مباح است..... بلکہ گاہے واجب گردد؛ واحادیث وارده در منع از نکاح بدست ثابت و صحیح شدہ بلکہ بعض اہل علم نقل ایں استمنا از صحابہ نزد غیبت از اہل خود کردہ اند در مثل ایں کار حرج نیست بلکہ ہم چوں استخراج دیگر فضلات از بدن ست (عرف الجادی ص ۲۰۷)

یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ منی کا ہاتھ سے یا کسی دوسری جملاوات کی قسم کی چیز سے نکالنا ضرورت کے وقت مباح ہے بلکہ کبھی یہ کام کرنا واجب ہوتا ہے اور ہاتھ سے منی نکالنے سے ممانعت کی جو احادیث ہیں وہ ثابت اور صحیح نہیں ہیں بلکہ بعض اہل علم نے تو صحابہ کرام سے بھی اس عمل کو، جب کہ وہ اپنی بیویوں سے دور رہتے تھے، نقل کیا ہے۔ غرض اس طرح کے کام میں کوئی حرج نہیں بلکہ ہاتھ

سے منی نکالنا ایسا ہی ہے جیسے بدن سے دوسرے فضلات کو نکالا جائے۔

اعتراض ۴۷

مقعد میں جماع (اغلام) کرنے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ (ابو حنیفہ) ہدایہ جلد ۱ مسئلہ نمبر ۹۰۲ (حقیقت الفقہ ص ۲۱۷ مسئلہ نمبر ۵۱۳، کتاب الصوم۔ درایت محمدی ص ۵۵ مسئلہ نمبر ۲۴)

اعتراض ۴۸

روزے دار عورت یا مرد سے اغلام کرے تو روزے کا کفارہ نہیں۔ ہدایہ ج ۱ ص ۹۰۳ (حقیقت الفقہ ص ۲۱۷ مسئلہ نمبر ۴۱۴)

الجواب

دونوں اعتراضوں کا اکتھا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

کاش معترض تھوڑا سا آگے پڑھتا تو اس کو مل جاتا۔ والا صح انہا تجب اور اصح یہ ہے کہ کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔

لیکن معترض کے ضمیر نے یہی حکم دیا کہ آگے کا جملہ ہضم کر جاؤ۔ کون ہدایہ شریف دیکھے گا؟ اور کون اس خیانت کو معلوم کرے گا! کئی عقل کے اندھے ایسے بھی تو ہوں گے جو اصل کتاب کو دیکھنا ہی پسند نہ کریں گے اور بات بن جائے گی۔ لیکن اس عدم وجوب کفارہ سے یہ سمجھنا کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایسا کرنا جائز ہے، سراسر افتراء ہے۔

اعتراض ۴۹

ران وغیرہ میں جماع کرے اور انزال ہو جائے تو روزہ کا کفارہ نہیں۔ قدوری ص ۶۱۔ کنز ۸۳۔ ہدایہ ج ۱ ص ۹۰۷ (حقیقت الفقہ ص ۲۱۷ مسئلہ نمبر ۴۱۵)

الجواب فرمائیے! یہ مسئلہ کس آیت یا حدیث کے خلاف ہے؟ آپ کو معلوم نہ ہو

تو اپنے کسی بڑے محدث سے دریافت کر کے دیکھئے کہ فلاں حدیث میں تو ایسے شخص کے حق میں کفارہ آیا ہے۔ اگر ایسا نہ دکھا سکو اور ہرگز نہ دکھا سکو گے تو دوزخ کی آگ سے ڈرو۔

تمہارے ہاں تو بغیر از جماع کفارہ ہی نہیں۔ دیکھو نزل الابرار ص ۲۳۱۔ وہ لکھتا ہے کہ ماہ رمضان میں روٹی کھانے اور پانی پینے میں بھی کفارہ نہیں۔ اب بتاؤ کہ کس منہ سے ابو حنیفہ پر اعتراض کرتے ہو؟

اعتراض ۵۰

جس عورت نے شہوت مرد کو چھو لیا یا ذکر کو شہوت دیکھ لیا تو عورت کی ماں مرد پر حرام ہوگی۔ در مختار جلد ۲ ص ۱۳ (حقیقت الفقہ ص ۲۱۸ مسئلہ نمبر ۴۳۴۔ درایت محمدی ص ۵۵ مسئلہ نمبر ۲۸)

الجواب

اگر کسی کے پاس اس کے برخلاف کوئی آیت یا حدیث ہے تو دکھائے ورنہ اعتراض واپس لے۔

اب سنئے! کہ یہ مسئلہ نہ صرف امام اعظم کا ہے بلکہ صحیح مسلم میں حضور کا فرمان واجتنبی منہ یا سودة اس کی تائید کرتا ہے۔

الجوہر النقی جلد ۲ ص ۸۴ میں بحوالہ ابن حزم لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس نے ایک مرد اور عورت کو جدا کر دیا جب یہ معلوم ہوا کہ اس مرد نے عورت کی ماں کے ساتھ ناجائز حرکت کی حالانکہ اس مرد کے اس عورت کے بطن سے سات بچے بھی پیدا ہو چکے ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس کا یہی مذہب تھا جو فقہاء عظیم الرحمہ نے لکھا ہے۔ اسی طرح سعید بن المسیب، ابوسلمہ ابن عبد الرحمن اور عروہ بن زبیر نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کرے، اس کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ اس کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرے۔ اس طرح ابن ابی شیبہ نے

سند صحیح کے ساتھ ابن مسیب اور حسن سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس کے لیے درست نہیں کہ اس عورت کی ماں یا بیٹی کے ساتھ نکاح کرے۔

اسی طرح عبد الرزاق نے مصنف میں عثمان بن سعید سے، اس نے قتادہ سے، اس نے عمران بن حصین سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ جس شخص نے اپنی عورت کی ماں سے زنا کیا، اس پر دونوں (ماں بیٹی حرام ہو گئیں) اسی طرح عطاء نے فرمایا ہے، اسی طرح طاؤس و قتادہ نے فرمایا ہے، یہی امام نفعی کا مذہب ہے۔ امام مجاہد فرماتے ہیں۔

اذا قبلها اولمساها او نظر الى فرجها من شهوة حرمت عليه امها وبناتها (الجوہر النقی ص ۸۵)۔

جب کسی عورت کا بوسہ لے یا ہاتھ لگائے یا اس کی شرمگاہ کو شہوت کے ساتھ دیکھے تو اس مرد پر اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو جاتی ہیں۔

وعن ابن عمر قال اذا جامع الرجل المرأة وقبلها اولمساها بشهوة او نظر الى فرجها بشهوة حرمت على ابیه وابنه وحرمت عليه امها وابنتها (فتح القدیر نو کثور ج ۲ ص ۲۴)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا جب کوئی مرد کسی عورت سے جماع کرے اور اس کا بوسہ لے یا اس کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگائے یا اس کی شرمگاہ کو شہوت کے ساتھ دیکھے تو اس کے باپ اور بیٹے پر وہ عورت حرام ہو جاتی ہے اور اس عورت کی ماں اور بیٹی اس مرد پر حرام ہو جاتی ہے۔

ہدایہ شریف میں اس مسئلہ کو مدلل بیان کیا گیا ہے اصل بات یہ ہے کہ واطی اور موطوءہ کے درمیان واطی سبب جزئیت ہے یعنی وہ دونوں مثل ایک شخص کے ہو جاتے ہیں عورت کے والدین اور اولاد اس مرد کے والدین اور اولاد کی طرح ہو جاتے ہیں اور مرد کے والدین اور اولاد اس عورت کے والدین اور اولاد کی طرح ہو جاتے ہیں، چاہے واطی حلال ہو یا حرام پس جس طرح حلال واطی سے عورت کی

ماں بیٹی حرام ہو جاتی ہیں اسی طرح جس عورت کے ساتھ زنا کرے اس کی ماں بیٹی بھی اس پر حرام ہو جاتی ہیں۔

رہی یہ بات کہ مس اور نگاہ شہوت سے حرمت مصاہرت ہو جاتی ہے، اس کا سبب کیا ہے؟ تو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

ان المس والنظر سبب داع الی الوطی فیقام مقامہ فی موضع الاحتیاط مس اور نظروطی کی طرف بلانے والے ہیں، اس لیے ان کو احتیاطاً وطی کے قائم مقام سمجھا گیا ہے۔

یعنی جو شخص مس، نظر، بالشہوت کرے گا، وطی کی طرف راغب ہوگا اور وہ چاہے گا کہ وطی کروں اس لیے دواعی وطی قائم مقام وطی ہوئے اور حرمت ثابت ہوگئی۔ لیکن اگر مس کرتے ہی انزال ہو گیا تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔ اس کی وجہ بھی صاحب ہدایہ نے بیان فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں۔

لانه بالانزال تبین انه غیر مفض الی الوطی (ہدایہ ص ۲۸۹) انزال ہو جانے سے ظاہر ہو گیا کہ یہ مس وطی کی طرف پہنچانے والا نہیں۔

کیونکہ انزال ہونے سے وہ وطی سے ہٹ جائے گا، اصل باعث حرمت مصاہرہ وطی تھی مس بغیر انزال چونکہ مفضی الی الوطی تھا اس لیے قائم مقام وطی سمجھا جائے گا اور مس بالانزال چونکہ مفضی الی الوطی نہیں اس لیے وطی کے قائم مقام نہیں۔

یہی مسئلہ اتیان فی الدر کا ہے، اگر انزال ہو جائے تو چونکہ وہ مفضی الی الوطی نہیں اس لیے موجب حرمت بھی نہیں، اگر انزال نہ ہو تو موجب حرمت ہے۔

اعتراض ۵۱

عورت سے وطی کی۔ اس کی فرج و مقعد پھاڑ کر ایک کر دیا تو اس عورت کی ماں اس مرد پر حرام نہیں ہوگی۔ عالمگیری جلد ۲ ص ۱۳۔ (حقیقت الفقہ ص ۲۱۸ مسئلہ نمبر ۴۳۲)

عالمگیری میں آگے حرام نہ ہونے کی وجہ بھی لکھی ہے جو بے پوری نے نقل نہیں کی۔ مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

یہ بحث عالمگیری کی کتاب النکاح سے متعلق ہے عالمگیری کتاب النکاح میں کل گیارہ باب ہیں۔ یہ مسئلہ تیسرے باب کا ہے۔ عالمگیری میں ہے

تیسرا باب۔ محرمات کے بیان میں۔ قال المترجم محرمات یعنی ایسی عورتوں کے بیان میں جو ہمیشہ یا فی الحال اس کے واسطے حرام ہیں قتل اور محرمات کی نو قسمیں ہیں۔ آگے الگ الگ ہر ایک قسم پر بحث کی ہے۔ یہ مسئلہ قسم دوم میں بیان ہوا ہے قسم دوم محرمات بہ صریح کے بیان میں یعنی خسر و دامادی کے رشتہ سے جو عورتیں حرام ہو جاتی ہیں اور یہ عورتیں چار فرقہ (قسم) ہیں۔

اس کے بعد ہم اصل مسئلہ کی طرف آتے ہیں عالمگیری میں مکمل عبارت اس طرح ہے۔

اور اگر کسی عورت سے وطی کی اور یہ صورت ہوئی کہ اس عورت کا پیشاب کا مقام اور پاخانہ کا مقام پھاڑ کر ایک کر دیا۔ تو اس عورت کی ماں اس مرد پر حرام نہ ہوگی۔ کیونکہ اس امر کا یقین نہیں ہے کہ یہ وطی فرج میں واقع ہوئی لیکن اگر عورت مذکورہ کو حمل رہ جاوے اور معلوم ہو جاوے کہ وطی فرج میں واقع ہوئی تو البتہ اس کی ماں اس مرد پر حرام ہو جاوے گی یہ بحر الرائق میں ہے۔

عالمگیری کے مترجم مولانا سید امیر علی لفظ وطی کے حاشیہ میں فرماتے ہیں۔ قال المترجم اس مقام سے ظاہر ہے کہ اگر کسی عورت سے لواطت کی تو حرمت مصاہرہ ثابت نہیں ہوتی ہے اور واضح رہے کہ فرج و دبر کے درمیان ایک جھلی سخت گندہ عارض ہوتی ہے جب وہ چاک ہو جاتی ہے تو دونوں سوراخ ایک ہو جاتے ہیں پس عبارت مذکور محتمل ہو کہ عدم تحقیق انزال معتبر رحم ہی و نہ بعد اور اگر مقعد اول سے آخر تک ایک ہو گیا تو ادخال فرج میں شک ہے۔

(عالمگیری اردو جلد ۲ ص ۱۳۹ مطبوعہ حلد اینڈ کمپنی لاہور)

اب ضرورت تو نہیں مگر ہم عرض کرتے ہیں کہ غیر مقلد قرآن و سنت سے ثابت کر دیں کہ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے ہم فقہ کو چھوڑ دیں گے۔

اعتراض ۵۲

شراب اور سور مہر کے بدلے میں ہو تو نکاح صحیح ہے۔ شرح وقایہ ص ۲۳۹ (حقیقت الفقہ ص ۲۱۹ مسئلہ نمبر ۳۵۵۔ درایت محمدی ص ۵۶ مسئلہ نمبر ۳۳)

اعتراض ۵۳

حالت کفر میں مہر سور یا شراب سے مقرر ہوا ہو تو مسلمان ہونے کے بعد بھی وہی ادا کرنا ہوگا۔ در مختار جلد ۲ ص ۶۱۔ شرح وقایہ ص ۲۵۶۔ (حقیقت الفقہ ص ۲۱۹ مسئلہ نمبر ۳۵۶۔ درایت محمدی ص ۵۶ مسئلہ نمبر ۳۳)

الجواب

دونوں اعتراضوں کا اکٹھا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

ہدایہ شریف میں یہ مسئلہ شراب اور سور معین کے بارے میں لکھا ہے اور شراب یا سور غیر معین کے بارے میں خمر میں قیمت اور سور میں مہر مثل ہے چنانچہ فرمایا۔

انکانا بغير اعيانهما فلها في الخمر القيمة وفي الخنزير مهر

المثل

امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل جو ہدایہ میں ہے وہ یہ ہے کہ شراب یا سور معین کو اشارہ کر کے ذمی ذمیہ نے اپنا مہر مقرر کیا تو عقد کرتے ہی وہ عورت اس شراب یا سور معین کی مالک ہو گئی۔ وہ اس کو فروخت یا ہبہ وغیرہ تصرف کر سکتی ہے۔ رہا یہ کہ ابھی عورت نے وہ شراب یا سور اپنے قبضہ میں نہیں کیا تو دونوں یا ان میں سے ایک مسلمان ہو گیا۔ اب وہ عورت اسلام کی حالت میں بھی قبضہ کر سکتی ہے

کیونکہ قبضہ میں زوج کی ضمانت سے عورت کی ضمان میں انتقال ہے اور یہ اسلام کے ساتھ منع نہیں۔ چنانچہ فرمایا۔

لابی حنیفة انا الملک فی الصداق المعلن یتم بنفس العقد
ولهذا تملک التصرف فیہ وبالقبض ینتقل من ضمان الزوج الی
ضمانها وذا لک لا یمتنع بالاسلام کاسترداد الخمر المغصوب
رہی یہ بات کہ وہ عورت اس سو یا شراب کو کیا کرے تو درمختار میں ہے
فتخلل الخمر وتسبب الخنزیر شراب کو سرکہ بنائے اور خنزیر کو چھوڑ
دے۔

اور حاشیہ مدنی میں لکھا ہے، بہتر یہ ہے کہ سور کو قتل کر دے۔
بتاؤ! یہ مسئلہ کس آیت یا حدیث کے خلاف ہے؟

اعتراض ۵۴

داوا یا داوی کی لونڈی سے جماع کرے تو حد نہیں۔ درمختار جلد ۲ ص ۳۱۲۔
(حقیقت الفقہ ص ۲۲۱ مسئلہ نمبر ۷۸۷)

اس اعتراض سے ملتا جلتا اعتراض جو ناگڑھی نے بھی کیا ہے جس کا خلاصہ
یہ ہے جو شخص اپنے باپ، ماں، بیوی کی لونڈی سے زنا کرے اور یہ کہے کہ میں
نے یہ خیال کیا تھا کہ یہ مجھ پر حلال ہے تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی۔ (درایت
محمدی ص ۵۶ مسئلہ نمبر ۳۵)

الجواب

ہدایہ شریف میں اس کی وجہ لکھی ہے کہ یہ شبہ اشتباہ ہے اس لیے کہ بیٹا
ماں باپ کے مال سے نفع اٹھا سکتا ہے اسی طرح خاوند اپنی بیوی کے مال سے فائدہ
حاصل کر سکتا ہے۔ اس کا ماں باپ اور بیوی کی لونڈی کو حلال ظن کر لینا محمل ہے
جب اس نے حلت کا ظن کیا تو یہ شبہ اشتباہ ہے اور شبہات کے سبب حدود کا
ٹل دینا احادیث میں آیا ہے چنانچہ ادرؤا الحدود ما استطعنم جو کہ ابویلی کی

مسند میں مرفوعاً مروی ہے۔

مسند امام اعظم میں ابن عباس سے مروی ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا

ہے۔

ادروا الحدود بالشبهات کہ شبہات کی بنا پر سزاؤں کو ٹالو۔

ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں حدود کو شبہات کے سبب معطل رکھوں تو میرے نزدیک اس سے محبوب تر ہے کہ شبہات پر اقامت حدود کروں۔

حضرت معاذ، عبد اللہ بن مسعود اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم سے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جب تمہیں حد میں شبہ پڑھ جائے تو حد کو ٹال دو۔ غایتہ الاوطار ج ۲ ص ۴۱۰

اتصال الماک بین الفروع والاصول سے یہ گمان ہوتا ہے کہ بیٹے کو ماں باپ کی لونڈی سے جملع میں ولایت ہے اسی طرح زوجہ کی لونڈی میں۔

کیا یہ اشنباه نہیں؟ اور کیا شبہات سے سزا کا ٹال دینا احادیث میں نہیں؟ اگر یہ ہے تو فقہ حنفیہ پر اعتراض کیوں؟

اعتراض ۵۵

کسی کی لونڈی رہن ہو اور وہ اس سے زنا کر لے تو حد نہیں۔ در مختار جلد نمبر ۲ ص ۴۱۲ (حقیقت الفقہ ص ۲۲۱، مسئلہ نمبر ۴۷۹۔ درایت محمدی ص ۵۷، مسئلہ نمبر ۳)

الجواب

اگر حرام جانتا تھا تو صحیح اور مختار مذہب یہ ہے کہ اس پر حد واجب ہوگی (البحر الرائق کے ص ۱۳ ج ۵ میں ہے والخلاف فیما اذا علم الحرمة والاصح وجوبہ اگر حرام جانتا تھا تو اصح یہی ہے کہ حد واجب ہوگی۔ اور اگر حلال گمان کرتا تھا تو اس پر حد نہ ہوگی اس لیے کہ مرہونہ پر مرتن کی ملکیت

تصرف ہونا مرہونہ سے جماع کی حلت کا موہم ہے۔ کذا فی الخلوٰی۔

اعتراض ۵۶

بیٹے یا پوتے کی لونڈی سے زنا کرے تو حد نہیں۔ درمختار جلد ۲ ص ۳۳۱۔
شرح وقایہ ص ۳۳۰۔ کنز ص ۱۹۱۔ حقیقت الفقہ ص ۲۲۱ مسئلہ نمبر ۷۷ (۴)

الجواب

یہ مثال شبہ محل کی ہے شبہ محل سے بھی حدود ساقط ہو جاتی ہیں شبہ محل وہ ہے جس میں محل کی حلت کا شبہ بحکم شرح ثابت ہو۔ شبہ محل میں اسقاط حد کا مدار دلیل شرعی پر ہے نہ کہ زانی کے اعتقاد پر۔ اس لیے کہ دلیل کے ثابت کے سبب نفس الامر میں شبہ قائم ہے زانی اس کو جانے یا نہ جانے۔

ابن ماجہ نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک مرد نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرا مال ہے اور میرا بیٹا ہے، میرا باپ مال مانگتا ہے حالانکہ وہ میرے مال کا محتاج نہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ انت وما لک لابیک تو اور تیرا مال، تیرے باپ کا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیٹے کا مال، والد کا ہے۔ لہذا بیٹے کی لونڈی سے وطی پر حلت کا شبہ ثابت ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ حد ساقط ہوگی۔

ہدایہ شریف میں ہے

لان الشبهة حکمیة لانها نشات عن دلیل وهو قوله علیہ السلام وما لک لابیک

یہ شبہ حکمیہ ہے اس لیے کہ دلیل سے پیدا ہوا ہے وہ دلیل حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ اس حدیث کو طبرانی اور بیہقی نے بھی روایت کیا۔

اعتراض ۵۷

جو عورتیں ہمیشہ کے لیے حرام ہیں (مل، بن، بیٹی، خالہ، پھوپھی وغیرہ) ان

سے نکاح کر کے اور حلال جان کر صحبت کرے تو حد نہیں۔ (ابو حنیفہ) در مختار جلد ۲ ص ۳۱۲۔ عالمگیری جلد ۲ ص ۲۷۰۔ ہدایہ جلد ۲ ص ۳۵۷۔ شرح وقایہ ص ۳۳۱۔ کنز ۱۹۱۔ قدوری ص ۲۲۶ (حقیقت الفقہ ص ۲۲۱ مسئلہ نمبر ۲۸۲۔ درایت محمدی ص ۵۷ مسئلہ نمبر ۳۹)

الجواب

زانی کے لیے جو شرعا حد مقرر ہے وہ رجم یا جلد ہے کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ جو شخص محرماتِ لہو سے نکاح کر کے وطی کرے، اس کو رجم کیا جائے یا کوڑے مارے جائیں۔ اسی لیے امام اعظم نے ایسے شخص کے لیے یہ حد (رجم یا جلد) نہیں فرمائی۔

امام اعظمؒ کے اس مسئلہ کو معترض اگر حدیث کے خلاف سمجھتا ہے تو وہ حدیث نقل کرے جس میں ایسے شخص کے لیے حد آئی ہو۔ البتہ قتل کا حکم آیا ہے جس سے امام اعظمؒ کا ہی مذہب ثابت ہوتا ہے کیونکہ قتل کرنا یا مال ضبط کرنا حدِ زنا نہیں ہے۔ امام اعظمؒ ہی فرماتے ہیں ایسے شخص کو جو بھی سزا دی جائے کم ہے لہذا حاکم اس کو سخت سے سخت سزا دے۔ فتح القدیر میں ہے۔

الا تری ان ابا حنیفۃ الزم عقوبۃ باشد ما یکون وانما لم یشبہت عقوبۃ ہی الحد فعرّف انه زنا محض عنده الا ان فیہ شبہۃ
کیا آپ نہیں دیکھتے کہ امام ابو حنیفہؒ اس کے لیے سخت سے سخت سزا تجویز کرتے ہیں (البتہ نکاح کے سبب) حد ثابت نہیں۔ پس وہ اس کو زنا ہی سمجھتے ہیں مگر نکاح کے سبب اس میں شبہ پیدا ہو گیا۔

اس لیے حدِ رجم یا جلد اس سے ساقط ہو گئی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس پر کوئی سزا ہی نہیں جیسے کہ عوام کو مغالطہ میں ڈالا جاتا ہے۔

اعتراض ۵۸

دار الحرب اور دار البغی میں زنا کرے تو حد نہیں اگرچہ دار السلام میں

آجائے۔ در مختار جلد ۲ ص ۴۰۲ و ۴۱۶۔ عالمگیری جلد ۲ ص ۲۷۰۔ ہدایہ ج ۲ ص ۴۵۹۔ شرح وقایہ ص ۳۲۸۔ کنز ص ۱۹۲۔ قدوری ص ۲۲۶۔ (حقیقت الفقہ ص ۲۲۱ مسئلہ نمبر ۴۷۵۔ درایت محمدی ص ۵۷ مسئلہ نمبر ۴۱)۔

الجواب

معترض اگر فتح القدر کا یہ مقام دیکھتا تو اسے حدیث مل جاتی اور شاید وہ اعتراض نہ کرتا وہ حدیث یہ ہے۔

روی محمد فی السیر الکبیر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من زانی او سرق فی دار الحرب واصاب بها حدائم ھرب فخرج الینا فانہ لا ینقام علیہ الحد

السیر الکبیر میں امام محمد نے نبی ﷺ سے روایت کیا، آپ نے فرمایا جو شخص دار الحرب میں زنا یا چوری کرے یا حد کو پہنچ جائے پھر وہاں سے بھاگ کر اسلامی حکومت میں پہنچ جائے تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی۔

معترض چونکہ اعتراض کر چکا ہے اس لیے امید نہیں کہ وہ اپنے قول کے خلاف حضور کے اس ارشاد کو دیکھ کر مان جائے بلکہ اس پر کوئی نہ کوئی اعتراض ہی کرے گا۔

Www.Ahlehaq.Com

اعتراض ۵۹

جو حلوان سور کے دودھ سے پالا گیا ہو وہ حلال ہے۔ (در مختار جلد ۴ ص ۱۹۶، حقیقت الفقہ ص ۲۲۶ مسئلہ نمبر ۵۶۵، اخبار اہل حدیث امرتسر مورخہ ۶ اپریل ۱۹۰۶)

الجواب

شامی جلد ۴ کے صفحہ ۲۱۷ میں لکھا ہے۔ کہ عبد اللہ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ ایسا حلوان اس وقت حلال ہے کہ جب اس کے بعد

چند روز تک مثل گاؤ غلاظت خور کے چارہ کھاتا رہے۔ اور شرح دیمانیہ میں قنیہ سے منقول ہے کہ تب وہ حلال ہے کہ بہت دنوں کے بعد ذبح کیا جاوے۔ ورنہ نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۱ میں لکھا ہے

جو حلال جانور نجاست کھاتا ہو اسے نہ کھائیں بلکہ کئی دن تک باندھ رکھیں کہ نجاست نہ کھانے پائے پھر جب اس کا گوشت نجاست کے اثر سے پاک ہو جائے تو ذبح کر کے کھائیں۔ اونٹ چالیس دن تک باندھا جائے گا۔ گائے بیس دن تک، مرغی تین دن تک اور چڑیا ایک دن تک۔

اس مسئلے پر عقلاً و نقلاً "کوئی اعتراض نہیں آسکتا ہے۔ ورنہ لازم آوے گا کہ آپ ترکاریاں وغیرہ نہ کھایا کریں کیونکہ اس میں غلاظت و گوہ سے کھاؤ ڈالا جاتا ہے۔ مگر ان کو تو آپ حلوائے بے دودھ سمجھ کر نوش جان کر لیتے ہیں اور فقہ کے مسائل پر اعتراض کرتے ہیں۔ باوجود اس کے تمہارے فقہ الحدیث مطبوعہ صدیقی لاہور کے صفحہ ۵ میں صرف گوشت سور کا پلید لکھا ہے۔ اور سور کے باقی اجزاء میں بحکم اصل کے پاکی کا فتویٰ ہے۔ اور روضۃ الندیہ میں بھی گوشت خنزیر کو پلید لکھ کر بول و براز و منی سب حیوانات کو پاک لکھا ہے۔ جس سے سور کے بول و براز و چربی و دودھ و منی وغیرہ کا سوائے گوشت کے پاک ہونا بخوبی ثابت ہوتا ہے اور منی ہر جانور سے پرہیز نہیں کہ اس کو پاک جانتے ہیں اور مردار کتے وغیرہ کے گوشت کو کپڑے میں باندھ کر اور اس کو بغل میں دبا کر نماز پڑھ لیتی روا ہے۔ ان سب باتوں کا ثبوت روضہ صفحہ ۸ و صفحہ ۹ و صفحہ ۱۰ و صفحہ ۱۱ میں موجود ہے۔ جس کو شک ہو ان کی کتابوں سے دیکھ لیوے۔ اور نیز ستارہ محمدی کے صفحہ ۱۲ میں بابت پنیر شام کے جبکہ بنا مایہ خنزیر سے مشہور ہے۔ اور ان موحدوں کے رسالہ اظہار الحق کے صفحہ ۱۸ میں اس کا کھانا حضرت ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے۔ خفی تو ہزار زبان سے اس کی پلیدی اور حرمت کے قائل ہیں مگر موحدوں کے فقہ الحدیث نے ان چیزوں کو پاک اور حلال کر دیا ہے۔ عوام کے سامنے یہ لوگ اس امر سے منکر

ہوتے ہیں۔ ان کا یہ انکار فریب اور حق پوشی سے خالی نہیں۔ کیونکہ ان کی فقہ الحدیث سے نشان دیتا ہوں عرف الجادی کے صفحہ ۱۰ میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پیڑ جو نصاریٰ کے شہروں سے آیا تھا کھایا تھا۔ اور یہ ایک بات کیا فقہ الحدیث نے کئی حراموں کو حلال کر دیا ہے۔ اور ان کے پاک ہونے سے مولوی نذیر حسین کے شاگرد عبد الغفور محمدی کے استفتاء جو شوال ۱۲۹۸ ہجری میں مطبع حقی دہلی میں چھپا ہے۔ اس میں بروئے سند دررہیبہ کے لکھا ہے کہ ایک پیالے یا گھڑے پانی میں گویہ موت آدمی کے پڑ جانے سے جب تک کہ اس کا رنگ و مزہ و بدبو نہ بدلے تو پاک ہے اور منی اور رطوبت فرج عورت کو شکر میں ملا کر کھانا پانی ہی چائنا روا ہے۔ اور خنزیر کی چربی بھی کھانی درست ہے کیونکہ یہ سب چیزیں پاک ہیں اور پاک چیزوں کے کھانے کی قرآن شریف سے اجازت ہے۔ کلو من طیبات اور خنزیر کی کھال سے ڈول بنا کر پانی نکالنا اور اس کی جانماز بنانی اور قرآن مجید کی جلد باندھی اور پھوپھی سے نکاح کرنا سب کچھ درست ہے اور نیز نواب صاحب بہادر صدیق حسن خان رومثہ ندیہ کے صفحہ ۴۱۲ میں سب طیبات کو حلال کہتے ہیں اگرچہ ان عبارات سے حلال ہونا دودھ و چربی سور کا پایا گیا۔ مگر اس سے بڑھ کر اور بھی ثبوت ہے کہ فقہ الحدیث کے صفحہ ۳۲ میں لکھا ہے۔ اصل ہر چیز میں حلت ہے۔ اور نہیں حرام مگر وہ چیز جس کو حرام کیا خدا اور رسول ﷺ نے اور جس چیز سے سکوت کیا خدا اور رسول ﷺ نے وہ معاف ہے۔ پس حرام ہے وہ چیز جو قرآن شریف میں ہے یعنی مردار جانور اور خون بہتا ہوا اور گوشت سور کا اور جو وقت ذبح کے جس پر نام غیر اللہ کا لیں بعد اس کے باقی حرام جانوروں کا نام لکھ کر آخر میں لکھا ہے اور جو اس کے سواء ہے وہ حلال ہے۔ اب غور کرو کہ جن جانوروں کے نام لے کر حرام لکھا ہے ان کی ساری جزویں حرام ہیں۔ اور سور کا صرف گوشت حرام ہے اس واسطے کہ قرآن اور حدیث میں سور کا گوشت ہی حرام ہے۔ اور سور کا نام لیکر سارے جانور کو حرام نہیں کہا۔ بلکہ قرآن اور حدیث سور کے باقی اجزاء سے خاموش ہیں پس سوائے سارے اجزاء سور کی چربی اور دودھ وغیرہ

ان کے نزدیک بموجب اصل بالا کے حلال ہیں اور سوائے قرآن اور حدیث کے فقہ الحدیث میں اور کوئی دلیل شرعی نہیں۔ جس سے کسی چیز کی حرمت ثابت ہو۔ ستارہ محمدی کے صفحہ ۱۲ میں لکھا ہے کہ موحدین کا عمل تو قرآن اور حدیث پر ہے اقلی۔ اور مقلدین کے نزدیک ہر جزو سور کے پلید اور حرام ہے بدلیل اجماع امت کے جیسا کہ مولینا شاہ عبد العزیز اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ تمام امت اجماع دار و براین کہ این جانور نجس العین ست ہتھ جزو از واثقاع نباید گرفت۔ اور فقہ کے معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ خنزیر نجس العین ہے یعنی اس کی ساری جزیوں پلید اور حرام ہیں۔ زندہ ہو خواہ مردہ کذا فی رد المختار وغیرہ اور اس اجماع امت کو فقہ الحدیث والوں نے اڑا دیا ہے اور صرف اولہ شرعیہ قرآن اور حدیث کو مانتے ہیں۔ جیسا کہ عرف الجاوی کے صفحہ ۳ میں لکھا ہے پس ان کے اصول کے مطابق سور کی چربی اور دودھ حلال ہیں کما ہو الظاہر والباہر۔ اگر کہیں تقیہ کے طور پر لکھ دیں کہ چربی اور دودھ سور کا حرام ہے تو جب تک اس کو آیت اور حدیث سے ثابت نہ کریں تب تک کسی عاقل کے نزدیک مقبول نہ ہوگا۔ کیونکہ خلاف ان کے اصول کے ہے۔ پس جب ان کے نزدیک دودھ سور کا پاک اور حلال ہو چکا تو معترض کس منہ سے خفیوں پر طعن کرتا ہے۔

اعتراض ۶۰

عورت نے عدالت میں جھوٹا دعویٰ کیا کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہو گیا ہے، وہ شخص انکار کرتا ہے عورت نے دو جھوٹے گواہ گزار دیئے قاضی نے فیصلہ کر دیا کہ نکاح ہو گیا ہے، حالانکہ حقیقتاً نکاح نہیں ہوا تو اب اس شخص کو اس عورت سے ملنا جلنا و طلی کرنا وغیرہ سب حلال ہے۔ (سیف محمدی ص ۹۹ مسئلہ نمبر ۲۸، درایت محمدی ص ۵۶، حقیقت الفقہ ص ۲۱۹ مسئلہ نمبر ۳۵۱)

اعتراض ۶۱

مرد نے ایک عورت پر جھوٹا دعویٰ کیا کہ یہ میری بیوی ہے اور دو جھوٹے

گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے فیصلہ کر دیا تو اب یہ دونوں میاں بیوی بن کر رہیں
 سہیں اور اس شخص کو اس عورت سے صحبت کرنا حلال ہے۔ (سیف محمدی ص
 ۹۹ مسئلہ نمبر ۲۹، حقیقت الفقہ ص ۲۱۹ مسئلہ نمبر ۴۵۲)

اعتراض ۶۲

عورت نے طلاق کا جھوٹا دعویٰ دائر کیا اور گواہ بھی گزار دیئے۔ قاضی نے
 فیصلہ کر دیا تو باوجودیکہ عورت جانتی ہے کہ اس پر طلاق نہیں پڑی تاہم اسے جائز
 ہے کہ دوسرے سے نکاح کر لے اور اس سے صحبت کرے۔ (سیف محمدی ص ۱۰۰
 مسئلہ نمبر ۳۰)

اعتراض ۶۳

جس گواہ نے جھوٹی گواہی دی اسے بھی اس عورت سے نکاح کرنا حلال
 ہے۔ (سیف محمدی ص ۱۰۰ مسئلہ نمبر ۳۱)

اعتراض ۶۴

قاضی کا حکم نافذ ہے دنیا میں اللہ کے ہاں اگر جھوٹی گواہی سے ہو شرح و قالیہ ص
 ۲۲۷ (حقیقت الفقہ ص ۲۲۵ مسئلہ نمبر ۵۴۹)

جواب

میں کہتا ہوں کہ مذکورہ پانچوں مسائل، معترض کے نزدیک اگر کسی صحیح
 حدیث کے خلاف ہیں تو بیان کرے ورنہ اپنا اعتراض واپس لے۔

ان پانچوں مسائل کا تعلق قاضی کی قضا کے ظاہر اور باطناً نافذ ہونے کے
 ساتھ ہے امام اعظمؒ کے نزدیک قاضی کی قضا ظاہر و باطن میں نافذ ہو جاتی ہے۔
 عورت نے عدالت میں دعویٰ کیا کہ میرا فلاں شخص کے ساتھ نکاح ہوا ہے۔ اس
 پر گواہ بھی پیش کر دیئے اور شرط یہ ہے کہ عورت کسی کی منکوحہ یا معتدہ نہ ہو۔

اسی طرح کسی مرد نے دعویٰ کیا اور گواہ گزار دیئے۔ قاضی نے مطابق حکم شرع شہادت لے کر نکاح کا فیصلہ کر دیا تو یہ فیصلہ

_____ اس کا نکاح ہے قاضی جو کہ ولی ہے موجود ہے اور گواہ بھی موجود ہیں۔ قاضی کا فیصلہ مرد و عورت دونوں نے منظور کیا۔ ان کا یہ منظور کرنا ایجاب و قبول ہے۔ اس لیے نکاح ہو جائے گا۔ اگر یہ فیصلہ باطن میں نافذ نہ ہو تو بجائے اس کے کہ قضاء قطع منازعہ کے لیے ہوتی ہے۔ منازعہ کی تمہید کے لیے ہو جائے گی۔

حضرت علیؑ نے بھی یہی فیصلہ فرمایا تھا جیسا کہ امام محمد نے مبسوط میں لکھا ہے۔ تو عورت بولی کہ آپ میرا نکاح تو کر دیں آپ (حضرت علیؑ) نے فرمایا کہ میرے نکاح کرنے کی کچھ حاجت نہیں۔ دو گواہوں نے تیرا نکاح کر دیا ہے۔ پھر یہ مسئلہ (قاضی قضا ظاہرا و باطنا والا) کسی حدیث صحیح کے خلاف نہیں۔ اگر معترض اس مسئلہ کو کسی حدیث صحیح کے مخالف سمجھتا ہے تو وہ حدیث مع وجہ مخالفت و طریق استدلال لکھے۔ حدیث لعل بعضکم ان یکون الحن بحجة اس مسئلہ کے مخالفت نہیں ہے۔ دیکھو لعلان میں قاضی کی تفریق ظاہر باطن جاری ہو جاتی ہے حالانکہ ان دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہوتا ہے۔

اسی طرح معترض کے نزدیک مفقود کی عورت چار برس کے بعد قاضی تفریق کر سکتا ہے پس کیا یہ تفریق باطن میں نہیں ہوتی؟ کیا وہ عورت اللہ کے نزدیک مطلقہ نہیں ہو جاتی؟ اگر ہو جاتی ہے تو ثابت ہوا کہ قاضی قضاء باطن میں بھی نافذ ہو جاتی ہے۔

علامہ یعنی عمدة القاری شرح صحیح بخاری کے ص ۲۷۱ میں لکھتے ہیں

ابوحنيفة امام مجتهد ادرک صحابة ومن التابعين خلقا كثيرا وقد تكلم في هذه المسئلة باصل وهو ان القضاء تقطع المنازعة بين الزوجين من كل وجه فلولم ينفذ القضاء بشهادة الزور باطنا كان تمهيد للمنازعة بينهما وقد اعهدنا بنفوذ مثل ذالك في الشرع

الاتری ان التفریق باللعمان ینفذ باطنا واحدهما کاذب بالیقین۔
تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔ اولہ کاملہ۔ ایضاً الاولہ۔ تالیفات حضرت
شیخ الہند مولانا محمود حسن۔

اعتراض ۶۵

کم عمر لڑکا یا مجنون بالغہ عاقلہ عورت سے وطی کر لے تو عورت پر حد نہیں۔
(در مختار جلد ۲ ص ۲۰۱، عالمگیری جلد ۲ ص ۶۷۲، ہدایہ ص ۴۶۱ جلد ۲، حقیقت الفقہ
ص ۲۲۱ مسئلہ نمبر ۴، سیف محمدی ص ۱۷۷ مسئلہ نمبر ۴۰)

الجواب

غیر مکلف بالاتفاق مرفوع القلم ہے۔ اس پر حد کیوں کر جاری ہو عرف
الجبای کے صفحہ ۸۳ میں مجتہد العصر کے خلف الرشید لکھتے ہیں۔ وزوال عقل رافع
قلم تکلیف است جب عاقل کی عقل کے زائل ہونے نے قلم تکلیف کو اٹھا دیا تو
جس کو اب تک عقل آئی ہی نہیں۔ تو وہ کیونکر قلم تکلیف کے نیچے آکر حد مارا
جاوے اور عورت اس لئے حد سے محفوظ ہے کہ زنا نام مرد کی وطی کا ہے غیر ملک
میں۔ اور نابالغ مرد نہیں کہ اس کا زنا متصور ہو۔ پس عورت سے بھی وہ زنا نہیں
ہوا جسے وہ حد ماری جاتی جب اصل پر حد نہ ہوئی تو بالغ پر کیونکر ہو کذا فی رد المحتار
والنہر وغیرہما۔ اور شبہوں سے حد کا دفع کر دینا عمل بالحدیث ہے۔ اگر ہماری بات کا
اعتبار نہیں تو دیکھو تمہارے مجتہد العصر کے فرزند نج مقبول کے صفحہ ۸۴ میں لکھتے
ہیں۔ ساقط میثود حد۔ شبہات متملہ۔ اور عرف الجبای کے صفحہ ۲۱۵ میں بھی اس
امر کو کئی حدیثوں سے ثابت کیا ہے اور یہ دونوں کتابیں وہابیوں کی فقہ الحدیث
ہیں۔

Www.Ahlehaq.Com

اعتراض ۶۶

جس عورت کو اجارہ پر لیا ہو (خرچی دیکر) زنا کرے تو حد نہیں۔ (در مختار

جلد ۲ ص ۲۱۶، عالمگیری جلد ۲ ص ۶۷۱، کنز ص ۱۹۲ (ذاتی کیوں نہ خوش ہوں گے)
حقیقت الفقہ ص ۲۲۱ مسئلہ نمبر ۴۷، سیف محمدی ص ۱۳۱ مسئلہ نمبر ۴۱

الجواب

میں کہتا ہوں کہ تعصب ایسی بری بلا ہے جو اچھے خاصے آدمی کو اندھا کر دیتا ہے۔ درمختار میں اسی عبارت کے آگے لکھا ہے۔ والحد وجوب الحد حق یہ ہے کہ حد واجب ہے۔ افسوس کہ معترض کو حق بات نظر نہ آئی۔

اعتراض ۶۷

مسلمان نے ذی کو شراب و سور کی خرید و فروخت کیلئے وکیل کیا تو جائز ہے
(ابو حنیفہؒ) (درمختار جلد ۲ ص ۸۵ ص ۳۲۶، عالمگیری جلد ۳ ص ۱۸۰، کنز ص ۲۳۹)
حقیقت الفقہ ص ۲۲۲ مسئلہ نمبر ۵۲

الجواب

جے پوری نے پوری عبارت نقل نہیں کی اس سے آگے یہ لفظ بھی موجود ہیں مع اشد کراہۃ یعنی صحیح ہے لیکن نہایت کراہت کے ساتھ۔ غائۃ الاوطار ص ۸۵ جلد ۳ میں مٹھاوی سے منقول ہے کہ جب امام صاحب کے نزدیک جواز بیع اور شراء اشد کراہت کے ساتھ ہوا تو مسلمان کو واجب ہے کہ در صورت خرید شراب کو سرکہ بنادے یا اس کو زمین پر بہا دے اور سور کو چھوڑ دے اور در صورت بیع اس کے ثمن کو صدقہ کرے پھر اس کے آگے لکھا ہے وقال لا یصح وهو الا طهر شربیلا الیہ عن البرہان اور صاحبین نے کہا کہ بیع مذکور صحیح نہیں اور یہی اظہر ہے، پس باوجود مفتی بہ ہونے کے قول عدم صحت کے بلا ذکر اشد کراہت نقل کرنا جے پوری کی ایمانداری کا ایک نمونہ ہے۔

شرح و قالیہ فارسی میں ہے۔

مسئلہ شراب ذی در باجرت برداشتن نزدیک امام جائز بود و نزدیک صاحبیہ

جائز نباشد واجرت آل حرام شود (شرح و قلیہ ص ۱۹۳)

ساری عبارت کا خلاصہ یہ ہوا کہ ایسی توکیل اور بیع اور شراء اگرچہ امام صاحب کے نزدیک ظاہراً جائز ہے مگر سخت کراہت یعنی مکروہ تحریمی کے ساتھ۔ امام صاحب بھی تو اس کو حلال طیب نہیں فرماتے صرف مکروہ تحریمی کے ساتھ جائز کہتے ہیں۔ گویا دوسرے لفظوں میں یہ ناجائز ہی ہوا۔ پس اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

غیر مقلدین کے نزدیک شراب اور خنزیر کی چربی اور خون پاک ہے تو اگر اس کی وکالت اور بیع اور شراب بھی حلال ہو تو کیا مضائقہ۔

اعتراض ۶۸

سور کا بال تھوڑے پانی میں گرجاوے تو پانی پاک ہے (محمد) ہدایہ جلد ۳ ص ۷۸ (حقیقت الفقہ ص ۱۹۵ مسئلہ نمبر ۱۳۱)

الجواب

یہ روایت مفتی بہ نہیں ہے اسی ہدایہ میں اسی قول سے پہلے لکھا ہے ولا يجوز بيع شعرا الخنزير لانه نجس العين فلا يجوز بيعه امانة پھر اس عبارت کے آگے لکھا ہے افسدہ عند ابی یوسف "شیخ عبدالحی لکھنوی ہدایہ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ والصحيح قول ابی یوسف بحر الرائق جلد ۶ ص ۸۱ میں اسی قول کو صحیح لکھا ہے۔ در مختار میں بھی اسی قول کو صحیح لکھا ہے چنانچہ صاحب در مختار فرماتے ہیں ویفسد الماء علی الصحيح۔ مولانا وحی احمد سواتی مینہ کے حاشیہ ص ۱۲ میں بدائع سے نقل کرتے ہیں۔ الصحيح انما نجسة لان نجاسة الخنزير ليست بما فيه من الرطوبة بل لعينه اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ حنفی مذاہب میں صحیح یہی ہے کہ سور کا بال پلید ہے اور پانی میں گرے تو وہ پانی نپاک ہو جائے گا۔

اعتراض ۶۹

جانور کے ساتھ بد فعلی کرنے سے، جب تک انزال نہ ہو۔ غسل لازم نہیں اور نہ ہی وضو ٹوٹتا ہے۔ (سیف محمدی ص ۱۷، حقیقت الفقہ ص ۱۹۰-۱۹۱)

الجواب

میں کہتا ہوں کہ معترض نے اس مسئلہ کو اگر کسی آیت یا حدیث کے خلاف سمجھا ہے تو وہ آیت یا حدیث لکھے۔ جب حضورؐ نے چوپایہ کے ساتھ شہوت رانی کرنے والے بلا انزال غسل کا حکم نہیں دیا تو فقہاء پر طنز کرنے سے شرم کرنا چاہیے۔ فقہاء نے کیا برا کیا؟ کہ بوجہ فقدان دلیل وجوب غسل کا حکم نہیں دیا۔ امام بخاری علیہ الرحمہ کے نزدیک تو عورت کے ساتھ جماع کرنے والے پر بھی بلا انزال غسل لازم نہیں چنانچہ انہوں نے اپنی صحیح میں اندریں صورت غسل کو ”احوط“ فرمایا ہے تو وطی بہیہ سے بلا انزال کس دلیل سے غسل لازم سمجھا جاتا ہے؟

مسلم شریف میں حدیث ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ پانی، پانی سے ہے یعنی غسل منی کے نکلنے سے لازم ہوتا ہے۔ اس حدیث کو منسوخ نہ کہا جائے کیوں کہ اس کے منسوخ پر اجماع نہیں۔ امام بخاری اس کو منسوخ نہیں مانتے۔ اس حدیث کے ہوتے ہوئے غیر مقلدین کس منہ سے اس مسئلہ پر اعتراض کرتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ انزال منی موجب غسل ہے۔ جیسا کہ حدیث مسلم سے ظاہر ہے لیکن خروج منی کبھی تو حقیقتاً ہوتا ہے اور کبھی حکماً۔ حقیقتاً تو ظاہر ہے۔ حکماً اس وقت پایا جاتا ہے جبکہ سبب کامل ہو اور سبب کامل غیبت حشفہ ہے ایسے محل میں جو عادةً مشتق ہو جب کہ فروج بہائم ایسا نہیں۔ اس صورت میں سبب ناقص ہوئی۔ خروج منی نہ حقیقتاً پایا گیا اور نہ حکماً تو غسل لازم ہونے کی کوئی وجہ نہ ہوئی۔ کیونکہ مرغوب بالطبع کے جماع سے یا انزال سے لذت کاملہ ہوتی ہے۔ جب محل ہی مرغوب طبع نہ ہو تو بدون انزال کمال

لذت نہیں۔ اس لیے غسل بھی لازم نہیں۔
 ناظرین انصاف کریں کہ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ایسے واقعات پیش
 آتے رہتے ہیں۔ حضرات فقہاء نے ان مسائل کو واضح کر دیا۔ اگر کسی سے ایسا
 فعل صادر ہو تو غسل کا مسئلہ کیا ہوگا؟ چاہیے تو یہ تھا کہ ہم فقہاء کے شکر گزار
 ہوتے کہ انہوں نے متوقع حالات کو سمجھ کر مسائل واضح کر دیئے۔ ہم ان پر الٹا
 طعن کریں تو کیا یہ ناشکری نہیں؟

ایک شبہ

کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ فقہاء کے نزدیک چوپایہ سے بد فعلی کرنا جائز ہے اور
 اس کی سزا کوئی نہیں۔ معاذ اللہ۔ فقہاء علیہم الرحمہ نے اس کی سزا کتاب الحدود
 میں بیان فرمائی ہے۔ من شاء فلینظر

اعتراض ۷۰

اسی طرح مردہ عورت کے ساتھ بد فعلی کرنے سے بھی بغیر انزال کے نہ تو
 وضو ٹوٹتا ہے اور نہ غسل لازم آتا ہے۔ (سیف محمدی ص ۲۱ حقیقت الفقہ ص
 ۱۹۰)

الجواب

میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ کے برخلاف اگر کسی کے پاس کوئی آیت یا
 حدیث ہو تو پیش کرے۔
 یہاں بھی خروج منی نہ حقیقتاً پایا گیا نہ حکماً کہ محل مشتق نہیں۔ اس
 لیے بدون انزال غسل واجب نہیں۔

اعتراض ۷۱

اسی طرح نابالغ لڑکی سے زنا کرنے سے بھی بغیر انزال کے نہ غسل لازم آتا

ہے اور نہ ہی وضو ٹوٹتا ہے۔ (سیف محمدی ۲۲، حقیقت الفقہ ص ۱۹۰)

الجواب

میں کہتا ہوں کہ ایڈیٹر محمدی کا یہ بہتان ہے جو اس نے یہاں لفظ زنا زیادہ کر دیا۔

در مختار کے الفاظ یہ ہیں : او صغيرة غير مشتهاة کیا صغيره غير مشتهات اجنبی عورت ہی ہو سکتی ہے؟ اپنی بیوی نہیں ہو سکتی؟ کس قدر بے باکی ہے کہ عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کے لیے اپنی طرف سے لفظ زنا داخل کر دیا۔ اس مسئلہ میں حضرات فقہاء علیم الرحمہ نے تصریح فرمائی ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اگر ایلاج ممکن ہو تو غسل واجب ہے۔

چنانچہ شامی جلد اول ص ۱۲۲ میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔

والصحيح انه اذا امكن الايلاج في محل الجماع من الصغيرة ولم يفضها فهي ممن تجامع فيجب الغسل۔
بحر الرائق جلد ۱ ص ۶۰ میں ہے۔

وقد حكى عن السراج الهاج خلافا لووطى الصغيرة التي لا تشتهى فممنهم من قال يجب مطلقا "ومن عم من قال لا يجب مطلقا والصحيح انه اذا امكن الايلاج في محل الجماع من الصغيرة ولم يفضها فهي ممن تجامع فيجب الغسل۔
مراق الفلاح نور الايضاح میں ہے۔

ويلزم بوطنى صغيرة لا تشتهى ولم يفضها لانها صارت ممن تجامع فى الصحيح۔

علامہ محطوى حاشیہ مراق الفلاح ص ۵۷ میں لکھتے ہیں۔

هذا هو الصحيح

یعنی صغيرة غير مشتهاة کے ساتھ وطی کرنے سے جب کہ درمیان کا پردہ پھٹ

کر دونوں راہیں ایک نہ ہوں اور محل جمع میں ایلاج ممکن ہو تو غسل واجب ہو جاتا ہے اور یہی صحیح ہے۔

پس معترض کی آنکھوں پر اگر تعصب کی عینک نہ ہوتی تو اسے فقہاء کی یہ تصریحات نظر آ جاتیں۔ پھر ایسا نہ لکھتا۔

اعتراض ۷۲

حربی کافروں کا مال دار الحرب میں مباح ہے۔ خواہ چوری سے لے خواہ جوئے بازی سے ہر طرح جائز ہے یہاں تک کہ دار الحرب میں جو مسلمان ہو اس سے بھی سود لے سکتا ہے۔ (سیف محمدی ص ۱۴۰ مسئلہ نمبر ۴۷)

جے پوری فرماتے ہیں۔

مسلمان مسلمان سے دار الحرب میں سود لے تو جائز ہے (ابو حنیفہ) عالمگیری جلد ۲ ص ۱۹۰، شرح وقایہ ص ۳۹۶، حقیقت الفقہ ص ۲۲۵ مسئلہ نمبر ۵۳۸

الجواب

میں کہتا ہوں چوری کی اجازت درمختار میں نہیں۔ درمختار میں تصریح ہے۔

یحمل برضاہ مطلقا بلا عذر

حربی کی رضا مندی سے جو مال لے حلال ہے۔ مگر عذر نہ ہو۔

اب سنو! صدیق حسن بھوپالوی روئے الندیہ ص ۱۴۰ میں لکھتا ہے۔

ثم نقول اموال اهل الحرب على اصل الاباحة يجوز لكل احد اخذ ما شاء منها كيف شاء قبل التامين بهم

اہل حرب کے اموال مباح ہیں۔ ان کو امان دینے سے پہلے ہر شخص کو جائز

ہے کہ ان اموال سے جو چاہے جس طرح چاہے لے لے۔

اسی طرح عرف الجاوی میں ہے۔ یہ مسئلہ تو معترض کے گھر کا ہی نکل آیا۔

ہاں اگر معترض کے نزدیک اہل حرب کا مال اباحت املیہ میں نہیں تو اس کی دلیل

بیان کرے۔

اور جو شخص دار الحرب میں مسلمان ہو اور ہجرت کر کے دار الاسلام میں نہ آئے اس کا مال بھی معصوم نہیں۔ من ادعی خلاف ذالک فعلیہ البیان۔

اعتراض ۷۳

فتاویٰ قاضیخان چھاپہ نو کشور کی جلد چہارم میں اور فتاویٰ سر اجیہ جو فتاویٰ قاضیخان کے حاشیہ پر چڑھا ہوا ہے اس کی جلد سوم کے صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے۔ کہ اگر مردار جانور کی کھال پر قرآن لکھ لے تو بھی مضائقہ نہیں۔ (حقیقت الفقہ ص ۲۲۸ مسئلہ نمبر ۵۸۷ میں ہے مردار کی کھال پر قرآن لکھنا جائز ہے۔ عالمگیری جلد ۴ ص ۳۲۱)

Www.Ahlehq.Com

الجواب

حنفی کیا سارے اہل سنت کے نزدیک قرآن مجید کا اس قدر ادب ہے کہ اس کو بے وضو ہاتھ میں لینا درست نہیں ہے۔ کذا فی جامعۃ الکتب اور قرآن مجید کے سبکی جیسے قاذورات میں ڈال دینا کفر ہے۔ کذا فی شرح فقہ اکبر وغیرہ البتہ ان نامی حدیث کے چلنے والوں کے نزدیک سوائے خون حیض ونفاس کے سارے جاری خون اور تمام حیوانات کے بول و براز پاک ہیں جو ان کی فقہ الحدیث ہے اس کی عربی شرح روضہ ندیہ میں ان کے مجتہد العصر نواب صدیق حسن خان صاحب در صفحہ ۸ و صفحہ ۹ و صفحہ ۱۰ میں ان چیزوں کو پاک لکھتے ہیں۔ چنانچہ اس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔ پس جن کے نزدیک سور کتے بندر ریچھ وغیرہ کے بول و براز و خون پاک ہیں۔ ان کے نزدیک ان چیزوں سے قرآن مجید کا بھی لکھ لینا جائز ہو۔ اور عرف الجاوی جو نواب صاحب نے اپنے فرزند ارجمند کی کتاب تصحیح کر کے بھوپال میں چھپوائی ہے اس کے صفحہ ۱۵ میں لکھا ہے۔ اس مصحف جائز باشد۔ یعنی بے وضو قرآن کو ہاتھ لگانا روا ہے۔ اور رسالہ تحریق اور اراق میں جو قرآن شریف کے جلانے کے باب میں لاہوری امرتسری وغیرہ موحودوں کے اتفاق سے چھپا ہے۔ اور مولوی غلام علی اور مولوی عبد الجبار اور مولوی احمد اللہ امرتسریاں اس میں مقدمتہ الجیش ہیں اس

کے صفحہ ۴ میں لکھتے ہیں کہ کسی عذر سے قرآن شریف کا قاذورات میں ڈال دینا کفر نہیں رخصت ہے۔ پھر صفحہ ۵ میں لکھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی اور چیز نہ ہو تو قرآن شریف کو پاؤں کے نیچے رکھ کر اونچے مکان سے کھانا اتار لینا روا ہے۔ اور نیز حاجت کے وقت قرآن شریف کو کشتی میں نیچے ڈال لینا روا ہے۔ یہ مسئلے ان نامی حدیث پر چلنے والوں کے ہیں۔ اور حنفی ان کو مردود سمجھتے ہیں۔ باقی رہا چڑا مردار کا سو بحکم حدیث شریف اذا دبغ الا باب فقد طهر یعنی چڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔ پس پاک چیزوں پر قرآن شریف لکھنے کی کیا قباحت ہے۔ البتہ ان کی فقہ الحدیث کے رو سے چڑا کیا مردار کا گوشت اور گویہ موت بھی پاک ہے۔ روضہ ندیہ کے صفحہ ۸ و صفحہ ۹ و صفحہ ۱۰ کو دیکھو۔

اعتراض ۷۴

غلام لونڈی یا بیوی سے اغلام کرے تو بالا جماع حد نہیں۔ (در مختار جلد ۲ ص ۴۱۵، عالمگیری جلد ۲ ص ۶۷۳، حقیقت الفقہ ص ۲۲ مسئلہ نمبر ۴۹۸)
اخبار اہل حدیث ۶ اپریل ۱۹۰۶ میں ہے۔

یعنی شرح ہدایہ چھاپہ نو کشور کی جلد دوم کے صفحہ ۶۷۸ میں لکھا ہے کہ اگر وطی کرے اپنے غلام سے دبر میں یا لونڈی کی دبر میں یا اپنی عورت منکوحہ کی دبر میں تو نہیں ہے حد اس پر اور اس میں اختلاف نہیں ہے۔ پس وطی کرنا عورت و مرد کی دبر میں مذہب حنفیہ میں حلال ہے۔

الجواب

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ کہ لعنة الله على حالکاذبین حنیفوں کی کسی کتاب میں ایسا نہیں لکھا ہے یہ صرف بہتان ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ وروی ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال ملعون ملعون من عمل عمل قوم لوط الی آخر الحدیث دیکھو کتاب ریاض الناحین صفحہ ۳۳۵ فصل ششم اور نیز حدیث

شریف میں یہ بھی آیا ہے ملعون من اتی امرأۃ فی دبرہا دیکھو تحفہ اثناء عشریہ صفحہ ۴۰۲ مطبوعہ نو کشور۔

حالانکہ فقہ حنفی میں تو یہ لکھا ہے۔

یعنی تقریر کرنی چاہیے اس میں اختلاف نہیں ہے۔ نہ یہ کہ اس کو سزا ہی نہ دی جاوے یہ صریح بہتان مذہب حنفی پر ہے۔ کہ عبارت کے مطلب کو صریحاً "النادیا۔ اور نتیجہ خود ہی نکل دیا کہ مذہب حنفی میں وطی فی الدبر جائز ہے بھلا آپ یہ تو ثابت کریں کہ آخر کا فقرہ جو آپ نے نتیجہ کے طور پر لکھا ہے۔ کونسی حنفی مذہب کی کتاب میں لکھا ہے مخالف کو چاہیے کہ صاف صاف عدم حکم سزا کا ثابت کرے اگر ثابت نہ کرو گے تو دروغ گو اور مفتزی کہلاؤ گے اور آیت مذکورہ کے تحت میں آؤ گے ساری عبارت اس کتاب کو اچھی طرح سے پڑھو اور لا تقربوا الصلوۃ پر عمل کرو اور مقدم اور موخر عبارتوں کا بھی خیال کر لیں تاکہ پھر دوبارہ دھوکہ میں نہ آویں ورنہ اہل دین کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔

اعتراض ۷۵

خود مختار آزاد بادشاہ جو کچھ برا کام کرے اس پر کوئی حد نہیں۔ اگر قتل کرے تو قصاص ہے۔ (درایت محمدی ص ۵۸، سیف محمدی ص ۱۳۵) جے پوری نے بھی یہ اعتراض کیا ہے لکھتے ہیں

خلیفہ اور امام اور بادشاہ زنا کرے تو حد نہیں۔ (در مختار جلد ۲ ص ۴۱۷، عالمگیری جلد ۲ ص ۶۷۵، ہدایہ جلد ۲ ص ۴۶۳، شرح وقایہ ص ۳۳۲، کنز ص ۱۹۲، حقیقت الفقہ ص ۲۲۲ مسئلہ نمبر ۴۸۹، فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر ص ۶۵)

الجواب

چونکہ قصاص حقوق العباد میں سے ہے اور اس کا مدعی صاحب حق ہے۔ اس لیے صاحب حق کے طلب کرنے پر قصاص لیا جائے گا۔ لیکن حدود حقوق اللہ میں سے ہے اور حدود کا اجراء واقامت بادشاہ سے متعلق ہے۔ جب بادشاہ ایسا ہو

کہ اس کے اوپر کوئی بادشاہ نہ ہو تو وہ اپنے آپ پر اقامت حدود نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر اس پر بھی بادشاہ ہو تو وہ اپنے ماتحت بادشاہ پر حدود قائم کر سکتا ہے۔ اور یہی دلیل صاحب ہدایہ نے لکھی ہے۔

فقہائے کرام ایسے بدکردار کو اولاً تو سربراہ مملکت بننے نہیں دیتے۔ اگر بد قسمتی سے سربراہ مملکت بن ہی جائے تو اس کے معزول کرنے کے مناسب اقدامات فرماتے ہیں۔ کیونکہ جب تک وہ ریاست کا سربراہ اعلیٰ ہے تب تک اس کے اوپر قوت نافذہ قائم نہیں ہو سکتی اور حدود خداوندی کا نفاذ قوت نافذہ کے بغیر ممکن نہیں پہلے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ فتنہ نہ پھیلے۔ فتنہ کے بغیر اس بدکردار سربراہ کو معزول کیا جائے گا پھر اس پر مقدمہ چلایا جائے گا پھر حدود نافذ کی جائیں گی۔ (تبیین الحقائق ص ۱۸۷ جلد ۳)

اعتراض ۷۶

امام صاحب کے نزدیک عورت کی شرمگاہ کی رطوبت پاک ہے۔ (سیف محمدی ص ۲۵ مسئلہ نمبر ۴)
جے پوری لکھتے ہیں۔ فرج کی رطوبت پاک ہے جیسے رینٹ اور تھوک وغیرہ (ابو حنیفہ) (در مختار جلد ۱ ص ۸۳ و ص ۱۵۱ و ہدایہ جلد ۱ ص ۲۴۱، حقیقت الفقہ ص ۱۹۸ مسئلہ نمبر ۱۹۲)

الجواب

میں کہتا ہوں کاش آپ نے اس کے نجس ہونے پر کوئی آیت یا حدیث لکھی ہوتی۔ اگر کوئی نہیں تو شوکانی کا یہ قول آپ کو یاد ہونا چاہیے ”والاصل الطہارۃ“ کہ اصل طہارت ہے۔ یعنی جب تک کسی چیز کی نجاست پر کوئی دلیل نہ ہو وہ چیز پاک ہوتی ہے۔ اس پر نجاست کا حکم لگانا درست نہیں۔

مولوی وحید الزمان نے نزل الابرار من الفقہ النبی المختار لکھ کر وہابیوں پر احسان کیا ہے وہ اس کتاب کی پہلی جلد ص ۴۹ میں رطوبت فرج کو پاک لکھتا ہے۔

اگر وحید الزمان پر کچھ اعتراض ہو تو سنئے!
علامہ نووی شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۴۰ میں لکھتے ہیں۔

قد استدلل جماعة من العلماء بهذا الحديث على طهارة رطوبة
فرج المرأة وفيها خلاف مشهور عندنا وعند غيرنا والاظهر
طهارتها

فرمائیے! اب تو آپ کے گھر کا مسئلہ نکل آیا۔ علامہ نووی رطوبت فرج کی
طہارت کو اظہر فرماتے ہیں۔

اسی شرح مسلم ص ۱۵۵ میں نووی لکھتے ہیں۔ هذا هو الاصح عند اكثر
اصحابنا ہمارا اکثر اصحاب کے نزدیک یہی صحیح ہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری اخبار اہل حدیث ۱۶ جولائی ۱۹۰۹ء میں لکھتے ہیں۔
رطوبت مثل مذی ہے اور مذی سے بموجب حدیث شریف وضو ٹوٹ جاتا
ہے۔ البتہ اس کی نپاکی کا ثبوت نہیں۔ دھو ڈالے تو افضل ہے۔

فرمائیے! یہ گولہی تو آپ کے اپنے گھر سے ہے۔ تو کیا اب بھی آپ اس
مسئلہ کو حیا سوز اور شرمناک لکھیں گے؟ فقہاء پر اعتراض کرنے سے پہلے اپنے گھر
کی خبر لیجئے۔

اعتراض ۷۷

اگر کسی باکرہ عورت کے پاس جائے اور اس کا بکر زائل نہ ہو تو بھی غسل
نہیں۔ (سیف محمدی ص ۲۷ مسئلہ نمبر ۵)
جے پوری لکھتے ہیں۔

باکرہ سے جماع کرے اور بکارت قائم رہے تو غسل لازم نہیں۔ (در مختار
جلد ۱ ص ۸۳، حقیقت الفقہ ص ۱۹۲ مسئلہ نمبر ۱۰۳)

الجواب

میں کہتا ہوں کہ در مختار میں اس کی وجہ بھی مذکور ہے

فانها تمنع التقاء الختانين
 کہ بکارت مرد اور عورت کے ختنہ گاہوں کے ملنے سے مانع ہے۔ فرج میں
 دخول حشفہ ممکن نہیں۔ تو بکارت کا باقی رہنا عدم ایلاج کی دلیل ہے۔ ایسی حالت
 میں جب کہ انزال نہ ہو غسل واجب ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔
 من ادعی خلافہ فعلیہ البیان

اعتراض ۷۸

اگر انسان کی کھال کو دباغت دی جائے تو وہ بھی پاک ہو جاتی ہے۔ (سیف
 محمدی ص ۲۸ مسئلہ نمبر ۶)
 جے پوری لکھتے ہیں
 آدمی کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔ (درمختار جلد ۱ ص ۱۰۳ ہدایہ
 جلد ۱ ص ۱۰۹، شرح وقایہ ص ۴۷، حقیقت الفقہ ص ۲۰۳ مسئلہ نمبر ۲۶۶)

الجواب

افسوس کہ معترض کو اگلی عبارت نظر نہ آسکی جو یہ ہے

وان حرم استعماله

صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ انسان کا چمڑہ رنگنے سے گو پاک ہو جاتا ہے
 لیکن اس کا استعمال حرام ہے۔

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ بعض تو انسان کے چمڑے کو قابل
 دباغت ہی نہیں سمجھتے اور بعض قابل دباغت تو سمجھتے ہیں لیکن دباغت دینا یا اس
 سے نفع اٹھانا بالاتفاق منع مانتے ہیں۔

شیخ عبدالحی عمدة الرعایہ میں فرماتے ہیں کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ
 اگر دباغت دی جائے تو پاک ہو جاتا ہے لیکن انسان کا چمڑہ اتارنا یا اس کو دباغت
 دینا حرام ہے۔

بحر الرائق میں ابن حزم کے حوالہ سے اس پر اجماع مسلمین لکھا ہے۔

رہی یہ بات کہ اگر دباغت دی جائے تو پاک ہو جاتا ہے یا نہیں؟ حضرات فقہاء فرماتے ہیں کہ پاک ہو جاتا ہے۔ بخاری شریف میں مسلمان زندہ اور مردہ کو پاک لکھا ہے۔ رہا کافر حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کافروں کی نجاست اعتقادی لکھا ہے نواب صدیق حسن نے بھی الروضۃ الندیہ میں اسی طرح لکھتا ہے۔ وہابیوں کا سرغنہ وحید الزمان نزل الابرار میں لکھتا ہے۔

واستثنی بعض اصحابنا جلد الخنزیر والادمی والصحیح عدم الاستثناء

ہمارے بعض اصحاب (غیر مقلدوں) نے خنزیر اور آدمی کا چمڑا (حدیث ایما اہاب دبغ فقد طهر) سے مستثنیٰ کیا ہے لیکن عدم استثناء صحیح ہے۔ پھر آگے لکھتا ہے

وجلد الادمی طاهر الا انه لا يجوز استعماله لكونه محترما
آدمی کی جلد پاک ہے لیکن اس کے محترم ہونے کے باعث اس کا استعمال جائز نہیں۔

اب ہم معترض سے پوچھتے ہیں کہ یہ مسئلہ بھی آپ کے گھر سے ہی نکل آیا۔ اب وحید الزمان کے بارے میں کیا خیال شریف ہے؟ ممکن ہے آپ یہ کہہ دیں کہ ہم وحید الزمان کے مقلد نہیں۔ آپ لوگوں کی یہ علت بھی کیا خوب ہے۔ چلے! آپ اس مسئلہ کے خلاف قرآن کی کوئی آیت یا حدیث ہی پیش کر دیں جس میں انسان کی کھال کو دباغت کے باوجود نجس لکھا ہو۔

اعتراض ۷۹

کنویں میں کتا گر پڑا اور زندہ نکل لیا گیا۔ اگر اس کا منہ پانی تک نہیں پہنچا تو کنویں کا پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ (سیف محمدی ص ۵۶ مسئلہ نمبر ۱۳)
جے پوری لکھتے ہیں

کنویں میں کتا گر جائے اگر منہ ڈوبے تو پانی پاک ہے (در مختار جلد ۱ ص ۱۰۵)

الجواب

میں کہتا ہوں کہ یہ حکم مطلقاً نہیں مشروط ہے کہ کتے کے بدن پر کوئی نجاست نہ ہو۔ چنانچہ فتاویٰ غیاثیہ ص ۷ میں لکھا ہے۔

وعن ابی نصر الدلوسی رحمہ اللہ اذا لم یصب فمہ الماء ولم یکن علی دبرہ نجاستہ لم ینجس۔

ابونصر الدلوسی فرماتے ہیں کہ جب کتے کا منہ پانی تک نہ پہنچے اور اس کی دبر پر نجاست نہ ہو تو پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

خود صاحب درمختار اس کی تصریح کرتے ہیں۔

لو اخرج حیا ولیس بنجس العین ولا بہ حدث ولا خبث لم ینزع شیئی الا ان یدخل فمہ الماء

جو حیوان کہ نجس عین نہیں (جیسے صحیح مذہب میں کتا) جب کہ اس کے بدن پر حدث ہو نہ خبث۔ اگر اسے کنویں سے زندہ نکالا جائے تو پانی نہیں نکالا جائے گا۔ بشرطیکہ پانی اس کے منہ تک نہ پہنچا ہو۔

پانی بطور وجوب نہیں نکالا جائے گا۔ البتہ تسکین قلوب کے لیے بیس ڈول کا نکالنا علامہ شامی نے لکھا ہے۔ ہاں اگر کتے کا منہ پانی تک چلا جائے تو پانی ضرور نکالا جائے گا۔ کسی آیت یا حدیث میں اگر آیا ہو کہ ایسی صورت میں کنویں کا پانی ناپاک ہو جاتا ہے تو بے شک معترض کو اعتراض کا حق ہے۔ اگر کوئی ایسی آیت یا حدیث نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر معترض کو اس آگ سے ڈرنا چاہیے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

کیا اندھیر اور سمجھ کا پھیر ہے کہ غیر مقلدین خود تو پانی کو طاہر اور مطہر مانتے ہیں اور فقہ حنفیہ پر اعتراض بھی کرتے ہیں۔ خود ان کے ہاں بھی جب تک رنگ، بو یا ذائقہ نہ بدلے پانی پاک ہوتا ہے۔ چنانچہ شوکانی نے در ربیہ میں صدیق حسن

نے روضہ ندیہ میں اور حافظ محمد لکھنوی نے انواع محمدی میں اس کی تصریح کی ہے۔

وحید الزمان جس نے وہابیہ پر احسان کیا اور ان کے لیے بھی فقہ کی ایک کتاب لکھ دی وہ تو کتے کو منہ تک پانی پہنچ جانے کی صورت میں بھی پانی کو پلید نہیں سمجھتا۔ چنانچہ وہ نزل الابرار ص ۳۰ میں لکھتا ہے۔

ولو سقط فی الماء ولم يتغير لا یفسد الماء وان اصاب فمه الماء

اگر کتا پانی میں گرا اور پانی متغیر نہیں ہوا تو پانی ناپاک نہیں ہوا اگرچہ پانی کتے کے منہ تک پہنچا ہو۔

ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ وہابیہ کے نزدیک کتا پاک ہے۔ بلکہ امام بخاری اور امام مالک کے نزدیک بھی پاک ہے۔ پھر حنفیہ پر اعتراض کیوں؟ حالانکہ حنفیہ تصریح کرتے ہیں کہ کتے کا لعاب پلید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حنفیہ نے اس مسئلہ میں بھی پانی کے منہ تک نہ پہنچنے کی قید لگائی۔ لیکن تمہارے ہاں تو اس کا لعاب بھی پلید نہیں اسی لیے تو وحید الزمان وان اصاب فمه الماء لکھتا ہے۔ حدیث ولوغ کلب میں تسبیح یا تتریب کا جو حکم ہے قاضی شوکانی اس کو مقیدی لکھتا ہے دیکھو سبل السلام ومسک الختام۔ صدیق حسن بھی سراج الوہاج شرح صحیح مسلم ص ۱۰۸ میں ایسا ہی لکھتا ہے صحیح بخاری میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر اور پانی نہ ہو تو کتے کے جوٹھے پانی کے ساتھ وضو کرنا جائز ہے۔

اب آپ ہی گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں کہ کس منہ سے فقہ حنفیہ پر اعتراض کر رہے ہیں؟

اعتراض ۸۰

کتے کے بال حنفی مذہب میں بالاتفاق پاک ہیں۔ (سیف محمدی ص ۶۵ مسئلہ نمبر ۱۷، حقیقت الفقہ ص ۲۰۳ مسئلہ نمبر ۲۵)

الجواب

میں کہتا ہوں تم ان کے پلید ہونے کی کوئی دلیل بیان کرو۔ حدیث کل اباب دبغ اور ہلا اخذتم ابابہا سے بالوں کا پاک ہونا معلوم ہوتا ہے کیوں کہ اباب لجمعه بالوں کے چڑے کا نام ہے۔ جب وہ پاک ہو گیا تو بال بھی پاک ہو گئے۔ ورنہ حضور علیہ السلام تصریح فرمادیتے کہ بال کاٹ ڈالو پھر کھال سے نفع اٹھاؤ۔ یا یہ فرماتے کہ چڑا تو پاک ہو جاتا ہے لیکن بال پاک نہیں ہوتے۔ جوہر النقی جلد ۱ ص ۱۲ میں ہے

فہو اسم للجلد بشعرہ فدل علی طہارۃ شعرہ ایضا لولا ذالک لقال احلقوا شعرہ ثم انفعوا بہ
(اباب) نام ہے کھال مع بال کا پس یہ بالوں کے پاک ہونے کی بھی دلیل ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضور فرمادیتے کہ بال اتار کر (کھال سے) نفع حاصل کرو۔

اعتراض ۸۱

پیاسے آدمی کو رخصت ہے کہ شراب پی لے۔ (سیف محمدی ص ۲۶ مسئلہ نمبر ۱۸، حقیقت الفقہ ص ۲۰۱ مسئلہ نمبر ۲۲۵ میں ہے
پیاسے کو شراب پینا ضرورتاً جائز ہے۔ (درمختار ص ۱۰۶)

الجواب

میں کہتا ہوں درمختار میں تدویٰ بالحرام میں اختلاف بیان کیا اور لکھا ہے کہ حرام چیز کے ساتھ دوا کرنا ظاہر مذہب میں منع ہے پھر آگے لکھا ہے۔
وقیل یرخص اذا علم فیہ شفاء ولم یعلم دواء آخر کما رخص الخمر للعطشان
یعنی بعض نے کہا ہے کہ حرام چیز سے دوائی کی رخصت ہے جب کہ یہ

معلوم ہو جائے کہ اس میں شفاء ہے اور کوئی دوسری دوائی معلوم نہ ہو۔ جیسے نہایت پیاسے کو شراب پینے کی رخصت ہے۔

عطشان مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کے معنی نہایت پیاسا یعنی مضطر ہے۔ معترض نے عطشان کا معنی ”صرف پیاسا“ کر کے عوام کو مغالطہ میں ڈالا ہے۔

اضطرار کی حالت میں بالاتفاق اکل میتہ و شرب خمر کی رخصت ہے۔ معترض کی کم علمی کہا جائے یا دانستہ فریب کہ مضطر کی رخصت کو عام رخصت سمجھ کر اعتراض کرویا۔

اعتراض ۸۲

ثم الاحسن روجتم امامت کی ابتدائی شروط میں اگر برابری ہو جائے تو اسے امام بنایا جائے جس کی بیوی زیادہ خوبصورت ہو۔ (سیف محمدی ص ۷۳ مسئلہ نمبر ۱۹، حقیقت الفقہ ص ۶۲ مسئلہ نمبر ۳۶۲ میں ہے

مستحق امامت کا وہ ہے جس کی بیوی زیادہ اچھی ہو۔ درمختار جلد ۱ ص ۲۵۹

الجواب

میں کہتا ہوں کہ درمختار کی اس عبارت میں حسن سیرت مراد ہے یعنی جس کی عورت بری نہ ہو نیک ہو۔ اس کے اوصاف اچھے ہوں کیوں کہ بری بیوی سے مرد کو نفرت ہوتی ہے اور نیک سے محبت۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے

اجعلوا انتمکم خیارکم فانہم وفدکم فیما بینکم و بین ربکم۔

اپنے امام برگزیدہ بنایا کرو کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان تمہارے ایلچی ہیں۔

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے

خیارکم خیارکم نساہم (مشکوٰۃ ص ۲۷۴)

تم میں سے برگزیدہ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ اچھے ہیں۔

اور ایک روایت میں ہے

خیبر کم خیبر کم لاہلہ

تم میں سے اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی سے اچھا ہو۔
ظاہر ہے کہ جس شخص کی بیوی نیک سیرت ہوگی اس کا مرد بھی اس کے
ساتھ اچھا ہوگا الا ماشاء اللہ۔ اور جو اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرتا ہے۔ حضورؐ
نے اسے برگزیدہ فرمایا ہے۔ اور برگزیدہ کو امام بنانے کا حکم فرمایا تو معلوم ہوا کہ
نیک اور خوش خصل بیوی کا شوہر امامت میں اولیت کا حق رکھتا ہے۔ دیکھئے مسئلہ
تو بالکل صاف ہے۔ رہی یہ بات کہ کس شخص کی عورت اوصاف حمیدہ رکھتی
ہے۔ اس میں یہ ضروری نہیں کہ دریافت کرتے پھریں۔ یہ امر تو ہمسایہ اہل محلہ
اور عام لوگوں کو معلوم ہوتا ہے۔ کذا فی الشامی

اعتراض ۸۳

روزہ دار، روزہ کی حالت میں شرم گاہ کے سوا کہیں اور مجامعت کرے اور
انزال نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (سیف محمدی ص ۸۵ مسئلہ نمبر ۲۱)
جے پوری لکھتے ہیں۔ ناف یا ران میں جماع کرے اگر انزال نہ ہو تو روزہ فاسد
نہیں۔ درمختار جلد ۱ ص ۵۱۱، حقیقت الفقہ ص ۲۱۶ مسئلہ نمبر ۴۰۰)

الجواب

میں کہتا ہوں کہ قبل اور دبر کے سوا کوئی اگر ران یا ناف میں یا کسی اور جگہ
شہوت رانی کرے تو صرف اس حرکت سے روزہ فاسد نہیں جب تک انزال نہ
ہو۔ انزال ہو جانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

ایک شبہ

اس سے کوئی نا سمجھ یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ روزہ کی حالت میں ایسا فعل کرنا
فقہاء کے نزدیک جائز بلا کراہت ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ مسئلہ صرف اس لیے ہے کہ
اگر کوئی شخص غلطی سے ایسا کر بیٹھے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے۔ اور یہ مسئلہ کے

خلاف کوئی آیت یا حدیث ہو تو پیش کرے جس میں یہ ذکر ہو کہ اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں ایسا کرے تو بلا انزال روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

آپ کا وحید الزمان نزل الابرار جلد ۱ ص ۲۲۹ میں لکھتا ہے۔

ولو جامع امرأة فيما دون الفرج ولم ينزل لم يفسد
کوئی شخص بیوی کے ساتھ فرج کے سوائے کہیں اور جماع کرے تو انزال کے بغیر روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

لیجئے! یہ مسئلہ بھی آپ کے اپنے گھر کا ہی نکل آیا۔ بلکہ اس میں تو وحید الزمان صاحب نے نہ تو ایلاج کی قید لگائی اور نہ ہی دبر کی۔ تو بتائیے! آپ کی نظر میں درمختار زیادہ محل نظر ہوگی یا نزل الابرار؟

اعتراض ۸۴

نشہ کی حالت میں کسی نے اپنی بیٹی کا بوسہ لیا تو اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی۔ (سیف محمدی ص ۹۴ مسئلہ نمبر ۲۶، حقیقت الفقہ ص ۲۱۹ مسئلہ نمبر ۴۴۴ میں ہے

نشہ میں اپنی بیٹی کو پکڑ کر بوسہ لیا لڑکی نے کہا کہ میں تیری بیٹی ہوں تو جو رو حرام ہو جائے گی۔ عالمگیری جلد ۲ ص ۱۷

الجواب

میں کہتا ہوں درمختار میں یہ مسئلہ بحوالہ تفتیہ لکھا ہے۔ علامہ شامی نے تفتیہ کی اصل عبارت لکھی ہے۔

قبل المجنون ام امرأة بشهوة او السكران ببنته تحرم
اس میں تصریح یہ ہے کہ بوسہ شہوت کے ساتھ لیا ہو۔ قارئین خود انصاف کریں کہ ایک شخص اگر شہوت کے ساتھ اپنی بیٹی کو چومے تو حرمت مصاہرہ کے سبب اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔ معترض نے یہاں بھی بددیانتی سے کلام لیتے ہوئے شہوت کے لفظ کو گول کر دیا ہے۔ ماکہ عام قاری کو مغالطہ میں ڈالا

جائے۔ باپ اپنی بیٹی کو چومتا ہے۔ اور یہ انتہائی شفقت ہے۔ لیکن شہوت کے ساتھ چومنا دوسری صورت ہے اگر معترض اس مسئلہ کو کسی آیت یا حدیث کے خلاف سمجھتا ہے تو وہ بیان کرے فقہاء علیہم الرحمہ تو ایسے دلائل آدمی کو یہی حکم دیں گے کہ اس کی بیوی حرام ہوگئی۔

اعتراض ۸۵

کسی شخص نے اپنی (ماں، بہن، بیٹی وغیرہ) محرمات ابدیہ سے نکاح کر لیا اور پھر صحبت بھی کی تو حد نہیں ماری جائے گی اگرچہ دونوں مانتے ہوں کہ یہ کام حرام ہے۔ (سیف محمدی ص ۱۱۲ مسئلہ نمبر ۳۴، حقیقت الفقہ ص ۲۲۲ مسئلہ نمبر ۴۸۳)

اعتراض ۸۶

دوسرے کی نکاح بیوی سے نکاح کیا اور مجامعت کی تو بھی اس پر حد نہیں اگرچہ اس کی حرمت کا علم ہو۔ (سیف محمدی ص ۱۱۳ مسئلہ نمبر ۳۵، حقیقت الفقہ ص ۲۲۱ مسئلہ نمبر ۴۸۱)

اعتراض ۸۷

عدت میں بیٹھی ہوئی عورت سے نکاح کر کے وطی کی تو بھی حد نہیں لگائی جائے گی اگرچہ عورت مرد دونوں جانتے ہوں کہ یہ نکاح اور وطی حرام ہے۔ (سیف محمدی ص ۱۱۳ مسئلہ نمبر ۳۶، حقیقت الفقہ ص ۲۲۱ مسئلہ نمبر ۴۸۱)

تینوں اعتراضوں کا اکٹھا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

الجواب

میں کہتا ہوں کہ معترض نے ان تینوں مسائل میں بھی کوئی آیت یا حدیث نہیں لکھی جس میں ان امور کے ارتکاب پر وہ حد ہو جس کی نفی فقہاء نے فرمائی ہے معترض کی خیانت دیکھئے کہ درمختار میں اس عبارت کے بعد ویعزر لکھا ہے

یعنی اس شخص کو سزا دی جائے۔ معترض نے وعزر کی عبارت کو اڑا دیا تاکہ پڑھنے والے کو مغالطہ لگے کہ مندرجہ بالا امور میں فقہاء نے اس شخص کو کسی سزا کا حکم نہیں دیا فقہاء نے تو فرمایا ہے کہ اس شخص کو سزا دی جائے۔ صاحب درمختار نے یہ بھی لکھا ہے کہ قتل سے بھی تعزیر ہوتی ہے۔ فقہاء کے نزدیک ایسے شخص کا تعزیراً قتل بھی جائز ہے۔

کسی گناہ کے ارتکاب پر حد کے نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ گناہ نہیں ہے کئی کبائر ایسے ہیں جن میں حد نہیں۔ مثلاً "شراب پینے میں حد ہے لیکن بول پینے میں حد نہیں۔ سود لینا دینا کبیرہ ہے لیکن اس پر حد نہیں۔ زنا کی تہمت لگانے میں حد ہے۔ لیکن کفر کی تہمت میں حد نہیں۔ اسی طرح محرمات ابدیہ منکوحہ غیر اور متعدہ سے نکاح کر کے وطی کرنا کبیرہ ہے مگر اس پر حد نہیں۔

جاننا چاہیے کہ زانی کی حد شریعت میں رجم یا جلد ہے۔ لیکن ایسے زانی کے لیے جو محرمات سے نکاح کر کے زنا کرتا ہے نہ رجم منقول ہے نہ جلد۔ کسی حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ایسے شخص کے لیے رجم یا جلد کا حکم نہیں فرمایا۔ فقہاء علیم الرحمہ کی لایحل سے یہی مراد ہے کہ اس پر نہ رجم ہے نہ ہی جلد۔ البتہ اس کو سخت سے سخت تعزیر دی جائے جو قتل سے بھی ہو سکتی ہے۔

سرور عالم ﷺ نے فرمایا

ادرو الحدود بالشبهات ما استعظمتم

جہاں تک ہو سکے شبہات کے باعث حدود کو ساقط کر دیا کرو اس حدیث سے شبہات کے ساتھ حدود کا ساقط کرنا تو ثابت ہوا۔ لیکن شبہات کا تعین قرآن و حدیث میں صراحتہ موجود نہیں۔ ہر مجتہد نے اپنے اجتہاد سے استنباط کیا ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے نفس عقد کو شبہ میں داخل سمجھا ہے۔ گو اس عقد کی حرمت پر اتفاق اور وہ جانتا بھی ہو حدیث!

ایما امرة نکحت بغير اذن وليها فنکاحها باطل فان دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها

امام اعظمؒ کے قول کی تائید کرتی ہے کیونکہ اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے اس عورت کا جس نے اپنے ولی کے اذن کے بغیر نکاح کر لیا ہو۔ نکاح باطل فرمایا ہے مہر لازم۔ اس عورت کے ساتھ وطی کرنے میں حد لازم نہیں تو ظاہر ہے کہ نکاح کو ایسا دخل ہے جو حد ساقط کر دے۔ معلوم ہوا کہ نفس عقد شبہ ہے۔ اور شبہات سے حدود کا ساقط ہونا حدیث میں آیا ہے۔ اس لیے مذکورہ بالا صورتوں میں حد نہیں۔

جوہر النقی ج ۲ ص ۱۷۷ میں لکھا ہے

وقد اخرج الطحاوی بسند صحیح عن ابن المسيب ان رجلا تزوج امرأة في عدتها فرفع الى عمر فضربها دون الحد وجعل لها الصديق

یعنی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک شخص نے معتدہ کے ساتھ نکاح کیا تو یہ معاملہ حضرت عمرؓ تک پہنچا۔ آپ نے دونوں کو حد زنا سے کم مارا اور عورت کو مہر دلویا۔

معلوم ہوا کہ عقد نکاح حد کے سقوط کے لیے شبہ ہو سکتا ہے اور یہی حضرت امام اعظمؒ نے فرمایا تو معترض کا اعتراض نہ صرف حضرت امام اعظمؒ پر ہے بلکہ صحابہ رسولؐ پر ہے۔ میں تو یہ بھی کہوں گا کہ اعتراض رسول کریمؐ پر بھی ہے کیونکہ قضاء میں حضرت عمرؓ کا فیصلہ وہی تھا جو رسول کریمؐ کی پیروی سے ماخوذ تھا۔

اعتراض ۸۸

اغلام کرنے سے بھی حد نہیں لگائی جائے گی۔ (سیف محمدی ص ۱۲۰ مسئلہ نمبر ۳۸، حقیقت الفقہ ص ۲۲۲ مسئلہ نمبر ۴۹۷ میں ہے۔

اغلام کرنے سے حد نہیں آتی ہے (ابو حنیفہ) درمختار جلد ۲ ص ۴۱۵، عالمگیری جلد ۲ ص ۶۷۳، ہدایہ جلد ۲ ص ۴۵۸، شرح وقایہ ص ۳۳۱، کنز ص ۱۹۳، قدوری ص ۲۲۶)

الجواب

معترض نے یہاں بھی پوری عبارت نقل نہیں کی۔ صاحب درمختار ایسے شخص کو آگ میں جلانا یا اس پر دیوار گرانا یا بلند مکان سے پتھروں کے ساتھ گرانا نقل کیا ہے اور بحوالہ فتح القدیر لکھا ہے کہ اس کو سزا دی جائے، قید کیا جائے۔ یہاں تک کہ مرجائے یا توبہ کر لے۔ اگر اس کو لواطت کی عادت ہو تو امام اس کو سیاست قتل کرے۔ اتنی عبارت کو معترض ہضم کر گیا۔

ہاں اگر معترض کے پاس کوئی دلیل قرآن و حدیث صحیح سے ہے جس میں وطنی الدبر کے لیے وہ حد ہو جس کی فقہاء نے نفی کی ہے تو پیش کرے۔

اعتراض ۸۹

ایک آزاد عورت سے زنا کیا پھر کہہ دیا کہ میں نے اسے خریدا ہے تو اس پر بھی حد نہیں۔ (سیف محمدی ص ۱۳۲ مسئلہ نمبر ۴۲، حقیقت الفقہ ص ۲۲۲ مسئلہ نمبر ۴۸۷ میں ہے۔

جو آزاد عورت کو لونڈی کہہ کر زنا کرے تو حد نہیں۔ (درمختار جلد ۲ ص ۴۱۶، عالمگیری جلد ۲ ص ۶۷۴)

الجواب

میں کہتا ہوں جب اس نے کہا کہ میں نے اسے خریدا ہے تو اس کے حلال ظن کرنے سے اشتباہ ہو گیا۔ کیونکہ وہ ملک کا مدعی ہوا۔ اگر ملک ثابت ہو جاتی تو وطنی حرام نہ ہوئی۔ چوں کہ وہ عورت آزاد ہے اس لیے ملک ثابت نہ ہوئی۔ اور وطنی حرام ہوئی مگر اس پر یہ امر مشتبہ رہا۔

علامہ شامی فرماتے ہیں

اشتبه عليه الامر بظنه الحل

اس کے حلال ظن کرنے سے اس پر یہ امر مشتبہ ہوا۔

یہ شبہ فعل ہے اور شبہات کے وقت حدود ساقط ہو جاتی ہے۔

اعتراض ۹۰

اگر کسی کی لونڈی کو غصب کیا۔ پھر اس سے زنا کاری کی پھر قیمت کا ضامن ہو گیا تو اس پر حد نہیں۔ (سیف محمدی ص ۱۳۴ مسئلہ نمبر ۴۳، حقیقت الفقہ ص ۲۲۲ مسئلہ نمبر ۴۸۸ میں ہے۔

کسی کی لونڈی کو غصب کر کے زنا کرے تو حد نہیں۔ درمختار جلد ۲ ص ۴۱۷

الجواب

میں کہتا ہوں قیمت کا ضامن ہونا اس لونڈی کی ملک کا سبب ہے۔ جب وہ قیمت کا ضامن ہو گیا تو لونڈی اس کی ملک ہو گئی۔ اقامت حد سے پہلے لونڈی کا مالک ہو جانا ملک منافع میں شبہ پیدا کرتا ہے۔ شبہ سے چونکہ حدود ساقط ہو جاتی ہیں اس لیے اس پر حد ساقط ہو گئی۔

من ادعی خلاف ذالک فعلیہ البیان

اعتراض ۹۱

گناہ کے کاموں میں مثلاً "گانے بجانے" نوحہ کرنے اور کھیل تماشا میں بغیر شرط کے اجرت اور بدلہ لینا مباح ہے۔ (سیف محمدی ص ۱۳۳ مسئلہ نمبر ۴۸، حقیقت الفقہ ص ۲۲۶ مسئلہ نمبر ۵۵۴ میں ہے۔

نوحہ گری اور راگ باجوں کی بلا شرط اجرت لینا مباح ہے۔ درمختار جلد ۳

Www.Ahlehq.Com

ص ۲۹۷

الجواب

میں کہتا ہوں اس لیے مباح ہے کہ بلا شرط لینے سے اجارہ مستحق نہیں ہوتا۔ تو وہ اجرت نہ ہوئی جو شخص مطلقاً منع کرتا ہے۔ شرط سے ہو یا بلا شرط وہ

دلیل بیان کرے۔ دونہ خطر القتل۔

اعتراض ۹۲

بچی کے ساتھ منہ کالا کرنے پر حد کی چھوٹ

واذا زنی بصبیة فلا حد علیہما وعلیہ المهر ص ۱۵۰ جلد ۲

اور صغیرہ نابالغہ سے زنا کیا تو دونوں پر حد نہ ہوگی اور زانی پر اس کا مهر واجب ہوگا۔ جلد ۳ ص ۳۳۷، فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر ص ۶۱ مسئلہ نمبر ۱۳۹، حقیقت الفقہ ص ۲۲۱ مسئلہ نمبر ۴۷۴ میں ہے۔

کم عمر لڑکی یا مردہ یا جانور سے وطی کرے تو حد نہیں۔ درمختار جلد ۲ ص

۴۰۲

الجواب

ان عبارات سے پہلے فتاویٰ عالمگیری میں ہے ان زنی صحیح بمجنونة او صغیرة یجامع مثلها حد الرجل خاصة اگر کسی شخص نے مجنون عورت سے یا ایسی نابالغ لڑکی سے زنا کیا جس سے مجامعت ہو سکتی ہے تو مرد کو حد کی سزا دی جائے گی۔ (ج ۲ ص ۱۳۹) ہاں اگر کسی بدکار نے ایسی نو عمر لڑکی سے زنا کرنے کی کوشش کی جس سے مجامعت نہیں ہو سکتی تو چونکہ اس نے حقیقتہً زنا نہیں کیا لہذا اسے زنا کی سزا نہ دی جائے گی۔ بلکہ لڑکی اس کے فعل بد سے مرگئی تو قتل کی سزا کا مستوجب ہوگا۔ ورنہ دوسری سزاؤں کا۔ جب صغیرہ کی وجہ سے زنا ہو ہی نہیں سکتا تو زنا کی سزا کیسی؟ اس عبارت اذا زنی بصبیة فلا حد علیہما کا یہی مطلب ہے جو عرض کیا گیا۔

اعتراض ۹۳

سوئے ہوئے مرد سے عورت زنا کرے تو حد کی چھوٹ

لو مکس نفسها من النائم لا یجب علیہما الحد ص ۱۵۰ ج ۲

اگر سوئے ہوئے مرد سے عورت نے خود وطی کی اور اپنے نفس پر قابو دے دیا تو دونوں پر حد واجب نہ ہوگی۔ یہ محیط میں ہے ص ۳۳۷ جلد ۳ (فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر ص ۶۱ مسئلہ نمبر ۱۲۰، حقیقت الفقہ ص ۲۲۲ مسئلہ نمبر ۴۹۱)

الجواب

اس عبارت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ مرد سویا ہوا ہے عورت نے اپنے آپ کو اس کے قابو میں دے دیا ہے کہ وہ جو چاہے اس سے کرے۔ عبارت میں مرد کے جاگنے کا ذکر نہیں شہوت میں آنے کا ذکر نہیں دخول کرنے کا ذکر نہیں اور ان سب چیزوں کے پائے جانے کے بغیر زنا متحقق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ زنا مرد کا فعل ہے عورت کا فعل نہیں۔ عورت فاعل نہیں ہوا کرتی مفعول بہا ہوا کرتی ہے جب فاعل سویا ہوا ہے اور فعل ثابت ہی نہیں تو حد زنا کا مستوجب کون ہوگا؟ ہاں وہ عورت اپنی اس ناپاک حرکت اور غلیظ جسارت کی بنا پر ”حد زنا“ کے علاوہ تعزیر کی ضرور مستحق ہوگی۔

اعتراض ۹۴

عورت اور بچے سے غیر وضع فطری فعل

لووطی امرأة فی دبرھا او بغلام لم یحد عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ و یعزر ص ۱۵۰ ج ۲

اگر کسی عورت سے اس کے دبر میں وطی کی یا طفل سے لواطت کی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حد نہ ہوگی۔ مگر اس کو تعزیر دی جائے گی۔ ص ۳۳۹ ج ۳ (فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر ص ۶۲ مسئلہ نمبر ۱۲۳-۱۲۴، حقیقت الفقہ ص ۲۲۲ مسئلہ نمبر ۴۹۷ و ۴۹۸)

الجواب

زنا کے لیے ایلاج فی القبل ضروری ایلاج فی الدبر کا نام زنا نہیں ہو سکتا۔

لہذا وہ مجرم جس نے زنا نہیں کیا اس پر حد زنا کی سزا کس طرح نافذ ہو سکتی ہے غیر فطری حملہ کرنے والے کی جو سزا قرآن و حدیث سے مقرر نہیں فرمائی وہ سزا فتاویٰ عالمگیری مقرر نہیں کر سکتا۔ ہاں گھناؤنے جرم کی سزا کے متعلق فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے لو اعتاد اللواطۃ قتله الامام اگر کوئی شخص غیر فطری حملہ کرنے کا عادی ہو تو اس کو امام قتل کر دے (ج ۲ ص ۱۵۰)

اعتراض ۹۵

کتاب حیاة الحيوان الکبریٰ مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۲۱۳ میں ہے ان السلطان المذكور (محمود) کان حنفی المذهب وكان مولعا بعلم الحديث وكان يسأل عن معناه فيجد اكثر مواقف لمذهب الامام الشافعي رحمه الله فجمع فقهاء المذهبين والتمس منهما الكلام في ترجيح احد المذهبين فوق الاتفاق على ان يصلى بين يديه ركعتان على مذهب الامام الشافعي ثم على مذهب الامام ابى حنيفة ركعتان فينظر السلطان الى ذلك ويختار الاحسن فصلى القفال المروزي لطهارة سابعة وشرائط معترة من الطهارة والسترة واستقبال القبلة وآتى بالاركان والهيئات او السنن والابعاض والاداب على وجه الكمال وكانت صلوة لا يجوز الشافعي دونها ثم صلى الركعتين على ما يجوز ابو حنيفة رضى الله عنه فلبس جلد كلب مدبوغا ويطبخ بعضه بالنجاسة وتوضاء بنبيد التمر وكان ذلك في صميم الصيف فاجتمع عليه الذباب والسبعوض وكان وضوءه منكسا متحكما ثم استقبل القبلة ولحم بالصلاة من غير نية في الوضوء وكبر بالفارسية ثم قراء بها وبرگ سر ثم نقر كن فقرات الديك من غير فصل بينها ومن غير طمانينة وتشهد وضرط في آخرهما وخرج من غير نية السلام و قال يا ايها السلطان هذه صلاة ابى حنيفة فقال السلطان لولم نكن

هذه صلوة ابی حنیفة لقنلتک لان مثل هذه الصلوة لا يجوزها فودین فانکرت الحنفیة فطلب القفال کتب ابی حنیفة فامر السلطان باحصارها امر نصرانیا ان یقراء کتب المذهبین جمیعا فوجدت الصلوة التي صلاها القفال جائزه عند ابی حنیفة فاعرض السلطان عن مذهب ابی حنیفة وتمسک بمذهب الشافعی رضی اللہ عنہما۔

بادشاہ سلطان محمود امام ابوحنیفہ کے مذہب پر تھا اور علم حدیث کی حرص رکھتا تھا۔ اور مشائخ سے حدیث سنتا اور استفسار کیا کرتا تھا پس اکثر حدیث کو اس نے شافعی مذہب کے موافق پایا پس اس نے فقہاء کو جمع کیا اور ان سے ایک مذہب کے دو سرے مذہب پر ترجیح کا مطالبہ کیا۔ تو اس بات پر سب کا اتفاق ہوا کہ دونوں مذہب کے موافق دو دو رکعت نماز پڑھنی چاہیے، پس اس نماز میں نظر و فکر کرنے سے جو مذہب اچھا معلوم ہو اس کو اختیار کرنا چاہیے۔ پس قفال مروزی نے نماز پڑھنی شروع کی تو وضو کو پوری شرطوں سے ادا کیا اور لباس اور استقبال قبلہ بھی بخوبی کیا اور نماز کے ارکان اور بیستیں اور فرض اور سنتیں اور آداب کو بوجہ کمال ادا کیا اور ایسی نماز پڑھی جس سے کسی کرنا امام شافعی کے نزدیک درست نہیں۔ پھر اور دو رکعت اس طور سے ادا کیں کہ جو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہوں پس کتے کی کھال دباغت دی ہوئی کو پہن لیا اور اس کو چوتھائی نجاست سے آلودہ کیا۔ اور نبیذ کھجو ر سے وضو کیا۔ چونکہ گرمی کا موسم تھا اس لئے کھیاں اور چھمر اس پر جمع ہو گئے۔ اور بے سنیت کے وضو کیا اور وضو بھی الٹا کیا۔ پھر الثامنہ دھویا۔ پھر تین بار ناک میں پانی دیا پھر تین بار کلی کی پھر ہاتھ (دھوئے) پھر نماز میں داخل ہوا تو بجائے تکبیر کے فارسی زبان میں کہا (خدائے بزرگ است) پھر قرأت کی تو بجائے مدھا متان کے فارسی میں کہا ”دوبرگ سبز“ پھر بجائے سجد کے مرغ کی طرح بغیر فرق کے دو ٹھونگیں مار لیں اور تشہد پڑھا۔ گوز مار دیا اور نماز سے بغیر سلام کے ٹٹا اور کہا اے بادشاہ یہ نماز امام ابوحنیفہ کی ہے۔ بادشاہ نے کہا اگر اس طرح کی نماز ابوحنیفہ کی نہ ہوئی تو میں تجھ کو قتل کروالوں گا اس لئے کہ ایسی

نماز تو کوئی صاحب دین جائز نہ رکھے گا۔ پس خفیوں نے ابو حنیفہ کی اس طرح نماز ہونے سے انکار کر دیا۔ (جیسے اب بھی کر جاتے ہیں) تو قفال مرزوی نے حنفی مذہب کی کتابیں طلب کیں۔ بادشاہ نے منگوا دیں اور ایک نصرانی عالم کو بلایا اور اس کو شافعی اور حنفی مذہب کی کتابیں پڑھنے کا حکم دیا تو ابو حنیفہ کی نماز ویسی ہی پائی گئی جیسی کہ قفال مرزوی نے پڑھ کر دکھائی تھی تو بادشاہ نے امام ابو حنیفہ کے مذہب کو چھوڑ دیا اور امام شافعی کے مذہب کو اختیار کر لیا۔

مؤلف: اے میرے مکرم احناف اگر آپ بھی قفال مرزوی کی نماز کے متعلق تسلی و تشفی کرنا چاہیں تو مسائل بحوالہ مندرجہ ذیل ص ۶۶۷ و ص ۶۶۸ و ص ۶۳۳ و ص ۵۵ و ص ۲۹۰ و ص ۲۹۲ و ص ۳۲۲ بغور ملاحظہ فرمائیں بعد اس کے چاہیں تو مسائل سلطان محمود تو مثل سلطان محمود کے اس مذہب کو خیر باد کہہ دیں ورنہ کم از کم اس کی تصدیق کریں۔ ۱۲ (حقیقت الفقہ ص ۲۰۶ و ۲۰۷ و ۲۰۸ حاشیہ)

الجواب

امام الائمہ کاشف الغمہ سیدنا الامام الاعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ کرامت ہے کہ آپ کے اور آپ کے مذہب منہب کے خلاف گھڑی ہوئی یہ رام کہانی اپنے منگھڑت و جھوٹا ہونے پر خود ہی کئی وجوہ سے دلالت کرتی ہے۔
اولاً ”ابن کثیر نے ”قفال مرزوی“ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ پہلے اقبال یعنی تالے بنایا کرتے تھے پھر پڑھائی کی طرف مائل ہوئے تو علم و زہد میں حفظ و تصنیف میں وہ ”مذہب شافعی“ کے اکابر اماموں میں شمار کئے گئے۔ اور ”طریقہ خراسانیہ“ کے منسوب الیہ قرار پائے (البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۲۲۰۲) تو جو شخص شافعی المذہب ہو اور اتنی بڑی عالی صفات سے موصوف ہو وہ اماموں کے امام قتیہوں کے استاذ محدثوں کے مقتداء مفسروں کے راہنما حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان اقدس میں گستاخی نہیں بک سکتا بلکہ تعریف و توصیف ہی کرے گا۔ کیونکہ شوافع کے امام سیدنا محمد بن ادریس الشافعی امام اعظم کی تعریف میں خود فرماتے ہیں۔

(۱) الناس عیال علی ابی حنیفۃ فی الفقہ فقہاء و مجتہدین سب کے سب فقہ میں امام ابو حنیفہ کے بال بچے ہیں۔

(۲) من اراد ان ینبحر فی الفقہ فہو عیال علی ابی حنیفۃ جو مختص فقہ و اجتہاد میں تبحر بننا چاہے اسے امام ابو حنیفہ سے بچوں کی طرح پرورش پانی چاہیے (تبیض الحنفیہ ص ۱۹)

امام عبد الوہاب الشعرانی

شافعی المذہب ہونے کے باوجود ”المیران الکبریٰ“ میں رقمطراز ہیں کہ (۱) امام ابو حنیفہ کا کوئی قول قرآن و حدیث کے مخالف نہیں (ج ۱ ص ۶۳) (۲) وہ خود فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسئلہ درپیش ہو تو ہم اس کا جواب قرآن مجید میں تلاش کرتے ہیں نہ ملے تو حدیث شریف میں تلاش کرتے ہیں نہ ملے تو صحابہ کرام کے فیصلوں میں تلاش کرتے ہیں نہ ملے تو مسئلہ ”منطوق بہا“ پر مسئلہ ”مسکوت عنہا“ کو قیاس کرتے ہیں بشرطیکہ دونوں کی علت ایک ہو (ج ۱ ص ۶۵) (۳) اندریں حالات قیاس کرنا امام ابو حنیفہ کے ساتھ مختص نہیں دیگر فقہاء بھی ان کے مضائق میں قیاس کیا کرتے ہیں (ج ۱ ص ۶۶) (۴) امام شافعی اور امام مالک کے مقلدین اگر انصاف کریں تو وہ امام ابو حنیفہ کے کسی قول کی تضعیف نہیں کر سکتے (ص ۶۳) (۵) ہم نے امام ابو حنیفہ کی مسانید کا مطالعہ کیا ان کی روایت کردہ ہر حدیث کو صحیح پایا (ج ۱ ص ۷۰) (۶) امام ابو حنیفہ کی یہ عادت تھی کہ جو مسئلہ کتاب و سنت سے مستنبط فرماتے پہلے اسے اپنے معاصر علماء پر پیش کرتے جب سب علماء متفق ہو جاتے تو اس کے لکھنے کا حکم دیتے (ج ۱ ص ۵۹) (۷) بلکہ ان کو نیز دیگر مجتہدین کرام کو حضور اقدس ﷺ کے ساتھ نسبت حضوری حاصل تھی جب کوئی مسئلہ استنباط فرماتے تو روحانی طور پر بارگاہ اقدس سید عالم ﷺ میں پیش کرتے کہ یا رسول اللہ ہم نے فلاں آیت یا فلاں حدیث سے یہ مسئلہ سمجھا ہے۔ کیا یہ درست ہے (ج ۱ ص ۴۳) (۸) میرے مرشد گرامی حضرت علی الخواص کے رو برو ایک

دفعہ ایک شخص نے کہا ”فی هذا الحديث رد علی ابی حنیفہ“ اس حدیث میں ابو حنیفہ کا رد ہے۔ یہ گستاخانہ فقرہ سنتے ہیں فرمایا قطع اللہ لسانک اللہ تیری زبان کاٹے۔ تو امام ابو حنیفہ کی بے ادبی کرتا ہے (ج ۱ ص ۶۳) (۹۰) ایک بے ادب نے میرے سامنے امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ کی شان میں گستاخی کی۔ میں نے روکا پر نہ رکھا اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں یہ سزا دی کہ سیڑھی کے اوپر سے ایسا گرایا کہ ہڈی ٹوٹ گئی اس نے چاہا کہ میں اس کی عیادت کو جاؤں مگر اس کے بے ادب ہونے کی وجہ سے نہ گیا بالآخر وہ اس بری حالت میں مر گیا۔ (ج ۱ ص ۶۵) (۱۰) امام فخر الدین رازی (مثلہ القفال الروزی) امام ابو حنیفہ کے سامنے ایسے ہیں جیسے استاذ کے سامنے کوئی شاگرد یا سلطان اعظم کے سامنے کوئی فرد رعیت یا سورج کے سامنے کوئی تارا (ص ۶۳)

صاحب مشکوٰۃ

شافعی المذہب تھے مگر اپنے رسالہ ”الکمل فی اسماء الرجال“ ملحقہ مشکوٰۃ میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں بہترین الفاظ میں ہدیہ ہائے عقیدت پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں الغرض بایراد ذکرہ فی هذا الكتاب للتبرک بہ۔ اس جگہ امام ابو حنیفہ کا تذکرہ صرف حصول برکت کے لیے کیا گیا ہے۔ (ص ۶۳۵)

ثانیاً: جس وضو اور جس نماز کی نسبت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کر کے کہا گیا ہے کہ هذه صلوة ابی حنیفہ اس وضو اور اس نماز سے حضرت امام کی پوری زندگی نا آشنا ہے آپ نے نہ کبھی ایسا وضو کیا نہ کرنے کا حکم دیا نہ کبھی ایسی نماز پڑھی نہ پڑھنے کا امر فرمایا۔ آپ کی سیرت پر متعدد کتب شافعی المذہب حضرات نے بھی لکھی ہیں لیکن ایسے وضو اور ایسی نماز کا کسی نے ذکر نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس تحریر فرماتے ہیں کہ۔

نمبر۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چالیس سال تک مسلسل شب بیداری فرمائی اور عشاء کے وضو سے نماز صبح پڑھی (تبیض الصیف ص ۱۹)

نمبر ۲۔ نماز میں بھی اور تلاوت قرآن مجید کے وقت بھی آپ پر رقت طاری ہوا کرتی کہ دیر تک رویا کرتے (تبیض ص ۱۹)

نمبر ۳۔ ایک دفعہ ایک نماز پڑھانے والے نے یہ آیت پڑھی (ترجمہ) ہرگز اللہ کو بے خبر نہ جاننا ظالموں کے کام سے (ابراہیم ع ۷ آیت ۱) تو حضرت امام کا سارا بدن خوف خدا سے کانپنے لگا (الخیرات ص ۸۹)

نمبر ۴۔ یونہی ایک دفعہ نماز عشاء میں سورہ ”اذا زلزلت“ کی تلاوت سن کر شب بھر ٹھنڈی سانسیں بھرتے رہے اور اس کی آخری آیتوں کا مضمون دہرا دہرا کر دعا کرتے رہے کہ ”اے وہ جو ذرہ بھر نیکی کی جزا اور ذرہ بھر بدی کی سزا دے گا اپنے بندے نعمان کو آگ سے بچا“ تبیض الصغیر ص ۳۶۔ الخیرات ص ۸۸

مثلاً: حنفی مذہب پر آج تک ہزاروں نہیں لاکھوں کتابیں مختلف زبانوں میں چھوٹی بڑی لکھی جا چکی ہیں لیکن کسی کتاب میں ایسا وضو کرنے اور ایسی نماز پڑھنے کا حکم نہیں ملتا بلکہ اس وضو اور اس نماز کو نہ کسی حنفی نے فرض کہا ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب۔ اگر کسی میں ہمت ہے تو کسی معتبر کتاب کے حوالہ سے ثابت کریں۔ اور انعام پائیں ورنہ جھوٹے لوگ ہر روز سب مل کر ۹۹۹۹ مرتبہ ”لعنة الله على الكاذبين“ پڑھ کر اپنے پر دم کیا کریں۔

رابعاً: اگر اس قسم کا کوئی واقعہ پیش آیا ہوتا تو اس وقت کے اکابر علماء احناف دوسرے فریق کو ہرگز معاف نہ کرتے بلکہ شاہی دربار میں اس کی خوب مرمت فرماتے کہ ”ابے اوقفال“ جب تو نے مذہب شافعی کے مطابق وضو کرتے اور نماز پڑھتے وقت سنن و مستحبات کا التزام اور مکروہات سے اجتناب کیا ہے تو مذہب حنفی کا نقشہ پیش کرتے وقت اس التزام و اجتناب سے کیوں گریز کیا؟ یہاں سنن و مستحبات پر کیوں عمل نہ کیا اور مکروہات کو کیوں نہ چھوڑا؟ پرے ہٹ! ہم اپنے مذہب کے مطابق وضو کرتے اور نماز پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں سب کی آنکھیں کھل جائیں اور ظاہر ہو جاتا کہ حنفی مذہب سب سے اعلیٰ سب سے ستھرا

سب سے احوط اور سب سے ازکی ہے کیونکہ

حنفی وضو میں چار فرض ۱۶ سنتیں تقریباً ۷۰ مستحبات اور ۲۰ مکروہات ہیں اور ”حنفی نماز“ میں شروط صحت کے علاوہ ۷ فرض ۴۹ واجب ۷۹ سنتیں ۱۵ مستحبات ۴۳ مکروہات تحریمیہ اور ۶۰ مکروہات تنزیہیہ ہیں۔ (بہار شریعت ص ۱۱ تا ۱۸ ج ۲ ص ۳۲ تا ۱۲۲ ج ۳)

ان سب کی رعایت کی جائے تو وضو سب سے بہتر اور نماز سب سے خوب تر ہو جاتی ہے اس سے اعلیٰ نہ وضو متصور ہو سکتا ہے نہ نماز (لہ الحمد والمنہ) کہ ہم اسی مذہب کے پیروکار ہیں) وضو کرتے وقت بسم اللہ شریف پڑھنا جس ترتیب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے (سورۃ المائدہ ع ۲ میں) مغول و مسح و مسح اعضاء کا ذکر فرمایا ہے اس ترتیب کے ساتھ اعضاء دھونا مسح کرنا۔ وقت مغنمہ و استشق پہلے منہ میں پھر ناک میں پانی ڈالنا۔ پورے سر کا ایک بار مسح کرنا یہ سب امور عند الاحناف وضو میں سنت ہیں اور ان کا ترک مکروہ ہے (بہار شریعت ج ۲ ص ۱۹) قصہ مذکورہ میں مستحبات کے ترک کے علاوہ ان سنتوں کو چھوڑ کر متعدد مکروہات کا ارتکاب کیا گیا ہے اسے ”حنفی وضو“ کا نقشہ نہیں کہا جاسکتا۔

حنفی نماز میں سورہ فاتحہ کی سات آیات میں سے ہر ایک کا پڑھنا پھر ایک چھوٹی سورۃ یا تین چھوٹی آیتیں یا ان کے برابر ایک بڑی آیت متصلاً پڑھنا۔ رکوع، قومہ، جلسہ اور ہر سجدہ میں اس قدر ٹھہرنا کہ تمام اعضاء اپنی جگہ قرار پکڑ لیں۔ آخری تشہد پڑھ کر دوبار سلام کہنا۔ یہ سب امور نماز میں واجب ہیں۔ قصہ مذکورہ میں سنن و مستحبات کے ترک کے علاوہ ان واجبات کو چھوڑ کر ایسی نماز پڑھی گئی ہے جس کا دوبارہ پڑھنا عند الاحناف واجب ہے نہ صرف واجب بلکہ فرض ہے کیونکہ اس جھوٹی کہانی میں حنفی نماز کا نقشہ مفروضہ نیت نماز سے بھی خالی ہے اور رکوع سے بھی۔ حالانکہ عند الاحناف نیت شرط ہے اور رکوع فرض و رکن۔ شرط و فرض کے بغیر نماز ہرگز نہیں ہوتی۔ تو اس نماز کو حنفی نماز قرار دینا کس طرح

درست ہو سکتا ہے؟ حنفی مذہب پر بہتان تراشی کی اس سے بدتر کیا مثال ہوگی؟ کیا مخالفین کے مذہب میں بہتان تراشی کے سوا کچھ نہیں؟

تن کے اجلو من کے کالو کیا یہی اسلام ہے؟

مخالفین کے دام تزویر میں پھنسنے والے عوام بیچاروں نے بارہا ہم حنفیوں کو وضو کرتے اور نماز پڑھتے دیکھا ہوگا۔ کیا کسی نے کسی حنفی کو ایسا وضو کرتے اور ایسی نماز پڑھتے دیکھا ہے؟ کیا مخالفین کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ منگھڑت کہانی کافی نہیں؟

Www.Ahlehaq.Com

(۵) مسئلہ دباغت

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا (۱) دباغ الادیم طہور (۲) دباغ جلود المینة طہورھا (۳) دباغ کل اھاب طہورھ (۴) زکوة المینة دباغھا (۵) زکوة کل مسک دباغھ (الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۳-۱۹) (۶) دباغ المیت وزکونہ طہورھ (کنوز الحقائق علی ہاشم ج ۱ ص ۱۲۹) (۷) اذ دبغ الھاب فقد طھر (۸) امر ان یستمسع بجلود المینة اذا دبغت (مشکوٰۃ ص ۵۲-۵۳)

یہ آٹھ حدیثیں ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ مردار جانور کے چمڑا کی دباغت کی جائے تو چمڑا پاک ہو جاتا ہے ماکول اللحم جانور کا ہو یا غیر ماکول کلا۔ اور قرآن مجید میں خنزیر کو چونکہ نجس العین قرار دیا گیا ہے (الانعام ع ۱۱) بنا بریں قرآن وحدیث میں فرق مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے حنفی علماء خنزیر کو حکم بالا سے مستثنیٰ کر کے فرماتے ہیں کہ اس کا چمڑا دباغت سے پاک نہ ہوگا۔ اور کتا چونکہ خنزیر کی طرح نجس العین نہیں اس سے شکار کرنا بھی جائز ہے اور مویشی کی حفاظت بھی اس لیے اسے احادیث مبارکہ کے حکم سے مستثنیٰ نہیں کرتے بلکہ فرماتے ہیں کہ اس کا چمڑا بھی دیگر حرام مردار جانوروں کے چمڑوں کی طرح دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔ لیکن حنفی مذہب کی کتب قدیمہ یا جدیدہ کسی میں یہ فتویٰ درج نہیں کہ بوقت نماز کپڑے اتار لیے جائیں اور کتے کی دباغت شدہ کھال پہن لی جائے۔ قصہ مفروضہ

میں ذکر کردہ نماز کسی مسخرے نقال کی نماز تو ہو سکتی ہے حنفی نماز نہیں۔ البتہ حنفی علماء یہ فتویٰ ضرور دیں گے کہ اگر کسی کے پاس کپڑے بالکل نہ ہوں۔ صرف کتے کی دباغت شدہ کھال ہو تو وہ ننگا ہو کر نماز نہ پڑھے بلکہ اس کھال سے ستر چھا کر پڑھے۔ کیا ”نقال“ مذہب شافعی کے مطابق نماز پڑھنے کے بعد ننگا کر دیا گیا تھا کہ اسے کھال کی ضرورت پیش آئی؟

(۶) نبیذ تمر

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جس رات جن حاضر ہوئے اس رات مجھ سے پوچھا ”ما فی اداوتک“ تیرے برتن میں کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ برتن میں نبیذ ہے۔ فرمایا ”تمر طيبة وماء طهور“ کھجور پاک ہے اور پانی پاک کرنے والا۔ زاد فی المصابیح وتوضاء منہ پھر آپ نے اس نبیذ سے وضو فرمایا (مشکوٰۃ ص ۵۱ مع الحاشیہ ص ۹، ترمذی ص ۱۳ ج ۱) اس حدیث کے پیش نظر حنفی علماء فرماتے ہیں کہ بحالت سفر اگر نماز کا وقت آجائے اور صاف ستھرا پانی میسر نہ ہو صرف ”نبیذ تمر“ ہو یعنی وہ پانی موجود ہو جس میں چند کھجوریں ڈال دی گئی تھیں تو اگر کھجوریں تازہ و اچھی طرح نہیں گھلیں اور پانی کی رقت و سیلان میں فرق نہیں آیا (گاڑھا نہیں ہوا) تو بجائے تیمم کے اس پانی سے وضو کرے (رد المختار ج ۱ ص ۱۵۲) ”فرضی نقال“ نے جب بمطابق مذہب شافعی وضو کر لیا تھا۔ تو اس وضو سے حنفی نماز بھی پڑھ سکتا تھا نئے وضو کی کیا ضرورت تھی؟ نیز جب وہاں صاف ستھرا پانی موجود تھا تو اس کی موجودگی میں حنفی علماء نبیذ سے وضو کرنے کی کب اجازت دیتے ہیں؟

(۷) مسئلہ ستر

حنفی مذہب کی کسی کتاب میں کسی امام نے یہ نہیں لکھا کہ پاک کپڑوں کو نماز پڑھتے وقت نجاست آلود کر لیا جائے۔ (معاذ اللہ) یہ کسی بہت بڑے جھوٹے

بہت بڑے نقل، بہت بڑے مسخرے اور بہت بڑے مفتزی نے ہم پر افترا باندھا ہے بلکہ خفی علماء تو یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بالکل برہنہ ہو اسے پاک کپڑوں کی بجائے ایسا پلید کپڑا کہیں سے دستیاب ہو جائے جس کی صرف ایک چوتھائی پاک ہے تو وہ برہنہ نماز پڑھنے کی بجائے کپڑا پہن کر پڑھے۔ (رد المحتار ص ۲۷۱ ج ۱، ہمار شریعت ص ۳۸ ج ۳)

(۸) مدھامتان

کا ترجمہ (دوبرگ سبز) جو منگھڑت حکایت میں ذکر کیا گیا ہے۔ عالمانہ نہیں جاہلانہ ہے کیونکہ ”مدھامتان“ شیعہ ہے اس کا مفرد مدھامۃ اور مصدر ”ادھیمام“ ہے مصدر کا ترجمہ ”سیاہ شدن ہے“ کہا جاتا ہے ادھا الشی ادھیماما اذا اسود اور مدھامۃ اس بلغ کو کہتے ہیں جو بسبب سخت سبز ہونے کے مائل سیاہی ہو (قاموس ص ۸۱) تو مدھامتان کا ترجمہ ”دوبرگ سبز“ نہیں بلکہ یہ ہے ”دو جنتیں جو اس قدر سبز ہیں کہ سیاہی کی جھلک دیتی ہیں۔“ نیز ”مدھامتان“ کا موصوف ”جنتان“ قرآن مجید میں صراحت مذکور ہے (الرحمن ع ۳) تو اپنی طرف سے ”ورقتان“ مقدر ماننے کی ضرورت نہیں بلکہ ”ورقتان“ کو اس کا موصوف بنانا درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ صرف دو پتے سیاہی کی جھلک نہیں دے سکتے اس کے لیے لاتعداد پتوں کی ضرورت ہوتی ہے اور دو دو جنتوں کا لاتعداد ہرے پتوں پر مشتمل ہونا ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہے۔

(۹) عجی نماز

(کما هو مصرح فی الاحادیث النبویۃ صلی اللہ تعالیٰ علی صاحبہا)

جو شخص عربی پر قادر ہو اس کا غیر عربی میں نماز کے اندر قرآن مجید پڑھنا عند الامام الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرجوع عنہ ہے اور ناجائز (توضیح تلوح ص ۷۹، نسائی ج ۱ ص ۳۲۵، ہدایہ ج ۱ ص ۱۰۲) تو جس قول سے رجوع فرمایا گیا ہو اسے

نشانہ اعتراض بنانا اور ”دوبرگ سبز“ کہنے کو کافی سمجھنا اور درست جاننا جہالت و حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ جس طرح نصف منسوخ پر کوئی ذی ہوش تنقید نہیں کر سکتا یونہی مجتہدین کے اقوال مرجوع عنہا پر کوئی عقلمند معترض نہیں ہو سکتا۔ خدا معلوم ”فرضی نفل“ کے اس نپاک ڈرامے کو ترتیب دینے والے عقل و خرد سے کیوں محروم کر دیئے گئے ہیں۔

(۱۰) نیت وضو

نیت وضو کے کوئی خاص الفاظ نہیں ہوتے کہ اگر باواز بلند پڑھے جائیں تو وضو بانیٹ ہوگا ورنہ بے نیت۔ بلکہ دل سے وضو کا قصد کرنے کا نام نیت ہے اور وضو بے نیت کی صورتیں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ مثلاً ”کوئی شخص نہر کے تالاب کے کنارے کھڑا ہو یا جارہا ہو اور اچانک پانی میں گر پڑے یا کوئی دوسرا اسے دھکادے کر پانی میں گرا دے یا کوئی شخص تیز بارش میں گر جائے اور اس کے جملہ اعضائے وضو پر پانی بہہ پڑے یا صرف تبرید اعضاء یا صرف ازالہ اوساخ کے لیے پانی بہائے یا مل کر دھولے تو اس کے وضو کو وضو بے نیت کہیں گے لیکن جب کوئی شخص وضو کے لیے پانی منگائے یا خود برتن میں ڈالے یا وضو ہی کے لیے لوٹا پکڑے یا ٹوٹی کھولے تو اس کے وضو کو وضو بے نیت نہ کہیں گے۔ فرضی حکایت میں فرضی نفل کے جس وضو (بالنیزہ) کا ذکر کیا گیا ہے وہ وضو بے نیت نہیں ہو سکتا جب اس نے خود نمیز منگایا اور بڑی ہوشیاری کے ساتھ اپنی عادت اور تمام مسلمانوں کی عادت کے خلاف سنن و مستحبات کو چھوڑتے اور مکروہات کے مرتکب ہوتے ہوئے الناء وضو کیا تو اس کے وضو کو وضو بے نیت کہنا درست ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر وہاں نمیز کا کوئی تالاب ہوتا اس میں اس نفل کو کوئی مسخرا ساحر اچانک پھینک دیتا اور اپنے سحر کے ذریعہ پہلے اس کا صرف بالیاں پاؤ ڈوبنے دیتا پھر دایا پھر صرف بالیاں ہاتھ ڈوبنے دیتا پھر دایاں پھر صرف منہ کا بالیاں رخسار ڈوبنے دیتا پھر دایاں پھر صرف ناک میں نمیز چڑھنے دیتا پھر منہ میں پھر سر کی الٹی طرف خود

ہی ہاتھ سے مسح ہونے لگتا تو اس وضو کو الٹا بھی اور بے نیت بھی کہہ سکتے تھے لیکن یہاں یہ صورت پیش نہ آئی تو اس وضو کا بے نیت ہونا باطل ٹھہرا۔ معلوم ہوا کہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمن عقل کے بھی دشمن ہوتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

مسئلہ تشہد

حدیث میں ہے جب کوئی شخص نماز کے اخیر مقدار تشہد بیٹھ کر سلام پھیرنے سے پہلے وضو توڑ دے (فقد جازت صلوتہ) تو اس کی نماز جائز ہوگئی (مشکوٰۃ ص ۹۲) دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا تحریمہا الصلوۃ التکبیر وتحلیلہا التسلیم تکبیر کہنا نماز میں داخل ہونا ہے اور سلام پھیرنا نماز سے نکلنا ہے (ابوداؤد ص ۹۱ ج ۱، ترمذی ص ۳ ج ۱) پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض صورتوں میں سلام پھیرنے کے بغیر بھی نماز ہو جاتی ہے اور دوسری حدیث سے پتہ چلا کہ سلام پھیرنا ضروری ہے۔ دوسری حدیث بنسبت پہلی حدیث کے قوی ہے (ترمذی ص ۳ و ۳۲ ج ۱)

اور اسی قوی روایت کے مطابق حضور اقدس ﷺ نے اور آپ کے صحابہ کرام نے ہمیشہ عمل فرمایا اور اپنے عمل سے اسے قوی تر بنایا۔ اور پہلی کے متعلق مشکوٰۃ میں بحوالہ ترمذی مذکور ہے ”اس کی سند قوی نہیں باعتبار سند کے مضطرب ہے“ سند کی بنا پر مضطرب کہنے اور سند ہی کی بنا پر کمزور بتانے سے پتہ چلا کہ پہلی حدیث متن و مضمون کے لحاظ سے نہ مضطرب ہے نہ کمزور۔ بلکہ امام طحاوی نے اس کی متعدد سندیں ذکر فرمائی ہیں جن سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث اپنی متعدد سندوں کی وجہ سے ضعیف نہیں ”حسن“ ہے طحاوی ج ۱ ص ۱۲۲، مرقاۃ ص ۱۸ ج ۳ اور چونکہ حدیث ”حسن“ بھی احتجاج کے لائق ہوتی ہے اس لیے پہلی حدیث کو محض بیکار اور نری باطل نہیں کہہ سکتے بلکہ دونوں میں حسب قواعد محدثین تطبیق دیں گے۔ حنفی علماء ان میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دوسری حدیث

کے پیش نظر دونوں طرف سلام پھیرنا واجب ہے۔ جس نے سلام نہ پھیرا اور سلام کے بغیر وضو توڑ دیا اس نے دو واجب ترک کئے اس پر اس نماز کا اعادہ واجب و ضروری ہے اور پہلی حدیث کے جملہ (جائز صلوتہ) کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی نماز بالکل بلا کراہت و بلا گناہ جائز ہوگئی بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس نے سلام نہ پھیرا اور نماز کے اخیر پہنچ کر وضو توڑ دیا تو اس کی نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا ہوئی ہے اور جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہوتا ہے (رد المحتار ج ۱ ص ۳۰۷) لہذا دونوں حدیثوں میں تعارض نہ رہا اور دونوں میں من حیث المفہوم اتحاد ہو گیا۔ حنفی علماء نے کسی کتاب میں یہ حکم نہیں دیا کہ سلام نہ پھیرا کرو اور اس کی جگہ وضو توڑ دیا کرو۔ یہ عظیم بہتان ہے جس سے صرف شیطان کو خوش کیا گیا ہے نیز یہ اعتراض بظاہر علمائے احناف پر ہے اور در اصل حدیث شریف پر ہے کیونکہ علماء نے حدیث ہی کی وضاحت فرمائی ہے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا۔ جزاھم اللہ خیر الجزا

نوٹ

پیٹ کی ہوا آدمی کے اختیار میں نہیں ہوتی کہ جب چاہا دھماکہ کر دیا اور جب چاہا بے آواز نکال دی۔ خصوصاً "زاہدین کرام" کہ ان کے پیٹ اس بدبو کے ذخیرے سے پاک ہوتے ہیں نہ زیادہ کھاتے ہیں۔ نہ ہوا کا دباؤ پڑھتا ہے۔ جب قفل مروزی کا زاہد ہونا بحوالہ ابن کثیر گزر چکا ہے تو پھر ضراط در صلوٰۃ کو ان کی ذات کی طرف منسوب کرنا جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے۔

فقہی عبارات

صحیح سمجھ حاصل کرنے کے لیے صرف عربی دان ہونا کافی نہیں بلکہ اصطلاحات فقہاء سے واقف ہونا بھی ضروری ہے ایک شخص نے سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس پر اعتراضات کیے اور اعتراض نامہ محقق مذاہب اربعہ سیدی عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ

نے فرمایا مثلک یفہم کلام الامام حنی یورد علیہ تجھ جیسا حضرت امام کا کلام سمجھ سکتا ہے؟ کہ ان پر اعتراض کرے (المیزان ص ۶۴) جب اصطلاحات سے ناواقف شخص مسلمان ہونے کے باوجود کلام امام نہ سمجھ سکا تو مردود نصرانی کی عقل نارسا اور فہم ناقص کی کیا مجال کہ حضرت امام کے عرش تحقیق تک پہنچ سکے اور صحیح مسئلہ سمجھ کر دوسروں کو سمجھا سکے۔ نیز نصرانی کافر ہے اور بحکم قرآن مجید ”الضالین“ میں داخل اور ”قاتلہم اللہ“ کا مصداق ہے تو یہ کیسے مانا جائے کہ احناف و شوافع کے مقتدر علماء نے اس کافر کو ثالث تسلیم کر لیا تھا۔ اگر کوئی ایسا قصہ پیش آیا ہوتا تو حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ثالث بنایا جاتا جن سے بادشاہ کو بڑی عقیدت تھی اور جن کے مقدس پیراہن کی برکت و وسیلہ سے سومنات فتح ہوا تھا حالانکہ شاہی فوج بالکل بے بس ہو چکی تھی (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص ۶۰)

کذب بیانی

صمیم الصیف کے معنی شدید گرمی کے ہیں (قاموس ص ۹۳۶) جبکہ گرم لو سے چھبر بھی مرجاتے ہیں اور کھیاں بھی۔ اور ”حیوة الحیوان“ میں لکھا ہے کہ جس موسم میں یہ دونوں موجود ہوں اس وقت کھیاں مٹھاس پر صرف دن کو جمع ہوتی ہیں رات کو نہیں اور چھبر صرف رات کو دھوا بولتے ہیں دن کو نہیں (ص ۳۵۵ - ۲۹۶ ج ۱) نیز تلاوت بالجر صرف رات کی نمازوں میں ہوتی ہے دن کی نمازوں میں نہیں۔ تو قصہ مذکورہ میں ان چاروں (۱- شدید گرمی ۲- چھبر ۳- کھیاں ۴- تلاوت بالجر) کے بیک وقت جمع ہونے کا تذکرہ ہی اس کے جھوٹا ہونے کی واضح دلیل ہے۔

بے ادبی

اللہ تعالیٰ کے مقدس پیغمبروں میں سے کسی ایک کا منکر و کافر سب کا منکر و کافر سمجھا جاتا ہے۔ یونہی اولیاء کاملین میں سے کسی ایک کا بے ادب و گستاخ سب

کا بے ادب و گستاخ قرار پاتا ہے۔ چنانچہ اس فرضی حکایت کے گھڑنے والے نے جب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف بکواسات کیں تو اس نے امام شافعی علیہ الرحمۃ کو بھی معاف نہ کیا۔ ان کی ذات اقدس کی طرف بھی اس بد نصیب نے بہت بڑے گناہ کی نسبت کر دی۔ لکھتا ہے کہ ”تقال مذکور“ مذہب شافعی کے مطابق نماز پڑھتے ہوئے ایسے آداب بجالایا کہ (لا یجوز الشافعی دونہا) ان کے بغیر امام شافعی کے اعتقاد میں نماز جائز نہیں ہوتی۔ حالانکہ آداب نماز کو وہ درجہ ہرگز حاصل نہیں کہ ان کی بجا آوری کے بغیر نماز درست نہ ہو بلکہ ایسا اعتقاد بجائے خود بہت بڑا گناہ ہے۔ دیکھئے امام کا نماز سے فارغ ہونے کے بعد دائیں طرف منہ پھیر کر بیٹھنا آداب میں سے ہے اور حضور اقدس ﷺ نے اکثر ایسا ہی کیا ہے (مشکوٰۃ ص ۸۷) لیکن اسے فرض و واجب جاننا شدید گناہ ہے۔ چنانچہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود نے ائمہ مساجد کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ لا یجعل احدکم للشیطان شیئا من الصلوۃ یری ان حقا علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں سے شیطان کو کچھ نہ دے کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ نماز سے فارغ ہو کر دائیں طرف منہ پھیر کر بیٹھنا واجب و فرض ہے (مشکوٰۃ ص ۸۷) معلوم ہوا کہ ادب نماز کو فرض کا درجہ دینا شیطانی کام ہے۔ امام شافعی اس سے محفوظ ہیں مفتی بد نصیب نے ان پر افتراء باندھنا ہے۔

جھوٹ ہی جھوٹ

قرآن وحدیث نے ہمیشہ سچ بولنے اور جھوٹ چھوڑنے کا حکم دیا ہے کیونکہ جب ایک جھوٹ بولا جائے تو اسے سچ ثابت کرنے کے لیے اور کئی جھوٹ بولنے پڑتے ہیں چنانچہ مندرجہ جھوٹی حکایت میں جھوٹوں پر پردہ ڈالنے کے لیے اور کئی طرح کے جھوٹ بولے گئے۔

☆۱۔ ایک رسیہ میں فصیل آبادی وہابی نے خفی نماز کے نقشہ میں رکوع کا

ذکر کیا ہے۔ حالانکہ اصل عربی عبارت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا ترجمہ رکوع کیا جائے۔

۲۵۶۔ یونہی اس نے نبیذ تمر کا ترجمہ گاڑھا شربت کیا ہے حالانکہ نہ نبیذ کا یہ ترجمہ ہے نہ اسے نبیذ مستلزم ہے بلکہ کھجور ملے پتلے پانی پر بھی نبیذ کا اطلاق ہو سکتا ہے نیز عند الاحناف گاڑھے شربت سے وضو جائز نہیں۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۵۲)

۳۵۶۔ هذه صلوة ابی حنیفہ کا ترجمہ رسیہ میں لکھا ہے۔ یہ ہے حنفی مذہب کی کم از کم جائز نماز۔ اور پروری وہابی لکھتا ہے۔ یہ ہے حنفی نماز یہ دونوں ترجمے غلط ہیں۔ صحیح ترجمہ یہ ہے۔ یہ ابو حنیفہ کی نماز ہے۔ (وہ یونہی پڑھا کرتے تھے) معاذ اللہ۔

۴۵۶۔ رسیہ میں ”مذہب الشافعی“ کا ترجمہ عمل بالحدیث کیا گیا ہے حالانکہ یہ درست نہیں بلکہ قرآن مجید حدیث شریف اجماع امت اور قیاس شرعی سے ثابت شدہ ان مسائل کے مجموعہ کا نام ”مذہب الشافعی“ ہے حضرت امام شافعی نے استنباط فرمایا۔ اور ان کے مقلدین نے ان مسائل میں ان کی تقلید کی۔

۵۵۶۔ پروری وہابی نے ”مذہب ابی حنیفہ“ کا ترجمہ حنفیت کیا ہے اور ”مذہب الشافعی“ کا ترجمہ امام شافعی والے مسلک پر کار بند ہونا۔ حالانکہ جب اس نے پہلے لفظ کا ترجمہ حنفیت کیا ہے تو دوسرے کا ”شافعیت کرنا چاہیے تھا۔ مگر یہ انداز صرف اس لیے بدلا گیا۔ تا کہ پڑھنے والا دھوکا کھائے اور یہ نہ سمجھ سکے کہ سلطان نے بقول ان کے شافعیت اختیار کی تھی۔ جو کہ امام شافعی علیہ الرحمتہ کی تقلید سے عبارت ہے جسے شرک ثابت کرنے کے لیے اپنے دلوں کی طرح سینکڑوں صفحات کالے کر دیئے گئے اور پھر بھی نامراد رہے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

۶۵۶۔ پروری وہابی نے ”تفال“ کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے امام شافعی

کے مسلک پر نماز پڑھی جو احادیث کے مطابق تھی حالانکہ عربی عبارت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا ترجمہ ”احادیث کے مطابق تھی“ کیا جائے۔

☆۷۔ صاحب حیوة الحيوان نے عربی عبارت میں سیدنا امام الاعظم کا نام پہلے اور سیدنا امام الشافعی کا نام بعد میں لکھ کر دونوں کے لیے جملہ دعائیہ رضی اللہ عنہما استعمال کیا ہے تاکہ دونوں سے ان کا حسن اعتقاد ظاہر ہو جائے مگر پروری وہابی نے عیاری سے کام لیا ان کی عبارت میں اپنی طرف سے تصرف کیا اور ضمیر تشبیہ ”عنہما“ کو ضمیر مفرد ”عنہ“ سے بدل دیا جس سے کلمہ دعائیہ صرف حضرت امام شافعی سے مختص ہو گیا۔ یہ فریب کاری کی بدترین مثال ہے۔

سوال

جب یہ حکایت اس قدر جھوٹی ہے تو اسے ”حیوة الحيوان“ میں جگہ کیوں

دی گئی؟

Www.Ahlehq.Com

الجواب

مصنف نے اسے اثبات مسئلہ کے لیے ذکر نہیں کیا بلکہ رد کرنے کے لیے ذکر کیا ہے چنانچہ انہوں نے ”خیر مستقیم“ کہہ کر اس مردود حکایت کو نادرست قرار دے دیا ہے۔ مگر مخالفین اپنی بد فہمی کی بنا پر رد کرنے والے کو راوی سمجھ رہے ہیں۔۔

راو کو اس کا راوی گائیں
کیا بے پر کی اڑاتے یہ ہیں

کتاب مذکور میں اور بھی کئی جھوٹی کہانیاں ذکر کر کے ان کا رد کیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں انما ذکرته لانه لا يعتقد صحته میں نے یہ کہانی اس لیے لکھی تاکہ اس کا رد کر کے تنبیہ کروں کہ اس کی صحت کا اعتقاد نہیں رکھنا چاہیے۔ (حیوة الحيوان ج ۱ ص ۲۶۶)

وہابیوں کی ناکامی

اس منگھڑت حکایت سے وہابی ہفت روزہ نام نہاد ”الاسلام“ نے ثابت کرنا چاہا کہ وہابی مذہب بھی پرانا ہے مگر اس کا یہ دعویٰ غلط اور غیر ثابت ہے کیونکہ محمود غزنوی علیہ الرحمۃ حنفی المذہب تھے اور ”قفال مروزی“ شافع المذہب۔ وہ سیدنا امام الاعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد تھے۔ اور یہ سدا الامام الشافعی علیہ الرحمۃ کے۔ نہ وہ غیر مقلد وہابی تھے نہ یہ ..

وہابی نماز کا نقشہ

محمود غزنوی سے کئی سو سال بعد وہابی مذہب پیدا ہوا۔ اس مذہب کے پیروکار اگر اس وقت موجود ہوتے تو ان کی نماز کا نقشہ درج ذیل بھیانک شکل میں پیش ہوتا۔ قفال پہلے آٹے میں شراب ملا کر روٹی پکاتا پھر اسے اونٹ کی منی کے ساتھ کھاتا پھر سیر بھر پانی میں سیر بھر پیشاب ڈال کر وضو کرتا پھر خنزیر کی کھال اوڑھتا اس کے ایک حصہ پر بھینے کی منی دوسرے پر بیل کا پیشاب تیسرے پر انگور کی شراب چوتھے پر استحاضہ کا خون ملتا۔ پھر مسجد میں جوتوں سمیت داخل ہوتا۔ برہنہ سر ناگلین پھیلا کر مسجد میں تھوکتے ہوئے نماز پڑھتا اور آخر میں کہتا۔۔۔۔۔ سلطان معظم یہ ہے وہابی مذہب کی نماز۔ پھر ثبوت کے لیے ”لغات الحدیث مصنفہ وحید الزمان اہل حدیث کی درج ذیل عبارت پیش کرتا“

(۱) جو روٹی شراب ملا کر پکائی جائے اس کا کھانا درست ہوگا (ص ۶۰ م۔ (۲) حلال جانوروں کی منی حلال بھی ہے اور پاک بھی ص ۹۹ م (۳) پانی قلیل ہو یا کثیر نجاست گرنے سے پاک رہتا ہے جب تک وصف نہ بدلے (۴) سور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے ص ۲۴ و ص ۱۸۵ (۵) جانوروں کا پیشاب نجس

نہیں ص ۲۲۰ سو (۶) شراب حرام ہے نجس نہیں ص ۸ ن - (۷) حیض کے سوا سب خون پاک ہیں ص ۶۹ - (۸) مسجد میں جوتوں سمیت نماز پڑھنا اور مسجد میں تھوکنادرست ہے ص ۵۸ ب۔

اعتراض ۹۶

مولانا سعید بنارسى لکھتے ہیں

ہدایہ اور شرح وقایہ اور کنز میں ہے کہ ذی جزیہ دینے والا اگر ہمارے پیغمبر محمد ﷺ کو گالیاں دے تو ابو حنیفہ کے نزدیک عہد ذی نہیں ٹوٹتا۔ اس کو قتل نہ کرنا چاہیے۔ ص ۲۰ الجرح علی ابی حنیفہ، حقیقت الفقہ ص ۲۲۳ مسئلہ نمبر ۵۲۱ میں ہے

۲ مختصر ﷺ کے گالی دینے سے ذی کا عہد نہیں ٹوٹتا۔ ہدایہ جلد ۲ ص ۸۰

کنز ص ۲۱۳

اعتراض

حقیقت الفقہ ص ۲۲۳ مسئلہ نمبر ۵۲۳ میں ہے

ذی مسلمان عورت سے زنا کرے تو بھی عہد نہیں ٹوٹتا۔ کنز ص ۲۱۳

اعتراض

قاری سیف اللہ فرماتے ہیں فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ ص ۲۵۲ سطر نمبر ۲۴ اور رد المحتار جلد ۳ ص ۲۷۸ وغیرہ میں ایک عجیب قیاس بھی لکھا ہے کہ اگر ذی ایک دینار جزیہ سے ادا نہ کر لے تو اس کا عہد ٹوٹ گیا اور خون اور مال اس کا حلال ہو گیا اور اگر بیت اللہ شریف کو جلائے اور مسجد نبوی کو ویران کر دے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کو نعوذ باللہ گالیاں دے تو پناہ اور عہد اس کا باقی ہے اور خون اور مال اس کا محفوظ و معصوم۔ (فتاویٰ حدیث اور فتاویٰ عالمگیری ص ۱۳)

تینوں اعتراضوں کا اکٹھا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

بنارس سے پہلے یہ اعتراض صاحب ظفر المبین نے کیا ہے اور کہا ہے کہ اس مسئلے میں امام صاحب نے صریح ان دو حدیثوں کا خلاف کیا ہے پہلی حدیث ابو داؤد میں روایت ہے علی سے ان یہودیہ کانت تشتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ یعنی تحقیق ایک عورت یہودیہ برا کہتی تھی آنحضرت ﷺ کو اور عیب اور طعن کرتی تھی پس گلا گوننا ایک شخص نے اس کا یہاں تک کہ مر گئی۔ پس معاف فرمایا نبی ﷺ نے خون اس کا دوسری حدیث ابو داؤد میں روایت ہے ابن عباس سے ان اعمی کانت لہ ام ولد الخ یعنی تحقیق ایک اندھا کہ تھی اس کے پاس حرام گلی دینے والی نبی ﷺ کو۔ پھر منع کرتا تھا وہ اندھا اس کو اس بات سے پس باز نہ آتی تھی۔ پس جب ہوی ایک رات لی اس اندھے نے ایک لکڑی سیخ لگی ہوئی۔ پس رکھا اس کو اس کے پیٹ پر اور تکیہ کیا اس پر یعنی زور سے دیا پس قتل کیا اس کو پس پہونچی خبر اس کی نبی ﷺ کو پس فرمایا خبردار گواہ رہو تحقیق خون اس کا رائیگاں ہے۔ اس اعتراض کا جو جواب ناصر الملتہ والدین جناب مولانا حکیم وکیل احمد صاحب نے دیا ہے۔ اسے ذیل میں لفظ بلفظ نقل کیا جاتا ہے۔

وہ ہم نہیں جسے تو اے فلک بگاڑ سکے

کدھر خیال ہے اتنی تری مجال نہیں

ان دونوں حدیثوں میں اور امام کے مذہب میں کیا مخالفت ہے۔ امام یہ کہتے ہیں کہ جو کافر ذمی کہ مطیع اہل اسلام ہو گیا ہو اور جزیہ دینا اس نے قبول کر لیا ہو اور باداے جزیہ اس نے اپنی جان و مال کی حفاظت کر لی ہو وہ اگر آنحضرت ﷺ کو گالی دے تو اس گالی دینے سے اس کا عہد امان نہیں ٹوٹے گا اور عقد ذمیت اس سے مرتفع نہ ہوگا بشرطیکہ اعلان اور مداومت نہ کرے اس وجہ سے کہ گالی دینا آنحضرت ﷺ کو کفر ہے اور ذمی میں کفر پہلے ہی موجود ہے۔ پس ہر گاہ کفر سابق قدیم اس کا مانع اس کے ذمی ہونے سے نہ ہوا اور باوجود کفر کے بسبب ادا کرنے

جزیہ کے جان و مال کا اس کے محفوظ رکھنا اہل اسلام پر واجب ہوا پس کفر طاری جو
 ذمی ہونے کی حالت میں اس سے صادر ہوا کیوں اس کے عہد کو توڑ ڈالے گا۔ اور
 بایں ہمہ اس کے بھی امام قائل ہیں کہ اگرچہ قتل اس کا واجب نہیں مگر تادیب
 اور تعزیر دینا اس کو واجب ہے اور تعزیر یا قتل بھی جائز ہے۔ درمختار میں ہے۔
 ویودب الذمی ویعاقب علی سبہ دین الاسلام او القرآن او النبی
 حاوی وغیرہ۔ قال العینی واختیاری فی السب انہ یقتل وتبعہ ابن
 الہمام انتہی۔ یعنی حاوی وغیرہ میں ہے کہ ادب دیا جاوے ذمی اور عقاب کیا
 جاوے اس پر بسبب گالی دینے کے دین اسلام کو یا قرآن یا نبی کو اور کہا عینی نے کہ
 مختار میرا گالی دینے میں یہ ہے کہ مار ڈالا جاوے اور تابع ہو ان کے جواز قتل میں
 ابن الہمام۔ اور رد المحتار میں خیر الدین رملی استاد صاحب درمختار سے منقول ہے
 لا یلزم من عدم النقص عدم القتل وقد صرحوا قاطبة بانہ یعزر علی
 ذلک ویؤدب وهو یدل علی جواز القتل زجر الغیرہ اذ یجوز الترقی
 فی التعزیر الی القتل انتہی۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ نہیں لازم آتا ہے نہ
 ٹوٹنے سے عہد ذمیت کے نہ جائز ہونا قتل کا اور تحقیق تصریح کی ہے تمام مشائخ
 نے اس امر کی کہ گالی دینے والا ذمی تعزیر کیا جاوے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
 مار ڈالنا بھی اس کا جائز ہے۔ جب اس سے مقصود تنبیہ اوروں کو ہو کیونکہ تعزیر
 ساتھ قتل کے بھی جائز ہے۔ اور اس کے بھی امام قائل ہیں کہ وہ حکم اسی وقت
 تک ہے جب ذمی اعلان اور تکرار نہ کرے بلکہ ایک دو مرتبہ پوشیدہ گالی دے
 دیوے اور اگر وہ بطور اعلان کے سبوں کے سامنے بیباک ہو کے گالی دیتا ہو یا اس
 کی عادت گالی دینے کی ہو اور اکثر اس سے یہ حرکت ہوتی ہو تو ایسی صورت میں
 قتل اس کا ضرور ہے۔ رد المحتار میں اور مستقی سے منقول ہے ای اذا لم یعلن فلو
 اعلن بشتہ او اعتادہ قتل ولو امرأۃ وہ یفتی الیوم انتہی یعنی ذمی کو
 بسبب گالی دینے آنحضرت ﷺ کو اس وقت ہے جب کہ وہ بطور اعلان کے گالی نہ
 دے۔ پس اگر اعلان کیا اس نے شتم نبیؐ کا یا عادت کر لی اس کو مار ڈالا جاوے گا

اگرچہ عورت ہو اور اسی پر فتویٰ ہے اس زمانے میں۔ اور بھی ردالمحتار میں ابن تیمیہ کی کتاب الصارم المصلول سے منقول ہے افتی اکثر ہم بقتل من سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اہل الذمۃ وان اسلم بعد اخذہ وقالوا یقتل سیاسۃ انتہی یعنی فتویٰ دیا ہے اکثر حنفیہ نے اس ذمی کے مار ڈالنے کے ساتھ جو گالی دے آنحضرت ﷺ کو اگرچہ اسلام لائے وہ بعد گرفتار ہونے اور کہا حنفیہ نے کہ مار ڈالا جاوے وہ بنظر سیاست۔ اور بھی درمختار میں ہے راایت فی معروضات المفتی ابی السعود انہ ورد امر سلطانی بالعمل بقول ائمتنا القائلین بقتلہ اذا ظهر انہ معتادہ انتہی یعنی دیکھا میں نے معروضات مفتی ابو السعود راوی ہیں کہ وارد ہو احکم بادشاہی واسطے عمل کرنے کے اوپر قول ائمہ حنفیہ کے کہ قتل کیا جاوے جبکہ گالی دینا اس کی عادت ہووے۔ اور یہی درمختار میں ابن کمال باشا سے منقول ہے الحق انہ یقتل عندنا اذا اعلن بشتمتہ علیہ السلام صرح بہ فی سیر الذخیرہ انتہی یعنی حق یہ ہے کہ ذمی گالی دینے والا نبی ﷺ کو قتل کیا جاوے گا جب کہ اعلان کرے ساتھ گالی دینے کے تصریح کی ہے اس کی کتاب السیر میں ذخیرہ برہانیہ کے۔ ایسے ہی اور کتب فقہ میں مصرح ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ذمی اگر آنحضرت ﷺ کو اتفاقاً گالی دیدے۔ تو عمد ذمیت اس کا صرف اس گالی دینے سے نہ ٹوٹے گا اور مجرد اس گالی کے وہ حربی نہ سمجھا جاوے گا اور قتل اس کا واجب نہ ہوگا مگر تعزیر اس پر قائم کی جاوے گی اور سیاست اگرچہ ساتھ قتل کے ہو اس پر جاری ہوگی۔ اور اگر وہ باعلان دیتا ہو یا عادت اس کی رکھتا ہو تو اس کو مار ڈالنا ضرور ہے۔ ہر گاہ یہ معلوم ہوا۔ پس اب سمجھنا چاہیے کہ مذہب حنفیہ میں اور ان دونوں حدیثوں میں جو آپ نے ذکر کیں کچھ بھی مخالفت نہیں ایک تو اس وجہ سے کہ مذہب حنفیہ کا یعنی نہ مارنا کافر کو بسبب گالی دینے نبی کے ذمی میں ہے نہ ہر کافر میں اور ان دونوں حدیثوں میں یہ تصریح نہیں کہ وہ دونوں عورتیں کہ بوجہ گالی دینے کے ماری گئیں ذمی نہیں بلکہ اول حدیث میں تو تصریح ہے کہ وہ عورت یہود میں سے تھی اور

یہود جو مدینہ منورہ میں تھے وہ ذمی نہ تھے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے کبھی ان پر جزیہ نہیں مقرر کیا اور نہ ان پر حکم اہل ذمہ کا جاری کیا بلکہ اوائل میں ان سے مصالحہ بلا عوض مال کر لیا گیا تھا۔ بعد چند سال کے یہود کا اخراج کر دیا گیا اور بعضوں سے مقاتلہ کیا گیا جیسا کہ فتح القدر میں مذکور ہے اما الیہود فلم یكونوا اهل ذمة بمعنی اعطائهم الجزیة بل كانوا اصحاب موادة بالمال یؤخذ عنهم الی ان امکن اللہ منهم لانه لم توضع جزیة قط علی الیہود انتہی۔ یعنی لیکن یہود پس نہ تھے وہ لوگ اہل ذمہ بمعنی دینے ان کے کے جزیہ کو بلکہ تھے وہ اصحاب مصالحت بغیر مال کے کہ لیا جاتا ہو ان سے یہاں تک کہ قادر کیا اللہ نے اپنے رسول کو ان پر اور غالب کیا ان پر اس واسطے کہ نہیں مقرر کیا گیا جزیہ کبھی اوپر یہود کے۔ پس اگر ایسی کوئی روایت ہوتی جس سے یہ صاف ثابت ہوتا کہ کوئی کافر ذمی بسبب گالی دینے نبی کے عہد نبوی میں مارا گیا یا آپ نے کسی ایسے کافر کے مارنے کا حکم کیا تو البتہ مذہب حنفیہ پر اعتراض ہوتا اور یہ حدیثوں جو آپ نے بیان کیں انہیں اس کا نشان نہیں۔ دوسرے یہ کہ ان دونوں حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ وہ دونوں عورتیں جو ماری گئیں وہ آنحضرت ﷺ کو باعلان گالی دیتی تھیں اور عادت اس کی رکھتی تھیں۔ اور ابھی معلوم ہو گیا کہ ایسی صورت میں حنفیہ کے نزدیک قتل ضرور ہے۔ اور نہ واجب ہونا قتل کا اس وقت ہے جب ذمی گالی کے ساتھ اعلان نہ کرے اور اس کی عادت نہ رکھے۔ ہاں اگر ایسی کوئی حدیث ہووے کہ جس سے مارا جانا ذمی کا صرف دو ایک دفعہ گالی دینے سے ثابت ہووے تو البتہ اعتراض ہو سکتا ہے ورنہ نہ۔ تیسرے یہ کہ جس صورت میں کہ حنفیہ کے نزدیک عہد ذمہ نہیں ٹوٹتا ہے اس صورت میں بھی مار ڈالنا ذمی کو بقصد زجر و سیاست جائز ہے اور ان دونوں حدیثوں سے اس قدر ثابت ہے کہ وہ دونوں عورتیں بسبب گالی دینے کے ماری گئیں اور آنحضرت ﷺ نے اس کو جائز رکھا اور مارنے والے پر کچھ زجر نہیں کیا۔ یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو خواہ مخواہ مار ڈالنا واجب ہے تاکہ اعتراض مخالفت درست ہووے۔

علاوہ ازیں ایسی بھی حدیثیں وارد ہیں کہ جن سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ کفار نے بارہا آنحضرت ﷺ کو گالی دی ہے اور آپ نے ان کو نہیں مارا۔ ابو نعیم نے دلائل النبوة میں ابن عباس سے روایت کی ہے تفسیر میں اس آیت کی یا ایہا الذین امنوا لا تقولوا راعنا وقولوا انظرونا یعنی اے ایمان والو نہ کہو تم ہمارے رسول سے راعنا بلکہ کہو انظرونا۔ راعنا بلسان الیہود السب القبیح فكان الیہود يقولون اعلنوا بها فكانوا يقولون ذلك ویمضحون فیما بینہم فانزل اللہ هذه الاية انتہی حاصل اس کا یہ ہے کہ راعنا بلغت یہود بری گالی ہے پس جب وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آتے تھے راعنا کہتے تھے۔ صحابہ ان کے کہنے سے یہ سمجھے کہ یہ کوئی اچھا کلمہ ہے۔ وہ بھی کہنے لگے۔ پس اللہ نے اس آیت کو نازل کیا اور حکم کیا کہ تم راعنا نہ کہو۔ اگر کہنا ہو تو انظرونا کہو کہ جس کے معنی یہ ہیں کہ اے رسول اللہ آپ ہماری طرف دیکھئے اور توجہ کیجئے۔ اور صحیح بخاری و مسلم و سنن وغیرہ میں موجود ہے کہ یہود جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آتے بجائے السلام علیکم کے السلام علیکم کہتے اور سام کے معنی ان کے نزدیک موت اور لعنت کے ہیں۔ آنحضرت ﷺ اس کے جواب میں صرف علیکم فرمادیتے۔ پس ان احادیث سے یہ ثابت ہے کہ یہود آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیتے تھے۔ مگر آپؐ ان کے مارنے کا حکم نہیں فرماتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافر کو بسبب گالی دینے کے مار ڈالنا ضروری نہیں ہے۔ ہاں اگر تعزیراً "مار ڈالا جائے گا تو کچھ حرج بھی نہ ہو گا بخلاف مسلمان کے کہ اگر وہ نبیؐ کو گالی دے گا تو کافر ہو جاوے گا۔ اور مسلمانوں پر اس کا مار ڈالنا لازم و واجب ہو جاوے گا۔ اتنے۔ (نصرة المجتہدین۔ اصح المطالع لکھنؤ ص ۵۱۔ ۵۵)

اعتراض ۹۷

فقال لور عف فكتب الفاتحة بالدم على جبهته وانفه لاستشفاء وبالبول ايضا ان علم فيه شفاء لا باس به الخ۔ (شامی ص ۱۵۴ ج ۱ مطبوعہ

اگر نکسیر پھوٹ پڑے اور وہ خون سے اپنی پیشانی اور ناک پر فاتحہ لکھ لے تو تندرستی و صحت حاصل کرنے کے لیے جائز ہے اور پیشاب کے ساتھ لکھنا بھی اگر شفاء کا یقین ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (ردالمحتار شرح درمختار (المعروف شامی) جے پوری لکھتے ہیں

جو نکسیر بند نہ ہوتی ہو تو قرآن کی آیت کو خون سے پیشانی پر لکھنا جائز ہے عالمگیری جلد ۲ ص ۳۳۶ (حقیقت الفقہ ص ۱۹۹ مسئلہ نمبر ۲۰۰) مزید لکھتے ہیں

خون سے سورۃ فاتحہ (سورہ اخلاص) ماتھے پر لکھنا جائز ہے اگر امتحانا معلوم ہو کہ خون بند ہو جائے گا درمختار جلد ۱ ص ۱۰۷ (حقیقت الفقہ ص ۱۹۹ مسئلہ نمبر ۱۹۹)

Www.Ahlehaq.Com الجواب

شامی میں تدوئی بالحرام (یعنی حرام کے ساتھ علاج) کا عنوان ہے اس عنوان کو ذہن میں رکھیں اور اس عنوان کے تحت اس مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کریں مسئلہ دراصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے مرض میں مبتلا ہو جائے کہ جس کا علاج بالحلل (حلال اشیاء کے ساتھ علاج) ممکن نہیں اور سوائے علاج بالحرام کے کوئی چارہ نہیں تو اب کیا کیا جائے ایسے مریض کو مرنے اور ہلاک ہونے دیا جائے یا اس کی جان بچانے کے لیے علاج بالحرام کا طریقہ اختیار کیا جائے اصل صورت مسئلہ کی یہ ہے جو اوپر بیان ہوئی اس میں بھی ہمارے فقہاء کرام نے اختلاف کیا ہے اور بالخصوص سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ نے علاج بالحرام کو جائز نہیں کہا کیونکہ حرام میں شفاء نہیں ہے اور یہاں تک کہہ دیا کہ اگر موت واقع ہونے اور جان جانے کا خطرہ بھی ہو تب بھی حرام سے علاج کی اجازت نہ دی جائے گی جیسا کہ شامی ہی میں امام حادی قدسیؒ سے منقول ہے - حتی یخشی علیہ الموت وقد علم انه لو كتب فاتحه الكتاب او الاخلاص بذالك الدم على

جبہنہ ینقطع فلا یرخص فیہ اگر نکسیر والے کو موت کا خطرہ بھی ہو اور اسے کسی ذریعہ سے اس بات کا یقین بھی ہو کہ اگر نکسیر کے خون سے اس کی پیشانی پر سورۃ فاتحہ یا اخلاص لکھی جائے تو نکسیر ختم ہو جائے گی اور جان بچ جائے گی پھر بھی خون کے ساتھ لکھنے کی اجازت نہیں۔ غیر مقلدین ذرا بغض اور عناد کی سیاہ عینک مستقبل میں سیاہ چہرے سے اتار کر شامی کی یہ عبارت پڑھیں تاکہ آپ کے علم میں بھی اضافہ ہو جائے۔ مگر بعض فقہاء کرام نے علاج بالحرام کو حالت اضطراری میں کسی ماہر ڈاکٹر یا حاذق حکیم جو دیندار بھی ہو اور مستند بھی کے تجویز کرنے کے بعد جائز کہا کیونکہ حالت اضطراری و مجبوری میں حرام کی حرمت فی الوقت ساقط ہو جاتی ہے جیسا کہ خود قرآن مجید اس پر شاہد ہے ”الا ما اضطررتم فممن اضطر“ (سورہ بقرہ پارہ ۲۵ آیت نمبر ۱۷۳، سورہ انعام پارہ ۸۔ مگر جو شخص مجبور ہو گیا) کے الفاظ شاہد و عادل ہیں صورت مذکورہ میں اضطرار اس حد تک ہے کہ جان جانے اور ہلاک ہونے کا خطرہ ہے مگر اس کے باوجود ہمارے فقہاء کرام سوچ بچار کے ساتھ قدم رکھتے ہیں غیر مقلدین حضرات کے نزدیک بھی یہ بات مسلم ہے کہ حالت اضطرار میں علاج بالحرام جائز ہے جیسا کہ نزل الابرار من فقہ نبی المختار ص ۳۰۱ میں علامہ وحید الزمان غیر مقلد لکھتے ہیں کہ اذا استعمل برائی الطیب الحاذق جب کہ ماہر حکیم کی رائے سے استعمال کی جائے اور اسی کتاب کے ص ۳۱ پر ہے وقیل یرخص اذا علم فیہ الشفاء ولم یوجد دواء افرحلال یوثر اثرہ کما رخص الخمر العطشان واکل المیتة للمضطر اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اجازت ہے اس بات کی کہ (علاج بالحرام) جائز ہے۔ جب کہ کوئی دوسری دواء حلال موثر نہ پائی ہے جیسا کہ بوقت ضرورت پیاسے کے لیے شراب اور بھوکے کے لیے مردار جائز ہے۔ امام شاہ ولی اللہ رقمطراز ہیں۔ واختلف اهل العلم فی التداوی بالشی النجس فابہا ح کثیر منهم التداوی بہ (المسوی ص ۳۱) نجس چیز کے ساتھ دواء کرنے میں اہل علم کا اختلاف ہے بہت سے لوگوں نے اس (نجس) کے ساتھ علاج کو مباح

قرار دیا ہے۔ نیز نمبر ۱ بول ماکول اللحم (پیشاب جن کا گوشت کھلایا جاتا ہے) نجس ہے دواء کے لیے ہو یا کسی اور چیز کے لیے دونوں صورتوں میں اس کا استعمال ناجائز ہے جیسا کہ درمختار میں لا للتداوی ولا لغيره عند ابی حنیفہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک (بول مایوکل لحم) نہ دوا کے لیے نہ کسی غیر دوا کے لیے استعمال کرنا جائز ہے۔ نمبر ۲ (وظاهر المذهب المنع) اور ظاہر مذہب منع کا ہے۔ شامی میں دیگر اختلافی الفاظ کی موجودگی میں اس مسئلے کو متفق علیہ انداز میں پیش کرنا غیر مقلدین احناف کے ساتھ دشمنی کی بین دلیل ہے۔ نمبر ۳ کتاب کے متن میں بول ماکول اللحم اور اس کی نجاست و طہارت کی بحث ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ کتابت بول (پیشاب کے ساتھ لکھنا) میں کس کا پیشاب مراد ہے انسان کا یا کسی اور کا ہم غیر مقلدین کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کوئی ایک عبارت ایسی دکھائیں جس میں انسان کے پیشاب وغیرہ کے الفاظ ہوں۔ قیامت کی صبح تک ایسے الفاظ پیش نہیں کر سکتے زور آزمائی کر کے دیکھ لیں ہم دعوے سے کہتے ہیں اس بول سے مراد انسانی بول نہیں بلکہ ماکول اللحم کا بول مراد ہے ہمارے اس دعویٰ پر پہلی دلیل یہ ہے کہ یہاں (کتاب میں) بحث ہی بول ماکول اللحم کی ہے لہذا کتابت بالبول میں بھی یہی مراد ہوگا دوسری دلیل یہ ہے کہ دوا کے لیے اس کا استعمال حدیث مبارکہ سے ثابت ہے اگرچہ بنا بر خصوصیت تھا تیسری دلیل یہ ہے کہ ماکول اللحم کے بول کو بعض فقہاء نے پاک اور ظاہر کہا ہے اور خود غیر مقلدین اسے صرف پاک ہی نہیں بلکہ قابل شرب مانتے ہیں جیسا کہ ”اونٹ“ گائے بکری بلکہ گھوڑے کا پیشاب پینا بھی جائز ہے (فتاویٰ ثنائیہ ص ۳۱۲ ج ۲ اور اسی قسم کا مفہوم عرف الجاوی اور نزل الابرار ص ۲۹۹ میں بھی غیر مقلدین نے لکھا ہے) چوتھی دلیل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا تداوی اور عدم تداوی میں بول کے استعمال کو ممنوع قرار دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ کسی حنفی کے نزدیک انسانی بول سے کتابت جائز نہیں کیونکہ اس کی نجاست متفق علیہ ہے کتابت کے جواز کا قول اسی بول سے متعلق ہو سکتا ہے جس کے پاک ہونے میں اقوال موجود ہیں اب آئیے ایسی حالت

اضطراری کہ جس میں موت کا خطرہ زیادہ غالب ہو اگر کوئی ڈاکٹر یا طبیب ماکول اللحم کے بول سے فاتحہ کی کتابت تجویز کرے جب کہ یہ بول مخالفین کے نزدیک پاک ہی نہیں بلکہ پینے اور استعمال کرنے کے قابل ہے تو اس اضطرار میں برنائے ضرورت جواز کی صورت نکل سکتی ہے جب کہ قطعی حرام بھی جائز ہو جاتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ کتابت بالبول والا مسئلہ علاج بالحرام کا فرع ہے جن حضرات نے علاج بالحرام کو ناجائز کہا ہے انہوں نے ہی کتاب بالبول کو حرام کہا ہے اور جنہوں نے حالت اضطراری بصورت بیماری ہو یا جبر و اکراہ وغیرہ علاج بالحرام کو جائز کیا ہے۔ انہوں نے کتابت بالبول کو بھی جائز کیا ہے لیکن ان شرائط کے ساتھ نمبر ۱ علاج بالحرام سے شفاء کا علم ہو نمبر ۲۔ علاج بالحلل کی کوئی صورت ممکن نہ ہو نمبر ۳۔ موت کا خطرہ غالب ہو نمبر ۴۔ کسی ماہر ڈاکٹر اور حاذق حکیم کی تجویز ہو نمبر ۵۔ ڈاکٹر و طبیب مسلمان اور متقی و پرہیزگار بھی ہو ایسی حالت اضطراری میں اگرچہ حرمت فی الوقت ساقط ہو جاتی ہے مگر پھر بھی اگر یہ مضطر اور مجبور آدمی جو مصیبت میں مبتلا ہے اگر صبر کرے اور طریقہ علاج بالحرام کو نہ اختیار کرے اور اسی حالت میں فوت ہو جائے تو ثواب اور اجر کا مستحق ہو گا قارئین ایسی عظیم الشان کتاب جو تمام کتب آسمانیہ سے زیادہ محفوظ اور زیادہ پڑھی جاتی ہے جسے بے وضو آدمی چھو نہیں سکتا جسے جنبی تلاوت نہیں کر سکتا اور نہ ہاتھ لگا سکتا ہے حیض و نفاس والی عورتیں جسے مس نہیں کر سکتیں جیسے خدا تعالیٰ نے صحف مطہرہ فرمایا جس کی تعظیم عین متکلم کی تعظیم ہے اس کتاب کے متعلق یہ خیال کرنا کوئی قبیحہ (العیاذ باللہ) اس کی کتابت بول الانسانی سے اجازت دیتا ہے بعید از عقل و انصاف ہے خاص طور پر امام اعظم ابو حنیفہؒ کی ذات گرامی اس سے بالکل بری ہے کیونکہ وہ نجس ہونے میں بول انسانی اور بول ماکول اللحم میں روا نہیں رکھتے جیسا کہ عرف الشذی والبرجندی میں موجود ہے بول مایوکل اللحمہ طاہر عند مالک وکذا لک مذهب احمد ومذهب محمد وزفر ونجس عند ابی حنیفہ وشافعی۔ پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے امام مالک کے نزدیک طاہر ہے اور اسی طرح امام احمد کا مذہب ہے اور امام

محمد زفر کا مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ امام شافعی کے نزدیک نجس ہے۔ بڑے بڑے فقہاء کرام اور تمام غیر مقلدین مایوکل اللحم کے بول کی طہارت کے قائل ہیں اور بول انسانی کی طہارت کا کوئی بھی قائل نہیں تو یہی اس بات کی دلیل ہے کہ کتابت بالبول میں بول سے مراد مایوکل اللحم کا بول ہے نہ کہ انسان کا بول۔

اعتراض ۹۸

دباغت کے بعد کتے کی کھال بھی پاک ہے۔ سیف محمدی ص ۴۰ مسئلہ نمبر ۷ جے پوری لکھتے ہیں
کتے اور ہاتھی کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔ در مختار جلد ۱ ص ۱۰۲
منیہ ص ۴۹ (حقیقت الفقہ ص ۲۰۴ مسئلہ نمبر ۲۶)

الجواب

میں کہتا ہوں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے
ایما اہاب دبغ فقد طهر (رواہ الترمذی)
صحیح مسلم میں ہے

اذا دبغ الہاب فقد طهر
جب چمڑے کو دباغت دی جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔
مردار کے چمڑے کے بارے میں بھی حضور نے فرمایا ہے۔
ہلا اخذتم اہابھا فقد بفتحموہ

تو حدیث ایما اہاب..... اپنے عموم میں کتے کی کھال کو بھی شامل ہے۔
وہابیوں کا بڑا عالم شمس الحق عظیم آبادی، عوان المعبود شرح سنن ابی داؤد کی جلد
چہارم ص ۱۱۳ میں لکھتا ہے۔

والحدیث دلیل لمن قال ان الدباغ مطهر لجلد میتة کل حیوان
کما یفیدہ لفظ عموم کلمة ایما وکذا لک لفظ الہاب لیشتمل

بعمومہ جلد الماکول اللحم وغیرہ یہ حدیث اس شخص کے لیے دلیل ہے جو یہ کہتا ہے کہ دباغت ہر حیوان مردہ کے چمڑے کو پاک کرنے والی ہے۔ جیسے ایما کا عموم اس کا فائدہ دیتا ہے اور اسی طرح لفظ اہاب اپنے عموم کے لحاظ سے حلال اور حرام کے چمڑے کو شامل ہے۔

پس معترض کا یہ اعتراض فقہاء پر نہیں بلکہ سرور عالم ﷺ پر آتا ہے۔ کیونکہ آپ نے اس حدیث میں کسی چمڑے کو مستثنیٰ نہیں فرمایا۔ ہاں اگر کسی روایت صحیحہ میں کتے کی کھال کا استثناء آیا ہو تو اسے بیان کیا جائے۔

حدیث ”نہی عن جلود السباع“ میں احتمال ہے کہ نہی قبل از دباغت پر محمول ہو چنانچہ وہابیوں کا بزرگ عون المعبود جلد ۴ ص ۱۱۷ میں بحوالہ شوکانی لکھتا ہے یہ شوکانی صاحب وہی ہیں جن سے نواب صدیق حسن مدد مانگتے ہوئے کہتا ہے۔

زمرہ رائے در افتاد بار باب سنن شیخ سنت مدوے قاضی شوکان مدوے

قال الشوکانی ما حصلہ ان الدباغ ان الاستدلال بحديث النهی عن جلود السباع وما فی معنا علی ان الدباغ لا يطهر جلود السباع بناء علی انه مخصص للاحادیث القاضیه بان الدباغ مطهر علی العموم غیر ظاہر لان غایته ما فیہ مجرد النهی من الانتفاع ولا ملازمته بین ذالک و بین النجاسة كما لا ملازمته بین النهی عن الذہب والحریر و نجاستہما شوکانی نے کہا حدیث نہی عن جلود السباع سے یہ استدلال کہ دباغت جلود سباع کو پاک نہیں کرتی اور یہ حدیث ان احادیث کی مخصص ہے جن میں دباغت کو علی العموم مطہر فرمایا ہے۔ ٹھیک نہیں کیونکہ حدیث نہی عن جلود السباع میں زیادہ سے زیادہ نہی عن الانتفاع ہے جب کہ نہی عن الانتفاع اور نجاست میں کوئی لزوم نہیں یعنی جس چیز سے انتفاع کی نہی ہو لازم نہیں کہ وہ نجس ہو جس طرح (مرد کے لیے) سونے اور چاندی کے استعمال کی نہی ہے۔ لیکن نجاست نہیں۔

پس اس حدیث سے جلود سباع کا دباغت کے بعد بھی نجس ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

اعتراض ۹۹

اسی طرح ہاتھی کا چمڑہ بھی پاک ہے (سیف محمدی ص ۴۵ مسئلہ نمبر ۸، حقیقت الفقہ ص ۲۰۴ مسئلہ نمبر ۲۶۷)

الجواب

میں کہتا ہوں کہ حدیث ایما اہاب دبغ فقد طهر کا عموم اس کو بھی شامل ہے۔ اگر کسی وہابی کے پاس کوئی ایسی حدیث ہو جو ہاتھی کے چمڑے کا دباغت کے باوجود نجس ہونا ثابت کرے تو وہ حدیث پیش کی جائے۔

بیہقی نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ سرور عالم ﷺ ہاتھی کے دانت کی کنگھی استعمال فرمایا کرتے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھی نجس العین نہیں ورنہ حضور اس کے دانت کی کنگھی کبھی استعمال میں نہ لاتے۔ جب ثابت ہوا کہ ہاتھی نجس العین نہیں تو اس کا چمڑا دباغت کے بعد کیوں نہ پاک ہوگا؟ من ادعی خلاف ذالک فعلیہ البیان۔

اعتراض ۱۰۰

اگر بڑے کتے کو بھی بغل میں دبائے ہوئے نماز پڑھے تو بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ (سیف محمدی ص ۶۲، حقیقت الفقہ ص ۲۱۰)

الجواب

میں کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ بھی تمہارے ہی گھر کا ہے۔ چنانچہ وحید الزمان نزل الابرار میں لکھتے ہیں۔

ولا تفسد صلوۃ حاملہ

یعنی کتے کو اٹھا کر نماز پڑھنے والے کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

فقہاء علیہم الرحمہ نے تو جواز میں کتے کے منہ کو باندھنے کی قید لگائی ہے تاکہ اس کا لعاب نہ نکلے ورنہ نماز فاسد ہوگی۔

بخاری شریف میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

کان یصلی وهو حامل امامة بنت زینب بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی رسول کریم ﷺ اپنی نواسی امامہ بنت زینب کو اٹھا کر نماز پڑھا کرتے تھے۔

اس حدیث کی شرح میں ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

علی صحة صلوة من حمل آدمیا وكذا من حمل حیوانا طاهرا
نوی شرح مسلم میں اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں

ففيه دليل لصحة صلوة من حمل آدمیا او حیوانا طاهرا من طیر وشاة وغیرهما

یعنی اس حدیث میں دلیل ہے کہ آدمی کو، پاک حیوان کو اور پرندہ یا بکری وغیرہ کو اٹھا کر نماز پڑھنے والے کی نماز صحیح ہے۔

ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ وہابیوں کے نزدیک کتا پاک ہے تو پاک حیوان کو اٹھا کر پڑھنے سے نماز کیوں کر فاسد ہو سکتی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

جاننا چاہئے کہ جواز معنی صحت اور جواز معنی اباحت میں بڑا فرق ہے۔ فقہاء علیہم الرحمہ نے ان مواقع پر جواز معنی صحت لکھا ہے۔ یعنی نماز صحیح ہوگی اور فرض ادا ہو جائے گا۔ فقہاء کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ یہ فعل جائز یا مباح بلا کراہت ہے۔ اسی طرح حمل کلب میں جواز معنی صحت ہے۔ کہ فرض سرے اتر جائے گا نہ یہ کہ کتا گود میں اٹھا کر نماز پڑھنا جائز بلا کراہت ہے۔ جن جانوروں کا لعاب پاک ہے۔ فقہاء تو ان کو بھی اٹھا کر نماز پڑھنا برا لکھتے ہیں۔ یعنی جو پڑھے گا

برا کرے گا۔ جب پاک بدن پاک دہن جانوروں کی نسبت یہ ارشاد ہے تو ناپاک دہن جانوروں کو اٹھا کر نماز پڑھنا کس قدر ناپسند رکھیں گے۔ تو ان کے بارے میں یہ گمان کہ وہ کتے کو اٹھا کر نماز پڑھنے کو پسند کرتے ہیں۔ کس قدر بدگمانی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان بدگمانیوں سے محفوظ فرمائے۔

اعتراض ۱۰۱

چوپائے سے بد فعلی کرنے پر بھی حد نہیں ماری جائے گی۔ (سیف محمدی ص ۱۱۹، حقیقت الفقہ ص ۲۲۲)

الجواب

افسوس کہ معترض نے اگلی عبارت بل یعذر بلکہ سزا دی جائے، کو کیوں ہضم کیا؟ صاحب درمختار نے تو صاف لکھا ہے کہ اس کو سزا دی جائے۔ فقہاء عظیم الرحمہ نے حد کی نفی اس لیے کی ہے کہ ایسے شخص کے لیے کسی حدیث میں حد زنا (رجم یا جلد) نہیں ہے۔

بلکہ ترمذی نے ص ۱۷۶ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے
من اتى بهيمة فلا حد عليه

جو شخص چوپائے سے بد فعلی کرے اس پر حد نہیں۔

ترمذی کہتا ہے کہ اہل علم کا اسی پر عمل ہے اور یہی قول احمد واسحاق کا ہے۔ ترمذی کے حاشیہ میں ہے کہ ائمہ اربعہ اسی طرف گئے ہیں کہ اس پر حد نہیں تعزیر ہے۔

ابوداؤد نے بھی ابن عباس کے قول کو روایت کیا۔

اب فرمائیے! ابن عباس کو کیا کہیں گے؟ امام احمد واسحاق کو کیا کہیں گے؟ یہ بھی تو وہی کہہ رہے ہیں جو امام اعظم نے فرمایا ہے۔ ہاں ترمذی اور ابوداؤد کے بارے میں کیا خیال ہے۔ جنہوں نے یہی مسئلہ اپنی کتابوں میں لکھا؟ اگر یہ لوگ آپ کے دل میں کسی احترام کے مستحق ہیں تو خدا را سوچئے کہ امام اعظم نے کونا

جرم کیا ہے جو آپ ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑے ہیں؟

اعتراض ۱۰۲

اگر زنا کا خوف ہو اور مشیت زنی کرے تو امید ہے کہ اس پر کچھ وبال نہ ہوگا۔ (سیف محمدی ص ۸۷، حقیقت الفقه ص ۲۱۶ مسئلہ نمبر ۴۰۲ و مسئلہ نمبر ۴۰۱) تو

الجواب

میں کہتا ہوں کہ اس عبارت سے اوپر کی عبارت بھی درج کی ہوتی تو معترض کی دیانت داری ظاہر ہو جاتی۔ صاحب درمختار فرماتے ہیں وان کرہ تحریمًا لحديث ناكح اليد ملعون اگرچہ یہ فعل مکروہ تحریمی ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ ہاتھ سے پانی نکلنے والا ملعون ہے۔

فقہاء علیہم الرحمہ نے تو استمناۃ بالید کو مکروہ تحریمہ لکھا۔ مگر معترض کا ایمان اجازت نہیں دیتا کہ اس عبارت کو ظاہر کرے۔ فقہاء نے جو یہ لکھا ہے کہ اگر وقوع زنا کا خوف ہو تو اللہ تعالیٰ کے عفو و کرم پر امید ہے کہ اسے مواخذہ نہ ہو۔ یہ بھی بے دلیل نہیں۔ معترض نے کسی عالم سے ضرور سنا ہوگا کہ سرور عالم ﷺ کا ارشاد ہے۔

من ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما

جو شخص دو بلاؤں میں مبتلا ہو وہ دونوں میں سے آسان کو اختیار کرے۔

تو یہ امید اسی حدیث سے ماخوذ ہے کہ خدا ایسے شخص پر عفو و کرم فرمائے گا! معترض کو شاید اپنے گھر کی خبر نہیں۔ نور الحسن کی عرف الجادی میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ وقوع زنا کا خوف ہو تو مشیت زنی واجب ہے۔ بلکہ اس نے بعض صحابہ سے اس فعل کو لکھا ہے۔ (والعہدۃ علیہ)

اعتراض ۱۰۳

چوپائے کے ساتھ برا کام کرے تو روزہ نہیں ٹوٹتا (سیف محمدی ص ۹۲)
حقیقت الفقہ (۲۱۶)

اعتراض

میت کے ساتھ برا کام کرے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (سیف محمدی ص ۹۲)
حقیقت الفقہ ص ۲۱۶
دونوں اعتراضوں کا اکٹھا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

الجواب

میں کہتا ہوں درمختار میں من غیر انزال کی تصریح موجود ہے لیکن معترض نے اس کا ترجمہ ہی نہیں کیا تاکہ ناظرین کو مغالطہ لگ جائے۔ وہابی دوستو! تمہارے اکابر کی دیانت اور تقویٰ کا یہ حال ہے تو تمہارے اصاغر کا حال کیا ہوگا؟ جاننا چاہیے کہ جماع بے شک مفسد صوم ہے۔ جماع چاہے صورتاً ہو چاہے معنا۔ صورتاً تو ظاہر ہے۔ البتہ معنا وہ انزال ہے جو شرمگاہ ہی میں نہ ہو یا شرمگاہ میں تو ہو لیکن وہ شرمگاہ عادتاً غیر مشتقی ہو یا وہ انزال جو عادتاً محل مشتقی کی مباشرت سے ہو لیکن وہ مباشرت شرم گاہ کے ساتھ نہ ہو۔ علامہ شامی فرماتے ہیں

الاصل ان الجماع المفسد للصوم هو الجماع صورتاً وهو ظاہر او معنى فقط وهو الانزال من مباشرة بفرج لافى فرج غير مشتقى عادة او عن مباشرة بغير فرجه فى محل مشتقى عادة
تو ان صورتوں میں جماع اس وقت متحقق ہوگا جب کہ انزال ہو۔ اگر انزال نہ ہوا تو جماع ہی متحقق نہ ہوا۔ نہ صورتاً نہ ہی معنا۔ اس لیے روزہ بھی فاسد نہ ہوگا۔ معترض کے پاس اگر اس صورت میں کسی آیت یا حدیث میں روزے کے فساد کا حکم ہے تو بیان کرے۔

یہاں تو صرف روزے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ ان افعال کی اجازت ہے۔ معاذ اللہ! فقہاء کرام رضی اللہ عنہم نے ان امور کی سزا کتب التعزیر میں لکھی ہے۔ کسی امر کا مفسد صوم نہ ہونا الگ بات ہے اور جائز و ناجائز ہونا الگ بات ہے۔

اعتراض ۱۰۴

رکوع و سجود والی نماز میں کھلکھلا کر ہنس پڑا تو وضو نوٹ جائے گا۔ جنازہ کی نماز میں یا سجدہ تلاوت میں کھلکھلا کر ہنسنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ (درایت محمدی ص ۵۲)

Www.Ahlehq.Com

الجواب

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی جس قدر تعریف کی جائے بجا ہے۔ اس مسئلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام اعظم سب سے زیادہ حدیث نبوی کے پیرو تھے۔ یہاں آپ نے ایک حدیث کی بنا پر قیاس کو ترک کیا۔ قیاس چاہتا تھا کہ جس طرح نماز سے باہر قفقہ وضو کا مفسد نہیں اسی طرح نماز میں بھی وضو کا مفسد نہ ہو۔ لیکن چوں کہ ایک حدیث میں آگیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قفقہ پر وضو کے اعادہ کا حکم فرمایا تھا۔ اس لیے امام اعظم نے قیاس پر حدیث کو ترجیح دی۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت امام اعظم حدیث پر قیاس کو ترجیح دیتے تھے۔ وہ ذرا اس مسئلہ پر غور کریں اور اپنے اس افترا کو واپس لیں۔ دیکھئے ابوالقاسم بنارس لکھتا ہے۔

”احادیث نبوی کو قیاس سے رد کرنے کا طریقہ کوفہ ہی میں بنا“ (اہل حدیث نومبر ۲۵) (نعوذ باللہ من ہذہ الافترا)

رہی یہ بات کہ ہدایہ شریف میں رکوع و سجود والی نماز میں قنہ مفسد نماز لکھا ہے جنازہ اور سجدہ تلاوت میں فساد وضو کا حکم نہیں دیا۔ تو اس کی وجہ خود ہدایہ شریف میں ہی لکھی گئی ہے۔ فرماتے ہیں کہ

والاثر ورد فی صلوة مطلقۃ قیقنصر علیہا (ہدایہ)

یہ حدیث صلوة مطلقۃ یعنی کاملہ کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ (اور وہ نماز رکوع و سجود والی ہے) لہذا اسی پر اس کا اقتصار رہے گا۔

یعنی نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت چونکہ نماز کامل نہیں اس لیے یہ حکم ان پر نہیں ہوگا۔ جنازہ کی نماز من وجہ نماز ہے اور من وجہ دعا ہے۔ نہ تو پوری نماز ہے کہ اس میں رکوع، سجود، تشهد اور قرات نہیں اور نہ صرف دعا ہے کہ اس میں وضو اور استقبال قبلہ ضروری ہے۔ دعا میں ضروری نہیں۔ اس لیے جنازہ اور دعا کو یہ حکم شامل نہ ہوگا۔

اب فرمائیے کہ یہ مسئلہ کس آیت یا حدیث صحیحہ کے خلاف ہے؟ حقیقت میں اعتراض تو وہابیوں پر ہے کہ وہ حدیث قنہ کو نہیں مانتے۔ اور قیاس کو اس پر ترجیح دیتے ہیں اور باوجود اس کے اپنے آپ کو ”اہل حدیث کہتے ہیں“ الٹا چور کو تو ال کو ڈانٹتے

علامہ عبدالحی لکھنوی نے ہدایہ شریف کے ص ۱۲ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ علامہ زیلعی کی تحریر سے سمجھا جاتا ہے کہ احادیث قنہ بعض تو مرسلہ ہیں اور بعض مسندہ۔

وقصته ان الصحابة كانوا يصلون خلف رسول الله فجاء اعرابي في عينه سوء فوقع في حضرة كانت هناك فضحك بعض الصحابة فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم الا من ضحك منكن قهقهة فليعد الوضوء وصلوة جميعا

اور اس کا مضمون یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک اعرابی آیا جس کی نظر میں کچھ کمی تھی۔ وہ قریب ہی

ایک گڑھے میں گر پڑا تو بعض صحابی ہنس پڑے۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص کھلکھلا کر ہنسا ہے۔ وہ نماز اور وضو دونوں کا اعادہ کرے۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ حدیث ضعیف ہے تو میں کہتا ہوں کہ اگرچہ ضعیف ہے پھر بھی قیاس پر مقدم ہے اور جب کوئی صحیح حدیث اس کے مخالف نہیں پھر اس کو کیوں ترک کیا جائے؟ (الہل حدیث ۲۱ نومبر ۱۴۲۳ء میں ایڈیٹر الہل حدیث لکھتا ہے۔)

جو امر کسی غیر صحیح روایت میں آئے اس کی سنیت ثابت نہیں ہو سکتی لیکن اس کو بدعت بھی نہیں کہہ سکتے۔ اس کی مثال مسح گرون ہے جو صحیح روایت سے ثابت نہ ہو سکنے کی وجہ سے سنت نہیں لیکن بدعت بھی نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا کہ اس کا ازار ٹخنوں سے نیچے تھا تو اس کو فرمایا

اذھب فتوضاء ”جا اور وضو کر“ (مشکوٰۃ ص ۶۵)

تو جو شخص نماز میں قفقہ لگا کر ہنسنے وہ کیوں نہ وضو کرے؟ نماز میں کھلکھلا کر ہنسا ایک گستاخی ہے۔ جس کے واسطے وضو کفارہ ہو سکتا ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ طہارت ظاہرہ سے اس کے باطن کو بھی طاہر کر دے۔

اعتراض ۱۰۵

کتے، بھیڑیے، گدھے وغیرہ درندوں کو ذبح کرنے سے ان کی کھال بلکہ گوشت بھی پاک ہو جاتے ہیں۔ (درایت محمدی ص ۵۲)

الجواب

کھال کے متعلق پہلے اعتراض نمبر ۱۳ و نمبر ۱۹ میں جواب آچکا ہے یہاں پر صرف گوشت کے متعلق لکھا جاتا ہے۔

حرام جانور جو ذبح کئے جائیں ان کے گوشت کے متعلق حنفی مسلک یہ ہے

حرام جانوروں کا گوشت اصح اور مفتی بہ مذہب میں پاک نہیں ہوتا
(۱) مراقی الفلاح میں ہے

دون لحمه فلا يطهر علی اصح ما یفتی بہ (ص ۹۷) اصح اور
مفتی بہ مذہب میں ذبح کرنے سے حرام جانوروں کا گوشت پاک نہیں ہوتا۔
(۲) علامہ عبدالحی حاشیہ ہدایہ کے ص ۲۵ میں اور شیخ ابن ہمام فتح القدیر ص
۳۹ میں فرماتے ہیں۔

قال کثیر من المشائخ انه يطهر جلده لا لحمه وهو الاصح
واختاره الشارحون كما حب العناية صاحب النهاية وغيرهما
بہت سے مشائخ نے فرمایا ہے کہ ذبح کرنے سے چمڑا تو پاک ہو جائے گا
گوشت پاک نہیں ہوگا اور یہی اصح ہے اسی کو صاحب عنایتہ وصاحب نہایہ وغیرہ
شارحین نے پسند فرمایا ہے۔

(۳) کبیری ص ۱۲۲ میں ہے

الصحيح ان اللحم لا يطهر بالذكاة

صحیح یہ ہے کہ حرام جانوروں کا گوشت ذبح کرنے سے پاک نہیں ہوتا۔
(۴) درمختار میں ہے کہ غیر ماکول مذبح کا گوشت

لا يطهر لحمه علی قول الاكثر ان كان غير مأكول هذا اصح

ما یفتی بہ

اکثر کے نزدیک پاک نہیں ہوتا اور یہ صحیح ترین فتویٰ ہے۔

ثابت ہوا

کہ مذہب اصح اور مفتی بہ یہی ہے کہ غیر ماکول جانور کا گوشت ذبح سے پاک
نہیں ہوتا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ وہابیوں کے نزدیک پاک ہو جاتا ہے۔ چنانچہ
مولوی وحید الزمان نزل الابرار ج ۱ ص ۳۰ میں لکھتا ہے۔

ما يطهر بالدباغة يطهر بالذكاة الا لحم الخنزير فانه رجس جو

دباغت سے پاک ہو جاتا ہے، ذبح سے بھی پاک ہو جاتا ہے خنزیر کے گوشت کے سوا کہ وہ رجس ہے۔

اس عبارت میں صرف خنزیر کے گوشت کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ دوسرے جانوروں کا گوشت بھی ان کے نزدیک پاک ہو جاتا ہے بلکہ وہابیوں کے ہاں ذبح کے بغیر کتا اور خنزیر تک نپاک نہیں۔ عرف الجاوی میں ہے

”دعویٰ نجس عین بودن سگ و خنزیر و پلید بودن خمر و دم مفسوح و حیوان مردار ناقص است“

کتے اور خنزیر کے نجس عین ہونے کا دعویٰ شراب اور دم مفسوح کے پلید ہونے کا دعویٰ اور مرے ہوئے جانور کے نپاک ہونے کا دعویٰ کرنا صحیح نہیں ہے۔ نواب صاحب بدور الابلہ کے ص ۱۶ میں فرماتے ہیں

یہ حدیث دلوغ کلب دال بر نجاست تمام کلب از لحم و عظم و دم و شعرو عرق نیست بلکہ اس حکم مختص بولوغ اوست الحاقش بولوغ اوست الحاقش بقیاس بولوغ سخت بعید است۔

دیکھئے! آپ کے نواب صاحب تو کتے کے گوشت، ہڈی، خون، بالوں اور پسینے تک کو پاک کہہ رہے ہیں پس آپ ہی کو مبارک ہو۔

اعتراض ۱۰۶

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھے۔ صرف پہلی رکعت میں پڑھے۔ (درایت محمدی ص ۵۳)

الجواب

یہاں بھی معترض نے دیانت سے کام نہیں لیا۔ اسی سطر میں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں :

وعنه انه ياتى بها احتياطاً وهو قولهما۔ (ہدایہ ص ۸۷)

امام اعظم سے روایت ہے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے احتیاطاً بسم اللہ پڑھے اور یہی قول امام ابو یوسف و امام محمد کا ہے۔
وہ روایت جس کو نقل کر کے معترض نے اعتراض کیا ہے۔ اگر اسے کتب فقہ پر نظر ہوتی تو اسے معلوم ہو جاتا کہ اس روایت کو فقہاء نے صحیح نہیں مانا۔ چنانچہ بحر الرائق جلد اول ص ۳۱۲ میں ہے۔

قول من قال لا یسمى الا فی الركعة الاولى قول غیر صحیح
بل قال الزاهدی انه غلط علی اصحابنا غلط فاحشا
یہ قول کہ صرف پہلی رکعت میں بسم اللہ پڑھی جائے۔ غلط ہے زاہدی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب (ائمہ) کے ہاں یہ غلط فاحش ہے۔

اعتراض ۱۰۷

سورہ فاتحہ پڑھ لی پھر دوسری سورۃ نماز میں پڑھے تو اس سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھے۔ (درایت محمدی ص ۵۴)

الجواب

اس کا مطلب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا مسنون نہیں۔ بحر الرائق میں تصریح ہے۔

فلا تسن التسمیة بین الفاتحة والسورة
فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا مسنون نہیں۔
یہ نہیں کہ پڑھنا بھی جائز نہیں یا اس کا پڑھنا مکروہ ہے بلکہ بحر الرائق ص ۳۱۲ میں ہے۔

اما عدم الکراہت فحتمق علیہ ولہذا صرح فی الذخیرۃ
والمجتبی بان سمی بین الفاتحة والسورة کان حسنا عند ابی حنیفہ

ذخیرہ اور مجتبیٰ میں تصریح ہے کہ اگر فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ

پڑھے تو امام صاحب کے نزدیک اچھا ہے۔

محقق ابن ہمام نے اسی کو ترجیح دی اور علامہ شامی نے بھی یہی لکھا ہے۔ معلوم ہوا کہ امام اعظم کے نزدیک فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا بہتر ہے البتہ مسنون نہیں ہدایہ کی عبارت سے یہی مراد ہے۔

ہاں اگر معترض اس کو مسنون سمجھتا ہے تو رسول کریم ﷺ سے اس موقع پر بسم اللہ علی الدوام پڑھنا ثابت کرے۔

اعتراض ۱۰۸

رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا فرض نہیں۔ (درایت محمدی ص ۵۴)

اعتراض ۱۰۹

دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا فرض نہیں۔ (درایت محمدی ص ۵۴)

اعتراض ۱۱۰

رکوع سجدہ بھی آرام سے کرنا فرض نہیں۔

مولانا جو ناگڑھی صاحب یہ تینوں اعتراض نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں امام ابو حنیفہ کا اجتہاد یہی ہے (کہ نہ تو سیدھا کھڑا ہونا فرض نہ دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا فرض نہ آرام سے رکوع کرنا فرض) (درایت محمدی ص ۵۴)

الجواب

بے شک امام اعظم رحمہ اللہ کی مشہور روایت میں یہ تینوں امور فرض نہیں لیکن سنت بلکہ واجب ضرور ہیں۔ قومہ، جلسہ کے تارک اور رکوع و سجود میں آرام کے تارک کی نماز مکروہ تحریمہ ہوتی ہے جس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ ہدایہ شریف میں صاف تصریح ہے کہ قومہ، جلسہ امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک سنت ہے اسی طرح رکوع سجود میں آرام کرنا تخریج جرجانی میں سنت اور

تخریج کرخی میں واجب ہے۔

چنانچہ فرمایا

ثم القومة والجلسة سنة عندهما وكذا الطمانيّة في تخریج الجرجانی وفي تخریج الكرخی واجبة

اگر معترض صاحب انصاف ہو تا تو صاف لکھ دیتا کہ قومہ جلسہ و طمانیت امام صاحب کے نزدیک فرض نہیں لیکن سنت بلکہ واجب ہے۔ پھر امام صاحب کے قول سنت یا وجوب کے خلاف اگر دلیل رکھتا تو پیش کرتا۔ یہ تو نہ کر سکا البتہ یہ کہہ دیا کہ امام صاحب کہتے ہیں کہ فرض نہیں۔ معترض کو اگر کتب فقہ میں نظر ہوتی تو اسے معلوم ہو جاتا کہ قومہ جلسہ و طمانیت کے وجوب کا قول ہی حنفی مذہب میں صحیح ہے چنانچہ تعدیل ارکان کو صاحب کنز وغیرہ نے واجبات میں شمار کیا ہے۔

بحر الرائق جلد اول ص ۲۹۹ میں ہے

هو تسكن الجوارح في الركوع والسجود حتى نطمئن مفاصله وادناه مقدار تسبيحة وهو واجب على تخریج الكرخی وهو الصحيح۔

رکوع و سجدہ میں اعضاء کا آرام پکڑنا یہاں تک کہ اس کے جوڑ آرام پکڑیں اور ادنیٰ اس کا ایک تسبیح ہے یہ کرخی کی تخریج کے مطابق واجب ہے اور یہی صحیح ہے۔

پھر آگے فرمایا

والذي نقله الجم الغفير انه عند أبي حنيفة
وهو اكثر لوگوں نے نقل کیا ہے۔ یہی ہے کہ تعدیل ارکان امام صاحب اور
امام محمد کے نزدیک واجب ہے۔

پھر آگے فرماتے ہیں

والقول بوجوب الكل هو مختار المحقق ابن الهمام وتلميذه
ابن امير حاج حتى قال انه الصواب

قومہ، جلسہ و طمانیت کے وجوب کا قول ہی ابن ہمام کا پسندیدہ ہے اور اس کے شاگرد ابن امیر حاج کو بھی یہی پسند ہے حتیٰ کہ اس نے کہا یہی صواب ہے۔ علامہ شامی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ کہ امام صاحب کے نزدیک رکوع کے بعد کھڑا ہونا۔ سجدوں کے درمیان بیٹھنا اور رکوع و سجود میں آرام کرنا واجب ہے۔ اور واجب کے ترک سے نماز مکروہ تحریمہ ہوتی ہے جس کا اعادہ واجب ہے۔ پس اتنے صاف اور واضح مسئلہ پر اعتراض کرنا تعصب نہیں تو اور کیا ہے اس معترض کا مقصد ہے کہ عوام کو مغالطہ میں ڈالا جائے۔ جب یہ لکھا جائے کہ قومہ جلسہ و طمانیت امام صاحب کے نزدیک فرض نہیں تو عوام یہی سمجھیں گے کہ امام صاحب کے نزدیک قومہ، جلسہ اور آرام فی الركوع والسجود کے ترک سے نماز میں کوئی نقص نہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ امام صاحب ایسی نماز کو جس میں قومہ، جلسہ نہ ہو دوبارہ پڑھنا واجب فرماتے ہیں۔

اعتراض ۱۱۱

تشہد کے بعد اگر جان بوجھ کر گوز مارے یا بات چیت کر لے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔ (درایت محمدی ص ۵۴)

الجواب

تمہارا اعتراض ہدایہ پر نہیں۔ امام اعظم پر نہیں بلکہ رسول کریم ﷺ پر ہے۔ کیونکہ اس مسئلہ کی سند حدیث میں موجود ہے۔

افسوس کہ علمائے غیر مقلدین یا تو دیدہ دانستہ عوام کو مغالطہ میں ڈالتے ہیں یا ان کو کتب فقہ کی سمجھ نہیں۔ یہی بے سمجھی ان کو اعتراض کرنے پر دلیر کرتی ہے۔ چنانچہ اسی اعتراض میں معترض نے یہ سمجھا ہے کہ ہوا نکال دینا فقہاء کے نزدیک سلام کے قائم مقام ہے۔ نعوذ باللہ من سوء الفہم ہرگز نہیں۔ اگر قصداً ایسا کرے تو گناہ گار ہے اور اس کی نماز مکروہ تحریمہ جس کا دوبارہ پڑھنا اس پر واجب ہے۔ یہ اس لیے کہ اس نے سلام کہہ کر نماز سے باہر آنا تھا۔ اور یہ سلام اس پر واجب

تھا چونکہ اس نے واجب (سلام) کو ترک کیا اس لیے گناہگار بھی ہوا اور نماز کا اعادہ بھی لازم ہوا۔ یہ خیال کہ حنفیہ ایسی نماز کو بلا کراہت تحریمی جائز کہتے ہیں یا اس فعل کو جائز رکھتے ہیں۔ صریح افتراء ہے۔ نواب صدیق حسن نے کشف الاقتباس میں اس اعتراض کا خوب رد کیا ہے۔ غیر مقلدین اپنے بزرگ کی اس کتاب میں اس اعتراض کو جواب دیکھ کر معترض کے علم اور تعصب کا اندازہ کریں کہ ہوا نکالنے کو سلام کے قائم مقام سمجھنے میں کس قدر فقاہت سے بے نصیب ہے۔

اب سنئے! وہ حدیث جس کا میں نے پہلے ذکر کیا تھا۔

ابوداؤد، ترمذی اور طحاوی نے روایت کیا ہے۔

جس وقت امام قعدہ میں بیٹھ گیا اور سلام سے پہلے اس نے حدیث کیا تو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس کی اور جو لوگ اس کے پیچھے تھے سب کی نماز پوری ہوگئی۔

علامہ ملا علی قاری نے اپنے رسالہ تشیع الفقہاء الحنفیہ میں کتنی حدیثیں اس بارہ میں لکھیں ہیں۔ جو دیکھنا چاہئے وہ عمدة الرعایہ شرح وقلیہ کا ص ۱۸۵ دیکھ لے۔

اب معترض اپنے ایمان کی فکر کرے کہ اہل حدیث ہونے کا دعویٰ بھی رکھتا ہے اور حضور علیہ السلام پر اعتراض بھی۔

اعتراض ۱۱۲

کسی غریب مسکین شخص کو زکوٰۃ کے مال میں سے دو سو درہم یا اس سے زیادہ دینا مکروہ ہے۔ (درایت محمدی ص ۵۴)

الجواب

اس کے آگے ہدایہ شریف کی عبارت کیوں نہیں نظر آئی؟ وان دفع جاز کہ دو سو درہم یا اس سے زیادہ دے دے تو جائز ہے۔ اور کراہت بھی اس صورت میں ہے کہ وہ مسکین قرض دار اور صاحب عیال نہ ہو۔ اگر قرض دار ہو یا

صاحب عیال ہو تو دو سو درہم یا اس سے زیادہ دینا کوئی مکروہ نہیں۔ چنانچہ شرح و قالیہ اور اس کے حاشیہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

اعتراض ۱۳

قربانی کے جانور کا اشعار کرنا مکروہ ہے۔ امام ابوحنیفہ کی رائے یہی ہے۔
(درایت محمدی ص ۵۵)

الجواب

امام اعظم نے مطلقاً مکروہ نہیں فرمایا بلکہ اپنے زمانے کے لوگوں کا اشعار مکروہ فرمایا کہ وہ اشعار میں مبالغہ کرتے تھے۔ امام صاحب کے نزدیک اس میں مبالغہ مکروہ ہے نہ کہ اشعار کما ذکرہ الطحاوی رحمۃ اللہ علیہ۔ ہدایہ شریف میں اس امر کی تصریح موجود ہے مگر افسوس کہ معترض کو تعصب کے سبب نظر نہ آیا۔ چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتا ہے۔

قبل ان اباحنیفہ کرہ اشعار اہل زمانہ لمبالغتہم فیہ علی وجہ
یخاف منہ السرایۃ

شیخ عبدالحی نے حاشیہ ہدایہ میں اسی کو اولیٰ واحسن فرمایا ہے۔
علامہ عینی شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں۔

وابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ماکرہ اصل الاشعار وکیف یکرہ
ذالک مع ما اشتہر فیہ من الآثار
ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اصل اشعار کو مکروہ نہیں فرمایا اور کیسے مکروہ کہہ سکتے تھے؟
جب کہ آثار مشہورہ اس میں ثابت ہیں۔

قال الطحاوی وانما کرہ ابوحنیفہ اشعار اہل زمانہ لانہ راہم
یستقصون فی ذالک علی وجہ یخاف منہ ہلاک البدنہ لسرایتہ
خصوصاً فی حر الحجاز۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے زمانہ کے اشعار کو مکروہ

فرمایا اس لیے کہ ان کو اس طور پر اشعار کرتے دیکھا جس سے جانور کی ہلاکت کا خوف تھا خصوصاً حجاز کی گرمی کے جسم میں سرایت کر جانے کے سبب۔

پس جو اشعار مسنون ہے وہ صرف کھال کا کاٹنا ہے۔ اس کو امام صاحب نے

مکروہ نہیں کہا۔ **Www.Ahlehq.Com**

اعتراض ۱۳۷

ایک شخص نے اپنی بیوی کو بائن یا رجعی طلاق دے دی۔ جب تک اس کی عدت نہ گزر جائے وہ مرد اس کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا۔ (درایت محمدی ص

۵۵)

الجواب

بالکل صحیح ہے۔ کیوں کہ جمع بین الاختین ہے جو قرآن نے منع فرمایا تو یہ نکاح نہیں لیکن عده ضرور ہے۔ عدت میں اگرچہ مرد کا نکاح باقی نہیں لیکن من وجہ اس کا تعلق باقی رہتا ہے۔ ہدایہ شریف میں ہے۔

ولنا ان النکاح الاولی قائم لبقاء احکامہ كالنفقة والمنع والفراش۔

یعنی پہلے نکاح کے احکام باقی رہتے ہیں جیسے نفقہ، منع اور فراش۔ تو من وجہ ابھی نکاح باقی ہے اس لیے عدت کا خرچہ مرد کے ذمہ ہے۔ عدت میں عورت کا مرد کے گھر سے نکلنا منع ہے۔ اور وہ عورت نسب کے ثبوت کے لیے اسی مرد کا فراش ہوگی۔ یعنی اگر اکثر مدت حمل سے پہلے پہلے پیدا ہو اور مرد انکار نہ کرے تو اسی کی نسب ثابت ہوگی۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ عورت معتدہ بانہ کا نکاح ابھی من وجہ باقی ہے تو اب اس کی بہن سے نکاح کرنا مرد کو ناجائز ہوگا کیونکہ وہ جامع بین الاختین ہوگا جس کی ممانعت نص میں آچکی ہے۔

علامہ ابن الممّاح فتح القدیر جلد دوم ص ۲۳ میں فرماتے ہیں

وَيَقُولُنَا قَالَ اَحْمَدُ وَهُوَ قَوْلُ عَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ ذَكَرَ
سَلِيمَانُ بْنُ يَسَارٍ عَنْهُمْ وَبِهِ قَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَعَبْدَةُ السَّلْمَانِي
وَمُجَاهِدٌ وَالثَّوْرِيُّ وَالنَّخَعِيُّ

امام احمد بن حنبل بھی یہی فرماتے ہیں اور یہی قول ہے حضرت علیؑ ابن
مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا۔ سلیمان بن یسار نے ان سے ذکر کیا اور اسی
کے قائل ہیں سعید بن مسیب، عبیدہ السلمانی، مجاہد، ثوری اور نخعی رحمہ اللہ
تعالیٰ۔

پھر آگے فرماتے ہیں

قَالَ عَبِيدَةُ مَا اجْتَمَعَ اصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فِي شَيْءٍ كاجْتِمَاعِهِمْ عَلَى تَحْرِيمِ نِكَاحِ الْاِخْتِ فِي عِدَّةِ الْاِخْتِ
عَبِيدَةُ فَرَمَاتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا کسی شے پر ایسا اجماع نہیں ہوا
جیسے کہ اس بات پر کہ بہن کی عدت میں اس کی بہن کے ساتھ نکاح حرام ہے۔
وحید الزمان بھی نزل الابرار کے ص ۲۱ میں لکھتا ہے۔

وَيُحْرَمُ الْجَمْعُ بِالنِّكَاحِ الصَّحِيحِ اَوْ وَطْئًا يَمْلِكُ وَلَوْ فِي عِدَّةٍ
مَنْ طَلَّقَ بَائِنًا بَيْنَ الْاِخْتَيْنِ

دونوں بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا اگرچہ مطلقہ بائنہ کی عدت میں
ہو یا ملک یمین کو وطی میں جمع کرنا حرام ہے۔

پس جو مسئلہ قرآن کریم کی دلالت النص سے ثابت ہو جس مسئلہ پر اجماع
صحابہ منقول ہو جو اکابر تابعین و تبع تابعین کا مذہب اس پر مسخری کرنے کی جرات
وہابی ہی کر سکتا ہے تعجب تو یہ ہے کہ معترض اس مسئلہ کے خلاف ایک حدیث
بھی پیش نہ کر سکا۔

اعترض ۱۱۵

کسی عورت کو زنا کرتے دیکھا اور اس سے نکاح کر لیا تو اس سے ہم بستر ہونا

جائز ہے اور کچھ ضروری نہیں کہ ایک حیض تک ٹھہرے۔ (درایت محمدی ص ۵۶)

الجواب

اگر زنا کی عدت کسی حدیث میں آئی ہے تو بیان کرو۔ وودنه خرط التقاد جب نکاح درست ہے تو جماع بھی درست ہے۔ ہاں اگر حاملہ ہو تو گو اس سے نکاح درست ہے لیکن وطی درست نہیں چنانچہ اسی ہدایہ شریف میں اس سے پہلے تصریح ہے۔

وان تزوج حبلى من الزنا جاز النكاح ولا يطاها حتى تضع حملها

اگر حاملہ بالزنا سے نکاح کیا تو نکاح جائز ہوا لیکن وضع حمل تک وطی جائز نہیں۔

پس معترض اس مسئلہ کے خلاف کوئی آیت یا حدیث پیش کرے ورنہ اعتراض واپس لے۔

اعتراض ۱۱۶

زانی کو سنگسار کرنے کے وقت پہلے گواہ سنگ باری شروع کریں اگر وہ نہ کریں تو حد ساقط ہو جائے گی۔ (درایت محمدی ص ۵۶)

الجواب

خود صاحب ہدایہ نے لکھا ہے لانه دلالة الرجوع کہ گواہوں کا ابتداء رمی نہ کرنا ان کے رجوع پر دلالت کرتا ہے۔ اگرچہ صریح رجوع نہیں یعنی ہو سکتا ہے کہ گواہوں نے زنا کی شہادت تو دے دی ہو اور شہادت کے وقت ایسا کوئی خیال نہ آیا ہو لیکن جب رجم کرنے لگے، جب ان کو سب سے پہلے سنگباری کے لیے کہا گیا تو انہوں نے ایک آدمی کے قتل کو امر عظیم سمجھ کر سنگ باری نہ کی ہو اور اپنی شہادت سے ممکن ہے کہ رجوع کر لیا ہو۔ گواہوں کا سنگباری نہ کرنا ان

کے رجوع پر دلیل ہے۔ لہذا حد ساقط ہو گئی۔

خود سرور عالم ﷺ نے فرمایا ہے

ادروا الحدود عن المسلمین ما استطعتم

جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں سے حد کو روکو

اگر کوئی بھی وجہ ہو سکے تو زانی کو چھوڑ دو۔ قاضی اگر معافی میں خطا کر جائے تو اس سے بہتر ہے کہ وہ سزا میں خطا کرے۔ اس کو تندی نے روایت کیا۔ گواہوں کا چونکہ صریح رجوع نہیں اس لیے سنگباری نہ کرنے سے ان پر بھی حد نہ ہوگی۔ ممکن ہے کہ انہوں نے سنگباری سے انکار محض ضعف نفوس کے سبب کیا ہو۔ جیسے بعض کمزور دل جانور ذبح نہیں کر سکتے اور بعض تو ذبح کے وقت سامنے بھی نہیں ٹھہرتے۔

اعترض ۷۱

کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں پھر اس نے عدت کے اندر زنا کیا۔

یا مال لے کر طلاق بائن دیدی پھر عدت میں زنا کیا

یا ام ولد لونڈی کو آزاد کر دیا اور عدت میں زنا کاری کی

یا غلام نے اپنے آقا کی لونڈی سے زنا کیا

اگر یہ لوگ کہہ دیں کہ ہم نے اسے مال جانا تھا تو ان میں سے کسی پر حد نہیں۔ (درایت محمدی ص ۵۶)

الجواب

مندرجہ بالا تمام صورتوں میں شبہ فعل کے باعث حد ساقط ہے۔ مطلقہ ثلاثہ کی اگرچہ حرمت قطعی ہے لیکن بعض احکام نکاح کے بقاء سے ظن حلت کا شبہ پڑ گیا ہے۔ مثلاً وجوب نفقہ، منع فروج اور ثبوت نسب وغیرہ اس کے حلت کے ظن کا اسقاط حد میں اعتبار کیا گیا اور وہی حدیث ادروا الحدود بالشبہات اپنے

اطلاق کے سبب اس کو بھی شامل ہوئی۔ اسی طرح ام ولد جس کو اس کے مالک نے آزاد کیا۔ اور مطلقہ علی المال بمنزلہ ثلاثہ کے ہے کہ ان میں بھی بعض آثار ملک کا بقا موجب ظن حلت ہے۔ اسی طرح غلام کا اپنے آقا کی لونڈی سے زنا کرنا بسبب انبساط موجب ظن حلت ہے کہ غلام اپنے آقا کے مال کو خرچ کر سکتا ہے اور لونڈی آقا کا مال ہے ہو سکتا ہے کہ غلام اس کو حلال ظن کرے۔ لہذا اس کے ظن کا اعتبار کرتے ہوئے اس شبہ کی بنا پر کہ آقا کے مال کو خرچ کر سکتا ہے۔ حد ساقط کر دی گئی۔

ہاں! مندرجہ بالا صورتوں میں حلت کا ظن نہ ہو بلکہ حرام جانتے ہوں۔ پھر زنا کریں تو حد ضرور واجب ہوگی۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے
ولو قال علمت انها علی حرام وجب الحد
اگر کہے کہ مجھے معلوم تھا کہ وہ مجھ پر حرام ہے تو حد واجب ہوگی۔

۱۱۸ اعتراض

اگر کوئی عورت اپنی رضامندی سے کسی دیوانے یا نابالغ لڑکے سے زنا کرے تو نہ اس عورت پر کوئی حد ہے نہ ہی دیوانے اور نابالغ لڑکے پر۔ (درایت محمدی ص

(۵۷

Www.Ahlehaq.Com

الجواب

نابالغ اور دیوانے پر تو سقوط حد ظاہر ہے کہ دونوں کلمت نہیں رہی بات عورت کی تو اس پر حد اس لیے نہ ہوگی کہ زنا فعل مرد کا ہے۔ عورت فعل کا محل ہے۔ اسی لیے مرد کو واطی زانی کہتے ہیں اور عورت موطوہ مزنیۃ البتہ مجازاً عورت کو بھی زانیہ کہہ لیتے ہیں۔ زنا اس شخص کے فعل کو کہتے ہیں جو فعل سے بچنے کا مخاطب ہو اور کرنے سے عاصی۔ اور وہ عاقل بالغ ہوگا نہ کہ دیوانہ اور نابالغ۔ کیونکہ یہ دونوں احکام شرعیہ کے کلمت نہیں۔ عورت اگرچہ فعل زنا کا محل ہے لیکن اس کو حد اس وقت ہوگی جب وہ زنا کرنے پر ایسے مرد کو موقع دے جو اس

سے بچنے کا مخاطب ہو اور کرنے پر آثم۔ صورت مذکورہ میں عورت نے جس لڑکے یا دیوانہ کو زنا کا موقعہ دیا ہے وہ نہ عاقل ہے نہ بالغ۔ اس لیے عورت پر بھی حد نہیں۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں

ولنا ان فعل الزنا يتحقق منه وانما هي محل الفعل ولهذا
يسمى هو واطا وزانيا مجانا والمرأة موطوءة ومزنيابها الا انها
سميت زانية مجازا تسميه المفعول باسم الفاعل كالراضية في
معنى المرضية اولكونها مسببة بالتمكين فيتعلق الحد في حقها
بالتمكن من قبيح الزنا وهو فعل من هو مخاطب بالكف عنه
وموثم على مباشرته وفعل الصبي ليس بهذه الصفة فلا يناط به الحد۔
انتهی

اعتراض ۱۹

چور کی چوری، شرابی کی شراب نوشی اور زانی کی زنا کاری کے گواہوں نے
وقوع کے کچھ دنوں بعد گواہی دی تو مجرم کو نہ پکڑا جائے۔ (درایت محمد ص ۵۸)

الجواب

چوری، شراب نوشی یا زنا کاری کا دیکھنے والا اگر شہادت نہ دے اور پردہ ڈال
دے تو وہ ثواب کا مستحق ہے چنانچہ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔

من ستر علی مسلم سترہ اللہ فی الدنیا والاخرۃ
جو شخص مسلمان کے (گناہ) پر پردہ ڈالے تو اللہ اس پر دنیا اور آخرت میں
پردہ ڈالے گا۔

اور اگر یہ سوچ کر گواہی دے کہ مجرم کو سزا ملنی چاہیے تاکہ معاشرہ میں نظم
وضبط اور سکون قائم رہے۔ تو یہ بھی باعث ثواب ہے۔

اگر گواہوں نے بروقت گواہی نہ دی اور عرصہ گزر جانے کے بعد گواہی دی

تو دیکھا جائے گا کہ اتنا عرصہ خاموشی کی وجہ کیا تھی؟

اگر کوئی عذر ہو مثلاً بیماری کے سبب یا کسی جسی اور معنوی عذر کے باعث شہادت نہ دے سکے تھے تو ان کی شہادت مقبول ہوگی اور مجرم کو پکڑا جائے گا۔ دیکھو فتح القدیر ص ۶۰۶

اگر گواہوں نے بلا عذر ادائے شہادت میں دیر کردی تو کتمان شہادت کے باعث متہم بالفسق ہوں گے۔

اگر پہلے پردہ پوشی کا ارادہ کر کے دیر کردی تو اب ان کا گواہی پر تیار ہو جانا ظاہر کرتا ہے کہ ملزم سے کوئی عداوت ہوئی ہے جس کی وجہ سے وہ گواہی دینے پر اتر آئے ہیں پہلے ان کا ارادہ پردہ پوشی کا تھا۔ اب نقاب اٹھانے پر مائل ہیں۔ تو اس صورت میں گواہ متہم بالعداوت ہو گئے اور متہم کی شہادت معتبر نہیں۔ چنانچہ فتح القدیر جلد ۲ ص ۶۰۴ میں لکھا ہے۔

قوله عليه السلام لا تقبل شهادة خصم ولا طينين اى متهم حضور عليه السلام کا ارشاد ہے کہ دشمن اور متہم کی گواہی مقبول نہیں۔ ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا خائن، خائنہ، مجدد، متہم فی الدین اور دشمن کی گواہی جائز نہیں۔

اعتراض ۱۲۰

ثم الاكبر راسا والا صغر عضوا ان سب باتوں میں بھی برابری ہو تو بڑے سر اور چھوٹے ذکر والے کو امام بنائیں۔ (سیف محمدی ص ۷۷ مسئلہ نمبر ۲۰)

میں کہتا ہوں افسوس کہ معترض نے دیانت اور تقویٰ سے کام نہیں لیا اصغر عضو کے جو معنی معترض نے کیے ہیں کسی مجہول الاسم سے پہلے بھی یہ معنی منقول ہیں۔ مگر علامہ شامی نے بحوالہ حاشیہ ابی مسعود ان معنوں کی تردید کردی ہے۔ کیا دیانت اور تقویٰ اسی کا نام ہے کہ جس معنوں کو فقہاء نے غلط قرار دیا ہو اور تردید کردی ہو، انہی کو محل اعتراض میں پیش کیا جائے؟ جس گروہ کے علماء کا یہ حال ہو

تو ان کے جلاء کا کیا کہنا؟

اس عبارت کے معنی علامہ شامی و طحاوی نے جو لکھے ہیں وہ یہ ہیں کہ جس کا سر بڑا ہو اور دوسرے عضو چھوٹے ہوں۔ کیونکہ سر کا بڑا ہونا اور دوسرے اعضاء کا مناسب ہونا دانائی اور زیادہ عقل کی دلیل ہے۔ مگر سر کی کٹائی بے موقع نہ ہو۔ کذا فی الطحاوی، غایۃ الاوطار (۲۵۹)

یہ شبہ کہ لفظ ”عضو“ مفرد ہے اس لیے یہاں عضو مخصوص ہی مراد ہے صحیح نہیں کیونکہ انسان کے بدن میں چند اعضاء بھی ہیں جو سب انسانوں میں ایک ایک ہیں۔ مثلاً ”منہ“ ناک اور ناف وغیرہ معلوم نہیں کہ معترض کو ترجمہ میں باقی ایسے اعضاء میں سے صرف یہی عضو کیوں پسند آیا؟

اس کے علاوہ اسی عبارت سے پہلے درمختار کی یہ عبارت ہے ثم الا نظف ثوبا یہاں ثوب مفرد ہے تو کیا اس کا یہ معنی ہے کہ جس کا ایک کپڑا ستھرا ہو جس طرح ثوب سے اس کے جسم کے تمام کپڑے مراد ہیں۔ ایک کپڑا مراد نہیں۔ اسی طرح عضو سے بھی اس کے سر کے سوا دیگر اعضاء مراد ہیں۔

اعتراض ۱۲۱

اگر کسی نے نہی مذاق میں جھوٹ کہہ دیا کہ میں نے اپنی ساس سے مجامعت کی تو اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی۔ (سیف محمدی ص ۹۲ مسئلہ نمبر ۲۷)

الجواب

میں کہتا ہوں کہ معترض کو خدا کا کچھ خوف نہیں کہ ترجمہ میں اپنی طرف سے لفظ زیادہ کر کے اعتراض کر دیتا ہے۔ درمختار میں یہ بالکل مذکور نہیں ہے کہ ”کسی نے جھوٹ کہہ دیا“ اصل عبارت یوں ہے۔

وفی الخلاصة قيل له ما فعلت بام امراتك فقال جامعته ثبت
الحرمة ولا يصدق انه كذب ولو هان لا

یعنی کسی آدمی سے پوچھا گیا کہ تم نے اپنی ساس کے ساتھ کیا کیا؟ اس نے کہا کہ میں نے جماع کیا تو حرمت ثابت ہو جائے گی اور اس کے کاذب ہونے کی تصدیق نہ کی جائے گی اگرچہ ہنسی سے ہو۔

دیکھئے! درمختار میں تو یہ تصریح ہے کہ اس کے اقرار کے بعد یہ نہ مانا جائے گا کہ اس نے جھوٹ کہا ہے۔ کیونکہ اس نے فعل کا اقرار کیا ہے اور اقرار میں اصرار شرط نہیں۔ اس لیے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ لیکن معترض جرم کرتا ہے کہ اس نے جھوٹ کہہ دیا اور یہ بالکل غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس نے جماع کا اقرار کیا لیکن جب معلوم ہوا کہ بیوی حرام ہوتی ہے۔ اب اس کا یہ کہنا کہ میں نے جھوٹ کہا ہے۔ نہیں مانا جائے گا۔ ہاں اگر معترض کے پاس کوئی ایسی حدیث صحیح مرفوع غیر معارض ہوتی کہ ساس کے ساتھ جماع کا اقرار کرنے سے بیوی حرام نہیں ہوتی تو اس کا اعتراض بجا ہوتا۔

اعتراض ۱۲۲

چار مہینے سے حمل گرا دینا مباح ہے۔ (سیف محمدی ص ۱۰۶ مسئلہ نمبر ۳۲)

الجواب

میں کہتا ہوں کہ یہ اعتراض فقہاء کی اصطلاحات سے ناواقف کی بنا پر ہے۔ فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ جس مسئلہ کے بیان میں لفظ ”قالوا“ بولا جائے تو اس مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ مسئلہ ضعیف اور مختلف فیہ ہے۔

علامہ عبدالحی لکھنوی عمدة الرعاۃ شرح وقایہ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں

لفظ ”قالوا“ يستعمل فيما فيه اختلاف المشائخ كذا في النهاية في كتاب الغصب وفي المنایة والبنایة فی باب ما یفسد الصلوة وذكر ابن الهمام فی فتح القدير فی باب ما یوجب القضاء والكفارة من کتاب الصوم ان عاداته ای صاحب الهدایة فی مثل افادة الضعف مع الخلاف انتهى وكذا ذكر سعد الدين التفتازانی ان فی

لفظ قالوا اشارة الى ضعف ما قالوا۔

لفظ ”قالوا“ وہاں بولتے ہیں جہاں مشائخ کا اختلاف ہو۔ نہایتہ کے کتاب الغصب اور العنايتہ والبنائيتہ کے باب ما يفسد الصلوة میں ایسا ہی لکھا ہے۔ ابن الممام فتح القدير میں فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ کی عادت اس لفظ کے مثل سے ضعف مع الخلاف کا افادہ ہے۔ اسی طرح سعد الدین تفتازانی نے کہا ہے کہ لفظ ”قالوا“ میں ضعف کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔

مگر معترض کے ایمان اور دیانت نے لفظ ”قالوا“ سرے سے اڑا ہی دیا تاکہ عوام کو مغالطہ میں ڈالا جائے۔ فلی اللہ المشتکی۔

بحر الرائق میں ہے

الظاهر ان هذه المسألة لم ينقل عن ابی حنیفة صریحا ولذا يعبرون عنها بصیغة ”قالوا“

یہ مسئلہ صریحا ”امام اعظم سے منقول نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ کو فقہاء صیغہ ”قالوا“ سے بیان فرماتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری جز ۲۱ ص ۱۳۴ میں عزل کی تحقیق کے بعد لکھتے ہیں ونبتزع من حکم العزل حکم معالجة المرأة اسقاط النطفة قبل نفخ الروح۔ فمن قال بالمنع هناک ففي هذه اولی ومن قال بالجواز يمكن ان يلتحق به هذا ويمكن ان يفرق بانه اشد۔

نفخ روح سے پہلے حمل گرا دینے کا حکم عزل کے حکم سے نکلتا ہے جو وہاں (عزل کے) منع کا قال ہے۔ وہ اس میں بطریق اولی منع سمجھے گا۔ اور جو عزل کو جائز سمجھتا ہے تو ممکن ہے اسقاط کو عزل کے ساتھ ملحق کیا جائے اور ممکن ہے کہ اس میں فرق کیا جائے کہ اسقاط عزل سے اشد ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جس نے اسقاط کو مباح کہا ہے اس نے عزل کے جواز سے اس کا جواز سمجھا ہے۔ اس کے علاوہ علامہ شامی نے ابن وہبان سے نقل فرمایا ہے۔

اباحۃ الاسقاط محمولة علی حالة العذر او انها لا تائم اثم القتل۔

اسقاط کا مباح ہونا۔ حالت عذر پر محمول ہے۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورت گنہگار تو ہے لیکن اس کو اتنا گناہ نہیں جتنا قتل کا گناہ ہوتا ہے۔ اب ہم معترض سے پوچھتے ہیں کہ آپ کو یہ مسئلہ گھناؤنا معلوم ہوا ہے تو آپ فتح الباری کو کیا کہیں گے۔ اس میں بھی یہ مسئلہ موجود ہے یہ بھی بتائیے کہ اس مسئلہ کے خلاف آپ کے پاس ایک بھی صحیح حدیث موجود ہے؟ لیکن یاد رہے کہ کسی ققیہ کی خوشہ چینی نہ ہو ماکہ نمک خوردن و نمک دان نکستن کے مصداق نہ ہو جاؤ۔ اور قیاس بھی نہ ہو کیوں کہ آپ نہ تو قیاس کے قائل ہیں اور نہ ہی اہل۔

اعتراض ۱۲۳

ہیں صورتوں میں مرد کو بھی عورت کی طرح عدت گزارنا پڑے گی۔ (سیف محمدی ص ۱۰۹ مسئلہ نمبر ۳۳)

الجواب

میں کہتا ہوں کہ حافظ شیرازی نے کیا خوب کہا ہے۔

چشم بد اندیش کہ برکنہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر

ذرا یہ تو فرمایا ہوتا کہ جن صورتوں میں فقہاء نے مرد کو ایک خاص مدت تک تزوج سے منع کیا ہے۔ کیا وہ منع کرنا قرآن یا حدیث کے خلاف ہے؟ اگر آپ کو مرد کے اس توقف کا نام عدت رکھنا برا معلوم ہوتا ہے تو اس کی بھی شرعا ممانعت بیان فرمائیے۔ حالانکہ صاحب درمختار نے ”تربص“ کہا ہے عدت نہیں کہا۔ ققیہ ابوللیث نے خزائن الفقہ میں ان بیس مواضع کا ذکر کیا ہے جہاں مرد کو

ایک معینہ مدت تک تزوج سے انتظار شرعاً واجب ہے۔

چند مثالیں

منجملہ ان کے، اپنی منکوحہ کی بہن سے نکاح کرنا۔ تاوقتیکہ اس کی عورت اس کے نکاح یا عدت میں ہے۔ مرد اپنی عورت کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا۔ اس صورت میں مرد کے معینہ مدت تک نکاح سے رکے رہنے پر اگرچہ عدت کا اطلاق درست ہے لیکن فقہاء کی اصطلاح میں اسے عدت نہیں کہتے۔ تربص کہتے ہیں۔ اسی لیے درمختار میں مواضع تربصہ لکھا ہے۔ کیا اپنی بیوی کی بہن سے نکاح کرنے کی صورت میں مرد عدت تک رکنے کا پابند نہیں؟ اگر پابند ہے تو پھر اعتراض کیا؟ مرد کے اس انتظار کو تربصہ کہتے ہیں۔

اسی طرح اپنی منکوحہ کی پھوپھی، خالہ یا بھتیجی سے نکاح کرنا۔ اس میں بھی مرد کو اجازت نہیں کہ وہ نکاح کرے۔ جب تک اس کی بیوی نکاح یا عدت میں ہو۔ کیا تم کہہ سکتے ہو کہ اس صورت میں مرد کو تربصہ لازم نہیں؟ اگر لازم ہے تو اعتراض کیسا؟ یہی تربصہ صاحب درمختار نے لکھا ہے جس کے معنی معترض نے عورت کی طرح عدت کئے ہیں۔ نعوذ باللہ من سوء الفہم۔

اعتراض ۱۲۴

غلام اور آقا کے درمیان سود کے لینے دینے میں کوئی حرج نہیں۔ (سیف محمدی ص ۱۳۶ مسئلہ نمبر ۴۵)

میں کہتا ہوں مطلقاً نہیں درمختار میں تصریح ہے کہ غلام مدیون مستغرق نہ ہو معترض نے اس قید کو اڑا دیا۔ غلام جب مدیون نہ ہو تو خود غلام اور جو کچھ غلام کی ملک میں ہے وہ آقا کی ملک ہے۔ اس لیے یہاں سود متحقق ہی نہیں ہوتا۔ جہاں بیع متحقق نہیں وہاں ربا کہاں۔ اگر معترض کے پاس اس کے برخلاف کوئی دلیل ہے تو پیش کرے۔

حربی کافر سے مسلمان سود لے سکتا ہے۔ کوئی حرج نہیں۔ (سیف محمدی ص ۱۳۷ مسئلہ نمبر ۴۶)

الجواب

میں کہتا ہوں حضرت عباس رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو کر کافروں سے سود کا معاملہ کرتے رہے۔ حضور ﷺ نے عرفہ کے دن حجتہ الوداع میں فرمایا۔

پہلا سود جو کہ میں موقوف کر رہا ہوں عباس کا سود ہے (اخرجہ المسلم)
علامہ ترکمانی جو ہر النقی جلد ۲ ص ۲۰۳ میں فرماتے ہیں کہ ربا حرام ہو چکا تھا اور عباس مکہ میں فتح مکہ تک ربا کا معاملہ کیا کرتے تھے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا عباس کے ربا کو موقوف کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مسلمان اور مشرک میں دار الحرب میں ربا جائز ہے۔ ابو حنیفہ، سفیان ثوری اور ابراہیم نخعی بھی جائز کہتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ کا یہ فرمانا کہ جاہلیت کا ربا موقوف ہے۔ اس امر پر دلیل ہے کہ اس وقت تک ربا قائم تھا۔ یہاں تک کہ مکہ فتح ہو کر جاہلیت جاتی رہی۔ عباس کا ربا موقوف کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ اس وقت بھی وہ جائز تھا کیونکہ موقوف وہی ہوتا ہے جو قائم ہو فقیہ ابو الولید فرماتے ہیں کہ یہ استدلال صحیح ہے۔ کیوں کہ مشرکین و مسلمین میں دار الحرب میں ربا حلال نہ ہوتا تو عباس کا ربا اسی وقت سے موقوف ہو جاتا۔ جس وقت وہ مسلمان ہوئے تھے اور اسلام کے بعد جو کچھ لیا ہوتا۔ واپس کیا جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وان تبتم فلکم رؤس اموالکم

اگر تم توبہ کرو تو اصل مال تمہارے لیے حلال ہے

حجتہ الوداع میں حضور علیہ السلام نے عباس رضی اللہ عنہ کا ربا موقوف کیا تو اسلام

لانے کے بعد جو کچھ وہ لے چکے تھے۔ اگر ناجائز ہوتا تو واپس کر لیا جاتا چوں کہ ایسا نہیں ہوا اس لیے معلوم ہوا کہ دار الحرب میں رہا مسلمان اور حربوں میں متحقق نہیں ہوتا۔

اس کے علاوہ ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا لا رہا بین اهل الحرب واطنه قال اهل الاسلام (نقلہ الزیلعی عن الیسیقی) مسلمان اور حربی کے درمیان سود نہیں ہے۔

یہ حدیث گو ضعیف ہے لیکن عباسؓ کی حدیث کی موید ہو سکتی ہے۔

اعتراض ۱۲۶

ریشم اگر جلد سے لگتا ہو تو مرد کے لیے پہننا حرام ہے اگر کسی کپڑے کے اوپر ریشمی کپڑا پہنے تو حرام نہیں۔ (سیف محمدی ص ۱۳۵ مسئلہ نمبر ۴۹)

الجواب

میں کہتا ہوں معترض کو یہ عبارت کیوں نظر نہ آئی جو درمختار میں ہے
یحرم لبس الحریر ولو بحائل بینہ و بین بدنہ علی المذہب
الصحيح

صحیح مذہب میں ریشم کا (مرد کے لیے) پہننا حرام ہے خواہ کپڑے پر ہی کیوں نہ ہو۔

دیکھئے صاحب! درمختار میں تو کپڑے کے اوپر بھی ریشم پہننا حرام لکھا ہے۔ پھر ایک غیر صحیح روایت لکھ کر اعتراض کرنا متعصب معترض کے سوا کسی کا کام نہیں ہو سکتا

علامہ شامیؒ اس عبارت کے متعلق فرماتے ہیں

انه مخالف لما فی المتون الموضوعه لنقل المذہب فلا يجوز العمل والفتویٰ بہ

یہ روایت متون معتبرہ کے خلاف ہے جو کہ (امام اعظمؒ سے)

مذہب کی نقل کے لیے وضع کیے گئے ہیں تو اس پر عمل اور فتویٰ جائز نہیں۔

معارض جانتا ہوگا کہ محدثین جو احادیث نقل کرتے ہیں ان میں ضعیفہ بھی ہوتی ہیں۔ ایک محدث حدیث نقل کرتا ہے دوسرا ضعیف قرار دیتا ہے جس طرح وہاں احادیث ضعیفہ محدثین کے نزدیک قابل حجت نہیں ہوتیں اسی طرح فقہ کی وہ روایت جس کو فقہاء نے ضعیف یا متروک العمل قرار دیا ہے، حضرات فقہاء کے ہاں قابل حجت نہیں ہوتی۔

Www.Ahlehq.Com اعتراض ۱۷

مولانا سعید بناری لکھتے ہیں

پہلی حاشیہ شرح وقایہ میں بحوالہ محیط منقول ہے کہ خرچی عورت زانیہ کی امام ابو حنیفہ کے نزدیک حلال طیب ہے۔ (البحر علی ابی حنیفہ ص ۱۹)

الجواب

شرح وقایہ باب الاجارة الفاسدہ میں ماتن کے قول وفيها اجر المثل الخ پر پہلی نے یہ حاشیہ لکھا ہے قوله وفيها اجر المثل ای يجب اجرہ حتی ان ما اخذته الزانية ان كان بعقد الاجارة فحلال عند امام الاعظم لان اجر المثل طيب وان كان السبب حراما وحرام عندهما وان كان بغير عقد فحرام اتفاقا لانها اخذته بغير حق كذا فی المحيط۔ ترجمہ۔ قول ماتن کا وفيها اجر المثل یعنی اجر مثل واجب ہے یہاں تک کہ جو کچھ زانی عورت لے اگر عقد اجارہ سے ہو تو امام اعظم کے نزدیک حلال ہے۔ کیونکہ اجر مثل طیب ہے۔ اگرچہ سبب حرام ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک حرام ہے۔ اور اگر بغير عقد کے ہو۔ تو حرام ہے بالاتفاق۔ کیونکہ اس عورت نے ناحق لیا ہے۔ محیط میں ایسا لکھا ہے۔ اتنی۔ یہی اعتراض صاحب ظفر مبین نے بھی کیا تھا۔ اس کا جواب جو مولانا مولوی محمد منصور علی صاحب مراد آبادی جزاہ

اللہ خیرا نے دیا ہے۔ ذیل میں لفظ بلفظ نقل کیا جاتا ہے۔

”جب معترض صاحب فقہ کا مطلب نہیں سمجھتے اور اجارہ فاسد اور باطل میں فرق نہیں کر سکتے تو پھر کیوں ائمہ پر طعن کرتے ہیں۔ اور گناہ گار ہوتے ہیں۔ آنکھیں بند کر کے اعتراض کر دیا اور یہ نہ دیکھا کہ چلی نے اجر مثل اور اجارہ فاسد میں گفتگو کی ہے۔ اور معترض صاحب نے اس کو اجارہ باطل قرار دیا اور اجر مثل کو زنا کی خرچی سمجھ گئے۔ اتنا بھی غور نہ فرمایا کہ اجارہ فاسد میں چلی نے اس اختلاف کو لکھا ہے۔ زنا کی خرچی کیونکر مراد ہو سکتی ہے۔ اب اس کا جواب سنئے کہ تمام حنفیہ کے نزدیک یہ کلیہ مسلم ہے اور سب کتب فقہ اس پر متفق ہیں کہ اجارہ باطل وہ ہے کہ باصلہ غیر مشروع ہو اور اجارہ فاسد وہ ہے باصلہ مشروع اور بوصفہ غیر مشروع ہو یعنی کسی شرط یا عارض کی وجہ سے اس میں فساد آیا ہے ورنہ اصل میں وہ جائز اور حلال تھا۔ اور یہ بھی متفق علیہ سب کا ہے کہ جس اجارے کا معقود علیہ معصیت ہو ویگا وہ باطل ہو گا نہ فاسد۔ بعد ان دونوں قاعدوں کے محقق اور متفق علیہ ہونے کے وہ کون عاقل ہے کہ زنا کی اجرت کو حلال کہہ سکے اور کسی ادنیٰ عالم کی بھی یہ شان نہیں کہ اس میں تامل کرے چہ جائے صاحب محیط و چلی ورد مختار خصوصاً جب نص صریح حدیث کی اس میں وارد ہووے۔ پس بالضرورت واجب ہے کہ اجرت زنا سب کے نزدیک حرام ہووے۔ ایک ادنیٰ عالمی کا بھی اس میں خلاف نہیں۔ چنانچہ امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں اما مهر البغی فہو ما تاخذه الزانیۃ علی الزناء وسماء مهر الکونہ علی صورتہ وھو حرام باجماع المسلمین۔ یعنی لیکن مہر زانیہ کا پس وہ شے ہے کہ جس کو زانیہ بعوض زنا کے لیوے اور اس کا نام اس لئے مہر رکھا ہے کہ وہ بصورت مہر ہے اور حرمت اس کی تمام مسلمانوں کے نزدیک باجماع ہے افتی۔ لہذا ضرور ہے کہ روایت محیط کے ایسے معنی ہوں گے جس سے اجارہ فاسد کی صورت پیدا ہو کیونکہ وہ خود ہی کلام اجارہ فاسد میں کرتا ہے اور حلت اجرت کا اور صورت فساد قائل ہوا ہے نہ در صورت بطلان۔ سنئے وہ کہتا ہے کہ کسی عورت کو اس کے منافع خدمت

پر ایام معین میں اجارہ لیا اور یہ بھی شرط کر لی کہ ان ایام میں زنا بھی کروں گا۔ سو اصل معقود علیہ خدمت ہے کہ امر حلال ہے اور شرط حرام اس کے ساتھ مل گئی ہے۔ پس یہ اجارہ فاسد ہے نہ باطل۔ اس کی اجرت مثل میں خلاف ہے۔ نہ اجرت مشروط میں کیونکہ اجرت مشروط و مسمیٰ تو خبث سے خالی نہیں بسبب اس کے کہ بمقابلہ اسی اجارے کے واقع ہوئی ہے جو دراصل درست تھا مگر شرط حرام کے اقرار سے اس معقود علیہ میں حرمت آگئی لہذا مسمیٰ بھی خبیث بن گیا۔ مگر جب شارع نے اس کا اجارہ کیا اور شرط حرام کو لغو بنایا تو وہ منافع مباح کہ موجر نے دئے اور مستاجر نے وصول کئے ان کو ضائع نہ کیا اس کی اجرت مثل ولائی اس میں کیا قبح ہے۔ خدمت کے منافع تو اصلاً حلال تھے۔ اور اب بھی منافع خدمت ہی کی اجرت دلائی ہے نہ منافع وضع کی۔ سو اس میں کسی وجہ سے شرکت زنا کی نہیں۔ یہ ہر حال میں طیب ہے۔ اور حدیث میں جو اجرت زانیہ کو حرام فرمایا ہے تو زنا کی اجرت کو حرام کیا ہے۔ زانیہ کی خدمت کے منافع کو تو حرام نہیں کیا۔ اگر زانیہ کسی قسم کی اجرت مباح کرے تو وہ حرام نہیں مثلاً "اگر کوئی شخص کسی عورت کو انگر کہا سینے پر دو روپیہ کو اجارہ میں لے اور یہ بھی شرط لے کہ زنا بھی کروں گا چنانچہ اس نے انگر کہا بھی سی دیا اور اس کے ساتھ صدور زنا کا بھی ہو گیا۔ پس اس صورت میں فقط اجرت مثل یعنی انگر کہا سینے کی قیمت چار پانچ آنے اس کو دلائے جائیں گے اور دو روپیہ جو اجارہ فاسد کے قرار پائے تھے دو کردئے جائیں گے۔ کیونکہ وہ بھی بوجہ شرکت زنا حرام ہیں اور زنا کی اجرت تو قطعی حرام ہے اس کو ہرگز نہیں دلایا بلکہ فقط اجرت مثل اس اصل معقود علیہ کا ضائع نہ کیا کیونکہ یہ اجرت امر مباح کی ہے ہاں اگر زنا کی خرچی یا کل دام اس کو دلائے جاتے تو حرام ہوتے جو دلایا ہے وہ حرام نہیں۔ پس اسی طرح یہاں یہ اجرت بھی ایسے ہی مباح امر کی ہے اور وہ شرط زنا کی جو اجارے میں فضول لگادی تھی وہ رد ہی ہوگئی کیونکہ اس مسمیٰ کا اعتبار ہی نہیں رہا۔ فقط منافع کی اجرت مثل دلائی جس میں شرط زنا کا نام و نشان بھی نہیں۔ پس کسب البغی کو اس میں کچھ علاقہ

اور دخل نہیں رہا اور مصداق اس حدیث کا ہرگز یہ واقعہ نہیں ہوا۔ اجرت مثل حلال اور طیب ہوئی نہ اجرت مسمیٰ فوض الفرق وثبت الحق۔ حکم مشتق میں معانی مشتق منہ کا مرئی ہونا واجب ہے۔ اجرت زانیہ بوجہ زنا حرام ہے نہ یہ کہ اجرت زانیہ بوجہ مباح بھی حرام ہووے۔ پس حاصل مذہب امام صاحب کا یہ ہوا کہ اجرت زنا خواہ عقد اجارہ زنا سے ہو خواہ بلا عقد ہو حرام مطلق ہے۔ کیونکہ اجارہ باطل ہے اور جو اجارہ فاسد ہو یا پس طور کہ اصل معقود علیہ خدمت ہو اور شرط زائد زنا کی اس پر عارض ہو تو مسمیٰ مشروط بھی حرام خبیث ہے جیسا کہ معقود علیہ حرام تھا مگر بعد رد عمل خبیث اس کے کہ اگر نفس امر مباح کی اجرت مثل ہووے تو وہ درست ہے یا پس وجہ کہ اس کے اجارے کو جس میں شرط فاسد تھی معدوم کر دیا جس کے سبب مسمیٰ بھی نہ دلایا گیا۔ اور بھی نشان رد اجارہ کا ہے۔ ورنہ بعد حاصل کرنے منافع کے رد کی کیا صورت ہو سکتی تھی۔ جس نے مسمیٰ یعنی اجرت فاسد کی نہ دلائی تو گویا اس معقود علیہ ہی کو رد کر دیا۔ اب اصل منافع کا اجر مثل جو مباح ہے اپنی طرف سے تشخیص کر کے دلایا تو اس میں نہ زنا کا کوئی دخل رہا نہ اثر آیا۔ ہاں اگر اجرت مثل منافع زنا کی ہوتی تو لاریب حرام ہو جاتی یا زنا کی رعایت اجرت میں رہتی تو بھی بیشک اجرت حرام ہوتی۔ مگر یہاں تو کوئی امر محرم موجود نہیں۔ نہ زنا کی اجرت دلائی ہے نہ اجارہ فاسد کا مسمیٰ دلایا بلکہ خدمت کا اجر مثل یعنی جتنی اجرت فقط اس کی خدمت مباح کی ہوئی ہے وہ دلوائی ہے۔ لہذا اجرت حلال ہے اگرچہ کسب اصل اور سبب اصلی کہ تسمیہ معقود علیہ ہے حرام تھا اور وہ سبب کہ اجارہ فاسد تھا اب سبب بعید ہو گیا کیونکہ اجرت مثل کے سبب کا وہی سبب واقع ہوا ہے ورنہ کیوں یہ امر پیش آتا۔ مگر صاحبین نے اس شرط کو شرط نہیں جانا بلکہ عین معقود علیہ یا جزو معقود علیہ ٹھہرایا تو اس صورت میں اجارہ باطل قرار دیا اور یہ حکم بطلان کا فرمانا یا بسبب احتیاط کے ہے یا بسبب غلو زانیہ عورتوں اور کثرت اور غلبہ اس فعل کے ان کے زمانے میں ہوا ہے۔ بہر حال صاحبین کو اس تقریر امام صاحب سے کلام نہیں بلکہ انہوں نے شرط زنا کو جزو معقود علیہ

ٹھہرایا ہے کیونکہ زانی کو مقصود زنا ہوتا ہے نہ دیگر منافع کہ وہ یا زوائد ہیں یا جزو معقود ہیں۔ بہر حال یہ وجہ خلاف کی ہے اور یہ خلاف اختلاف زمانہ پر محمول ہو سکتا ہے۔ فائدہ پس اس تقریر سے واضح ہوا کہ جو معنی معترض صاحب اس عبارت کے لیتے ہیں ہرگز ہرگز یہ معنی کسی طور سے نہیں ہو سکتے۔ سیاق اور سباق کے بالکل خلاف ہے۔ گفتگو چلی نے اجارہ فاسدہ میں کی ہے۔ معترض صاحب اس کو اجارہ باطلہ بناتے ہیں جو سب کے نزدیک حرام ہے کسی مسلمان کا اس میں اختلاف نہیں اور معترض صاحب کے معنوں سے اجارہ باطل ہوگا جس میں یہاں بحث نہیں۔ اگر معترض صاحب اپنے ان معنوں سے اجارہ فاسد ثابت کریں تو ہم سو روپیہ چہرہ شہی ان کی نذر کریں۔ پس امام صاحب اور صاحبین کے اصل قاعدے میں خلاف نہیں۔ فقط فرق اتنا ہے کہ صاحبین نے شرط کو شرط نہیں رکھا بلکہ معقود علیہ بنایا ہے اور اب اس زمانے میں ایسا ہی ہے اور امام صاحب نے شرط زائد جانا اور اس وقت میں ایسا ہی تھا یا نہ سہی مگر وہ تقریر در صورت وجود اجارہ فاسد ہے اگر پایا جاوے نہ در صورت بطلان۔ اور حکم حلت اجرت مثل کافساد کی صورت میں لکھا ہے بطلان کی صورت میں نہیں لکھا۔ اگر فساد محقق ہو جاوے تو صاحبین کو بھی تسلیم ہے اور اگر بطلان محقق ہو جاوے تو امام صاحب کو بھی حرمت میں کلام نہیں۔ پس یا تو معترض صاحب ان معنوں کو جو انہوں نے عبارت چلی سے اجتہاد کر کے نکالے ہیں ثابت کریں بشرطیکہ ان معنوں سے اجارہ فاسد بنجائے جس میں چلی کلام کرتا ہے اور ہماری طرف سے اجازت ہے کہ اس میں اپنے اعوان اور انصار سے معترض صاحب استدعا ہی کریں یا آئندہ ایسے بیہودہ مطاعن سے توبہ کریں اور بغیر مطلب سمجھے دخل نہ دیا کریں (فتح المبین مطبوعہ اصح المطابع لکھنؤ ص ۲۵۰-۲۵۳)

اعتراض ۱۲۸

حاکم منحرف ہونے کا مشورہ دے

وينبغي ان يلقن لمقر الرجوع احتيالا للدرء (فتاوى عالمگیری ص ۱۷۱ جلد ۲، مسئلہ نمبر ۱۹۳)

اگر کوئی چور چوری کا اقرار کرے تو مسلمان حاکم کا فرض ہوگا کہ اسے اپنے اعتراف سے منحرف ہو جانے کی ترغیب دے تاکہ وہ حد کی سزا سے بچ جائے۔ (فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر ص ۷۴ مسئلہ نمبر ۱۹۳)

اعتراض ۱۲۹

چوری کے اقرار سے منحرف کرنا مستحب ہے

ويستحب للامام ان يلقن حتى لا يقر بالسرقه كذا في الظهيره (ص ۱۷۱ ج ۲ مسئلہ نمبر ۱۹۳)

اگر کوئی چور مجرم ہونے کا اقرار کرے تو مسلمان حاکم کے لیے مستحب ہے کہ وہ اسے ایسی ترغیب دے کہ وہ چوری کا اعتراف ہی نہ کرے (فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر ص ۷۴ مسئلہ نمبر ۱۹۳)

دونوں اعتراضوں کا اکٹھا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

الجواب

صاحب نے ”فرض ہوگا“ کے الفاظ اپنی طرف سے کہے ہیں۔ کتب میں ان کا ذکر نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری کی مکمل عبارت مع ترجمہ ملاحظہ ہو۔ ينبغي ان يلقن المقر الرجوع احتيالا للدرء واذا رجع عن الاقرار صح في القطع ولا يصح في المال يعني اگر کوئی شخص اقرار کرے کہ میں نے فلاں شخص کی چوری کی ہے تو مناسب ہوگا کہ مقرر کو اقرار سے رجوع کرنے کی تلقین کی جائے تاکہ وہ رجوع کے سبب حد سرقہ سے بچ جائے۔ لیکن اس رجوع سے صرف اتنا فائدہ ہوگا کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ باقی رہا مال وہ ضروری طور پر حسب اعتراف اس سے برآمد کیا جائے گا۔ (ج ۲ ص ۱۷۱)

حدیث شریف: یہ مسئلہ دل سے نہیں بنایا گیا۔ بلکہ درج ذیل حدیث سے

مستنبط ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے بارگاہ اقدس سید عالم رحمۃ اللہ علیہ میں حاضر ہو کر اعتراف جرم کیا تو آپ نے اسے تلقین فرمائی کہ ارجع فاستغفر اللہ وتب الیہ رجوع کر اللہ سے معافی مانگ اور توبہ کر (مشکوٰۃ ص ۳۱۰) مگر اس نے اعتراف جرم سے رجوع نہ کیا تو آپ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ جب اس پر سنگساری شروع کی گئی تو وہ بھاگ پڑا۔ سنگسار کنندگان میں سے بعض نے تعاقب کر کے اس کا کام تمام کر دیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پھر یہ واقعہ سید عالم رحمۃ اللہ علیہ کے حضور عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ ہلا ترکتموہ لعلہ ان یتوب فیتوب اللہ علیہ تم نے اسے (چھوڑ دینا تھا) چھوڑا کیوں نہیں۔ (بھاگنے کے بعد کیوں قتل کیا) شاید کہ وہ اعتراف جرم سے رجوع کر لیتا تو اللہ تعالیٰ اس کا رجوع قبول فرمالیتا (مشکوٰۃ ص ۳۱۱-۳۱۲)

اعتراض ۱۳۰

اقرار کے بعد مجرم بھاگ جائے تو تعاقب ختم

واذا اقر بالسرقة ثم هرب لا يتبع (ص ۱۷۳ جلد ۲ مسئلہ نمبر ۱۹۵)
اگر چور اعتراف جرم کے بعد عدالت یا حد کی جگہ سے بھاگ جائے تو اس کا پیچھا نہیں کیا جائے گا۔ (فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر ص ۷۴ مسئلہ نمبر ۱۹۵)

الجواب

پچھلے اعتراض کے جواب میں غور کرنے سے اس اعتراض کا جواب بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ جو جرم شہادت کے بغیر محض اعتراف جرم کی بنیاد پر ثابت ہو اس سے اگر مجرم رجوع کر لے تو حد ساقط ہو جاتی ہے۔ پھر چونکہ حدیث مذکور سے پتہ چلتا ہے کہ فرار بھی رجوع کی دلیل بن سکتا ہے لہذا جو شخص سزا کی جگہ سے فرار ہو جائے گا اس کا تعاقب حد قائم کرنے کے لیے ہرگز نہیں کیا جائے گا۔ ہاں جس رقم کا اس سے اعتراف کیا ہے وہ ضرور وصول کی جائے گی۔

اعتراض ۱۳۱

زانیہ کے انکار سے دونوں پر حد نہیں

لواقر بالزنا فکذبته ص ۱۳۳ ج ۲ (فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر ص ۴۹ مسئلہ نمبر ۹۸)

اعتراض ۱۳۲

زانی کے انکار سے دونوں پر حد واجب نہیں

اوہی فکذبها فلا حد علیہما عند الامام کذا فی النہر الفائق ص ۱۳۳ جلد ۲

یعنی اگر مرد نے زنا کا اقرار کیا اور عورت نے جس کے ساتھ اس فعل کا اقرار کرتا ہے انکار کیا یا عورت نے اقرار کیا اور مرد نے انکار کیا تو امامؒ کے نزدیک دونوں (عاشقوں) میں سے کسی پر حد واجب نہ ہوگی یہ نہر الفائق میں ہے ص ۳۲۲ ج ۳ (فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر ص ۵۰ مسئلہ نمبر ۹۹)

الجواب

اس کی وجہ یہ ہے کہ جو ساتھی ارتکاب زنا سے انکار کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں نے جو جرم کیا ہے وہ اتنا سنگین نہیں کہ اس کے لیے ”زنا“ کا لفظ استعمال کیا جائے اور بصورت عدم احسان سو سو کوڑے کھائے جائیں بلکہ وہ جرم چھوٹا (تھیل غمزہ لمس وغیرہ) ہے اس کی سزا سو کوڑے مقرر نہیں۔ میرا ساتھی بنا بر جہالت زنا اور غیر زنا میں فرق نہیں کر سکا۔ اس شبہ کی بنا پر ”فتاویٰ عالمگیری“ نے دونوں کو حد زنا کی سزا سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ کیونکہ رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ادروا الحدود بالشبہات شبہ پڑنے پر حد ختم کر دو (الجامع الصغیر ص ۱۳)

اعتراض ۱۳۳

حد کی چھوٹ کی ایک معصوم صورت

قال محمد رحمة الله تعالى في الجامع الصغير رجل اقر اربع
مرات انه زنا بفلانة وفلانة تقول تزوجني

امام محمد نے جامع صغیر میں فرمایا ہے کہ ایک مرد نے چار مرتبہ اقرار کیا کہ
میں نے فلاں عورت سے زنا کیا اور فلاںہ کہتی ہے کہ اس نے مجھ سے نکاح کیا ہے
(تو دونوں پر حد واجب نہ ہوگی ص ۳۲۳ جلد ۳) (فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر ص
۵۴ مسئلہ نمبر ۱۱۲)۔

او اقر المرأة بالزنا بفلان اربع مرات وفلان يقول تزوجتها
فلاحد على واحد منهما وعليه المهر كذا في المحيط ص ۱۴۴ و ص
۱۴۵ ج ۲

یا عورت نے چار مرتبہ اقرار کیا کہ میں نے فلاں مرد سے زنا کیا ہے اور
فلاں کہتا ہے کہ میں نے اس سے نکاح کیا تو دونوں میں سے کسی پر حد واجب نہ
ہوگی اور مرد پر اس کا مر لازم آوے گا۔ یہ محیط میں ہے ص ۳۲۳ ج ۳ (فتاویٰ
عالمگیری پر ایک نظر ص ۵۴ مسئلہ نمبر ۱۳۰)

Www.Ahlehaq.Com

الجواب

دو گواہوں کی موجودگی میں باہمی ”ایجاب و قبول“ کا نام نکاح ہے تو اگر
(مثلاً) عورت و مرد نے اپنے باپوں یا بالغ بیٹوں کی موجودگی میں باہم ایجاب و قبول
کر لیا تو شرعاً نکاح منعقد ہو گیا۔ لیکن یہ مسئلہ ایک کو معلوم ہے دوسرے کو نہیں
پھر دونوں ہم بستر ہوئے تو جسے علم نہیں اس نے اس ہم بستری کو ”زنا“ کہا اور
دوسرے نے نکاح جب یہ کیس قاضی اسلام کے سامنے پیش ہوگا کہ دونوں میں
سے ایک زنا کا اعتراف کرتا ہے اور دوسرا نکاح کا مدعی ہے تو قاضی اسلام پر لازم
ہوگا کہ وہ اس صورت ممکنہ کی بنا پر کسی پر حد زنا قائم نہ کرے۔ دونوں کو معاف

کروے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے (فان الامام ان یخطی فی العفو خیر من ان یخطی فی العقوبة) یعنی معافی دینے میں خطا کرنا بہتر ہے اس سے کہ سزا دینے میں خطا کی جائے (مشکوٰۃ ص ۳۱۱)

اعتراض ۱۳۴

متعہ کی حرمت مشتبہ ہے

بخلاف ما اذا قال خذی هذه الدراهم لا تمنع بك لان المنعة كانت سبب الاباحة فی الابتداء فبقیت الشبهة كذا فی التمر تاشی ص ۱۳۹ ج ۱

بخلاف اس کے اگر یوں کہا کہ تو یہ دراہم لے تاکہ میں تجھ سے تمتع حاصل کروں تو یہ حکم (یعنی حد) نہیں اس واسطے کہ متعہ ابتدائے اسلام میں سبب اباحت تھا پس شبہ باقی رہا۔ یہ تمر تاشی میں ہے ص ۳۳۵ ج ۳ (فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر ص ۶۰ مسئلہ نمبر ۱۳۲)

الجواب

نکاح متعہ حرام ہے اس کے مرتکبین کی بابت ”فتاویٰ عالمگیری“ میں لکھا ہے کہ یوجعان عقوبة ویحبسان حتی یتوبا دونوں کو سخت سزا دی جائے گی اور جب تک سچی توبہ نہیں کرتے جیل میں قید کئے جائیں گے۔ (ج ۲ ص ۱۳۹) لیکن اس کی حرمت زنا کی طرح ہمیشہ سے نہیں۔ پہلے مباح تھا خیر کے دن حرام فرمادیا گیا (بخاری ج ۲ ص ۶۰۶) پھر فتح مکہ کے دن مباح فرمایا گیا۔ (مسلم ج ۱ ص ۴۵۱) پھر قیامت تک کے لیے حرام فرمادیا گیا۔ بنا بریں بعض صحابہ کرام ابتدائے اس کی اباحت کے قائل تھے۔ انہیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سمجھایا تو انہوں نے اس کی اباحت سے رجوع فرمایا اور قیامت تک کی حرمت کے قائل ہو گئے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۰۲۹ ج ۲ ص ۷۶۷) معلوم ہوا کہ متعہ کی حرمت ابدی ہونے کے باوجود ازلی نہیں اور قطعی ہونے کے باوجود زنا کی طرح شدید نہیں۔ لہذا جو سزا

قرآن وحدیث نے زنا کی بیان فرمائی ہے وہ متعہ کے مرتکبین پر نافذ نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ حد کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے۔ اللہ کے مسلمان بندوں پر اللہ سے اجازت لیے بغیر حد نافذ نہیں کی جاسکتی حدیث شریف میں ہے ادروا الحدود عن المسلمین ما استطعتم مسلمانوں سے حتی الوسع حدیں گراؤ۔ (مشکوٰۃ ص ۳۱۱)

اعتراض ۱۳۵

ولو شهد ثلاثة منهم على الزنا ولرابع قال رايتهما في لحاف واحد فانه لا يحد المشهود عليه ولحد الشهود الثلاثة حد القذف والشاهد الرابع لا حد عليه (ص ۱۵۲ ج ۲)

پھر اگر زنا کے کیس میں تین گواہ یہ شہادت دیں کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے مجرم کو جرم کرتے دیکھا ہے اور چوتھا یہ گواہی دے کہ اس نے ملزمین کو بستر میں ملفوف دیکھا ہے تو حد کی سزا نافذ نہ ہوگی بلکہ اس کے بجائے پہلے تین گواہوں پر قذف کی سزا جو اسی کوڑے ہے جاری کی جائے گی اور چوتھے گواہ پر کوئی حد جاری نہ ہوگی۔ گویا الٹا چور کو تو مال کو ڈانٹنے (فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر ص ۶۵ مسئلہ نمبر ۱۵۸)

الجواب

اگر ملزم اعتراف نہ کرے تو ثبوت زنا کے لیے چار گواہوں کی شرط اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور آیت ۱۳ میں صراحتہ ذکر فرمائی ہے اور کسی پر زنا کی تہمت لگائی جائے اور ”چار گواہ“ پیش نہ کیے جائیں تو اسی آیت میں تہمت لگانے والوں کو عند اللہ کاذب کہا گیا ہے پھر اس سورۃ کی آیت نمبر ۴ میں ان تہمت لگانے والوں کو اسی کوڑوں کی سزا کو مستوجب قرار دیا گیا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کا مسئلہ مذکورہ ان دو آیتوں کی روشنی میں مرتب فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں گواہ صرف تین ہیں چوتھا ملفوف ہونے کا گواہ ہے زنا کا گواہ نہیں۔ اور ملفوف ہونا دخول کو مستلزم

نہیں اور دخول کے بغیر زنا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ممکن ہے عورت رتقاء ہو ممکن ہے مرد مجبوب ہو ممکن ہے دونوں پر یا کسی ایک پر یکدم خوف خدا طاری ہو گیا اور وہ سنگین جرم کے ارتکاب سے بچ گئے ہوں جیسا کہ حدیث شریف میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ عین برہنگی و تنہائی کی حالت میں عورت نے مرد کو ”اتق اللہ“ کہہ کر فعل بد سے بچالیا۔ مشکوٰۃ ص ۴۲۱) جب ملفوف ہونے کا گواہ زنا کا گواہ نہیں تو حد زنا کس طرح لگائی جاسکتی ہے۔ مفتی صاحب کا اس مسئلہ پر اعتراض کرنا جو قرآن مجید سے صراحتہ ثابت ہو رہا ہے یقیناً علامات قیامت سے ہے۔

مفتی صاحب بیچارے علم حدیث میں کافی کمزور ہیں ورنہ انہیں معلوم ہوتا کہ یہ کیس تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ عدالت میں پیش ہونے والے کیس کے بالکل موافق ہے اور آپ نے وہی فیصلہ فرمایا تھا جو فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے۔ (سنن بیہقی ج ۸ ص ۲۳۳ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۵۷)

اعتراض ۱۳۶

گواہوں نے زنا کی گواہی دی لیکن وہ عورت کو پہچانتے نہ تھے تو اسے حد نہ لگائی جائے (درایت محمدی ص ۵۸)

مفتی محمد عبید اللہ عقیف خان غیر مقلد نے بھی یہ اعتراض کیا ہے فرماتے ہیں۔

وان شهد وانه زنی بامرأة لا يعرفونها لم یحد کذا فی الہدایہ ص

۱۵۲ ج ۲

اگر شاہد اس عورت کو نہیں پہچانتے ہیں کہ کس کے ساتھ جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے تو کسی پر حد کی سزا جاری نہ ہوگی۔ (فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر ص ۶۶ مسئلہ نمبر ۱۵۹)

الجواب

ہدایہ میں اس کی نہایت معقول وجہ لکھی ہے۔ افسوس کہ معترض کو نظر نہ

آیا۔ لکھا ہے۔ لاحتمال انها امراته اوامته بل هو الظاهر
ممکن ہے کہ وہ عورت اس کی بیوی یا لونڈی ہو۔ بلکہ ظاہر یہی ہے۔
کیونکہ مسلمان کا ظاہر حال یہی ہے کہ وہ زنا کار نہیں۔ گواہوں کے لیے لازم
تھا کہ وہ عورت کی پہچان رکھتے بعد میں گواہی دیتے۔ جب وہ عورت کو پہچانتے
ہی نہیں تو ان کی گواہی غیر معتبر اور مجہول قرار دی جائے گی۔

اعتراض ۱۳

قال محمد رحمه الله تعالى في الاصل اربعة شهدوا على رجل
بالزنا فشهدا اثنان انه استكرهما وشهدا اثنان انها طاو عته قال
ابو حنيفة رحمه الله تعالى ادراء عنهم الحدود جميعا يعنى الرجل
والمرأة والشهود ص ۱۵۳ ج ۲

اگر دو شاہد کسی ملزم کے بارے میں یہ شہادت دیں کہ اس نے فلاں عورت
پر مجرمانہ حملہ کیا مگر دوسرے یہ کہیں کہ اس نے اس جرم کا ارتکاب عورت کی
رضا مندی سے کیا ہے تو کسی پر حد کی سزا جاری نہ ہوگی۔ (فتاویٰ عالمگیری پر ایک
نظر ص ۶۶ مسئلہ نمبر ۱۶۵)

الجواب

مفتی صاحب نے عبارت کا ترجمہ درست نہیں کیا۔ سید امیر علی غیر مقلد
نے جو فتاویٰ عالمگیری کا ترجمہ کیا ہے اس میں وہ اس عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے
لکھتے ہیں۔

چار مردوں نے ایک شخص پر زنا کی گواہی دی جن میں سے دو گواہوں نے
کہا کہ اس مرد نے اس عورت کو باکراہ مجبور کر کے زنا کیا ہے اور دوسرے دو
گواہوں نے کہا کہ اس عورت نے خود اس کی مطاوعت کی ہے تو امام ابو حنیفہ نے
فرمایا کہ حد ان سب سے دور کر دی جائے گی۔ یعنی مرد و عورت و گواہوں سب
سے رفع کی جائے گی۔ (ج ۳ ص ۳۴۴)

ناظرین اس ترجمہ اور مفتی صاحب کے ترجمہ میں کتنا فرق ہے۔

مفتی صاحب نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ عورت کی رضامندی کی صورت میں اگر زنا واقع ہو تو فتاویٰ عالمگیری کے مطابق حد زنا کی سزا قائم نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ یہ مطلب غلط ہے اور یہ تاثر گمراہ کن ہے۔ بلکہ صحیح مطلب عبارت مذکورہ کا یہ ہے کہ چونکہ ثبوت زنا کے لیے چار عادل گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ (فتاویٰ ج ۲ ص ۱۴۳) اس جگہ سب گواہ عادل نہیں ہیں ان میں سے دو یقیناً جھوٹے ہیں۔ کیونکہ عورت رضامند نہ تھی اور مرد نے اس پر زبردستی کی تو رضامندی و مطاوعت کے گواہ جھوٹے ہیں اور اگر رضامندی تھی تو اکراہ و زبردستی کے گواہ جھوٹے ہیں جب اس کیس میں چار عادل گواہ پیش نہیں کئے گئے تو زنا ثابت نہ ہوا لہذا حد زنا کسی پر قائم نہیں کی جاسکتی۔

اعتراض ۱۳۸

عقیقہ کرنا مکروہ ہے۔

پروفیسر رفیع اللہ الشہاب فرماتے ہیں

بدائع الصنائع حنفی فقہ کی معتبر ترین کتاب ہے اور اس کے مولف علامہ کاسانی کو فقہاء کا بادشاہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کتاب میں عقیقہ کے متعلق لکھا ہے کہ عید الانحی کی قربانی سے پہلے مروج تمام قربانیوں کو منسوخ کر دیا۔ عقیقہ کا رواج عید قربانی سے پہلے کا تھا اس لئے منسوخ ہو گیا۔ یہ بھی خیال رہے کہ منسوخ ہو جانے سے پہلے بھی عقیقہ کوئی فرض نہیں تھا بلکہ محض ایک کار ثواب تھا لیکن منسوخ ہو جانے کے بعد یہ کار ثواب بھی نہ رہا بلکہ ایک مکروہ فعل قرار پایا (ج ۵ ص ۱۷۷) (روز نامہ جنگ لاہور ۲۲ نومبر ۱۹۸۱ء)

اس سے پہلے بھی پروفیسر صاحب یہ اعتراض شائع کر چکے ہیں ملاحظہ فرمائیں

(روز نامہ امروز ۴ اپریل ۱۹۷۹ء)

الجواب

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی حنفی اپنی مشہور زمانہ کتاب
بہشتی زیور حصہ سوم باب ۲۰ بستم ص ۳۹ مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار
لاہور میں لکھتے ہیں۔

عقیدے کا بیان مسئلہ نمبر ۱ جس کے کوئی لڑکا یا لڑکی پیدا ہو تو بہتر ہے کہ
ساتویں دن اس کا نام رکھ دے اور عقیدہ کر دے عقیدہ کر دینے سے بچے کی سب الا
بلا دور ہو جاتی ہے اور آفتوں سے حفاظت رہتی ہے۔ ردالمحتار ج ۵ ص ۳۲۸۔
ہم نے حنفی مسلک کے مستند عالم کا حوالہ پیش کر دیا ہے جس سے یہ بات
واضح ہو جاتی ہے کہ حنفی عقیدہ کرنے کے قائل ہیں۔

غیر مقلدین اکثر یہ اعتراض کرتے رہتے ہیں اس لیے ہم یہاں پر اس مسئلہ
کو تفصیل سے لکھتے ہیں اور پروفیسر رفیع اللہ الشہاب کے اشکالات کے جوابات
دیتے ہیں۔

حنفی نقطہ نگاہ سے عقیدہ کی شرعی حیثیت

حنفی فقہ کی اکثر کتابوں میں عقیدہ کا ذکر نہیں، لیکن جس کتاب میں بھی ہے
مستحب کم از کم مباح قرار دیا گیا ہے علامہ کلسانی رحمۃ اللہ علیہ کی ”البدائع الصنائع“ جس
کے حوالہ سے پروفیسر رفیع اللہ شہاب نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر حنفی فقہ میں عقیدہ
کو مکروہ اور حرام ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اسی میں یہ لکھا ہے۔

”وذكر محمد رحمه الله في العقيقة فمن شاه فعل ومن شاه لم يفعل“
(البدائع الصنائع جلد ۵ ص ۶۹)

یعنی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ عقیدہ کے بارے میں فرماتے ہیں ”جو کوئی چاہے کرے اور
جو چاہے نہ کرے“ امام موصوف اس قسم کے الفاظ امر مستحب کے بارے میں فرمایا
کرتے ہیں۔ جیسا کہ اپنے ”موطا“ میں عاشوراء دسویں محرم کے روزہ کے بارے
میں لکھتے ہیں۔

”فهو تطوع من شاه صامه ومن شاه لم يصمه وهو قول ابي حنيفة“

(موطا امام محمد ص ۱۷۷)

یعنی یہ روزہ مستحب ہے جو چاہے رکھے اور جو چاہے نہ رکھے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ شاید ”البدائع“ کی مذکورہ بالا عبارت ہی سے استنباط کرتے ہوئے علامہ عینی رحمہ اللہ اپنی کتاب ”عمدة القاری“ شرح بخاری میں لکھتے ہیں۔

”قال محمد بن الحسن ہی تطوع“

یعنی امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عقیقہ مستحب ہے۔ تطوع کو مستحب کے معنی میں لینا اہل علم کے ہاں محتاج دلیل نہیں تاہم اس کے لئے فتاویٰ شامی کی ایک عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

”مستحب ویسمى مندوبا وادبا وفضيلة ونفلا وتطوعا وحکم الثواب علی الفعل وعدم اللوم علی الترك“ (شامی جلد اول ص ۹۱)

لیکن علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے ”البدائع“ کی مذکورہ بالا عبارت کے بعد ”وہذا یشیر الی الاباحۃ“ لکھ کر امام محمد رحمہ اللہ کی مراد کے خلاف ان کے نزدیک عقیقہ کے صرف مباح ہونے کا تاثر قائم کیا ہے، اس لئے بعد کے موافق و مخالف علماء میں سے کوئی اباحت کا ناقل ہے تو کوئی تطوع و استحباب کا چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ بچے کی ولادت کے موقع پر مستحب امور (حلق راس وغیرہ) کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”ثم یعق عند الحلق عقیقة اباحۃ علی ما فی جامع المحبوبي او تطوعا علی ما فی الشرح الطحاوی“ (شامی جلد ۵ ص ۲۳۶)

جماعت اہل حدیث کے ترجمان ”الاعتصام“ کے مدیر محترم لکھتے ہیں۔

”علامہ ابن عابدین شامی نے جن کی کتاب فقہ حنفی کی دائرۃ المعارف ہے عقیقہ کے بارے میں دو رائیں نقل کی ہیں ایک یہ کہ وہ تطوع ہے دوسری یہ کہ وہ مباح ہے اس کے مکروہ ہونے کا ذکر تک نہیں کیا ہے“ (ہفت روزہ الاعتصام

لاہور)

فتاویٰ عالمگیری (جسے پانچ سو علماء کا فتویٰ کہہ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی

گئی ہے کہ علماء احناف کے نزدیک متفقہ طور پر عقیقہ مکروہ اور حرام ہے) میں لکھا ہے۔

”العقيقة عن الغلام وعن الجارية مباحة لاسنة ولا واجبة كذا فی الوجیز للکردری و ذکر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی العقيقة فمن شاه فعل ومن شاه لم يفعل وبذا یشیر الی الاباحۃ فیمنع کونها سنۃ“ (فتاویٰ عالمگیری جلد ۵ ص ۳۶۲)

یہ ہیں عالمگیری دور کے پانچ سو علماء کے متفقہ فتویٰ کے الفاظ جن میں عقیقہ کو مباح قرار دیا گیا ہے رہی ”جامع صغیر“ کی وہ عبارت جو ان کے بعد ”البدائع“ کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے، جس کے بارے میں پروفیسر رفیع اللہ شحاب نے روز نامہ جنگ میں دیئے گئے اپنے مضامین میں لکھا ہے کہ وہ عالمگیری دور کے پانچ سو علماء کا متفقہ فتویٰ ہے اور ان علماء نے امام ابو حنیفہ کا فتویٰ تسلیم کرتے ہوئے اسے ترجیح دی ہے۔ اس کی حیثیت محض ایک اختلافی نوٹ کی ہے جو بایں الفاظ مذکور ہے۔

”و ذکر فی الجامع الصغیر ولا یعق عن الغلام ولا عن الجاریۃ وانه اشارة الی الکراہۃ کذا فی البدائع فی کتاب الاضحیۃ“ (ایضاً)

امام طحاوی رحمہ اللہ جو حنفی فقہ کے ماہر اور ائمہ احناف کے اقوال سے پوری طرح باخبر ہیں اور علامہ کلسانی رحمہ اللہ سے بہر اعتبار مقدم ہیں وہ بھی تطوع اور استحباب ہی کے ناقل ہیں چنانچہ اپنی کتاب ”مختصر طحاوی“ میں لکھتے ہیں۔

”والعقيقة تطوع من شاه فعلہا ومن شاء ترکہا“ (مختصر طحاوی ص ۲۹۹)

یعنی عقیقہ مستحب ہے جو چاہے کرے اور جو چاہے چھوڑ دے اس کتاب میں امام طحاوی رحمہ اللہ کی عادت یہ ہے کہ جس مسئلہ میں ائمہ احناف کے درمیان اختلاف ہو اس کی نشاندہی فرمادیتے ہیں، مگر یہاں انہوں نے کسی اختلاف کی نشاندہی نہیں فرمائی معلوم ہوا کہ ان کی دانست میں تینوں ائمہ احناف عقیقہ کے استحباب پر متفق ہیں۔ اور اس مسئلہ پر انہیں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا، چنانچہ

مولانا سید جلال الدین عمری جو بقول مدیر ”الاعتصام“ عمر آباد ہند کے ایک اہلحدیث مدرسے کے فاضل معلوم ہوتے ہیں ”عقیدہ سے متعلق اپنے فاضلانہ مقالہ میں لکھتے ہیں۔

”جب عقیدہ ثابت ہے اور اس کے سنت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے تو کیا فی الواقع امام ابوحنیفہ اور امام محمد نے اور ان سے پہلے حضرت ابراہیم نخعیؒ نے اس کے ثبوت سے انکار کیا ہے میرے خیال میں عقیدہ ان بزرگوں کے نزدیک بھی جمہور علماء کی طرح سنت ہے اس کا انہوں نے انکار نہیں کیا ہے“ (ہفت روزہ الاعتصام دسمبر ۱۹۸۱ء)

لہذا حنفی نقطہ نگاہ سے عقیدہ شرعی طور پر مستحب ہوا نہ کہ علی الاطلاق منسوخ یا مکروہ وغیرہ یہی مولانا سید جلال الدین عمری اپنے مقالہ کے آخر میں لکھتے ہیں۔

”حضرت شاہ ولی اللہؒ ملا علی قاریؒ علامہ تورپشتی اور آخر میں مولانا عبدالحی فرنگی علی..... جو فقہ حنفی کے اساطین اور بہترین شارح ہیں یہ سب عقیدہ کو سنت اور مستحب قرار دیتے ہیں ان کی رائے ان لوگوں کی رائے کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہے جنہوں نے اسے سنت نہیں مانا ہے یا ناپسند کیا ہے“ (ہفت روزہ الاعتصام لاہور)

دیگر ماہرین مذاہب بھی ائمہ احناف کی طرف استجاب ہی کی نسبت کرتے ہیں

اس لئے دیگر ماہرین مذاہب بھی ائمہ احناف کی طرف استجاب ہی کی نسبت کرتے ہیں، چنانچہ علامہ ابن رشد مالکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

”وذهب ابوحنیفہ الی انہا لیست فرضا ولا سنة وقد قیل ان تحصیل مذہبہ انہا عندہ تطوع“ (بدایت المجتہد ونہایتہ المقتصد جلد ۲ ص ۳۹۵)

یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ عقیدہ کے بارے میں اس طرف گئے ہیں کہ نہ وہ

فرض ہے اور نہ سنت بلکہ ان کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ ان کے نزدیک مستحب ہے۔

پروفیسر رفیع اللہ شہاب کے پسندیدہ عالم علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

”وذهب ابوحنيفة الى انها ليست فرضا ولا سنة وقيل انها عنده تطوع“ (نیل الاوطار جلد ۵ ص ۲۲۴)

یہ ہے علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی ”نیل الاوطار“ میں حنفی فقہ کے بانی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ جس کے لئے علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال بھی ذکر فرمایا ہے، چنانچہ حدیث ”من احب ان ينسك اه“ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”وبهذا الحديث احتج ابوحنيفة على عدم الوجوب والسنية“ (ایضاً) اور ”نیل الاوطار“ کے وہ الفاظ جنہیں دیکھ کر شہاب صاحب کو یہ دھوکہ ہوا کہ وہ حنفی فقہ کے بانی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے اور جسے دیکھ کر وہ ”حیران رہ گئے اور کچھ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا اور جس کے الفاظ ان کے خیال میں اتنے واضح ہیں کہ ان کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی“ وہ درحقیقت امام صاحب کے فتوے کے الفاظ نہیں بلکہ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرقہ زیدیہ کے ایک عالم کی کتاب ”البحر الزفّار“ سے بطور حکایت نقل کئے ہیں۔

جن کی صحت پر علامہ موصوف کو خود بھی یقین نہیں اور بر تقدیر صحت انہوں نے اس کی تاویل بھی کی ہے فرماتے ہیں۔

”وحكى صاحب البحر عن ابى حنيفة ان العقيقة جاهلية محابا الاسلام وهذا ان اصح عنه حمل على انها لم تبلغه الاحاديث الواردة فى ذلك“ (نیل الاوطار جلد ۵ ص ۲۲۴)

”هذا ان صح عنه“ اور ”حمل على انها“ کے ہوتے ہوئے اس حکایت کو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ قرار دینا اور اس کو ناقابل تاویل سمجھنا یا جہالت ہے یا خیانت۔

شعب صاحب نے عقیقہ کے مسئلہ پر اپنی تحقیق کی ابتداء ”نیل الاوطار“ ہی سے فرمائی تھی کیونکہ ”مسائل کی تحقیق کے بارے میں ان کا معمول یہی ہے“ مگر ان سے پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھی گئی تو اس پر سید ہی عمارت کی توقع کیونکر کی جاسکتی تھی۔

خشت اول چوں نہد معمار کج تاثر یا مے رود دیوار کج

چنانچہ انہوں نے جو اینٹ بھی رکھی پہلی اینٹ پر ہی رکھی ”البدائع الصنائع“ میں عقیقہ سے متعلق مختلف مقالات پر چار طرح کی عبارات موجود ہیں۔ اگر ایک عبارت سے کراحت معلوم ہوتی ہے تو دوسری سے اباحت اور تیسری سے استعجاب بھی مفہوم ہوتا ہے مگر انہوں نے ایک ہی عبارت کو دیکھنے پر اکتفاء کیا یا مطلب برادری کے تحت دوسری عبارات کو دیدہ دانستہ نظر انداز کر گئے اور مفید کراحت عبارت لے کر ایک چٹکی مداری والی اپنی پٹاری سے لی اور ڈھچک سے کراحت کو حرمت میں تبدیل کر دیا۔ مداری والی چٹکی کے لیے اگرچہ انہوں نے ”البحر الرائق“ کا نام لیا ہے، مگر اس کی حیثیت ”کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا“ سے زیادہ نہیں، وہ سراسر غلط فہمی یا مغالطہ دہی کا نتیجہ ہے کیونکہ کراحت علامہ کلسانی رحمہ اللہ کے کلام سے اخذ کی گئی ہے اور مکروہ معنی حرام کا اصول جو ”البحر الرائق“ سے نقل کیا گیا ہے وہ امام محمد رحمہ اللہ یا ان کے پیش رو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کا اصول ہے یعنی یہ حضرات اپنے کلام میں جہاں مکروہ کا لفظ استعمال فرماتے ہیں اس سے وہ حرام مراد لیتے ہیں یہ نہیں کہ مابعد کے علماء میں سے جب بھی کوئی مکروہ کا لفظ استعمال کرے تو ان ائمہ کے نزدیک اس کے معنی حرام ہی کے ہوں گے، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

”واعلم ان المکروہ اذا اطلق فی کلامہم فالمراد منه التحريم..... قال ابو یوسف قلت لا بی حنیفہ اذا قلت فی شی اکرہہ فما رائیک فیہ قال التحريم“

بلکہ ان حضرات ائمہ کے نزدیک بھی مکروہ معنی حرام صرف ”کتاب

انکراہیتہ“ میں ہوا کرتا ہے فقہ کے تمام ابواب میں نہیں، چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

لیکن اگر کوئی دوسرا ان حضرات کی کسی عبارت سے کراہت استنباط کرے اور پھر اس کو حرام کے معنی لے لیا جائے تو یہ غلط ہوگا جیسا کہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ”لا یبعق عن الغلام ولا عن الجارية“ سے ”انہ اشارة الى الکراہۃ“ کہہ کر کراہت کا استنباط کیا اور پروفیسر رفیع اللہ شہاب نے کراہت کو حرمت کے معنی میں لے لیا، اور پھر لکھا کہ ”اس تشریح سے عقیدہ کی شرعی حیثیت یوں واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ یہ ایک ایسا ناجائز فعل ہے جو حرام کے قریب ہے“ حالانکہ شریعت کے کسی عالم کے نزدیک عقیدہ کی شرعی حیثیت یہ نہیں، یہ شہاب صاحب کے اچھوتی تشریح کی کراہت ہے یا مداری کا کھیل، ورنہ ناظرین ان کی پسندیدہ کتاب ”نیل الاوطار“ کے حوالہ سے دیکھ چکے ہیں کہ عقیدہ کے بارے میں امام صاحب کے مسلک کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ تطوع یعنی مستحب ہے، اور دوسرا قول صحت پر انتہائی بے یقینی کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، اور ”البدائع“ میں ”انہ اشارة الى الکراہۃ“ اور ”لا یبقی بعد نسخ الفضل الا لکراہۃ“ علامہ کاسانی کا اپنا اجتہاد ہے جو لائق رد ہے جیسا کہ ملا علی قاری اور علامہ عبدالحی رحمہما اللہ نے اس کو رد کیا ہے، اور ائمہ احناف سے کراہت کی کوئی تصریح نہیں، جیسا کہ ہفت روزہ ”الاعتصام“ کے مدیر نے لکھا ہے ”امام محمد نے عقیدہ کو تطوع، مباح یا مکروہ وغیرہ صراحت کے ساتھ نہیں کہا ہے بلکہ یہ سب کچھ ان کی عبارتوں سے نکالا گیا ہے“

شہاب صاحب نے تیسری اینٹ جو لگائی بنیادی کجی کے نتیجہ میں وہ ٹیڑھی تو ہونی ہی چاہئے تھی، مگر اس کیلئے فنی ہوشیاری سے بھی کام لیا گیا، چنانچہ ایک طویل تمہید کے ساتھ لکھتے ہیں۔

”بدائع الصنائع میں حنفی فقہ کا فتویٰ دیکھ لینے کے بعد کسی دوسری کتاب کو دیکھنے کی ضرورت نہیں رہتی..... احتیاط کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے فتاویٰ عالمگیری میں دیکھ

لینا بھی ضروری سمجھا وجہ یہ تھی کہ اس اہم فتاویٰ کو اپنے وقت کے پانچ صد جید فقہاء نے مرتب کیا تھا اس لئے ممکن ہے کہ انہوں نے اس بارے میں کوئی دوسرا نقطہ نظر بھی دیا ہو، لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس میں بھی مذکورہ بالا حنفی فتویٰ انہی الفاظ میں موجود تھا۔

اس عبارت پر نقد و تبصرہ سے پہلے ایک دفعہ فتاویٰ عالمگیری کی عبارت دیکھ لی جائے۔

”العقيقة عن الغلام وعن الجارية مباحة لاسنة ولا واجبة كذا فی الوجیز للکردی و ذکر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی العقيقة فمن شاء فعل ومن شاء لم يفعل وهذا یشیر الی الاباحۃ فیمنع کونها سنة و ذکر فی الجامع الصغیر ولا یعق عن الغلام ولا عن الجارية وانه اشارة الی الکراهۃ کذا فی البدائع فی کتاب الاضحیہ“

اس لمبی عبارت میں دو نقطہ نظر پیش کئے گئے ہیں ایک اباحت، دوسرے کراحت اور فتویٰ ”العقيقة مباحہ“ کہہ کر اباحت پر ہی دیا گیا ہے۔ مگر رفیع اللہ صاحب فرماتے ہیں ”میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس (فتاویٰ عالمگیری) میں بھی مذکورہ بالا حنفی فتویٰ انہی الفاظ (عقیقہ جاہلیت کی رسم ہے یا مکروہ فریب، حرام) میں موجود تھا“ حالانکہ فتاویٰ عالمگیری انہوں نے محض ”احتیاط کو مد نظر رکھتے ہوئے“ کوئی دوسرا نقطہ نظر معلوم کرنے کیلئے دیکھنا ضروری سمجھا تھا اتنی بڑی غلط بیانی کے بعد رفیع اللہ صاحب کو اس تحقیق میں قطعاً مخلص قرار نہیں دیا جاسکتا یہ محض ایک شرارت ہے جو کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کی گئی ہے۔

اور لطف کی بات یہ ہے کہ ایک صاحب غیر مقلد جناب عبد اللطیف صاحب جنہوں نے بڑے دعوے کے ساتھ اپنے آپ کو ”اہل حدیث“ لکھا ہے اس جھوٹ کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”۲۲ نومبر کے جنگ میں جب پروفیسر رفیع اللہ شہاب کا مضمون بعنوان ”عقیقہ کے بارے میں امام ابو حنیفہ کا فتویٰ“ شائع ہوا تو راقم نے حنفی فقہ کی معتبر کتاب فتاویٰ

عالمگیری میں یہ فتویٰ تلاش کیا برصغیر کے پانچ سوجید علماء کے مرتب کردہ اس فتاویٰ میں امام ابو حنیفہ کے فتویٰ انہی الفاظ میں موجود تھا ”(۲۲ نمبر روز نامہ جنگ لاہور) جناب عبد اللطیف صاحب کو حنفی فتاویٰ کے علی الرغم رفیع اللہ شہاب کی تائید کیلئے فتاویٰ عالمگیری میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ”انہی الفاظ میں موجود“ نظر آنا چاہئے تھا کیونکہ اکثر غیر مقلدین حنفی فتاویٰ کو چشم اعمور کے ساتھ دیکھنے کے عادی ہیں چنانچہ اگر کوئی بڑے سے بڑا ملحد بھی ان فتاویٰ کو اپنی مطلب براری کیلئے بدنام کرنا شروع کر دے تو یہ حضرات اس کے الحاد کو سرماتے پر رکھ کر اس کی تائید کیلئے کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔

لڑکے اور لڑکی کے درمیان امتیاز کے فطری اور اسلامی اصول کا تحفظ ضروری یا عقیقہ

چنانچہ رفیع اللہ شہاب کے مضمون کی ابتداء ہی اسلام اور فطرت سلیمہ کے ایک مسلمہ اصول پر ملحدانہ عدم اطمینان کے اظہار سے ہوئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں ”لڑکے اور لڑکی کے درمیان پیدائش ہی کے وقت سے ایسا امتیاز (کہ لڑکے کیلئے دو بکرے اور لڑکی کیلئے ایک بکرا) قائم کرنے پر طبیعت کبھی مطمئن نہ ہوگی“ (روز نامہ جنگ لاہور)

ضرورت تو اس بات کی تھی کہ شریعت اسلامیہ کے قائم کردہ اس امتیاز کی حکمت بیان کر کے پروفیسر صاحب کو مطمئن کیا جاتا اور انہیں ”للذکر مثل حظ الانثیین“ کی رمز سمجھائی جاتی اور بتایا جاتا کہ ایک خاص صورت میں میت کے ماں باپ کیلئے ”لکل واحد منهما السدس“ کے جزوی حکم سے مذکورہ بالا کلی اصول مسترد نہیں کیا جاسکتا بلکہ بعض دوسری صورتوں میں ماں باپ کے درمیان بھی امتیازی سلوک روا رکھا گیا ہے اور میاں بیوی کے درمیان بھی ایک دوسرے کی وراثت میں امتیاز موجود ہے ”الرجال قوامون علی النساء بما فضل بعضهم علی بعض“ اور اسی طرح کی دوسری نصوص قرآنیہ واللہ

فضل بعضهم على بعض فى الرزق اور ”نحن قسمنا بينهم معيشتهم فى الحياة الدنيا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات ليتخذ بعضهم بعضا سخريا“ دکھا کر مساوات جیسے ملحدانہ نظریہ کو تبدیل کرنے کی فرمائش کی جاتی، مگر ہوا یہ کہ نام کے بعد بعض الہدیت حضرات نے ان کی تائید میں مضامین لکھ کر اس کج نظری کی حوصلہ افزائی کی اور فقہ حنفی کے فتاویٰ کو احادیث کے خلاف اور صدیوں سے امت مسلمہ کے لاکھوں بلکہ کروڑوں اہل علم کے معمولات کو از سر نو محتاج تحقیق قرار دیا۔

ان نئے مجتہدوں کا مبلغ علم

اور اپنا مبلغ علم یہ ہے، فرماتے ہیں کہ ”راقم نے ایک مسجد میں آئین بالجر زور سے کئی“ (روزنامہ جنگ لاہور)

کیا ”بالجر“ کہہ دینے کے بعد ”زور سے کئی“ کی حاجت باقی رہ جاتی ہے، یہ تو بالکل ایسے ہی ہے جیسے پرائمری سے بھاگے ہوئے خط میں لکھتے ہیں ”آپ کی خیریت مطلوب چاہتا ہوں“

اندھے کو اندھیرے میں دور کی سو جھی

اس مبلغ علم کے ہوتے ہوئے جناب طاہر صاحب فرماتے ہیں ”آئین بالجر کے بارے میں پوری پچاس صحیح احادیث ہیں۔ میں ان حنفی علماء سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر وہ عقیقہ کے بارے میں اپنے امام کے فتویٰ پر پردہ ڈال سکتے ہیں تو خدا کیلئے آئین بالجر کے بارے میں پچاس احادیث رسول کی خاطر اس کے خلاف امام صاحب کے فتویٰ پر بھی ڈال دیں“

اگر طاہر صاحب اور ان کے ہمنوا علماء کے پاس واقعی ”آئین بالجر کے بارے میں پوری پچاس صحیح احادیث ہیں“ تو ہمت کر کے یہ مسئلہ بھی اخبارات میں چھیڑ دینا چاہئے، عقیقہ جسے نادر الوقوع مسئلہ پر طبع آزمائی کی کیا ضرورت ہے، اور کیا ہی اچھا ہوگا اگر کوئی ایک آدھ صحیح حدیث نقل بھی کر دی جاتی، یہ تو میدان میں

اترنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ غیر مقلدین کا پچاس بھی مرزا قادیانی والا پچاس ہے اس نے تو صفر ہی اڑایا تھا اور یہ پانچ کا ہندسہ غائب کر جاتے ہیں۔

آمین بالجہر پر پچاس احادیث اور سونے کے زیورات کی حرمت دیکھ کر سخت پریشانی

اور لطف کی بات یہ ہے کہ آمین جیسے مباح اختلافی مسائل پر تو پچاسوں احادیث معلوم ہونے کا دعویٰ اور حلت و حرمت کے اہم مسائل میں مد مقابل کی احادیث دیکھ کر ”سخت پریشانی“ اور علماء سے وضاحت کی درخواست کہاں گئی البتہ ہشی، اگر زیورات کی حرمت کا فتویٰ صحیح نہیں تو اس کے خلاف پچاس احادیث نہ سہی کوئی ایک صحیح حدیث بھی نظر میں کیوں نہیں، اگر نہیں تو حرمت کی احادیث کے سامنے سر تسلیم خم کر کے پردہ نشینوں کے زیورات کیوں نہیں اتار پھینکے جاتے، آخر سخت پریشانی میں پڑنے کی کونسی بات ہے، معلوم ہوتا ہے کہ احادیث کو جاننے اور ماننے کا سلیقہ ہی نہیں، طاہر صاحب کی بے موقع شوشہ بازی سے غیر اختیار طور پر روئے سخن ان کی طرف متوجہ ہو گیا، تلخ نوائی کی معذرت چاہتے ہوئے اصل موضوع کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

عقیدہ کے متعلق حنفی نقطہ نگاہ کو سمجھنے میں غلط فہمی

اور جن حضرات نے ائمہ احناف کی طرف عقیدہ کا علی الاطلاق منسوخ یا مکروہ و بدعت اور حرام ہونا منسوب کیا ہے ان کو غلط فہمی ہوئی ہے چاہے وہ مسلک حنفی کے مخالف ہوں یا موافق، چنانچہ زمانہ قریب کے دو محقق حنفی عالم مولانا عبدالحی لکھنوی اور مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہما اللہ بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں، مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

”کمانہ ای الامام محمد یشیر الی عدم مشروعیتہ العقیقۃ الان او الی کراہتہ کما تفیہدہ عبارتہ فی الجامع الصغیر حیث قال لا یعق عن الغلام ولا عن الجاریۃ انتہی“ (التعلیق المجدد ص ۲۸۸)

اور مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

”اقول نص الروایات ظاہر فی ان مذهب ابی حنیفہ ہو ان العقیقۃ منسوخہ وغیر مشروعیۃ بعد“ (اعلاء السنن جلد ۷ ص ۸۲)

لیکن دونوں علماء ایک دوسرے کی مخالف سمت کو چل نکلتے ہیں، علامہ عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ نے حنفی مسلک عقیقہ کا منسوخ یا مکروہ ہونا قرار دیکر اس کی زبردست رد کی ہے، چنانچہ عقیقہ کے ثبوت میں کئی ایک احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

”وبالجملة الحكم بنفی مشروعیہا فی الاسلام مطلقا غیر صحیح و ترک الاحادیث الصریحۃ المرفوعۃ والموقوفۃ الواردۃ فی ہذا الباب بقول محتمل غیر مناصل غیر نجیح“ (التعلیق ص ۲۸۸)

اور مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بھرپور حمایت کی ہے اور ندب واستحباب کے قول کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے۔

”وما نقله الشامی عن جامع الجبوی انہا مباحۃ و شرح الطحاوی انہا مستحبۃ لیس بنفل للمذہب بل ہو رای منہما رایاہ لما ورد فی ذلک من الاخبار“ (اعلاء السنن جلد ۷ ص ۱۲-۱۳)

آگے بعض اخبار و آثار سے استدلال کرتے ہوئے اگرچہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول ہی کو دلیل کے اعتبار سے قوی قرار دیا ہے مگر استحباب کے قول کو مفتی بہ اور متصور ہونا بھی تسلیم کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

”وانما اخذ اصحابنا الحنفیۃ فی ذلک بقول الجمهور قالوا باستحباب العقیقۃ..... وان کان قول الامام قویا من حیث الدلیل کما ذکرنا ولكن خلافہ هو القول المنصور“ (البدائع الصنائع جلد ۵ ص

غلط فہمی کا اصل سبب

عقیقہ سے متعلق اس غلط فہمی کا ایک سبب تو جامع صغیر کی وہ عبارت ہے جو

”البدائع اور التعلیق المجد“ کے حوالہ سے گزر چکی ہے (یعنی عن الغلام ولا عن الجارية) گویا اس نفی سے کراحت کا استنباط کیا گیا چنانچہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ان الفاظ کے بعد صراحت لکھا ہے ”وانہ اشارة الى الكراهة“ اور فتاویٰ عالمگیری میں چونکہ ”البدائع“ ہی کے حوالہ سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے اس لئے اس میں بھی یہ الفاظ اسی طرح ہیں اور بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ ”وانہ اشارة الى الكراهة“ جامع صغیر ہی کے الفاظ ہیں حالانکہ ایسا نہیں جیسا کہ اصل کتاب کی طرف مراجعت سے معلوم ہوتا ہے۔ بس علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آنے والے تمام ان حضرات کو جنہوں نے عقیقہ کو مکروہ قرار دیا ہے ”البدائع“ کے انہی الفاظ سے غلطی لگی ہے بلکہ اس غلطی میں مبتلا ہونے والے سب سے پہلے علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ خود ہیں جنہوں نے اس نفی کو کراحت پر محمول کیا اسی لئے دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

”ولا يعق عن الغلام والجارية عندنا وعند الشافعي رحمه الله العقيقة سنة والعقيقة كانت قبل الاضحية فصارت منسوخة بها كالعقيدة والعقيقة ما كانت قبلها فرضا بل كانت فضلا وليس بعد نسخ الفضل الا الكراهة“ (البدائع جلد ۵ ص ۱۲۷)

دوسرا سبب

”قال محمد اما العقيقة فبلغنا انها كانت في الجاهلية وقد فعلت في اول الاسلام ثم نسخ الاضحى كل ذبح كان قبله“ (موطا امام محمد ص ۲۸۶) اور کتاب الاثار میں مذکورہ بالا مضمون پر مشتمل دو اثر نقل کرنے کے بعد لکھا ہے

”قال محمد وبه نأخذ وهو قول ابي حنيفة“ عقیقہ کے منسوخ ہونے کو امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا مسلک قرار دینے والے موافق و مخالف حضرات یہ سمجھے کہ ”موطا اور کتاب الاثار“ میں عقیقہ

کے منسوخ ہونے کو بیان کیا گیا ہے، لہذا ان حضرات کا مسلک یہی ہے کہ عقیقہ منسوخ ہے، یہ تو ٹھیک ہے کہ ان دونوں کتابوں میں عقیقہ کے منسوخ ہونے کو بیان کیا گیا ہے، لیکن مطلقاً منسوخ ہونے اور کلیتہً غیر مشروع ہونے کو ان حضرات کا مسلک قرار دینا ان کی مراد کے خلاف ہے، چنانچہ حنفی مسلک سے پوری طرح باخبر مشہور محدث علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ترمذی شریف کی مطبوعہ تقریر ”عرف الشذی“ میں فرماتے ہیں۔

”نسب الی ابی حنیفہ انہ یقول بالعقیقۃ والموہم الیہ عبارة محمد فی موطاء والحق ان مذهبنا استحبابها لسابع بعد يوم الولادة او الرابع عشر والحادی عشرین“ (عرف الشذی ص ۴۳۱)

اور بخاری شریف کی مطبوعہ تقریر ”فیض الباری“ میں بھی یہی کچھ فرمایا ہے

(ج ۴ ص ۳۳۷) **Www.Ahlehaq.Com** غلط فہمی کا ازالہ

متبع اور تلاش کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تین طرح کی عبارات سامنے آئیں ہیں ”موطا اور کتاب الاثار“ کی عبارت جو نسخ کے مضمون پر مشتمل ہے دوسری ”جامع صغیر“ کی عبارت جو نفی کے مضمون پر مشتمل ہے اور تیسری ”البدائع“ کی یہ عبارت ”وذكر محمد رحمه الله في العقیقة فمن شاه فعل ومن شاء لم يفعل“ جو بقول علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ اباحت کے مضمون پر اور امام طحاوی اور علامہ عینی رحمہما اللہ کے بیان کے مطابق تطوع واستحباب کے مضمون پر مشتمل ہے جیسا کہ گزر چکا، اس لئے متعارض عبارات میں تطبیق کے اصول کے پیش نظر نسخ کے مضمون پر مشتمل عبارت کو ضرورت اور وجوب کے نسخ پر محمول کیا جائے گا اسی طرح نفی کے مضمون پر مشتمل عبارت کو بھی وجوب یا سنت موکدہ ہی کی نفی پر محمول کیا جائے گا۔ اس طرح اباحت واستحباب پر مشتمل عبارت اپنے اصل پر باقی رہے گی۔ اور عقیقہ کو منسوخ یا مکروہ و حرام قرار دینے کی صورت میں یہ عبارت

بے محل ٹھہرے گی۔

خصوصاً جبکہ علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے اباحت کا مضمون ایک دوسری جگہ بھی بیان فرمایا ہے چنانچہ عقیقہ کی سنت پر امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

”وانا نقول انها كانت ثم نسخت بدم الاضحية..... وروى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عن العقيقة فقال ان الله تعالى لا يحب العقوق من شاء فليعق عن الغلام شاتين وعن الجارية شاة وبذا ينفي كون العقيقة سنة لانه عليه الصلوة والسلام عتق العتق بالمشية وبذا اماراة الاباحة“ (البدائع جلد ۵ ص ۶۹)

”البدائع“ کی ایک عبارت سے تو عقیقہ کا مستحب ہونا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ قربانی کے اونٹ اور گائے میں مختلف نیتوں کے ساتھ کئی آدمیوں کی شرکت کے جواز کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے ”ولو اراد والقربة الاضحية اوغيرها من القرب اجزا هم سواء كانت القربة واجبة او تطوعا..... لان المقصود من الكل التقرب الى الله تعالى عز شانه بالشكر على ما انعم عليه من الولد كذا ذكر محمد رحمه الله في نواذر الضحايا“ (اعلاء السنن جلد ۱ ص ۹۳)

اس لمبی عبارت کے ضمن میں ایک جگہ علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”هذا قول اصحابنا الثلاثة“

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

”وهو صريح في كون العقيقة قربة كالمية اه“

معلوم ہوا کہ عقیقہ ہمارے تینوں ائمہ ابو حنیفہ، ابو یوسف، محمد رحمہم اللہ کے نزدیک ایسا کار ثواب ہے کہ قربانی جیسے سنت موکدہ یا واجب عمل میں بھی اس کی شرکت ہو سکتی ہے۔

معلوم نہیں ”البدائع“ کی اس صاف اور صریح عبارت پر نظر ہونے کے

باوجود مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ حسب ذیل عبارت لکھنے پر کیوں مجبور ہوئے۔

”انما اخذ اصحابنا الحنفیة فی ذلک بقول الجمهور وقالوا باستحباب العقیقة فزعموا ان الامر کان مختلفا فیہ بین الصحابة والتابعین ثم اتفق جمهور العلماء وعامة المسلمین علی استحبابہ فاخذوا به وافتوا بالاستحباب وافقوا الجمهور“ (اعلاء السنن جلد ۷ ص ۹۳)

اس عبارت میں یہ بات تو صراحتہ مذکور ہے کہ متاخرین علماء احناف بھی جمہور کی طرح عقیقہ کے استحباب ہی کے قائل ہیں لیکن کیا متقدمین ائمہ احناف اس کے قائل نہ تھے۔ آخر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ”نوادیر الفحایا“ والی عبارت کا کیا مطلب ہے جس کا خلاصہ مولانا نے خود ہی نکالا ہے ”وہو صریح فی کون العقیقة قرۃ“

صاحب ”البدائع“ کی اصل پریشانی

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تمام عبارات علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی سامنے ہیں مگر وہ عبارات میں اختلاف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے دعویٰ نسخ کی بنا پر تردد میں ہیں کہ نسخ کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں کراحت آگئی ہے جیسا کہ ”جامع صغیر“ کی عبارت ”یعق عن الغلام الخ“ کے ظاہر کا تقاضا ہے یا اباحت باقی ہے جیسا کہ ”من شاہ فعل ومن شاء لم یفعل“ کا تقاضا ہے چنانچہ مختلف ذبائح کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”منہا العقیقة کانت فی الجاہلیۃ ثم فعلہا المسلمون فی اول الاسلام فنسخہا ذبح الاضحیۃ فمن شاء فعل ومن شاء لم یفعل وذكر محمد رحمہ اللہ فی العقیقة فمن شاء فعل ومن شاء لم یفعل وهذا الیشیر الی الاباحۃ فمنع کونها سنة وذكر فی الجامع الصغیر ولا یعق عن الغلام ولا عن الجاریۃ وانه اشارۃ الی الکراہۃ“ (البدائع

امام محمد اور دعویٰ نسخ

امام محمد رحمہ اللہ کی کتابوں میں نسخ کا دعویٰ یقیناً موجود ہے اور وہ اس میں بجانب بھی ہیں اگر کسی دوسرے کی نظر اس حقیقت تک نہیں پہنچ سکی تو اسے ہرگز یہ حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ یہ کہنے کی جرات کرے کہ شاید امام محمد رحمہ اللہ اور ان کے استاد محترم حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو وہ احادیث نہیں پہنچ سکیں جن سے عقیقہ موکدہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ بھلا منسوخ کا علم ہوئے بغیر نسخ کا دعویٰ کیسے کیا جاسکتا ہے جو چیز مشروع ہی نہیں ہوتی وہ منسوخ کیونکر ہو گئی۔ اور پھر ”موطا“ میں ”وقد فعلت فی اول الاسلام“ کے کیا معنی ہوں گے۔ حیرت ہے کہ جس کے سامنے دونوں طرح کا مواد ہے اسے تو نادان قرار دیا جائے اور جس کے سامنے ایک ہی طرح کا مواد ہے اسے دانا فرض کر لیا جائے ”هذا لعمری فی الفعل بدیع“ اور پھر وہ اس دعویٰ نسخ میں تنہا بھی نہیں ہیں جلیل القدر تاجی رئیس الفقہاء امام ابراہیم نخعی اور حضرت علی رحمہ اللہ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ بھی آپ کے ساتھ اس دعویٰ نسخ میں شریک بلکہ پیش پیش ہیں، جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ نے ”کتاب الاثمار“ میں بالاسناد ان سے نقل کیا ہے، یہیں سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رحمہ اللہ کی وہ روایت جس کو دار قطنی اور بیہقی نے دو سندوں کے ساتھ مرفوعاً نقل کیا ہے اور دونوں کو ضعیف قرار دیا ہے وہ بالکل ہی ناقابل قبول نہیں اول تو تعدد طرق سے ضعف میں کمی آگئی اور پھر مصنف عبد الرزاق میں صحیح سند کے ساتھ موقوفاً بھی روایت ہے، اور محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ نے یقیناً اپنے والد ماجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سن کر ہی یہ رائے قائم کی ہے، اس لئے حضرت علی رحمہ اللہ کی روایت حسب ذیل الفاظ کے ساتھ بالکل صحیح ہے، روایت کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

”عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نسخ الاضحیٰ کل ذبح وصوم رمضان کل صوم والغسل من الجنابة کل غسل والزکاة کل

صدقہ“ (سنن دار قطنی و ہیثمی)

مولانا شمس الحق عظیم آبادی سنن دار قطنی کے حاشیہ التعلیق المنفی میں فرماتے ہیں۔

”حدیث علی مروی من طرق وکلیہا ضعاف لا یصلح الاحتجاج بها“

لیکن یہ کتنی ناانصافی کی بات ہے کہ ایک حدیث متابعات و شواہد کے ہوتے ہوئے بھی ناقابل حجت قرار دی جائے، اسی لئے مولانا ظفر احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جو مولانا عظیم آبادی سے مہارت حدیث میں کسی طرح بھی کم نہیں ہیں فرماتے ہیں۔

”فالحديث ليس بباطل ولا مطروح بالمرة بل هو حسن“ (اعلاء السنن جلد ۱ ص ۸۹)

کسی حدیث کے صحیح ہونے کیلئے صحت سند کے علاوہ معنوی طور پر صحیح ہونا بھی ضروری ہے، سند کے اعتبار سے بھی یہ حدیث درجہ احتجاج سے ساقط نہیں اور معنوی طور پر بھی اعلیٰ درجے کی صحیح احادیث کے ساتھ موید ہے۔

حدیث نسخ کی معنوی صحت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں چار چیزوں کا منسوخ ہونا بیان کیا گیا ہے قربانی کے ساتھ بعض دوسرے ذبائح کا اور رمضان کے روزے کے ساتھ بعض روزوں کا اور غسل جنابت کے ساتھ بعض دوسرے غسلوں کا اور زکاة کے ساتھ بعض صدقات کا، موطا میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مضمون کو بلاغا ذکر فرمایا ہے: پہلے رمضان کے روزے ہی کو لیجئے اس کی فرضیت سے قبل عاشوراء (دسویں محرم) کا روزہ فرض یا نہایت درجہ موکد تھا، جو زمانہ جاہلیت سے چلا آرہا تھا، مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا گیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

”قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة فرأى اليهود تصوم عاشورا فصامه وأمر بصيامه“

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

”کان یوم عاشوراء تصومہ قریش فی الجاہلیۃ وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الجاہلیۃ فلما قدم المدینۃ صامہ وامر بصیامہ فلما فرض رمضان ترک عاشوراء فمن شاء صامہ ومن شاء ترکہ“ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

”قد کان یصام قبل ان ینزل رمضان فلما ترک رمضان ترک“ (بخاری و مسلم)

یہ تینوں احادیث بخاری اور مسلم میں موجود ہیں اور اعلیٰ درجے کی صحیح ہیں ان میں ”امر بصیامہ“ اور ”فلما فرض رمضان ترک“ کے الفاظ صراحت کے ساتھ بتا رہے ہیں کہ عاشوراء کا روزہ پہلے فرض یا نہایت درجہ مؤکد تھا پھر رمضان کی فرضیت سے اس کی فرضیت اور تاکید منسوخ ہو گئی اب باتفاق اہل اسلام عاشوراء کا روزہ مستحب ہے، امام محمد رضی اللہ عنہ جو اپنے بلاغ میں اس کے نسخ کا دعویٰ فرماتے ہیں دوسری جگہ خود ہی لکھتے ہیں۔

”صیام یوم عاشوراء کان واجبا قبل ان یفرض رمضان ثم نسخ شہر رمضان فہو تطوع من شاہ صامہ ومن شاہ لم یصمہ وھو قول ابی حنیفہ“ (موطا امام محمد ص ۱۸۷)

شروع شروع میں غسل جمعہ کی بہت تاکید تھی انہی احادیث کے پیش نظر بعض اہل علم اب بھی غسل جمعہ کو واجب قرار دیتے ہیں مگر بعد میں وہ تاکید نہ رہی چنانچہ جمہور اہل اسلام بعض صحیح احادیث کی بنا پر صرف سنت واستحباب کے قائل ہیں، ان کے نزدیک اب صرف غسل جنابت ہی فرض ہے دوسرا کوئی غسل فرض نہیں اسی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی مرفوع روایت میں اور امام محمد رضی اللہ عنہ اپنے بلاغ میں فرماتے ہیں ”نسخ الغسل من الجنابة کل غسل“ مگر دعویٰ نسخ کے باوجود موطا ہی میں فرماتے ہیں۔

”الغسل افضل یوم الجمعة ولیس بواجب“ (موطا ص ۷۳)

اور غسل عیدین کے بارے میں فرماتے ہیں۔

”الغسل يوم العيد حسن وليس بواجب وهو قول ابی حنیفہ“ (موطا ص ۱۸۵)

”عن ابن عباس ان قبل فرض الزكاة كانت صدقة الفاضل من المال فرضا حتى نسخ“

اسی طرح ایک وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بات چیت کرنے سے پہلے صدقہ کرنا فرض تھا اور یہ قرآن میں مذکور ہے مگر پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور اب جمہور اہل اسلام کے نزدیک صدقات مالیہ میں سے صرف زکوٰۃ فرض ہے اور جو اہل علم صدقہ فطر کے وجوب کے قائل ہیں وہ بھی اس لئے کہ اس کا تعلق مال کی بجائے روزہ کے ساتھ زیادہ ہے بایں طور کہ اس سے روزہ کی تطہیر ہوتی ہے، مگر اس کے باوجود امام محمد رحمہ اللہ سمیت جمہور اہل اسلام زکوٰۃ کے علاوہ دیگر صدقات مالیہ کے استحباب کے قائل ہیں۔

غرضیکہ جس طرح صوم عاشوراء کے نسخ کے باوجود استحباب باقی ہے، اور غسل جنابت کے علاوہ غسل جمعہ و عیدین بھی مستحب ہیں اور دعویٰ نسخ کے باوجود امام محمد رحمہ اللہ کے کلام میں اس کی تصریح موجود ہے اور زکوٰۃ کے علاوہ دیگر صدقات مالیہ بھی باعث اجر و ثواب ہیں اور کوئی بھی اس کا منکر نہیں اسی طرح عقیقہ بھی منسوخ ہونے کے باوجود مستحب ہے اور جو لوگ مباح کہتے ہیں نتیجہ وہ بھی استحباب ہی کے قائل ہیں، چنانچہ حضرت علی رحمہ اللہ کی مرفوع روایت اور امام محمد رحمہ اللہ کے بلاغ میں ”نسخ الاضحیٰ کل ذبح“ میں اس کو بیان کیا گیا ہے۔

عقیقہ میں مختلف پہلوؤں سے نسخ

زمانہ جاہلیت میں کئی قسم کے ذبائح مروج تھے اس طرح اسلام میں بھی شروع میں رہا جیسا کہ حضرت ابو زین رحمہ اللہ کی اس حدیث سے اس کی نشاندہی ہوتی

”عن ابی رزین قال یا رسول اللہ انا کنا نذبح فی الجاہلیۃ ذبائح فی رجب اھ“

ان میں سے ایک کا نام فرع اور ایک نام عتیرہ تھا، صحابہ کے اجازت طلب کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے ان کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ چنانچہ شارح مسلم علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

”وقد صحح الامر بالعتیرۃ والفرع فجاءت بہ احادیث اھ“ (نووی شرح مسلم جلد ۲ ص ۱۵۹)

آگے کئی ایک صحیح احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ مگر اس کے باوجود بخاری اور مسلم کی متفق علیہ روایت میں اس کی ممانعت بھی آئی ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا فرع ولا عتیرۃ“
اور یہ ممانعت قربانی ہی کی وجہ سے ہے جیسا کہ ایک حدیث سے اس کی طرف اشارہ ہوتا ہے مگر اس کے باوجود علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”والصحيح عندنا اصحابنا وهو نص الشافعي استحباب الفرع والعتيرة“

اور ممانعت والی حدیث کی تاویل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”قوله صلى الله عليه وسلم لا فرع ولا عتيرة اي لا فرع واجب ولا عتيرة واجبة“ (نووی شرح مسلم جلد ۲ ص ۱۶۰)

جس طرح قربانی نے ان ذبائح کی فرضیت و وجوب کی نفی کی ہے استحباب کی نفی نہیں کی اس طرح ”کل ذبح“ کے عموم میں عقیقہ کو داخل کرتے ہوئے امام محمد رحمہ اللہ نے عقیقہ کے وجوب اور ناکد کی نفی سمجھی ہے تو یہ بعید از قیاس نہیں خصوصاً جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ خاتون جنت کو جبکہ انہوں نے حضرت حسن رحمہ اللہ کا عقیقہ کرنا چاہا تو ”لا نعقی“ کہہ کر منع فرمادیا اور بیان استحباب کیلئے دوسرے موقع پر اپنی گرہ سے عقیقہ فرمایا۔

پھر یہ سنت کیوں نہیں

ائمہ احناف کی عبارات سے عقیقہ کا مستحب ہونا تو معلوم ہو گیا، لیکن جب احادیث سے ثابت ہے تو بقول جناب عبد اللطیف طاہر ”پھر یہ سنت کیوں نہیں“ اگرچہ یہ سوال ان کے غیر مقلدانہ مزاج و مسلک کے خلاف ہے (کیونکہ احادیث سے ثابت ہونے کے بعد تو ان کے نزدیک فرض ہونا چاہئے خصوصاً جبکہ ان سے پہلے غیر مقلدانہ طرز فکر کے حامل امام داؤد ظاہری اور ان کے علاوہ حضرت حسن بصری رحمہما اللہ فرضیت و وجوب ہی کے قائل ہیں۔ اور پھر سنت، مستحب، مباح وغیرہ تفریقات تو فقہاء کے نزدیک ہیں، جیسا کہ پروفیسر عبد اللہ کلیم (غیر مقلد) فرماتے ہیں ”واجب، مستحب اور مباح مکروہ قرآن و حدیث کے علاوہ فقہاء کی خود ساختہ اصطلاحات ہیں“ تاہم کسی حد تک معقول ہونے کی وجہ سے اس کا جواب عرض کرتا ہوں، اصل بات یہ ہے کہ عقیقہ کے بارے میں مختلف احادیث ہیں بعض سے فرضیت و وجوب مفہوم ہوتا ہے جیسے ”مع الغلام عقیقۃ“ اور ”الغلام مرتہن بعقیقۃ“ حضرت حسن بصری اور امام داؤد ظاہری رحمہما اللہ انہی احادیث کی بنا پر عقیقہ کی فرضیت و وجوب کے قائل ہوئے ہیں چنانچہ علامہ شوکلنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”قوله (عليه الصلوة والسلام) فابريقوا عنه دما تمسك بهذا وبفيته

الاحادیث القائلون بانها واجبة وبهم الظاهرية والحسن البصري“ اور بعض سے سنت مفہوم ہوتی ہے جیسے ”فلما جاء الله بالاسلام كذا نذبح شاة“ اور ”عن الحسن والحسين كبشا كبشا“ اور انہی احادیث سے لڑکے اور لڑکی کے درمیان امتیاز کئے بغیر ایک ایک جانور کا ذبح کرنا مفہوم ہوتا ہے چنانچہ سنت کے قائل حضرات میں سے امام مالک رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں، علامہ شوکلنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”وقال مالک انها شاة عن الذکر والانثی قال فی البحر وهو المذهب

واستدل على ذلك بحديث بريدة الاتى بلفظ كنا نذبح شاة وبحديث ابن عباس ان النبى صلى الله عليه وسلم عن الحسن والحسين عليهما السلام كبشا كبشا“

اور بعض احادیث سے لڑکے اور لڑکی کے درمیان امتیاز کے مد نظر لڑکے کیلئے دو جانور اور لڑکی کیلئے ایک جانور کا ذبح کرنا مفہوم ہوتا ہے، جمہور اہل علم جو اسی تفصیل کے ساتھ عقیقہ کی سنت کے قائل ہیں وہ حضرت عائشہ صدیقہ اور ام کرز رضی اللہ عنہما کی احادیث خصوصا حضرت عمرو بن شعیب رحمہ اللہ کی روایت ”من احب ان ينسك الخ“ سے استدلال کرتے ہیں، چنانچہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”احتج الجمهور بقوله صلى الله عليه وآله وسلم من احب ان ينسك عن ولده فليفعل وذلك نقضى عدم الوجوب لتفويضه الى الاختيار فيكون قرينة صارفة للاوامر ونحوها من الوجوب الى الندب“

اور شوکانی ہی کے حوالہ سے یہ بات گذر چکی ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عقیقہ تطوع اور مستحب ہے لہذا وجوب اور سنت کی نفی سے تطوع اور استحباب کی نفی لازم نہیں آتی۔ غرضیکہ جو لوگ فرضیت و وجوب کے قائل ہیں ان کے سامنے بھی حدیث ہے اور جو سنت کے قائل ہیں ان کے سامنے بھی حدیث ہے اور بعینہ اسی حدیث کے پیش نظر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ استحباب کے قائل ہوئے ہیں، جیسا کہ ابھی مذکور ہوا اگر سنت کے قائل فرضیت کی حدیث کے منکر یا اس سے ناواقف ہیں تو استحباب کے قائل سنت کی حدیث کے منکر یا اس سے ناواقف کیوں قرار پائے ”انها لقسمه ضيزى“ متقدمین و متاخرین کی یہی وہ ناانصافی ہے جس نے ظاہر بینوں کو اہل حدیث اور دقیقہ رس ائمہ احناف کو اہل الراى کی صف میں لاکھڑا کیا۔ حالانکہ نتیجہ کے اعتبار سے ائمہ احناف کی رائے ہی حدیث کی روح کے زیادہ قریب ہوا کرتی ہے، زیر بحث مسئلہ ہی کو لیجئے جب آنحضرت ﷺ نے ”من احب ان ينسك“ کہہ کہ عقیقہ کو مکلف کی مرضی پر

ہی چھوڑ دیا کہ چاہے کرے، چاہے نہ کرے، تو نہ کرنے والے پر کسی قسم کی ملامت نہ ہوگی، ایسی صورت میں عقیقہ مستحب ہی ٹھہرے گا نہ کہ واجب یا سنت۔
غیر مقلد حضرات متنبہ ہوں

زمانہ حال کے بزعم خود اہلحدیث (غیر مقلد) حضرات کے اسلاف میں بھی اگر کسی کو اہل حدیث کہلوانے کا حق ہے تو پھر یہ حضرات متنبہ ہوں کہ اسلام غیر مقلدین تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی موافقت میں عقیقہ کو مستحب ہی قرار دیتے ہیں چنانچہ علامہ وحید الزمان مرحوم فرماتے ہیں۔

”ہی مستحبة قبل سنة موکدة قبل واجبة“ (نزل ابرار جلد ۳ ص ۹۷)
دیکھئے علامہ صاحب نے ”قیل“ کے تکرار کے ساتھ عقیقہ کے بارے میں مختلف اقوال کی نشاندہی کرتے ہوئے اپنا عندیہ ”ہی مستحبة“ کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور تیسیر الباری شرح بخاری میں مسلک اہلحدیث کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”شوکانی نے اہل حدیث کا مذہب یہ قرار دیا ہے کہ عقیقہ مستحب ہے“
(تیسیر الباری جلد ۵ ص ۳۲۳)

پروفیسر عبد اللہ کلیم، عبد اللطیف طاہر اور ان کے ہمנו غیر مقلد حضرات کو مسلک اہلحدیث پر اجارہ داری کا ہرگز حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ علامہ وحید الزمان کے بیان کو ان کی ذاتی رائے یا مسلک اہلحدیث کی غلط ترجمانی قرار دینے لگیں، بات صاف ہے، یا یہ حضرات جو آج عقیقہ کو فرض واجب یا سنت موکدہ قرار دیتے ہیں اہلحدیث نہیں یا اہلحدیث نام کا کوئی گروہ ایسا نہیں گذرا جو عقیقہ کو مستحب سے زیادہ واجب یا سنت موکدہ قرار دیتا ہو۔

عقیقہ کے باب میں ایک اور اختلافی مسئلہ

عقیقہ کے باب میں ایک یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ بکری، بکرے اور مینڈھے کے علاوہ قربانی کے دوسرے جانور بھی عقیقہ میں ذبح کئے جاسکتے ہیں یا

نہیں۔

”ابو شیحی“ کا خیال ہے کہ نہیں علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ بیان کر کے رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”ولعل وجه ذلک ذکرھا فی الاحادیث دون غیرھا ولا یخفی ان مجرد ذکرھا لا ینفی اجزاء غیرھا والجمهور علی اجزاء البقر والغنم“ (نیل الاوطار جلد ۵ ص ۲۳۱)

یعنی ”ابو شیحی“ کا بکری، بکرے اور مینڈھے کے علاوہ دوسرے جانوروں کے ساتھ عقیقہ کو جائز نہ سمجھنا احادیث میں مذکور نہ ہونے کی وجہ سے ہے، اور ظاہر ہے کہ عدم ذکر عدم اجزاء کو لازم نہیں اور اس کے برعکس جمہور اہل علم اجزاء کے قائل ہیں اور شوکانی بھی جمہور کے ہمنا ہیں، اسی لئے استدلال میں ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”وبدل علیہ ما عند الطبرانی وابی الشیخ من حدیث انس مرفوعا بلفظ یعق عنه من الابل والبقر والغنم“

لیکن مولانا عبد الرحمن مبارکپوری مرحوم نے ”تحفۃ الاحوذی“ شرح ترمذی میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

غیر مقلدین کا موقف اس مسئلہ میں

چونکہ حدیث ضعیف ہے اور غیر مقلدین بزعم خود حدیث صحیح کے علاوہ کسی کی بات نہیں مانتے چاہے جمہور اہل علم ہی کیوں نہ ہوں، اس لئے بتقاضائے انصاف ان حضرات کا موقف یہ ہونا چاہئے تھا کہ بکرے، بکری اور مینڈھے کے علاوہ کسی دوسرے جانور کے ساتھ عقیقہ جائز نہیں مگر ناظرین حیران ہوں گے کہ ان کے نزدیک نامعلوم شوکانی کی تقلید میں یا خواہش نفس کی پیروی میں دوسرے جانوروں کے ساتھ بھی عقیقہ جائز ہے۔

پرندے اور مرغی کے ساتھ عقیقہ

بلکہ ان کے نزدیک اس سے آگے گذر کر پرندے اور مرغی کے ساتھ بھی عقیقہ جائز ہے چنانچہ نامور غیر مقلد عالم علامہ وحید الزمان مرحوم فرماتے ہیں ”اکثر علماء کے نزدیک عقیقہ مستحب ہے اگرچہ پرندے یا مرغی پر ہو اور اونٹ‘ گائے‘ بکری بھی درست ہے“

یہ ہے مسلک الہمدیث جس کے گھمنڈ پر ساری دنیا کے ساتھ دست و گریبان ہیں۔

ایک اور اختلافی مسئلہ

کیا ایک اونٹ اور گائے میں سات عقیقہ ہو سکتے ہیں یا نہیں‘ حضرات غیر مقلدین کے نزدیک نہیں ہو سکتے‘ لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں اور علامہ شوکانی رحمہ اللہ نیل الاوطار میں‘ علامہ رافعی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہو سکتے ہیں ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

”وذكر الرافعی انه يجوز اشتراك سبعة فی الابل والبقر كما فی الاضحیة“

اور ان دونوں حضرات نے رافعیؒ کے ساتھ اس میں اختلاف نہیں کیا معلوم ہوا کہ یہ بھی ان کے ہمنوا ہیں اور احناف کے نزدیک بھی اسی طرح ہے۔

الغرض

احناف کے نزدیک عقیقہ مستحب ہے‘ لڑکے کیلئے دو بکرے اور لڑکی کیلئے ایک قربانی کے دوسرے جانوروں کے ساتھ بھی عقیقہ ہو جاتا ہے اور بڑے جانور میں سات عقیقے ہو سکتے ہیں‘ اور قربانی کے جانور میں بھی عقیقے کا حصہ رکھا جا سکتا ہے۔

اعتراض ۱۳۹

ہدایہ مترجم فارسی چھاپہ نو کشور کی جلد چہارم کے صفحہ ۱۳۱ میں اور شرح

وقایہ عربی چھاپہ نو کشور کے صفحہ ۲۴۶ میں لکھا ہے۔ کہ قوت حاصل کرنے کیلئے مذہب خفیہ کے نزدیک اسقدر شراب پی لینی جائز ہے کہ نشہ نہ کرے۔ (اخبار اہل

حدیث ۶ اپریل ۱۹۰۶ء)

Www.Ahlehaq.Com

الجواب

حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ لعنة الله على الكاذبين خفیوں کی تو کسی کتاب میں بھی نہیں لکھا ہے کہ اختیار سے شراب کا پینا جائز ہے۔ وہاں اصل عبارت تو یہ ہے وعصیر العنب اذا طبخ حتى ذهب تلثاه وبقی ثلثه حلال وان اشید یعنی شیرہ انگور کا جب پکایا جاوے یہاں تک کہ اس کی دو تہائی جل جاوے اور ایک تہائی رہ جاوے تو حلال ہے۔ اور اگر وہ سخت ہو جاوے اس میں شراب کا پینا کہاں سے ثابت ہوا۔ انگور کے شیرہ کا ذکر ہے۔ سو یہ مطابق ان احادیث کے ہے جو عینی نے شرح کنز کی کتاب الاشریہ میں لکھا ہے۔ دیکھو صفحہ ۳۵۴ مطبوعہ ناصری اور امام محمد نے موطا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے تحت میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ اور شیخ عبدالحق نے شرح مشکوٰۃ جلد سوم کے صفحہ ۱۵۶ میں ہدایہ سے اس کو لکھا ہے۔ ہاں اتنا تو قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حالت بھوک اور اضطراب میں محرمات کا استعمال علی قدر ضرورت روا ہے اور نیز صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے استسقاء والوں کو حالت اضطراب میں اونٹوں کے بول پینے کا امر فرمایا ہے پس ایسا ہی خفی کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ شراب قطعی حرام ہے۔ اور بھاری پلیدی ہے مثل بول کے اس کے حلال جاننے والا کافر ہے۔ اور حالت اختیار میں اسے سے نفع اٹھانا حرام ہے۔ مگر جب کوئی پیاسا مرتا ہے یا گلے میں لقمہ اٹک گیا ہے اور بدوں شراب کے کوئی پتلی شے پاس نہیں ہے جس سے جان بچے تو اب جان کے بچاؤ کے واسطے قدر ضرورت تک شراب کا پینا جائز ہے۔ کذا فی الدر المختار ورد المختار وغیرہ۔ اور سب دینی کتابوں میں لکھا ہے کہ مضطر کی حالت اضطراب میں جس قسم کی حرام چیز موجود ہو۔ اس کا کھاپی لینا روا ہے۔ کذا فی التفسیر

العزیزی وغیرہ پس جو شخص خفیوں کے اس مسئلہ پر اعتراض کرتا ہے۔ وہ قرآن اور حدیث پر اعتراض کرتا ہے اور ان کو برا جانتا ہے۔

اعتراض ۱۳۰

ہدایہ چھاپہ مصطفائی کی جلد دوم کے صفحہ ۳۸۳ میں اور ہدایہ مترجم فارسی چھاپہ نو کشور کی جلد چہارم کے صفحہ ۱۲۳ میں اور سوائے اس کے اور کتب فقہ حنفیہ میں لکھا ہے کہ شراب کا سرکہ بنانا اور اس کا کھانا پینا جائز ہے۔ (اخبار اہل حدیث ۶ اپریل ۱۹۶۶ء)

الجواب

آنحضرت ﷺ سے صحیح مسلم کی حدیث میں سرکہ کی تعریف آئی ہے۔ کہ نعم الا دام الخل رواہ مسلم۔ یعنی سرکہ عمدہ سالن ہے۔ اور یہ حنفیہ کا ہی مذہب نہیں ہے بلکہ امام اوزاعی اور لیث کا بھی یہی مذہب ہے۔ پس شراب بھی جب سرکہ بن جاوے یا بنائی جاوے تو اس کے استعمال میں کوئی قباحت ہے۔ بلکہ وہ سرکہ بھی عمدہ سالن ہے۔ اور نیزیوں بھی حدیث میں وارد ہے کہ شراب کا سرکہ اچھا ہوتا ہے۔ کہ خیر فلکم خل خمر کم شرح مشکوٰۃ جلد ثالث صفحہ ۱۷۵ مطبوعہ مصطفائی دہلی اور بھی آیا ہے کہ مردار کی کھال کو دباغت پاک کر دیتی ہے۔ جس طرح شراب کا سرکہ حلال ہو جاتا ہے۔ کذا فی العینی۔ جو شخص ان حدیثوں کے مضمون کو برا سمجھتا ہے وہ اپنا نامہ اعمال سیاہ کرتا ہے۔ اور حدیث صحیح کا منکر ہے اور یہ نہیں سوچتا کہ غیر مقلدین کی فقہ الحدیث مقبولہ اور معمولہ کتاب کے رو سے شراب تو پاک اور طہیات سے ہے پھر وہ کیوں خفیوں پر اعتراض کرتے ہیں اور ان کے مجتہد العصر نواب سید محمد صدیق حسن خاں صاحب بہادر روضہ ندیہ کے صفحہ ۱۱ و صفحہ ۱۲ میں شراب کی پاکی کو بڑے مبالغے سے ثابت کر چکے ہیں اور ان کے امام الحدیث شیخ الاسلام سید نذیر حسین صاحب کے شاگرد مولوی عبد الغفور محمدی استفتاء مرقومہ بلا میں سور کی چربی اور منی کے پاک ہونے سے کھانے اور

چائے کی اجازت دے رہے ہیں بحکم آیت کُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ پس ان کے نزدیک تو خود شراب ماکولات اور مشروبات سے ہو گئی۔ پس ان کی فقہ الحدیث میں جو لکھا ہے اور حرام ہے سرکہ بنانا شراب کا سراسر خلاف ان کے اصول کے ہے کیونکہ روضہ ندیہ میں جواز وعدم جواز دونوں پر حدیثیں نقل کی ہیں۔ اور ان کے نزدیک اختلاف سے اصلی حکم میں کچھ خلل نہیں پڑتا ہے۔ جیسا کہ روضہ ندیہ کے صفحہ ۱۰ میں ثابت ہے اور اصل میں ہر شے حلال ہے جب تک اس کی اتفاقی حرمت قرآن اور حدیث سے ثابت نہ ہو چنانچہ روضہ ندیہ کے صفحہ ۲۰۹ میں ہے۔ تو ثابت ہوا کہ عدم جواز اس کا ابتداء اسلام میں تھا۔ چنانچہ ابتداء میں استعمال ظروف شراب سے ممانعت تھی۔ پھر جب مسلمان شراب سے بکلی ممتنع ہو گئے تو ممانعت رفع ہو گئی فافہم وانصف پس شراب کو سرکہ بنانے اور کھانے کو حرام کہنا حلال کو حرام کہنا ہے جیسا کہ در بیہ اور روضہ ندیہ نے کئی حرام اور نجس چیزوں کو حلال اور پاک کر دیا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اعتراض ۱۴۱

جس نے نماز پڑھی اور اس کی آستین میں سور کے بال درہم سے بہت زیادہ ہوں تو نماز ہو جائے گی۔ مختار الفتاویٰ (ماخوذ معین الفقہ ص ۲۸)

الجواب

یہ مسئلہ بھی اسی غیر صحیح روایت پر متفرع ہے علامہ شامی ج ۴ ص ۱۲۵ میں اس روایت کے آگے لکھتے ہیں

يَنْبَغِي أَنْ يَخْرُجَ عَلَى الْقَوْلِ بِطَهَارَتِهِ فِي حَقِّهِمْ أَمَّا عَلَى قَوْلِ أَبِي يَوْسُفَ فَلَا وَهُوَ الْاَوْجَهُ

علامہ شامی، ابن ہمام، ابن نجیم اس روایت کو غیر صحیح روایت پر متفرع فرما کر لکھتے ہیں کہ مطابق قول ابو یوسف "اس شخص کی نماز ناجائز ہوگی۔ جو بال خنزیر کا اٹھا کر نماز پڑھے اور یہی اوجہ (مفتی بہ) ہے اور ایسا ہی مولانا وصی احمد سورتی

منیہ کے حاشیہ پر محیط رضی الدین سے نقل کرتے ہیں کہ ظاہر الروایت میں سور کا بال اٹھانے والے کی نماز ناجائز ہوگی۔ اب ہم غیر مقلدین سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے مذہب میں کیا حکم ہے۔ تمہارے نزدیک اس شخص کی نماز ہوگی یا نہیں۔ قرآن و سنت سے جواب دیں؟

اعتراض ۱۴۲

اگر گیہوں شراب میں گرے تو اس کا کھانا خفیوں کے نزدیک جائز ہے (عالمگیری ص ۳۲۔ ماخوذ معین الفقہ ص ۳۶)

الجواب

عالمگیری میں تو صاف تصریح ہے کہ لا توکل قبل الغسل مگر پھولنے سے پہلے پہلے نکال لے اور دھو کر استعمال کر لینی جائز ہے۔ اگر پھول جائے تو امام محمد کے نزدیک پاک ہی نہیں ہوتی۔ درمختار ص ۳۹ میں اس پر فتویٰ لکھا ہے۔ صاحب در مختار فرماتے ہیں حنطة طبخت فی خمر لا تطهر ابدا وہ یفتی عالمگیری ص ۳۲ کی اگر پوری عبارت دیکھو تو تم کو وہاں پر یہ بھی ملے گا۔ قال ابوحنیفہ لا يطهر ابدا وعليه الفتوى۔

اعتراض ۱۴۳

ایک شرابی نے اپنے شراب پینے کا اقرار کیا، لیکن اس وقت اس کے منہ سے شراب کی بدبو چلی گئی ہے تو باوجود اس کے اقرار کے اسے حد نہیں لگے گی۔ (ماخوذ معین الفقہ ص ۲۳)

الجواب

ہدایہ میں اس عبارت کے آگے امام محمد کا قول لکھا ہے وقال محمد یحد شیخ ابن الہمام نے فتح القدیر میں اس کو صحیح لکھا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں فقول

محمد لمحووا الصحيح ج ۲ ص ۶۱۸ اور غائۃ البیان میں بھی امام محمد کے قول کو ہی ترجیح دی گئی ہے۔ بحر الرائق میں بھی امام محمد کے قول کو ارجح من جهة المعنی کہا گیا ہے۔ جب فقہائے احناف نے امام محمد کے قول کو ہی صحیح فرمایا ہے تو پھر فقہ حنفی پر اعتراض کیسا۔ امام محمد و دیگر تلافذہ امام اعظمؒ کے جملہ اقوال اصل میں امام اعظمؒ کے ہی اقوال ہوتے ہیں۔ دیکھئے میزان الکبریٰ شعرانی و شامی)

اعتراض ۱۲۴

شرابی نے شراب پی جب اس کے منہ کی بدبو چلی گئی تو اگرچہ گواہ گواہی دیں تاہم حد نہیں لگائی جائے گی۔ (ماخوذ معین الفقہ ص ۲۳)

الجواب

اس مسئلہ میں بھی امام محمد کا قول ہدایہ میں مرقوم ہے کہ حد لگائی جائے گی۔ حاصل یہ ہے کہ تقادم قبول شہادت کا مانع ہے۔ یعنی گواہوں کا پہلے خاموش رہنا پھر دیر کے بعد شہادت دینا اثبات کی تمہت پیدا کر دیتا ہے کہ شاید ان کو کسی عداوت نے ادائے شہادت پر اکسایا ہے۔ اور متم کی شہادت معتبر نہیں اور اس دیر کی حد امام محمد کے نزدیک ایک مہینہ ہے۔ امام اعظمؒ و امام ابو یوسف کے نزدیک بو کے زائل ہونے تک ہے یعنی بو کے زائل ہونے تک بلا عذر گواہوں کا ادائے شہادت سے خاموش رہنا تمہت پیدا کر دیتا ہے۔ اس لئے ان کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ نہ حد لگے گی۔ ہدایہ میں اس مسئلہ کی دلیل میں قول ابن مسعودؓ نقل کیا گیا ہے آپ نے فرمایا

وجدتم رائحة الخمر فاجلدوه

اگر تم شراب کی بو پاؤ تو حد لگاؤ۔

ہم نے فقہ حنفی کے دونوں قول واضح کر دیئے دونوں صحیح ہیں مگر فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔

اعتراض ۱۲۵

جو نشہ لانے والی مباح چیزیں ہیں ان کے استعمال سے اگر نشہ آوے تو حد نہیں جیسے بھنگ کا پینا۔ (ماخوذ معین الفقہ ص ۲۴)

الجواب

اس مسئلہ کے برخلاف کوئی آیت یا حدیث صحیح صریح مرفوع ہے تو پیش کرو۔ جس پر بھنگ پینے پر حد لگانے کا حکم ہو ورنہ اعتراض بے کار ہے۔

اعتراض ۱۳۶

غایتہ الاوطار ترجمہ درمختار ص ۱۵۰ ج ۱ میں ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک حلال جانوروں کے پیشاب سے دوسری نجاست کو دھو کر پاک کر سکتے ہیں (ماخوذ معین الفقہ ص ۳۱)

الجواب

یہ غیر مقلدین کے بددیانتی کا نمونہ ہے۔ (درمختار میں تو صاف لکھا ہے

وما قبل ان اللبن وبول مایوکل مزیل فخلاف المختار پس دیکھو اس میں لکھا ہے کہ یہ قول مختار (یعنی مفتی بہ قول) کے خلاف ہے رہا یہ کہ غایتہ الاوطار میں لکھا ہے کہ دوسری نجاست کو دھو کر پاک کر سکتے ہیں یہ بھی بالکل غلط ہے غایتہ الاوطار میں یہ لفظ ہرگز نہیں ہیں علامہ شامی جلد اول ص ۲۲۵ میں فرماتے ہیں

(قوله مزیل) لم یقل مطهر لما علمت من ان بول الماکول لا یطهر اتفاقا وانما الخلاف ازالة للنجاسة الکائنة اور اسی صفحہ میں چند سطور سے پہلے فرماتے ہیں۔

فبول مایوکل لا یطهر محل النجاسة اتفاقا بل ولا یزیل حکم الغلیظة فی المختار۔

یعنی ضعیف قول میں صرف نجاست غلیظہ کے حکم کو زائل کرتا ہے پاک

نہیں کرتا۔

امام ابو یوسف چونکہ بول حلال جانوروں کا نجس مانتے ہیں پھر مطہر کیسے ہو سکتا ہے۔

اعتراض ۱۳۷

ایک قول میں ہے جنت میں بھی وطی فی الدبر ہوا کریگی۔ (ماخوذ معین الفقہ ص ۳۳)

الجواب

جس قول کو خود فقہاء نے بسیغہ تمریض بیان کیا ہے پھر اس کی تردید بھی کردی ہو اس کو الزما پیش کرنا کوئی دیانت داری نہیں ہے۔

سنئے در مختار میں لکھا ہے۔ ولا تكون اللواطۃ فی الجنة علی الصحيح

حموی شرح ائتبہ ص ۴۵۹ میں لکھا ہے۔ وقد صح فی الفتح عدم وجود ما فی الجنة

یعنی فتح القدر میں اسی کو صحیح لکھا ہے کہ اس کا وجود جنت میں نہیں ہوگا۔ پھر آگے حموی میں ہے

وقد ذکر فی الفتوحات المکیة فی صفة اهل الجنة انهم لا ادبارهم لان الدبر انما خلق فی الدنيا لخروج الغائط النجس فلیست الجنة محلا للقاذورات؛ قلت فعلى هذا لا وجود لها فی الجنة علی کل حال والحمد لله الکبیر المتعال۔

اعتراض ۱۳۸

حنفیوں کے نزدیک وہ روٹی جس کی خیر میں شراب کی میل ڈالی جاتی ہے پاک ہے۔ اور اس کا کھانا حلال ہے۔ اس لئے کہ خمر کے نجس ہونے پر کوئی دلیل

الجواب

یہ صریح کذب ہے دیکھو ہدایہ ج ۴ ص ۴۹۰ میں تو صاف لکھا ہے

وبکرہ اکل خبز عجن عجینہ بالخمیر لقیام اجزاء الخمر فیہ

یعنی وہ روٹی جس کا خمیر شراب کے ساتھ گوندھا گیا ہے اس کا کھانا منع

ہے۔ اس لئے کہ اس میں شراب کے اجزاء موجود ہیں علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے

ہدایہ کے حاشیہ میں لکھا ہے فہذا الخبز نجس کما لو عجن بالبول۔

اعتراض ۱۲۹

بوئے غسلیں صفحہ ۴ حنفیہ کے نزدیک سور کے بال سے سینے کے واسطے نفع اٹھانا

درست ہے۔

اعتراض۔ بال خنزیر کے پاک ہیں ان سے نفع اٹھانا درست ہے۔

(ہدایہ ص ۳۹ جلد ۲ مطبوعہ مہمضائی اخبار اہل حدیث مورخہ ۶ اپریل ۱۹۰۶)

اعتراض۔ جس نے نماز پڑھی اس کی آستین میں سور کے بال درہم سے بہت

زیادہ ہوں تو نماز ہو جائے گی۔ (مختار الفتاویٰ)۔

تینوں اعتراضوں کا اکٹھا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

الجواب

شوکلانی اور نواب صدیق حسن خاں اور صاحب عرف الجبادی اور مولوی وحید

الزمان غیر مقلد کے نزدیک سور نلپاک نہیں ہے شوکلانی صرف گوشت خنزیر کو نلپاک

کہتے ہیں باقی تمام اجزاء اس کے پاک ہیں۔ لہذا ان کے قاعدے کے موافق اس کے

بالوں وغیرہ سے نفع اٹھانا جائز ہے۔

پس سامرودی صاحب کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اس مسئلے کو ذکر کریں۔

پہلے بغیر وکالت نامہ کے ان کی طرف سے طہارت کی کوئی دلیل بیان کریں۔ اس

کے بعد دوسروں کے گھر کو نکلیں۔ آپ کی مثال ایسی ہے کہ بازار میں تیر لگا ہے مگر گھر نہ کہتا۔ سنئے۔

والشعر ونحوہ لواخذ فی حال الحیاة لکان طاهراً بالاتفاق فلما لم ینجس۔ بجزہ فی حال الحیاة دل علی انه لا روح فیہ وانہ لا یجنس بموت حیوانہ وهو متصل به لقوله صلعم ما ابین من حی فہو میتہ رواہ اہل السنن ۱ھ (ہدیۃ المہدی صفحہ ۹۲)

مولوی وحید الزماں غیر مقلد کہتے ہیں کہ بال وغیرہ جانور کی زندگی میں کاٹے گئے ہیں تو وہ بالاتفاق پاک ہیں۔ پس جب زندگی کی حالت میں کاٹنے سے نپاک نہیں ہوئے تو معلوم ہوا کہ ان میں روح نہیں ہے۔ لہذا مرنے کے بعد بھی اس کے بال نپاک نہیں ہو سکتے کیونکہ ان میں روح نہیں ہے۔

ناظرین حنفیہ کے صحیح مذہب میں سور کے بالوں کا استعمال جائز نہیں جہاں اور اجزا خنزیر کے نپاک ہیں اسی طرح اس کے بال بھی نپاک ہیں۔

وشعر المیتة غیر الخنزیر علی المذہب (درمختار) ای علی قول ابی یوسف الذی ہو ظاہر الروایة ان شعرہ نجس وصحہ فی البدائع ورجحہ فی الاختیار فلو صلی ومعه منه اکثر من قدر الدرہم لا تجوز ولو وقع فی ماء قليل نجسہ ۱ھ (رد المحتار جلد اول صفحہ ۱۳۳)

اگر ان کو لیکر کوئی شخص نماز پڑھے اس کی نماز جائز نہیں۔ اگر پانی میں گر پڑے تو پانی نپاک ہو جاتا ہے۔ واما الخنزیر فشعرہ وعظمتہ وجميع اجزاه نجسہ ۱ھ (بحر الرائق صفحہ ۱۰۷ جلد اول)

ایک شبہ کا ازالہ

ایک روایت میں امام محمد سے منقول ہے کہ اس کے بال پاک ہیں اس بنا پر کہ موچیوں کو اس کے بالوں کی ضرورت ہوتی تھی اور وہ موزے اور جوتے بغیر اس کے بالوں کے نہ سستے تھے تو ضرورت کی وجہ سے امام محمد نے اجازت دی تھی

جس کو صاحب ہدایہ نے بیان کیا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اس کا جواب بھی ہدایہ والوں نے دیدیا تھا۔ مگر سامرودی صاحب نے جواب نقل نہ کیا اور الزام پیش کر دیا جو ان کی دیانت کا ثبوت دیتا ہے۔ آج کل ضرورت بھی نہیں رہی لہذا ان کی پاکی بھی جاتی رہی۔

ورخص فی شعره للخرازين للضرورة لان غيره لا يقوم مقامه عندهم اه (بحر صفحہ ۱۰۷ جلد اول) ضرورت کی وجہ سے مویوں کو اجازت دی گئی تھی کیونکہ ان کے خیال میں دوسرے پل اس کے جگہ کام نہ دیتے تھے۔ و ذکر فی الدرر انہ عند محمد طاهر لضرورة استعمالہ ای للخرازين قال العلامة المقدسی وفي زماننا استغنوا عنه ای فلا يجوز استعماله لزوال الضرورة الباعثة للحكم بالطهارة نوح افندی اه (رد المحتار صفحہ ۱۳۳)

جس ضرورت کی وجہ سے ان کی طہارت کی اجازت دی گئی تھی۔ اس زمانہ میں وہ ضرورت جاتی رہی لہذا ان کی طہارت کا حکم بھی جاتا رہا۔ پس اب کسی طرح بھی ان کا استعمال جائز نہیں۔

یہ ہے خفیوں کا مذہب جس کو بری صورت میں دھوکہ دینے کے لیے سامرودی صاحب نے پیش کیا خفیہ کے نزدیک اس کی خرید فروخت بھی بالکل ناجائز ہے۔ ولا يجوز بيعه فی الروایات کلھا (بحر الرائق صفحہ ۱۰۷) ولا يجوز بيع شعر الخنزیر لانه نجس العین فلا يجوز بيعه اهانة له اه (ہدایہ صفحہ ۵۸ جلد آخر)

اعتراض ۱۵۰

ذکر پر کپڑا لپیٹ کر قبل یا دبر میں داخل کیا اگر لذت و حرارت نہ پائے تو غسل فرض نہیں۔

در مختار جلد ۱ ص ۸۲ عالمگیری جلد ۱ ص ۱۹ ہدایہ جلد ۱ ص ۷۴، بہشتی گوہر ص ۲۰

در مختار کی پورت عبارت اس طرح ہے۔

(اولج حشفة) او قدرها (ملفوفة بخرقة ان وجد لذة الجماع
(وجب) الغسل (والا لا) على الاصح والا جوط الوجوب (در مختار
ص ۱۱۱ جلد اعرابی)

یعنی حشفہ اور اس کی مقدار کپڑا لپیٹ کر داخل کیا اگر جماع کی لذت پائی تو
غسل فرض ہو گیا۔ (کیونکہ حدیث پاک میں ہے اذا التقى الختانان وغابت
الحشفة وجب الغسل (رد المختار) یعنی جب دونوں ختنے کے مقام چھو جائیں اور
حشفہ غائب ہو جائے تو غسل واجب ہو گیا۔ اس صورت میں حشفہ بھی غائب ہو گیا
اور لذت کے احساس کی وجہ سے شرمگاہیں بھی چھو گئیں تو غسل فرض ہو گیا)
اور اگر حشفہ تو غائب ہوا مگر کپڑے کی موٹائی کی وجہ سے لذت محسوس نہ
ہوئی تو شرمگاہوں کا مس نہ پایا گیا اس لئے کہ حدیث کی دونوں شرطوں میں سے
ایک شرط نہ پائی جانے سے علی الاصح یعنی صحیح مذہب پر غسل واجب نہیں ہونا
چاہئے مگر احتیاط اسی میں ہے کہ ایک شرط کی وجہ سے واجب ہی کہا جائے۔ پس
غسل واجب ہو گا۔

فقہ حنفی کا صحیح مسئلہ یہ ہوا کہ ایسی حالت میں غسل واجب ہو گا۔

غیر مقیدین کا مذہب

علامہ وحید الزمان تحریر فرماتے ہیں۔

ولولف الحشفة بخرقة ثم اولجها فان وجد لذة الجماع اغتسل والا لا
(نزل الا برار ص ۲۳ ج ۱)

اگر حشفہ پر کپڑا لپیٹا پھر داخل کیا اگر جماع کی لذت پائی تو غسل کرے ورنہ

نہیں۔

آفتاب محمدی

بجواب

شمع محمدی



مشہور غیر مقلد مصنف مولانا محمد بن ابراہیم جو ناگزیر تھی
کی کتاب ”شمع محمدی“ کا جواب اور جو موصوف نے عزم خویش
فقہ اور حدیث کا مصنوعی تضاد ظاہر کیا تھا، اس کا
مکمل پس منظر اور قرآن و سنت کی روشنی میں
مسک احناف کی مدلل وضاحت

مرتب : پیر جی سید مشتاق علی شاہ

ناشر: مکتبہ فاروقیہ ۸ گویند گڑھ گوجرانوالہ

ہماری مطبوعات

اہل
حق

- ۱۔ میزان الحق 180
- ۲۔ مجموعہ رسائل مولانا رشید احمد گنگوہی 50
- ۳۔ حقائق الفقہ جواب حقیقۃ الفقہ [REDACTED]
- ۴۔ آفتاب محمدی جواب شمع محمدی 100
- ۵۔ افادات صفدر 100
- ۶۔ فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات 100
- ۷۔ ترجمان احناف 100
- ۸۔ رکعات تراویح 30
- ۹۔ اکٹھی تین طلاق کا شرعی حکم 30
- ۱۰۔ نور العینین فی ترک رفع یدین 30
- ۱۱۔ مسائل اربعہ 15
- ۱۲۔ سرور العینین فی تکبیرات العیدین 15
- ۱۳۔ جراہوں پر مسح غیر مقلد علماء کی نظر میں 15
- ۱۴۔ مجموعہ وظائف 81
- ۱۵۔ ۲۵ مسائل 51

گوشتہ گزشتہ
گوشتہ سال

مکتبہ فاروقیہ

ناشر

COM